جمعیت العلماء ہند

جلد اول

پروین روزینہ

جمعیت العلماء ہند

دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹ - ۱۹۴۵ء

جلد اوّل

مرتبہ

پروین روزینہ
ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت

پوسٹ بکس ۱۲۳۰ ۔ اسلام آباد

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت
(ملحقہ ادارہ جامعۂ قائد اعظم اسلام آباد)

طبع اول : ۱۹۸۰ء

قیمت : ۶۵/۰۰ روپے

ناشر : قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت

پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰ ــــــ اسلام آباد

طابع : فیض الاسلام پریس، راولپنڈی

فہرست اندراجات

پیش لفظ ۷

مقدمہ ۱۲

دستاویزات

باب اوّل

اجلاس اوّل، امرتسر، ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء ۳۱
بمطابق ۵ تا ۹ ر ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ

۱۔ کیفیت جلسہ ہائے جمعیت العلمأ ہند بمقام امرتسر، ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ تا یکم جنوری ۱۹۲۰۔ ۳۲

۲۔ اساسی اصول و اغراض و مقاصد و ضوابط جمعیت العلمأ ہند کا زیر تجویز مسودہ، جنوری ۱۹۲۰۔ ۴۱

۳۔ اغراض و مقاصد۔ ۴۸

۴۔ جمعیت العلمأ ہند کے اغراض و مقاصد اور نظام۔ ۵۰

باب دوئم

اجلاس دوئم، دہلی، ۱۹ تا ۲۱ر نومبر ۱۹۲۰ء ۵۳
بمطابق ۷ر تا ۹ر ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ

۵۔ خطبۂ صدارت از شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ ۵۴

۶۔ تجاویز۔ ۷۰

باب سوئم

اجلاس سوئم، لاہور، ۱۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء ۸۱
بمطابق ۱۷ تا ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ
۷۔ خطبۂ صدارت از مولانا ابوالکلام آزاد (تحریری)۔ ۸۲
۸۔ خطبۂ صدارت از مولانا ابوالکلام آزاد (تقریری)۔ ۱۱۶
۹۔ تجاویز۔ ۱۲۹
۱۰۔ ضمیمہ۔ ۱۳۴

باب چہارم

اجلاس چہارم، گیا، ۲۴ تا ۲۶ دسمبر ۱۹۲۲ء ۱۳۷
بمطابق ۵ تا ۷ جمادی الاوّل ۱۳۴۱ھ
۱۱۔ خطبۂ استقبالیہ از مولانا عبدالرؤف۔ ۱۳۸
۱۲۔ خطبۂ صدارت از مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی۔ ۱۴۰
۱۳۔ قرار دادیں۔ ۱۸۸

باب پنجم

اجلاس پنجم، کوکناڈا، ۲۹ دسمبر ۱۹۲۳ء ۱۹۳
بمطابق ۲۰ جمادی الاوّل ۱۳۴۲ھ
۱۴۔ خطبۂ صدارت از مولانا سید حسین احمد مدنی۔ ۱۹۴
۱۵۔ تجاویز۔ ۲۲۹

باب ششم

اجلاس خصوصی ششم، مرادآباد ۱۱ تا ۱۳ جنوری ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۵ تا ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۴۳ھ — ۲۳۵

۱۶۔ خطبۂ استقبالیہ از مولانا عبدالحفیظ۔ — ۲۳۶

۱۷۔ خطبۂ صدارت از مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نقشبندی۔ — ۲۳۸

۱۸۔ تجاویز۔ — ۳۱۶

باب ہفتم

اجلاس ہفتم، کلکتہ ۱۱ تا ۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء بمطابق ۲۵ تا ۲۸ شعبان ۱۳۴۴ھ — ۳۳۵

۱۹۔ خطبۂ صدارت از مولانا سید سلیمان ندوی۔ — ۳۳۶

۲۰۔ تجاویز۔ — ۳۷۵

باب ہشتم

اجلاس ہشتم، پشاور ۲ تا ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء بمطابق ۶ تا ۸ جمادی الآخر ۱۳۴۶ھ — ۳۸۵

۲۱۔ خطبۂ صدارت از مولانا سید محمد انور شاہ۔ — ۳۸۶

۲۲۔ تجاویز۔ — ۴۵۲

ضمیمہ جات

۴۶۳

ا۔ رپورٹ تحقیقات حوادث مالابار، اکتوبر ۱۹۲۲۔ — ۴۶۴

ب۔ مسودہ فرائض و اختیارات امیر الشریعت فی الہند ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱۔ — ۴۶۷

ج - ترک موالات کے پروگرام کے متعلق جمعیت العلمأ ہند کا فیصلہ ۲۱ دسمبر ۱۹۲۶ - ۴۸۰
د - نہرو رپورٹ پر جمعیت العلمأ ہند کی تنقید و تبصرہ ۱۹۲۸ - ۴۸۴
ہ - جمعیت العلمأ ہند کا فارمولا ۱۹۳۱ - ۵۰۱
و - جمعیت العلمأ ہند کا دوسرا فارمولا ۱۹۴۵ - ۵۰۵

پیش لفظ

کسی جماعت سے متعلق دستاویزات کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ خُطبات استقبالیہ و صدارت نیز قراردادیں نہ صرف اُس جماعت کی تاریخ کے لئے اہم ہوتی ہیں بلکہ متعلقہ دور کی سیاسیات کو سمجھنے میں بھی مدد دیتی ہیں۔ جمعیت العلمائے ہند اپنی نوعیت کی منفرد جماعت تھی۔ آزادی سے قبل جمعیت العلمائے نے سیاسیات ہند خاص طور پر مُسلم سیاست پر گہرا اثر ڈالا۔ یوں تو کسی سیاسی جماعت پر بھی خاطر خواہ تحقیقی کام نہیں ہوا لیکن جمعیت العلمائے ہند بالخصوص اس بے توجہی کا شکار رہی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ اس جماعت کا تحریک پاکستان میں مخصوص کردار تھا۔ اس کے باوجود اس جماعت کی تاریخ و ارتقا کا مطالعہ اپنی جگہ اہم ہے اور اس کے لئے اس مجموعہ میں پیش کردہ دستاویزات بُنیادی مواد فراہم کرتی ہیں۔

جمعیت العلمائے ہند کا ریکارڈ کسی ایک جگہ محفوظ نہیں۔ اس کے مرکزی دفتر میں جو مواد تھا اُس کی بُنیاد پر سید محمد میاں نے "جمعیت العلما کیا ہے؟" کے عنوان سے دو جلدیں ۱۹۴۶ء میں دہلی سے شائع کیں۔ اس وقت وہ جمعیت العلمائے ہند کے ناظم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور ایک عرصہ سے مجلس عاملہ کے رکن بھی تھے۔ غالباً ۱۹۶۹ء میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام باقاعدہ طور پر عمل میں آیا تو وہ اس کے سرپرست مقرر ہوئے اور ۱۹۷۵ء میں اپنی وفات تک سرپرست رہے۔ یہاں اُن کا ذکر کرنا میں اس لئے ضروری سمجھتی ہوں کہ جمعیت العلمائے ہند کی دستاویزات کے اس مجموعہ کو اکٹھا کرنے میں سید محمد میاں کی ان دو جلدوں نے مجھے اہم مواد فراہم کیا ہے۔

یہ دو جلدیں انہوں نے اپریل ۱۹۷۵ء میں اپنی وفات سے چند ماہ قبل میرے اصرار پر جمعیت العلماء ہند کے صدر دفتر مسجد عبد النبی دہلی سے ارسال کی تھیں "جمعیت العلماء کیا ہے؟" حصہ اول میں مختصراً جمعیت العلماء ہند کے انعقاد و تنظیم کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے جبکہ حصہ دوئم جمعیت کی قرار داد پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں صفحہ ۳۴ پر سید محمد میاں خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جمعیت کا تمام لٹریچر محفوظ نہیں رہا۔ ۱۹۴۷ء تک حکومت کی طرف سے بار بار یورش ہوتی رہی جس کے باعث دفتر کے رجسٹر تک ضائع ہو گئے۔ تاہم یہ دو جلدیں جمعیت کی تاریخ پر بھرپور روشنی ڈالتی ہیں۔
سید محمد میاں کی ایک اور کتاب "علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" بھی دو جلدوں میں دہلی سے شائع ہوئی۔ اس میں جمعیت العلماء ہند کے چند ایک اجلاسوں کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح ضیاء الحسن فاروقی بھی اپنی کتاب :-

THE DEOBAND SCHOOL AND THE DEMAND FOR PAKISTAN.

جو بمبئی سے ۱۹۶۲ء میں چھپی ہیں جمعیت العلماء کے چند اجلاسوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر مشیر الحق کی دو کتابیں بھی ہیں۔ پہلی :-

MUSLIM POLITICS IN MODERN INDIA, 1857-1947.

جو میرٹھ سے ۱۹۷۰ء میں چھپی اور دوسری :-

ISLAM IN SECULAR INDIA.

شملہ سے ۱۹۷۲ء میں چھپی۔ ان میں بھی جمعیت العلماء ہند کا تذکرہ ملتا ہے۔ البتہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک مرکزی اجلاسوں کی کل تعداد جو کہ چودہ (۱۴) ہے، کی فہرست طفیل احمد منگلوری کی کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" جو ۱۹۴۵ء میں دہلی سے چھپی، کے صفحہ ۶۸۵ تا ۶۸۷ پر دی گئی ہے۔ یہی فہرست سیّد احمد ہاشمی کی تصنیف "وقت کے تقاضے" جو دہلی سے چھپی، کے آخری ورق پر بھی تحریر ہے۔ اسی طرح سیّد محمد میاں کی کتاب "جمعیت العلماء کیا ہے؟" حصہ دوئم میں بھی جمعیت کے چودہ (۱۴) مرکزی اجلاسوں کی قرار دادوں کا ذکر ہے۔ ان حوالوں سے یہ تصدیق ہو جاتی ہے کہ جمعیت کے عام مرکزی اجلاس تعداد میں چودہ (۱۴) تھے۔ یہ اجلاس شروع میں کچھ عرصہ سالانہ ہوتے رہے پھر ان میں ایک ایک یا دو دو سالوں کا وقفہ بھی آتا رہا۔ جمعیت العلماء ہند کا دسواں اجلاس ۳۱ مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۳ء کو کراچی میں ہوا۔ کراچی

کے اس اجلاس کے بعد اراکین جمعیت العلماء کے بار بار جیلوں میں جانے اور سرکاری افسروں کے مسلسل حملوں سے دفتر جمعیت کے برباد ہونے اور دیگر نا قابل برداشت مصائب کی وجہ سے اس کے سالانہ اجلاسوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تاہم مجلس عاملہ کے جلسے اور بعض صوبوں کے اجلاس بڑے اہتمام سے ہوتے رہے۔ بالآخر اجلاس کراچی کے آٹھ سال بعد ۳ تا ۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو گیارھواں اجلاس بصدارت مولانا عبد الحق مدنی بمقام دہلی منعقد ہوا۔ اسی طرح آئندہ اجلاس بھی باقاعدگی سے سالانہ نہ ہوئے۔

مرکزی اجلاسوں کی دستاویزات مکمل اور جامع صورت میں پہلے کہیں بھی کسی ادارے سے شائع نہیں ہوئیں۔ مجموعہ ہذا میں شامل دستاویزات کی فراہمی خاصہ مشکل مرحلہ تھا۔ ان کے حصول کے لئے مجھے طویل خط و کتابت کرنے کے علاوہ کئی ایک ذاتی کتب خانوں میں مواد کا مطالعہ بھی کرنا پڑا اور بعض اوقات متعلقہ مواد کے فراہم نہ ہونے کی صورت میں مایوسی سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ چند ایک دستاویزات لاہور، پشاور اور راولپنڈی کے کتب خانوں سے ملیں۔ کچھ مواد ہمعصر اخبارات اور انڈین اینول رجسٹر (INDIAN ANNUAL REGISTER) سے لیا گیا ہے نیز چند ایک خطبات جو ذاتی کتب خانوں سے ملے درج ذیل ہیں۔

جمعیت العلماء ہند کے دسویں اجلاس عام منعقدہ ۳۱ مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۱ء بمقام کراچی کا خطبۂ استقبالیہ جو مولانا محمد صادق نے پڑھا۔ مولانا محمد صادق کے صاحبزادے حافظ محمد اسمٰعیل (صدر و مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ مظہر العلوم، محلہ کھڈہ کراچی) نے اپنے ذاتی کتب خانے سے ارسال کیا۔ جمعیت العلماء ہند کے گیارھویں اجلاس عام منعقدہ ۳ تا ۶ مارچ بمقام دہلی کا خطبۂ استقبالیہ، بارھویں اجلاس عام منعقدہ ۷ تا ۹ جون ۱۹۴۰ء بمقام جونپور کا خطبۂ صدارت اور چودھویں اجلاس عام منعقدہ ۴ تا ۷ مئی ۱۹۴۵ء بمقام سہارنپور کا خطبۂ صدارت مولانا عبید اللہ انور (صدر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور) نے مولانا زاہد الراشدی (سیکرٹری اطلاعات جمعیت العلماء اسلام پنجاب) کی وساطت سے فراہم کئے۔

اس مجموعہ میں جمعیت کے کل چودہ (۱۴) عام اجلاسوں سے متعلق دستاویزات شامل ہیں۔ ہر ایک اجلاس کا علیحدہ باب ہے اور ہر باب میں ترتیب یہ ہے۔ سب سے پہلے خطبۂ استقبالیہ اس کے

بعد خطبۂ صدارت اور پھر اس اجلاس میں منظور شدہ تجاویز (قراردادوں) کا متن۔ اس مجموعہ کے متن میں
میں نے بعض جگہ ہجری کے مدِ مقابل عیسوی تاریخیں اور جہاں انگریزی کے نام اردو میں دیئے گئے
ہیں اُن کے مدِ مقابل انگریزی نام دیئے ہیں ان دونوں مراحل کو مربع قوسین میں دیا گیا ہے تاکہ قارئین
کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ سارا مواد اتنا وسیع ہے کہ اس کا ایک جلد میں احاطہ ممکن نہیں،
اس لئے اس کو دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جلد اوّل میں ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۷ء تک کے اجلاسوں
کی دستاویزات شامل ہیں۔ ہر دو جلدوں میں ترتیب ایک ہی ہے نیز ہر جلد کے آخر میں چند ضمیمہ جات
بھی دیئے گئے ہیں جو متن کے مضمون سے متعلق ہیں۔ چونکہ دونوں جلدوں کے صفحات لگاتار ہیں
اس لئے دونوں جلدوں کا تفصیلی اشاریہ جلد دوئم کے آخر میں دیا گیا ہے۔

یہاں میں چند ایک نکات کی بھی وضاحت کرنا چاہوں گی۔

(ا) جمعیت العلمائے ہند کے پہلے اجلاسِ عام منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء
بصدارت مولانا عبد الباری فرنگی محلی بمقام امرتسر کا خطبۂ صدارت انتہائی کاوش کے باوجود دستیاب
نہیں ہو سکا اگر مل گیا تو آئندہ اشاعت میں اسے بھی شامل کیا جائیگا۔

علاوہ ازیں تمام خطباتِ صدارت بمع قراردادوں کے شاملِ کتاب ہیں۔

(ب) تمام اجلاسوں کے خطباتِ استقبالیہ فراہم نہیں ہو سکے۔ چند ایک جو دستیاب
ہوئے اس مجموعہ میں شامل کئے گئے ہیں۔

(ج) جمعیت العلمائے ہند کے اساسی اصول و اغراض و مقاصد و ضوابط کا زیرِ تجویز مسودہ
جنوری ۱۹۲۰ء، جمعیت کے پہلے اجلاسِ عام میں تیار ہوا تھا۔ یہ مسودہ ۱۹۲۱ء میں منظور ہو
گیا جیسا کہ کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۹ سے ظاہر ہے۔ ان اصول و ضوابط میں وقتاً فوقتاً ترامیم بھی
ہوتی رہیں۔ ۲۰ جون ۱۹۲۳ء کو مجلس عاملہ جمعیت العلمائے ہند کے اجلاس میں چند ایک ترامیم کے
بعد اس مسودہ کو جمعیت منتظمہ کے اجلاس میں پیش کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جیسا کہ "جمعیت العلما
کیا ہے؟" حصہ دوئم کے صفحہ ۵۹ سے ظاہر ہے۔ پھر ۱۹۲۹ء میں بھی چند ایک ترامیم کی گئیں جس کا
حوالہ "جمعیت العلما کیا ہے؟" حصہ اول کے صفحہ ۱۰ تا ۱۱ میں ملتا ہے۔ اساسی اصول و اغراض
و مقاصد و ضوابط کا زیرِ تجویز مسودہ اور ترامیم بمع تاریخ، ماہ و سال کتاب ہذا باب اوّل میں موجود

ہیں۔ چند ایک ترامیم جن کی صحیح تاریخ کا تعین نہ ہو سکا انہیں بھی باب اوّل کے آخر میں ہی شامل کیا گیا ہے۔

آخر میں میں مولانا سید محمد میاں مرحوم، مولانا حامد میاں، مولانا عبید اللہ انور، مولانا زاہد الراشدی، مولانا حافظ اسماعیل اور پروفیسر احمد سعید (ایم اے او کالج لاہور) کی تہ دل سے ممنون ہوں، جنہوں نے اس مواد کی فراہمی میں میری مدد فرمائی۔ میں ڈاکٹر این۔ اے۔ بلوچ، ڈائریکٹر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ڈاکٹر کے۔ کے عزیز، ڈاکٹر ایم۔ رفیق افضل، ڈاکٹر اے۔ ڈی۔ مظفر اور محمود احمد غازی (ادارہ تحقیقات اسلامی) کی بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے ان دو جلدوں کی ترتیب و تدوین میں میری ہر ممکن رہنمائی کی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

پروین روزینہ

اسلام آباد۔ ۲۵ جولائی ۱۹۸۰ء

مقدمہ

برصغیر جنوبی ایشیا میں آزادی کی پہلی تحریک سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی زیر قیادت شروع ہوئی۔ یہ خالصتاً مذہبی تحریک تھی جس میں علما نے بھرپور کردار ادا کیا ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ بمطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو ان دو بزرگ شخصیتوں کی شہادت[1] سے اس تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس کے بعد علما نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس جنگ میں ناکامی کے بعد صادق پور کے علما نے سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کو جاری رکھا۔ ان علما کی جدوجہد بھی ۱۸۶۲ء کے مقدمۂ انبالہ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ ان مسلسل ناکامیوں کے بعد علما نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان میں سے چند ایک نے ۱۸۶۷ء میں دیوبند میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی[2] جو جلد ہی مذہبی اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ کافی عرصہ تک علما نے نہ صرف عملی سیاست میں کوئی حصہ نہ لیا بلکہ سیاسی موضوعات پر تبصرے سے بھی گریز کیا۔ ۱۹۰۵ء میں جب شیخ الہند مولانا محمود حسن نے دارالعلوم دیوبند کی قیادت سنبھالی تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ انہوں نے سیاسی نوعیت کا کام بھی شروع کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستان کی آزادی کا ایک منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے حصول کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان بھیجا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس منصوبے پر عمل ہوتا، انگریز حکومت کو اس کا علم ہو گیا اور اس کی پاداش میں مولانا محمود حسن کو مالٹا میں نظر بند کر

---

[1] غلام رسول مہر، سید احمد شہید، لاہور (۱۹۵۴ء)، ص ۴۰۴؛ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، جلد دوم، کراچی، ۱۹۷۴ء، ص ۲۴۴۔

[2] مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، حصہ دوم، دیوبند، ۱۳۷۳ھ، ص ۳۱۹ - ۳۲۰۔

دیا گیا[1] اور ان کے دوسرے رفقائے کار کو بھی مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں۔

دنیائے اسلام کے خلاف یورپی استعماری طاقتوں کی چیرہ دستیاں علما کے لئے باعث تشویش تھیں۔ جب پہلی جنگ عظیم میں ترکوں نے اتحادیوں کے خلاف حصہ لیا تو برصغیر کے مسلمان بالعموم اور علما بالخصوص عثمانی خلافت کے تحفظ کے لئے فکرمند ہوئے۔ انہوں نے حکومت برطانیہ سے جنگ کے بعد خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے تحفظ کا مطالبہ کیا۔ یہ اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ علما نے گوشہ نشینی کی زندگی ترک کی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے باقاعدگی کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ لیکن انہیں جلد ہی احساس ہوا کہ مسلم لیگ ان کے مقاصد کے حصول کے لئے موزوں جماعت نہیں ہے اور یہ کہ انہیں اپنی ایک علیحدہ تنظیم بنانی چاہیے۔

۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء[2] کو دہلی میں خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس اس غرض سے منعقد ہوا کہ اتحادیوں اور حکومت برطانیہ سے ان وعدوں کے ایفا کا مطالبہ کیا جائے جو انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کے دوران کئے تھے۔ خلافت کانفرنس کے اس اجلاس میں برصغیر کے تمام صوبوں سے علما کی ایک معتدبہ جماعت دہلی میں جمع ہوئی۔ جب علما خلافت کانفرنس سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک علیحدہ جلسہ منعقد کیا جس میں پچیس علما نے شرکت کی۔ شرکا میں درج ذیل علما شامل تھے[3]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ مولانا محمد انیس۔ پیر محمد امام سندھی۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ مولانا قدیر بخش بدایونی۔ مولانا خدا بخش مظفر پوری۔ مولانا محمد اکرم۔ مولانا سید محمد داؤد۔ مولانا سلامت اللہ۔ مولانا اسد اللہ سندھی۔ مولانا خواجہ غلام نظام الدین بدایونی۔ مولانا حافظ احمد سعید دہلوی۔ مولانا تاج محمد۔ مولانا مولا بخش امرتسری۔ مولانا منیر الزماں۔ مولانا سید اسماعیل۔ مولانا آزاد سبحانی۔

---

[1] حسین احمد مدنی، سفرنامہ اسیر مالٹا و حیات محمود و سوانح شیخ الہند، دہلی، ت۔ن، ص ۸۴۔۲۲، ۱۰۰۔۹۸
محمد میاں، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، دہلی، ت۔ن، ص ۹۰۔۹۲
ZIYA-UL-HASAN FARUQI, THE DEOBAND SCHOOL AND THE DEMAND FOR PAKISTAN, BOMBAY, 1962, PP. 55-60.

[2] طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، دہلی، ۱۹۴۵ء، ص ۵۲۹۔

[3] محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے؟، حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۸۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ۔ مولانا سید محمد فاخر (الہ آباد)۔ مولانا محمد کفایت اللہ۔
مولانا سید کمال الدین۔ مولانا محمد ابراہیم (دربھنگہ)۔ مولانا عبدالحکیم گیاوی۔
مولانا محمد صادق (کراچی) اور مولانا محمد عبداللہ۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ کی تحریک اور مولانا منیر الزماں و دیگر حاضرین کی تائید سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی جلسے کے صدر مقرر ہوئے[1]۔ اس کے بعد بدلتے ہوئے حالات اور علماء کے کردار پر بحث و مباحثہ شروع ہوا اور یہ کہا گیا کہ ہندوستان کے مختلف گروہوں اور اقوام کی انجمنیں قائم ہیں اور ہو رہی ہیں لیکن علماء نے ابھی تک کوئی جماعت یا انجمن قائم نہیں کی۔ ایک طویل بحث کے بعد تمام حاضرین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ علماء کی جماعت بھی ان امور میں جن پر تقریباً تمام مذہبی فرقوں میں اتفاق ہے، اسی وقت متفقہ لائحہ عمل اختیار کر سکتی ہے جب ان کی اپنی ایک مضبوط اور مقتدر جماعت قائم ہو۔ تمام حاضرین جلسہ نے باتفاق منظور کیا کہ ایک جمعیت قائم کی جائے جس کا نام "جمعیۃ علماء ہند"[2] رکھا جائے۔ جو تمام ہندوستان میں کام کرے اور ہر گوشۂ ملک میں اس کے ارکان اور شاخیں ہوں اور مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے ذرائع و وسائل پر غور کر کے سچی مذہبی خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرے۔

چنانچہ اسی وقت تمام حاضرین نے جمعیت کی رکنیت منظور کر لی اور اس طرح جمعیت العلماء ہند قائم ہو گئی۔ اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دسمبر کی آخری تاریخوں میں مسلم لیگ کا جو اجلاس امرتسر میں ہونے والا ہے اور جس میں مسئلہ خلافت اور ترکی کے مسائل پر بحث کی غرض سے علماء اسلام کی ایک معقول تعداد جمع ہونے والی ہے وہاں جمعیت العلماء ہند کا باقاعدہ اجلاس منعقد کیا جائے اور ابتدائی مراحل طے کئے جائیں۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ نے تجویز پیش کی کہ جمعیت العلماء ہند کا عارضی صدر اور عارضی ناظم مقرر کر لیا جائے تاکہ امور ضروریہ کے انصرام کی ایک آسان سبیل میسر ہو جائے اور صدارت کے لئے مولانا محمد کفایت اللہ کا نام اور نظامت کے لئے مولانا حافظ محمد سعید کا نام پیش کیا۔ مولانا محمد کفایت اللہ نے اس ذمہ داری کو سنبھالنے سے معذرت کی لیکن علماء کے

---

[1] محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟، حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۵-۶۔
[2] ایضاً، ص ۷۔

اصرار پر انہیں یہ عہدہ منظور کرنا پڑا۔ مولانا حافظ احمد سعید نے بھی نظامت قبول کر لی۔[۱]
مولانا محمد کفایت اللہ تقریباً بیس سال تک جمعیت العلمائے ہند کے مستقل صدر رہے۔[۲]
صدر اور ناظم کے انتخاب کے بعد جمعیت العلماء کے اغراض و مقاصد و ضوابط کا مسوّدہ تیار کرنے کا کام مولانا محمد اکرم خان (ایڈیٹر اخبار محمدی) اور مولانا محمد کفایت اللہ کے سپرد کیا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ یہ مسوّدہ امرتسر میں منعقد ہونے والے اجلاس میں پیش کریں۔

جمعیت العلماء ہند کا پہلا اجلاس عام ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء سے یکم جنوری ۱۹۲۰ء تک مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی زیر صدارت امرتسر میں منعقد ہوا۔ جس میں مولانا کفایت اللہ نے جمعیت العلماء ہند کے اغراض و مقاصد و ضوابط کا مسوّدہ پیش کیا۔ اس مسوّدہ میں جمعیت کی تنظیم و تشکیل، اغراض و مقاصد و ضوابط کے ضمن میں درج ذیل فیصلے کئے گئے۔[۳]

جمعیت العلماء ہند کا صدر دفتر دہلی میں ہوگا اور سوائے مرکزی جمعیت العلماء ہند کے کسی بھی ماتحت جمعیت کے نام کے ساتھ لفظ "ہند" نہیں لکھا جائے گا۔ جمعیت کی ایک مہر ہوگی جس پر "جمعیت العلماء ہند" کندہ ہوگا۔ جمعیت العلماء ہند کے ارکان تین قسم کے ہوں گے۔

(۱) طبقہ علمائے اسلام یعنی وہ اہل علم حضرات جنہوں نے کسی باقاعدہ مدرسے میں یا کسی مستند عالم سے علوم دینیہ عربیہ کی تکمیل کی ہو۔

(۲) طبقہ واعظین اسلام یعنی وہ اہل علم حضرات جنہوں نے علوم دینیہ عربیہ کی تحصیل یا تکمیل تو نہیں کی لیکن مذہبی معلومات پر وعظ و تقریر

---

۱ : ایضاً ص ۹۴۔

۲ : جمعیت العلماء ہند کے دستور میں ضروری نہیں تھا کہ جمعیت کا مستقل صدر ہی اجلاس عام کی صدارت کرے بلکہ جلسہ عام کی صدارت کے لئے دیگر علماء منتخب کئے جاتے۔ عام اجلاسوں کی صدارت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا انور شاہ اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اکابر علماء کرتے رہے۔ دیکھئے: محمد میاں، علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ دوئم، دہلی، ت ن، ص ۲۰۷-۲۰۸، نیز احمد ہاشمی، وقت کے تقاضے، دہلی، ت ن، آخری ورق۔

۳ : تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب ہذا ص ۱۳۱-۱۴۷

کیا کرتے ہیں۔

دیگر معززین و عامۂ اہل اسلام ہر امید وار رکنیت کو ایک تحریری درخواست اس فارم پر جو دفتر جمعیت سے ملے گا یا بھی جیسے نمونہ پر اپنے دستخطوں سے دفتر جمعیت میں بھیجنا ہوگی۔ یہ درخواست مجلس انتظامیہ میں پیش ہوگی اور مجلس انتظامیہ کا فیصلہ اس کے بارے میں قطعی ہوگا۔ ہر ممبر کو تین روپیہ سالانہ چندہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کے عہدہ داران میں صدر، نائب صدر، ناظم، نائب ناظم و معین ناظم اور امین جمعیت العلمأ ہند شامل ہوں گے۔

مختلف صوبوں میں ۱۲ سے ۱۶ تک نائب صدر ہو سکتے ہیں۔ نائب ناظم و معین ناظم کی تعداد ۵ تک ہو سکتی ہے۔ یہ عہدیداران جمعیت اس کے عام جلسے میں باقاعدہ منتخب کئے جائیں گے اور دو سال تک اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے مگر ان کا تین مرتبہ مسلسل انتخاب مکرر ہو سکے گا۔ صدر و نائب صدر کا انتخاب طبقہ اولیٰ میں سے ہونا لازمی ہے۔ جمعیت العلمأ ہند کی مجلس منتظمہ اس کے ارکان میں سے بپابندی قواعد ذیل مقرر کی جائے گی۔

(۱) منتظمہ جماعت زیادہ سے زیادہ ۱۳۲ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ ان میں سے لازمی طور پر ۸۸ ارکان طبقۂ اولیٰ کے اور ۴۴ طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے لئے جائیں گے اور دو سال تک اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے مگر ان کا تین مرتبہ مسلسل انتخاب مکرر ہو سکے گا۔

(۲) منتظمہ جماعت کے ارکان کا انتخاب حسب ذیل صوبوں سے ہوگا۔

صوبہ دہلی۔	صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ۔
صوبہ آسام۔	صوبہ بہار۔
صوبہ بمبئی۔	صوبہ برار۔
صوبہ سندھ۔	صوبہ پنجاب۔
ریاستہائے ہند	صوبہ سرحدی۔

صوبہ بنگال۔ صوبہ برما اور صوبہ مدراس۔

(۳) ہر صوبہ کے ارکان کا انتخاب اس صوبہ کی جمعیت العلماء ہند کریگی لیکن اگر کسی صوبہ میں جمعیت العلماء قائم نہ ہو تو جمعیت العلماء ہند کی مجلسِ عام اُس صوبہ کے نائبین کا انتخاب کرے گی۔

مجلسِ انتظامیہ کے اختیارات حسب ذیل ہوں گے!

(ا) جمعیت العلماء ہند کے ارکان کا انتخاب۔

(ب) جمعیت العلماء ہند کے جلسے منعقد کرنا۔

(ج) جمعیت العلماء ہند کی مجلس عام کے لئے صدر منتخب کرنا لیکن انتخاب صدارت میں اسی صوبہ کی جمعیت العلماء سے جس میں مجلسِ عام منعقد ہونے والی ہے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔

(د) جمعیت العلماء ہند کے مقاصد کے حصول میں جو معلومات مفید اور ضروری ہوں انہیں بہم پہنچانا۔

(ھ) منظور شدہ تجاویز کو عمل میں لانے کی ضروری تدابیر اختیار کرنا۔

(و) اپنے اختیارات و فرائض کی انجام دہی کے لئے خاص خاص ماتحت جماعتیں (سب کمیٹیاں) بنانا۔

(ز) مقامی اور صوبہ وار جمعیتوں اور انجمنوں کو جمعیت العلماء ہند کے ساتھ ملحق کرنا اور ان کے الحاق کو منسوخ کرنا۔

(ح) جمعیت کے سرمایہ کی نگرانی کرنا اور حسب قواعد اُس کو صرف کرنا۔

جمعیت العلماء ہند کا ہر سال ایک عام جلسہ منعقد کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی مجلس عام منعقد ہو سکے گی بشرطیکہ مجلس انتظامیہ کا ۲/۱ حصہ اس کے انعقاد کو ضروری سمجھے۔ مجلس عام کے کاموں میں مجلس انتظامیہ کا انتخاب، قوانین و ضوابط بنانا، ترامیم کرنا یا منسوخ کرنا، عہدہ داران جماعت کا انتخاب کرنا اور اغراض و مقاصد جمعیت کے متعلق تجاویز پاس کرانا شامل ہوگا۔ مجلس عام میں

ایک تہائی ممبروں کی موجودگی تکمیل نصاب کے لئے کافی ہوگی بشرطیکہ موجودہ ممبروں میں دو تہائی ممبر طبقہ اولی کے ہوں۔ اسی طرح مجلس انتظامیہ کے جلسوں میں ۶ ممبروں کی موجودگی پر نصاب پورا سمجھا جائے گا اور اگر پہلے جلسے میں باوجود اطلاع جاری ہونے کے نصاب پورا نہ ہو تو دوبارہ صرف دو ممبروں کی موجودگی کافی سمجھی جائے گی۔ الغرض جمعیت العلماء ہند کی تشکیل و تنظیم میں جمعیت العلماء ہند کی دیگر مجالس و سرمایہ وغیرہ کے متعلق متفرق قواعد بھی شامل کئے گئے۔

اسی طرح جمعیت العلماء ہند کے مختلف شعبے بھی ہیں جن میں سے چند ایک ۱۹۴۷ء سے قبل وجود میں آئے اور بیشتر کی باقاعدہ تشکیل ۱۹۴۷ء کے بعد ہوئی ان میں سے قابل ذکر اخبار الجمعیۃ، الجمعیۃ بکڈپو، الجمعیۃ پریس، مجلس تعارف اسلام، ادارۃ المباحث الفقہیہ اور محمودیہ لائبریری ہیں۔

جمعیت العلماء ہند کے تین شعبے اخبار الجمعیۃ، الجمعیۃ بکڈپو اور الجمعیۃ پریس ایک ٹرسٹ کے تحت کام کر رہے ہیں۔ اس ٹرسٹ کا نام جمعیت ٹرسٹ سوسائٹی ہے۔ ان میں سے اول الذکر دو شعبے جمعیت بلڈنگ گلی قاسم جان دہلی میں واقع ہیں اور تیسرا شعبہ الجمعیۃ پریس محلہ رودگراں میں ہے۔

اخبار الجمعیۃ کا اجراء ۱۹۲۵ء[1] میں عمل میں آیا اس اخبار نے جدوجہد آزادی میں پورا پورا حصہ لیا اور اس کی حق گوئی اور بیباکی کے باعث حکومت وقت اس سے ناراض بھی رہی۔

الجمعیۃ بکڈپو جمعیت العلماء ہند کا معاون ادارہ ہے۔ جمعیت العلماء ہند اشاعت دین اور دینی تعلیم کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ الجمعیۃ بکڈپو نے عام فہم اور دلنشیں انداز میں ایسی کتابیں شائع کی ہیں جن کے ذریعہ بہ آسانی گھر گھر اللہ کے دین کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔ مگر الجمعیۃ پریس باقاعدہ طور پر ۱۹۴۷ء کے بعد وجود میں آیا۔

یہاں مجلس تعارف اسلام کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہندو مسلم اتحاد کی وہ فضا جو تحریک خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئی تھی شدھی اور سنگھٹن کے زور، آریہ سماجیوں کے

---

[1] اسعد مدنی، گیا سے دلی تک، دہلی، ت ن، ص ۴۴۳۔

بھرت پور و آگرہ وغیرہ میں نو مسلم راجپوتوں کو فریب سے مرتد کرنے کے باعث اب نہ رہی تھی۔ اس عرصہ میں جمعیت العلمأ ہند نے شعبۂ تبلیغ قائم کیا جس نے اس پروپیگنڈا سے نپٹنے کے لئے زور و شور سے کام شروع کیا۔ اسلام سے واقفیت اور آئندہ نسلوں میں دین و ایمان کا احساس پیدا کرنے کے لئے ڈیڑھ سو سے زیادہ مدرسے اور شبینہ مکاتب قائم کئے۔

اسی طرح ادارۃ المباحث الفقہیہ ہے۔ ہندوستان میں بعض معاملات ایسے بھی ہیں جن کا شرعی حیثیت سے جائزہ لینا اور شریعت اسلامی کی روشنی میں فیصلہ کر کے عامۃ المسلمین کی رہنمائی کرنا ضروری ہے۔ یوں بھی یہ امر جمعیت العلمأ ہند کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کہ قومی و ملکی معاملات اور سیاسی امور میں ہندوستانی مسلمانوں کی مذہب کی روشنی میں رہنمائی کی جائے۔ یہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ایک مستقل ادارہ قائم کیا جائے جو ملک کے گوشے گوشے میں خدمت دین کے کاموں میں مصروف مشاہیر علمأ کرام اور فقہا سے رابطہ قائم کرے۔ ملک کو درپیش مسائل پر استفتأ حاصل کرے اور پھر اس مسئلہ میں فیصلہ کے لئے ضروری اجتماعات کا اہتمام کر کے مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کرے۔ ان حالات میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام عمل میں آیا۔ ادارہ مذکور برابر کام کر رہا ہے۔[1]

جمعیت العلمأ ہند کی ایک لائبریری بھی ہے جو محمودیہ لائبریری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لائبریری مرکزی دفتر مسجد عبد النبیؐ میں اگرچہ ایک خاصے بڑے کمرے میں ہے لیکن وہ جگہ ایک اچھی لائبریری اور جدید ڈھنگ پر اس کے نظم و ترتیب کے لئے ناکافی ہے۔[2]

جمعیت العلمأ ہند کے انعقاد، تشکیل و تنظیم اور مختلف شعبوں کے ذکر کے بعد جمعیت العلمأ ہند کے سیاسی، مذہبی، تعلیمی، تبلیغی اور سماجی پہلوؤں کا تذکرہ خصوصی توجہ اور اہمیت کا حامل ہے۔

جمعیت العلمأ ہند کے قیام سے حسب ذیل مقاصد بھی مقصود تھے جو بنیادی

---

[1] : ایضاً، ۹۳۔

[2] : ایضاً، ۸۲۔

حیثیت رکھتے ہیں۔

(ا) ہر قسم کے خارجی اثرات کی (جن سے مذہب اسلام یا مشترکہ اسلامی قومیت کی تضعیف یا توہین ہوتی ہو) آئینی حدود کے اندر رہ کر مدافعت کرنا۔

(ب) عامۂ اہلِ اسلام کی مذہبی نقطۂ نظر سے آئینی طریق پر سیاسی وغیر سیاسی معاملات میں رہنمائی کرنا۔

(ج) مشترکہ مذہبی و قومی اغراض میں مسلمانوں کے متفق رہنے کی کوشش کرنا۔

(د) دیگر غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ بمقتضائے فطرت و اتباعِ احکام شریعت ہمدردی و اتفاق کو ترقی دینا۔

(ر) ہندوستان کو آزاد کرانے کی جدوجہد۔[1]

جس وقت جمعیت العلماء ہند معرضِ وجود میں آئی اس وقت تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ اتحادی طاقتوں نے ترکی کی قسمت کا فیصلہ مسلمانانِ ہند کے مطالبات اور جذبات کا خیال کئے بغیر کر دیا تو خلافت کمیٹی نے عدم تعاون و ترک موالات کی تحریک شروع کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مہاتما گاندھی اس میں پیش پیش تھے۔ جمعیت العلماء ہند نے اپنے دوسرے اجلاسِ عام منعقدہ ۱۹۲۰ء بمقام دہلی ترک موالات کا فتویٰ (جس پر ۴۷۴ علمائے کرام نے دستخط کئے) جاری کیا کہ ایسی ملازمت جس میں دشمنانِ دین کی امداد اور اعانت ہو اور اپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے وہ قطعاً حرام ہے۔ یہ فتویٰ اور اس کا خلاصہ شائع کروا کر تقسیم کروا دیا گیا۔ ۸ اگست ۱۹۲۱ء کو متفقہ فتویٰ اور اس کا خلاصہ حکومت نے ضبط کر لیا لیکن جمعیت نے اسے بار بار شائع کروا کر قانون شکنی کی۔ اس جرم کی پاداش میں وسط ستمبر ۱۹۲۱ء میں بہت سی گرفتاریاں ہوئیں۔ مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا حسین احمد مدنی، پیر غلام مجدد، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا نثار احمد گرفتار ہونے والوں میں سے تھے۔ ان پر کراچی کا مشہور مقدمہ چلا۔[2]

---

[1]: محمد میاں، "جمعیت العلماء کیا ہے؟" حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۶، ۴۴ -

[2]: ایضاً، ص ۳۰ - ۳۱ -

ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت میں جمعیت العلماءِ ہند اور کانگریس پیش پیش تھیں۔ ایک نہایت ہی اہم پہلو جو یہاں قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ جمعیت کانگریس سے اس وقت بھرپور تعاون کرتی ہے جب اسے ہندوستان کی آزادی کے آثار نمایاں نظر آ رہے ہوں جو کہ اس کے مقاصد کا ایک اہم جزو ہے۔ چونکہ جمعیت العلماءِ ہند ہندوستان کی آزادی کے لئے کانگریس کے دوش بدوش برسرِ پیکار تھی لہٰذا تحریکِ خلافت کے دوران کانگریس کو اس کی کھلی حمایت حاصل تھی کیونکہ جمعیت اس کو ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتی تھی۔

۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۹ء تک کا عرصہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا زمانہ تھا اور جمعیت کا مطمحِ نظر بھی اسی طرح فرقہ وارانہ تھا جس طرح مسلم لیگ یا کسی بھی اور مسلم جماعت کا ہو سکتا ہے[1]۔ یہ فسادات کچھ اس نوعیت کے تھے۔

(ا) مالابار میں موپلا بغاوت۔

(ب) شدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں جو ہندو مہاسبھائی چلا رہے تھے۔

(ج) مسجد کے آگے باجا بجانے، گائے کی قربانی اور ذبح پر ہندو مسلم اختلاف۔

(د) قادیانی فتنہ جو اسلام کے لئے ایک مسئلہ تھا۔

ہندو مسلم اتحاد و اتفاق کی وہ فضا جو تحریکِ خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئی تھی وہ ہندو مشنری پروپیگنڈا کے باعث اب نہ رہی تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر جمعیت العلماءِ ہند نے ایک تبلیغی شعبہ قائم کیا تاکہ اسلام کی حفاظت کی جا سکے اور ہندوؤں کی تبلیغی کارروائیوں کو رد کیا جا سکے یہاں تک کہ ترکِ موالات کا وہ فتویٰ جو ۱۹۲۰ء میں شائع کیا گیا تھا وہ بھی واپس لے لیا گیا[2]۔ اسی عرصہ میں جمعیت نے شخصی اور ذاتی قوانین کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی۔

یہی وہ وقت تھا جبکہ حکومت انگلستان نے ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن روانہ کرنے کا

---

[1] : ایضاً، ۴۴، ۵-۱۲۸۔

[2] : ایضاً، ۴۴، ۱۲-۱۳۰۔

فیصلہ کیا تاکہ ۱۹۱۹ء کے حکومت ہند کے قانون کی کارکردگی کا مطالبہ کیا جائے اور ضروری دستوری اصلاحات کی سفارشات حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کی جائیں۔ چونکہ اس کے تمام ممبر برطانوی پارلیمنٹ میں سے تھے اس میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہ کیا گیا تھا اس لئے جمعیت نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا اور اپنے اجلاس عام منعقدہ ۵ دسمبر ۱۹۲۷ء میں تجویز نمبر ۲۴ پاس کی[۱] جس میں یہ کہا گیا کہ ہندوستان کی حکومت کا دستور اساسی وضع کرنے کا حق صرف ہندوستانیوں کو ہے اور کسی اجنبی قوم کو ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہندو مسلمان سب مل کر متحدہ قوت کے ساتھ آنے والے کمیشن کا مقاطعہ کریں۔

جمعیت العلما ہند کے اس فیصلے کے بعد کانگریس نے اپنے اجلاس مدراس میں سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ مگر مسلم لیگ میں اس مسئلہ کی وجہ سے پھوٹ پڑ گئی یہاں تک کہ مسلم لیگ کے دو حصے ہو گئے ایک جناح لیگ جس نے جمعیت کے فیصلے کی پیروی کی۔ دوسری شفیع لیگ جس نے سائمن کمیشن سے تعاون کیا[۲]۔ مگر غنیمت ہے کہ سائمن کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات پیش ہونے کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سمجھوتہ کی کوششیں بھی جاری ہیں اس کی ابتدا کانگریس کے اجلاس گوہاٹی سے ہوئی جو دسمبر ۱۹۲۶ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے بعد ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو اسمبلی کے اجلاس کے زمانے میں دہلی میں چند مسلمان لیڈروں کا جلسہ قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ ہوا کہ مخلوط انتخاب ماننے کے لئے حسب ذیل شرائط ہوں۔

۱۔ سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

۲۔ بلوچستان اور صوبۂ سرحدی میں دیگر صوبوں کی طرح اصلاحات جاری کی جائیں۔

۳۔ پنجاب اور بنگال میں مختلف قوموں کے ممبران کونسل کی تعداد ان کی آبادی کے مطابق ہو۔

۴۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمان ممبروں کی تعداد ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

لہ : دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۶۱

لہ : محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے، حصہ اول، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۲۲۔

کانگریس نے شروع شروع میں اس فیصلے پر مسرت کا اظہار کیا۔ مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۲۷ء بمقام کلکتہ میں مندرجہ بالا تجاویز میں مذہبی آزادی اور تین چوتھائی ممبروں کی رائے سے کسی تجویز کے خارج از بحث ہونے کی شرط کا اضافہ کر کے انہیں منظور کر لیا[1]۔ پھر تمام ہندوستان کی مختلف قوموں کی سیاسی جماعتوں کو مدعو کیا گیا اور ۱۲ فروری ۱۹۲۸ء کو دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس ہوئی جس نے ان معاملات کو طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی پنڈت موتی لعل نہرو کی سرکردگی میں مقرر کی۔ اس نے ایک رپورٹ تیار کی جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ رپورٹ آل پارٹیز کانفرنس کے مشہور جلسہ منعقدہ لکھنؤ ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو اس شرط کے ساتھ کہ جواہر لعل نہرو اور مسٹر سوبھاش چندر بوس اپنے "آزادی کامل" کے مطالبہ کو نہ چھوڑیں گے، منظور ہو گئی۔ مگر کانگریس نے سندھ کی علیحدگی کی مخالفت کی لہٰذا مسلم لیگ اور کانگریس میں رسہ کشی شروع ہو گئی۔

کنونشن نے نہرو رپورٹ کو منظور کر لیا اور کہا کہ اگر پارلیمنٹ نے اسے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک منظور نہ کیا تو کانگریس پُرامن ترک موالات شروع کر دے گی۔ نہرو رپورٹ پارلیمنٹ میں نامنظور ہوئی اور کانگریس نے اپنے اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۳۰ء میں ہندوستان کی مکمل آزادی کی تجویز منظور کر لی اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک میں جمعیت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جمعیت العلماء ہند نے اپنے ۲۷ اگست ۱۹۲۸ء کے مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایک کمیٹی مقرر کی جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ نہرو رپورٹ پر کامل طور پر غور کر کے مکمل تبصرہ کرے[2] اور وہ تبصرہ جمعیت مرکزیہ کے ارکان کو بھیج کر ان کی قطعی رائے حاصل کرے۔ اس سلسلے میں جو مخالف تجاویز جمعیت نے پیش کیں وہ مسلم لیگ کی پیش کردہ تجاویز سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھیں۔ اس نے تبصرہ کر کے ایک رپورٹ تیار کی جس کا لبِ لباب حسب ذیل ہے۔

۱۔ جمعیت نے زیادہ زور مذہبی نقطۂ نظر پر دیا کہ مرکزی مجلسِ قانون ساز میں ۱/۳ مسلم

---

[1] طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، دہلی، ۱۹۴۵ء، ۴۲۲ – ۴۳۰۔
[2] دیکھئے کتاب ہذا، ضمیمہ ۵۔

نیابت ہو اور کسی قانون ساز مجلس میں کوئی بل تجویز یا ترمیم یا اضافہ جس کو کسی اقلیت کے ۳/۴ نمائندے اپنے مذہبی مفاد کے خلاف قرار دیں غور کے لئے پیش نہ کی جائیں۔

۲۔ سندھ کی بلا شرط علیحدگی کا مطالبہ۔ نہرو کمیٹی نے تجویز کیا تھا کہ اس کے لئے ایک کمیٹی بنے اور وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرے۔

۳۔ پنجاب اور بنگال کی اکثریت کی پوری حفاظت کی جائے کیونکہ وہ بہت تھوڑی تعداد کی اکثریت ہے[1]۔ وغیرہ وغیرہ۔

جمعیت العلماء ہند نے نہرو رپورٹ کی شدید مخالفت کی لیکن جب کانگریس کی تحریک سول نافرمانی ناکام ہوئی تو جمعیت نے کانگریس سے اپنے تعلقات دوبارہ منقطع کر لئے۔

۱۹۳۱ء میں کانگریس نے فرقہ وارانہ دستوری مسائل کے حل کے لئے ایک فارمولا تیار کر کے بغرض مشورہ ملک میں شائع کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس فارمولا سے بہتر نعم البدل کسی کے پیش نظر ہو تو وہ پیش کرے۔ اس موقع پر جمعیت العلماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء کو سہارنپور میں بیٹھ کر نہایت غور و خوض کے بعد کانگریس کے فارمولا کے مقابلے میں ایک فارمولا[2] تیار کیا اور کانگریس کے پاس بھیجا۔ اس میں مسلم حقوق کی حفاظت کے تمام ذرائع اور شرائط محفوظ کرتے ہوئے مخلوط انتخاب قبول کرنے کی تجویز رکھی گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی حقوق اور مذہبی نظام کو دستور کے بنیادی حقوق میں شامل کیا جائے۔ یہ فارمولا علامہ اقبال اور حافظ ہدایت حسین شرکائے گول میز کانفرنس کے نام بھی روانہ کیا گیا۔ مگر بنیادی حقوق کے اندراج کے مسئلہ کو مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ جھگڑے کی چیز ہے دستور میں اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے تو علامہ اقبال نے بھی اس کی تائید کر دی[3]۔

دوسری عالمگیر جنگ چھڑنے اور مسلم لیگ کے "قرارداد پاکستان" کو اپنانے کا اثر جمعیت کے اندر مختلف حلقوں میں الگ الگ ہوا۔ جمعیت العلماء ہند میں کانگریس پسند خیالات اور

---

[1]: محمد میاں، "جمعیت العلماء کیا ہے؟" حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۲۴ - ۱۲۵۔

[2]: دیکھئے کتاب ہذا، ضمیمہ ۲۔

[3]: محمد میاں، "جمعیت العلماء کیا ہے؟" حصہ اوّل، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۷ - ۱۸۔

مسلم پسند نظریات کی ترجمانی دو مختلف گروہوں کی صورت میں ہوئی۔ جن کے لیڈر بالترتیب مولانا حسین احمد مدنی اور شبیر احمد عثمانی تھے۔ یہ دونوں علما شیخ الہند مولانا محمود حسن کے معتمد تلامذہ میں سے تھے اور اپنے علم و فضل اور دار العلوم دیوبند سے وابستگی کے باعث برصغیر میں علما کی خاصی تعداد ان کے حلقۂ اثر میں تھی۔

۱۹۲۰ء میں مولانا ابو الکلام آزاد اپنے ایک خط[1] میں ان دو گروہوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان گروہوں کی دیوبند اسکول کے اندر برتری حاصل کرنے کے لئے کشمکش جاری تھی اور اسی کے نتیجے میں ۱۹۲۶ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے دیوبند اسکول سے علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ مولانا حسین احمد مدنی نے ان کی کسی اعلیٰ عہدے پر فائض ہونے کی مخالفت کی تھی۔ مگر جب ۱۹۳۲ء میں دار العلوم دیوبند میں ان کے رفقا کا اثر و رسوخ بڑھا تو انہیں واپس بلا لیا گیا۔[2] اسی طرح دیوبند کے ایک اور عالم مولانا اشرف علی تھانوی جو اپنے مسلم لیگ پسند خیالات کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے، وہ ۱۹۳۵ء میں دیوبند اسکول کی سرپرستی سے استعفے میں اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ کانگریسی گروہ اپنے خیالات کو اسکول میں پھیلا رہا ہے۔[3]

جمعیت العلمائے ہند کے اندرونی اختلافات ۱۹۳۰ء - ۱۹۳۲ء کے عرصے میں ایک واضح صورت اختیار کر گئے جب جمعیت نے کانگریس کی تحریک سول نافرمانی میں اشتراک کیا اس وقت جمعیت کا ایک گروہ اس طرزِ عمل سے ناراض ہو گیا اور اس نے کانپور میں ایک اجلاس بصدارت مولانا محمد علی جوہر منعقد کیا۔ اس اجلاس میں انہوں نے تحریکِ سول نافرمانی کی مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی جائے۔ چنانچہ اس جمعیت کے صدرِ جلسہ مولانا محمد علی جوہر نے گول میز کانفرنس میں شرکت کی[4] اور ۱۹۳۶-۳۷ء کے الیکشن میں جمعیت العلمائے ہند نے آل انڈیا مسلم لیگ کا ساتھ دیا مگر یہ تعاون بہت تھوڑے عرصے کے لئے تھا۔[5] مولانا مفتی کفایت اللہ اور

---

[1] : ابو سلیمان شاہجہانپوری، مکاتیبِ ابو الکلام آزاد، کراچی، ۱۹۶۸ء، ص ص ۱۱۵-۱۲۰۔

[2] : محمد انوار الحسن، انوارِ عثمانی، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ص ۴۷-۵۲۔

[3] : ایضاً، ص ص ۵۳-۵۶۔

[4] : طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، دہلی، ۱۹۴۵ء، ص ص ۵۲۲-۵۲۳۔

[5] C.H. PHILIPS AND MARY DOREEN WAINWRIGHT (EDITORS.) THE PARTITION OF INDIA: POLICIES AND PERSPECTIVES 1935-1947, LONDON, 1970, PP. 245-264.

مولانا حسین احمد مدنی نے وعدہ کیا کہ وہ ۳۷-۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کے لئے پروپیگنڈا کرنے کی غرض سے دیوبند کے تمام ذرائع استعمال کریں گے بشرطیکہ اخراجات مسلم لیگ خود برداشت کرے مگر قائد اعظم محمد علی جناح سے اس بات پر سمجھوتہ نہ ہو سکا[1] تو جمعیت نے اپنا رخ دوبارہ کانگریس کی طرف کیا۔ بعد ازاں جمعیت نے کانگریس کی واردھا تعلیمی اسکیم (جو کہ ایک متنازعہ مسئلہ تھی) کی سخت مخالفت کی[2]۔

جمعیت العلمائے ہند اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اختلافات کے سلسلے میں جمعیت کا نقطۂ نظر اس کے مستقل صدر مولانا کفایت اللہ اور ۱۹۴۰ء کے لئے منتخب صدر مولانا حسین احمد مدنی نے پیش کیا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے متحدہ قومیت کے نظریہ کو ۱۹۳۸ء میں ایک رسالہ "متحدہ قومیت اور اسلام" میں واضح کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مسلمانوں میں ایک علیحدہ قوم کا احساس شدت اختیار کر چکا تھا۔ علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی سخت مخالفت کی اور اس موضوع پر ان کے درمیان ایک طویل بحث ہوئی[3]۔

جمعیت العلمائے ہند کی مسلم لیگ سے قطعی علیحدگی ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ لیکن اس عرصے میں جمعیت کے صدر نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے دباؤ کے باعث قائد اعظم محمد علی جناح سے رابطہ قائم کیا تاکہ دونوں جماعتوں کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ قائد اعظم محمد علی جناح کا اصرار تھا کہ جمعیت کے ممبران کانگریس سے مستعفی ہو جائیں اور مسلم لیگ کے لئے کام کریں[4]۔

۱۹۴۰ء میں جمعیت نے اپنی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۳ تا ۴ مارچ ۱۹۴۰ء[5] زیر صدارت مولانا کفایت اللہ بمقام دہلی مسلم نیشنل پارٹیوں کی ایک آزاد مسلم کانفرنس بلانے کی تجویز پاس کی۔ اس میں آل انڈیا مسلم مجلس، مجلس احرار اسلام، آل انڈیا مومن کانفرنس، خدائی خدمتگار تحریک،

---

۱ : M.A.H. ISPAHANI, QAID-E-AZAM JINNAH AS I KNEW HIM, KARACHI, 1976, PP. 14-25.

۲ : محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے ؟ حصہ اوّل، ۱۹۴۶ء، ص ۴۴-۴۱۔

۳ : SHAMLOO, SPEECHES AND STATEMENTS OF IQBAL, LAHORE, 1948, PP. [illegible]-239.

۴ : یہ بات جمعیت العلمائے ہند کے ماخذوں کے مطالعہ سے سامنے آئی ہے۔ دیکھئے بھاگی اوری کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ دوم، دہلی، ت ن، ص ۹۸-۱۰۰۔

۵ : محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے ؟ حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۲۱۴-۲۱۵۔

انجمن وطن (بلوچستان) آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس اور کرشک پرجا پارٹی شامل تھے۔ اس کانفرنس کا مقصد مسلم لیگ کے علیحدہ اسلامی مملکت کے مطالبے کے برعکس ایک کمزور وفاقی ریاست، آزاد صوبے اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ تھا۔ یہی فارمولا ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء کی معمولی ترامیم کے ساتھ جمعیت العلمائے ہند کا سیاسی پروگرام بنا اور ۱۹۴۵ء میں ان تمام نیشنلسٹ مسلم پارٹیوں کے متحد ہونے کا جواز بھی، جو مسلم لیگ کے خلاف تھیں۔

۱۹۴۵-۴۶ء کے الیکشن کے لئے جمعیت العلمائے ہند نے ایک آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا جو کہ نیشنلسٹ مسلم پارٹیوں پر مشتمل تھا مگر اس کے باوجود الیکشن میں جمعیت مجموعی طور پر ۲۵ فیصدی سے زیادہ ووٹ حاصل نہ کرسکی۔

جہاں تک جمعیت کی تنظیم کا تعلق ہے، یہ ۱۹۴۰ء اور اس کے بعد وہ نہ رہی تھی جو ۱۹۲۰ء میں تھی۔ اس وقت یہ مختلف الخیال علماء کی نمائندہ جماعت تھی۔ اس کا اظہار اس کی تشکیل و تنظیم سے ظاہر ہوتا ہے۔ علماء میں انتشار تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد شروع ہوا اور جمعیت پر دیوبندی علماء کا اثر زیادہ ہوگیا۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۹ء کے درمیان جمعیت العلمائے ہند کے صرف ۵ اجلاس ہوئے اور اس کی مجلس عاملہ جو کہ ۹ ممبروں پر مشتمل ہوتی تھی صرف ۱۲ مرتبہ اکٹھی ہوئی گو کہ جمعیت کی صوبائی شاخیں سارے ہندوستان میں تھیں مگر تحریک خلافت کے بعد وہ ایک منظم شکل میں نہ رہی تھیں اور ان کا مرکز سے مستقل رابطہ نہ تھا۔ ۱۹۴۵-۴۶ء کے فیصلہ کن انتخابات میں مسلم لیگ کے حامی علماء نے ایک علیحدہ جماعت "جمعیت العلمائے اسلام" بنائی تاکہ کانگریس سے اشتراک عمل کرنے والی جماعت سے نبرد آزما ہو سکیں۔ یہ جماعت ۲۶ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کے ایک بہت بڑے اجلاس میں وجود میں آئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی جنہوں نے پہلے سے ہی جمعیت العلمائے ہند سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی، کو ان کی غیر موجودگی میں پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا[3]۔

یہ بات یاد رہے کہ جمعیت العلمائے ہند ہندوستان کی مکمل آزادی کے لئے کوششیں

---

[1] : دیکھئے کتاب ہذا، ضمیمہ دو۔

[2] : محمد میاں، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ دوم، دہلی، سن ندارد، ص ۲۹۱-۲۹۴؛ محمد میاں، مختصر تذکرہ خدمات جمعیت العلمائے ہند، حصہ اول، دہلی، سن ندارد، ص ۵۰؛ عبد الولی قریشی، تحریک فیصل، کراچی، [illegible]

[3] : محمد انوار الحسن، انوار عثمانی، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۱۳۳-۱۳۶۔

کرتی رہی جو کہ اس کے بننے کا اولین مقصد تھا مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، تبلیغی اور سماجی کاموں کے لئے بھی مصروفِ کار رہی۔

جمعیت العلمائے ہند نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور سماجی حقوق کے تحفظ کے لئے بھی کام کئے۔ ۱۹۲۱ء میں جب تحریکِ خلافت زور و شور سے ملک میں جاری تھی اس وقت مالابار کے مسلمانوں (جو موپلا کے نام سے مشہور ہیں) کے خلاف حکومت نے تشدد آمیز کارروائی کی۔ اس نازک موقع پر واقعات کی تحقیق اور موپلوں کی امداد کے لئے تحقیقاتی وفد روانہ کیا گیا جس کی رپورٹ اسی زمانہ میں شائع ہوئی اور اس رپورٹ میں اس غلط افواہ کی تردید کی گئی کہ موپلوں نے ہندوؤں کو بالجبر مسلمان کیا اور یہ کہ فساد کی ابتداء انہوں نے کی تھی۔ دوسری طرف مخالفت کے باوجود جمعیت العلمائے ہند نے موپلوں کی امداد و اعانت کا اعلان کیا اور اس مقصد کے لئے تقریباً پچاس ہزار روپیہ فراہم کیا۔ جمعیت کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے تبلیغی انجمنوں نے بھی مالابار جاکر موپلوں کی بہبود کے لئے کام کئے۔[1]

۱۹۲۹ء میں حکومت ہند کی مرکزی اسمبلی (دہلی) میں ایک ایسا قانون پاس ہوا جس کی رو سے اسلام کے قوانین ازدواج میں بے جا مداخلت کی گئی جو "شاردا ایکٹ" کے نام سے مشہور رہے۔ جمعیت نے شدت سے اس قانون کی مخالفت کی اور اس قانون کی منسوخی کے لئے سول نافرمانی کا فیصلہ کیا۔ ہندوستان اور برما تک مسلمانوں نے اس کی مخالفت کرنے میں جمعیت کا ساتھ دیا۔[2]

اسی طرح جب ۱۹۳۰ء میں پشاور کے قصہ خوانی بازار میں سنگین واقعات رونما ہوئے اور سینکڑوں مسلمان شہید کر دیئے گئے تو کانگریس کی مقرر کردہ آزاد تحقیقاتی کمیٹی میں مولانا مفتی کفایت اللہ اور مفتی محمد نعیم نے جمعیت العلمائے ہند کی طرف سے شرکت کی۔ حکومت نے اس کمیٹی کے ارکان کو پشاور جاکر تحقیقات کرنے کی اجازت نہیں دی تو انہوں نے راولپنڈی میں بیٹھ کر تحقیقات کیں اور اہل پشاور نے وہیں پہنچ کر کمیٹی کے سامنے شہادتیں دیں۔ اس کمیٹی کی رپورٹ جب شائع ہوئی تو حکومت نے اسے ضبط کر لیا۔[3]

---

[1] محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ اول، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۳۶ - ۳۷۔

[2] ایضاً، ص ۱۶۔

[3] ایضاً، ص ۴۴۔

۱۹۳۲ء میں مرکزی اسمبلی میں مسلم وغیر مسلم شادی بیاہ کے قانون کا مسودہ پیش ہوا تو جمعیت نے اس مسودہ کی طرف فوراً توجہ دی۔ اس پر اسلامی نقطۂ نظر سے مکمل تبصرہ کیا۔ چھپے شائع کر کے اسمبلی کے سرکاری وغیر سرکاری ممبروں کے پاس بھیجا گیا[1]

حکومت نے معلمین حج کے لئے بھی ایک مسودہ مرکزی اسمبلی میں پیش کیا جو اسلامی نقطۂ نظر سے ہرگز درست نہ تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ اس قانون سے حجاز مقدس میں برطانوی اقتدار کے لئے آسانی سے راہ کھل جاتی۔ جمعیت کے پُر زور احتجاج پر یہ مسودہ بھی حکومت کو واپس لینا پڑا۔ پھر حکومتِ ہند نے زائرین مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی راہ میں مشکلات پیدا کرنے کے لئے قوانین کا ایک مسودہ پیش کیا تو اس کی ترمیم و اصلاح کے لئے جمعیت نے ہزاروں روپیہ صرف کر کے پورے ملک میں اس غرض کے لئے پوسٹر و اشتہارات شائع کئے اور حکومت کو مجبور کیا کہ وہ جمعیت کی پیش کردہ ترمیمول کو قبول کرے یا مسودہ کو واپس لے لے چنانچہ قانون کے ان مسودوں میں حکومت نے جمعیت کی پیش کردہ ترامیم قبول کر لیں[2]۔

جمعیت العلماءِ ہند نے مسلمانوں کو بارہا شریعتِ اسلامیہ پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ جمعیت العلماء صوبہ سرحد نے اس ضمن میں ایک آئینی قدم اٹھایا اور مولانا مفتی کفایت اللہ صدر جمعیت کی رہنمائی میں ایک مسودہ قانون "شریعت بل[3]" کے نام سے تیار کیا جس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں پر نکاح، طلاق، مہر اور ترکہ وغیرہ میں اسلامی قانون نافذ ہوں۔ چنانچہ صوبہ سرحد کی اسمبلی میں جمعیت العلماء صوبہ سرحد اور مسلمانان سرحد کی کوششوں سے شریعت بل قانون بن گیا۔ جس سے اسلامی قانون کا وقار قائم ہوا[4]۔

جمعیت العلماءِ ہند کے مقاصد میں امارتِ شرعیہ فی الہند کا قیام بھی شامل تھا۔ جمعیت کے اجلاس دہلی منعقدہ ۱۹۲۰ء میں امارت شرعیہ فی الہند کا مسئلہ عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔ اس اجلاس

۱؎ ایضاً ، ۳۳ ، ۱۳-۱۴-

۲؎ ایضاً ، ۳۳ ، ۱۳-۱۴ و ۱۶-

۳؎ ایضاً ، ۳۴ ، ۵۰-۴۲-

۴؎ ایضاً ، ۴۲ ، ۱۶-

لاہور و اجلاس بدایوں میں دوسرے موانع لاحق ہوگئے۔ اس لئے تمام ہندوستان کے لئے مرکزی اسلامی تنظیم و نظام شرعی قائم نہ ہو سکا۔ اس وقت یہ مناسب سمجھا گیا کہ اگر صوبہ وار نظام شرعی اور تنظیم اسلامی قائم ہو جائے تو مرکزی نظام کے قیام میں سہولت ہوگی۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت صوبہ بہار اور اڑیسہ میں اس صوبہ کی جمعیت العلماء کی مساعی اور جمعیت العلماء ہند کی تائید سے امارت شرعیہ قائم ہوگئی اور حسب قواعد شرعیہ باضابطہ امیر الشریعت کا انتخاب ہوا۔ پھر پورے صوبے کے مسلمانوں نے منتخب امیر شریعت کی بیعت عامہ کی۔ صوبے میں اسلامی نظام قائم ہوا اور شرعی اصلاح کے بموجب اسلامی جماعت کی تشکیل ہوگئی۔[۱]

جمعیت العلماء ہند نے اسلامی اوقاف اور ٹیکس کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ اسلامی اوقاف کی حفاظت کے لئے ۱۹۳۲ء میں مسودہ قانون مرتب کر کے یو۔پی اسمبلی میں پیش کر دیا، پھر بہار اسمبلی میں یہ قانون پاس کرایا گیا اور بالآخر ۱۹۴۷ء کے بہت بعد ہند پارلیمنٹ میں یہ قانون پاس ہو گیا نیز جمعیت العلماء ہند کے صدر مولانا کفایت اللہ اور جمعیت العلماء بہار و امارتِ شرعیہ کی کوششوں سے اگریکلچر انکم ٹیکس سے تمام اوقاف بری کر دیئے گئے۔[۲]

اسی طرح جمعیت العلماء نے اندرون ملک و بیرون ملک حسب استطاعت اسلامی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دیا۔ جمعیت کے شعبۂ تبلیغ نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریک کا بھی مقابلہ کیا۔ اسلامی تعلیم اور اردو زبان کی اصلاح کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ اسی قسم کے واقعات چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ گائے اور باجا پر جھگڑا ہو یا کوئی اور۔ الغرض جمعیت العلماء ہند نے مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، معاشرتی، اقتصادی اور سماجی اصلاح کے لئے ہر ممکن کوششیں کی جو کہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھیں تاکہ اسلامی اصول و قوانین کا احترام قائم رہ سکے۔

۱۔ ایضاً، ص ۲۲-۲۸-۳۱۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۳۔

محمد میاں، جمعیت العلماء ہند کا تعارف اور خدمات جمعیت العلماء ہند کی مختصر فہرست، دہلی، ت ن، ص ۱۸۳۔

باب اوّل

اجلاس اوّل، امرتسر، ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء
(۵ر تا ۹ر ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ)
زیرِ صدارت
مولانا عبدالباری فرنگی محلی

۱

کیفیت جلسہ ہائے جمعیت العلماء ہند
بمقام امرتسر

۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو بعد نماز عصر امرتسر میں اسلامیہ مسلم ہائی سکول کے وسیع کمرے میں جمعیت العلماء ہند کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔

اسمائے حاضرین

مولانا مولوی محمد عبد الباری صاحب
مولانا مولوی محمد معین الدین صاحب اجمیری
مولانا محمد کفایت اللہ صاحب
مولانا محمد سلامت اللہ صاحب
مولانا ثناء اللہ صاحب
مولانا عبد الصمد صاحب بدایونی
مولانا ابو تراب عبد الحق صاحب
مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی
مولانا منظہر الدین صاحب
مولانا محمد عبد اللہ صاحب
مولانا محمد اکرم خان صاحب
مولانا فضل الدین صاحب سیالکوٹی
مولانا لطیف احمد صاحب
مولانا محمد جان صاحب
مولانا رحمت اللہ صاحب
مولانا نور احمد صاحب بمبئی
مولانا نور احمد صاحب امرتسری
مولانا احمد علی صاحب لاہوری

مولانا عبدالمجید صاحب
مولوی محمد یوسف صاحب
مولوی حکیم نورالدین صاحب
مولوی لقاء اللہ صاحب عثمانی
مولوی عبدالرحمٰن صاحب
مولوی غلام محی الدین صاحب
مولوی کرم علی صاحب
مولوی محمد موسیٰ صاحب
مولانا ابوالقاسم صاحب
غازی محمود صاحب
مولوی غلام محمد صاحب
مولوی محمد یحییٰ صاحب
مولوی عبدالشافی صاحب
مولوی انظار الغنی صاحب
مولوی سید محمد داؤد صاحب
مولانا حافظ احمد سعید صاحب
مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب

مولوی سلطان محمد صاحب
مولوی عبدالرزاق صاحب
مولوی مولا بخش صاحب
مولوی منیرالزماں صاحب
حکیم مُرید احمد صاحب
مولوی غلام محمد صاحب سفیر
مولوی سلطان محمود صاحب
مولانا محمد حسن صاحب
مولوی الطاف الرحمٰن صاحب
مولوی عبداللہ صاحب
مولوی عبدالسلام صاحب ہمدانی
مولوی محمد عیسےٰ صاحب
حکیم ابویوسف اصفہانی صاحب
مولوی عبدالغفار صاحب
مولوی سید عطاء اللہ صاحب
مولانا عبدالحکیم صاحب
سیّد جالب صاحب، ایڈیٹر اخبار ہمدم،

بتحریک مولانا محمد کفایت اللہ صاحب وبتائید مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب و مولانا محمد فاخر صاحب وباتفاق حاضرین اس جلسہ کے صدر جناب مولانا محمد عبدالباری صاحب قرار پائے اور باجازتِ صدر حسبِ ذیل کارروائی ہوئی۔

(۱) جناب مولانا ثناء اللہ صاحب نے انعقاد جمعیۃ وجلسۂ دہلی کی مختصر کیفیت بیان فرمائی۔

(۲) جناب مولانا ابوتراب محمد عبدالحق صاحب نے سیاست ومذہب کی یگانگت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جمعیۃ العلماء ہند کا انعقاد نہایت ضروری اور اہم ہے مگر

اس کو ایسے اچھے اور مستحکم اصول پر قائم کرنا چاہیے کہ اس کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۳) مولانا عبدالرزاق صاحب نے بھی جمعیتہ کے انعقاد کی ضرورت پر تقریر فرمائی اور دوران تقریر ثابت کیا کہ علماء نے مذہبی و سیاسی دونوں قسم کی اسلامی خدمتیں ہمیشہ انجام دی ہیں۔ اس لئے انعقاد جمعیتہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ انہیں دیرینہ فرائض کو ادا کرنے کی ایک منتظم صورت ہے۔

(۴) سید جالب صاحب ایڈیٹر اخبار "ہمدم" نے انعقاد جمعیتہ علماء ہند پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ جب علماء کی کئی انجمنیں صوبہ وار قائم ہو چکی ہیں مثلاً انجمن علماء بنگال، انجمن علماء صوبہ متحدہ وغیرہ اور قائم ہوتی جاتی ہیں تو فطرتی طور پر اس کا تقاضا ہونا چاہیئے۔ کہ ایک آل انڈیا جمعیتہ علماء قائم کی جائے لیکن میرے نزدیک علماء کو جداگانہ اپنی جمعیت قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مذہبی رہنمائی تو ان کا فرض ہمیشہ سے ہے اور وہ اسے انجام بھی دے رہے ہیں رہی سیاسی رہنمائی تو اس کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت (مسلم لیگ) پہلے سے قائم ہے۔ علماء سیاسی مسائل کو اگر مذہب کے موافق طے کرانا چاہتے ہیں تو ان کے لئے یہ آسان سبیل ہے کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ارکان لیگ مذہبی امور میں علماء کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار رہوں گے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ لیگ میں علماء کے انتخاب اور نیابت کا علیحدہ انتظام کر دیا جائے۔ اس میں تعلیم یافتہ جماعت کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور امور سیاسیہ مذہب کے موافق طے ہوتے رہیں گے نیز آپ نے فرمایا کہ علماء کے کام کرنے کے لئے بہت سے میدان پڑے ہیں۔ مثلاً وہ اقتصادیات میں ترقی کرنے کی لوگوں کو ترغیب دیں۔ صنعت و حرفت کی ترقی پر وعظ بیان کریں۔ تعلیم یافتہ اشخاص کی شخصی طور پر اصلاح کریں کہ وہ یورپین تہذیب اور یورپین عادات و اطوار کو ترک کریں۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس ان حالات میں میں مناسب نہیں سمجھتا کہ جمعیتہ علماء ہند قائم کی جائے۔

(۵) مولانا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب نے جمعیت علماء ہند کے قیام کی ضرورت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جمعیتہ علماء ہند کے قائم کرنے سے کسی دوسری مذہبی یا سیاسی انجمن سے مصادمت یا مزاحمت مقصود نہیں ہے بلکہ علماء اپنی آواز کو وقیع بنانے کے لئے جمعیت منعقد کرتے ہیں اور دنیا میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ چلا آتا ہے کہ افراد کی آواز

اتنی وقعت نہیں رکھتی جتنی کہ متحدہ جمعیت اور انجمن کی رکھتی ہے۔ مسلم لیگ میں جب کبھی مذہبی مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ علمائے نے برابر اس میں حصہ لیا ہے۔ مسلم لیگ کا اجلاس دہلی اس بیان کا شاہد عادل ہے اور آئندہ جمعیت العلماء مسلم لیگ کے ساتھ اتفاق عمل رکھنے کی کوشش کرے گی۔ فرق صرف اس قدر ہوگا کہ اب تک مسلم لیگ میں علماء کی شرکت شخصی اور انفرادی حیثیت سے تھی اور اب جمعیت علماء کا فیصلہ مسلم لیگ میں بحیثیت ایک متفق علیہ دستور العمل کے پیش کیا جایا کرے گا۔

یہ صحیح ہے کہ علماء کے لئے اقتصادیات و شخصی اصلاح کے وسیع میدان کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ اقتصادیات و شخصیات کی اصلاح کرنے میں علماء کی انفرادی حیثیت ہی مفید ہو۔ اور انعقاد جمعیت اس میں خلل انداز ہو بلکہ میں کہتا ہوں کہ انفرادی حیثیت کے اعتبار سے جمعیۃ علماء کی متفقہ طاقت زیادہ اصلاح کر سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ اقتصادیات و شخصیات کی اصلاح تو علما کا فرض ہو اور سیاسیات کو مذہبی دائرہ سے خارج سمجھ کر اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جو مذہبی معلومات پر چنداں عبور نہیں رکھتے۔

(۶) مولانا ثناء اللہ صاحب نے مولانا کفایت اللہ صاحب کی تقریر سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا کہ سید جالب صاحب کا غالباً مدعا یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ایسے اعلےٰ پیمانہ پر قائم کی جائے کہ اس میں مذہبیات اور سیاسیات کے علاوہ اقتصادیات و شخصیات وغیرہ کی اصلاح کا بھی کافی انتظام ہو۔ تو میں سید صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ طبعی ترتیب کے لحاظ سے ہر شے ترقی کے مدارج تدریجی طور پر طے کرتی ہے۔ ہم نے ابھی اسکول کی بنیاد رکھی ہے اور ہمارا پختہ ارادہ ہے کہ انشاء اللہ ہم اس کو کالج کے مرتبہ تک پہنچادیں گے۔ لیکن ابھی سے ہمیں یہ صلاح دینا کہ ابتدا سے ہی کالج قائم کرو، طبعی سلسلہ کے خلاف ہے۔

(۷) غازی محمود نے مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کی تائید کرتے ہوئے بیان کیا کہ جمعیت علماء ہند کا قائم ہونا نہایت ضروری ہے اور موقع کے لحاظ سے مثال کے طور پر لدھیانہ کے ایک تازہ واقعہ کا ذکر کیا کہ مسیحی مشن مسلمانوں کے ایک محلہ کو برباد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جس میں ایک مسجد اور دینی تعلیم گاہ بھی داخل ہے۔

اگر جمعیۃ علما قائم ہوتی تو اس کی متفقہ طاقت مسیحی مشن کی اس کوشش کو روکنے میں بہت زیادہ مفید اور کارگر ہوتی۔

(۸) مولوی منیر الزماں صاحب نے انعقاد جمعیۃ کی ضرورت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جمعیت کے اغراض و مقاصد نہایت وسیع پیمانہ پر قائم کرنے چاہئیں۔

(۹) مولانا محمد کفایت اللہ صاحب نے اغراض و مقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کیا اس کے بعد جناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب جلسے میں تشریف لائے اور آپ نے انعقاد جمعیۃ سے اپنا دلی اتفاق ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جمعیۃ علماء کے انعقاد سے بہت خوش ہوا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس جمعیۃ کا نظام عمل میں ایسے عمدہ اور اچھے اصول پر مرتب کیا جائے گا جس سے مذہب اور مسلم قوم کی عظیم الشان اسلامی خدمت ہو سکے گی اور آپ نے تحریک فرمائی کہ اساسی اصول اور ضوابط کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا انتخاب کر دیا جائے۔ اس تحریک کی اکثر حضرات موجودہ نے تائید کی اور پھر باتفاق حاضرین اس کمیٹی کے لئے حضرات ذیل کا انتخاب ہو گیا۔

مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب	مولانا محمد کفایت اللہ صاحب
مولانا محمد اکرم خان صاحب	مولانا منیر الزمان خان صاحب

مولانا عبد الباری صاحب نے حاذق الملک بہادر کا نام بھی اس میں شامل کرنے کی تحریک فرمائی اور حاضرین نے باتفاق منظور کی۔ لیکن حاذق الملک بہادر نے فرمایا کہ میں یہاں اس قدر کثیر مشاغل میں مشغول ہوں کہ مجھے کمیٹی کے جلسہ میں شامل ہونے کی بالکل مہلت نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ چاروں صاحب مسودہ تیار کر لیں اور پھر میں بھی اسے دیکھ کر اپنی رائے کا اظہار کر دوں۔ چونکہ حاذق الملک حکیم صاحب کا عذر نہایت صحیح اور واقع تھا اس لئے انکی خدمت میں زیادہ اصرار نہ کیا گیا اور اساسی اصول و ضوابط کا مسودہ تیار کرنے کی خدمت چاروں مذکورۂ بالا ممبران کے سپرد کر دی گئی۔ مغرب کا وقت آ گیا تھا، اس لئے کارروائی ختم کی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط صدر

فقیر محمد عبد الباری عفا اللہ عنہ۔

کارروائی ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۹ء

مولانا محمد اکرم خان صاحب کی تحریک اور مولوی منیر الزمان صاحب و مولانا عبدالباری صاحب کی تائید سے اور تمام حاضرین کی متفقہ رائے سے مولانا محمد کفایت اللہ صاحب اس جلسہ کے صدر قرار پائے۔ اس کے بعد باجازت صدر حسب ذیل تجاویز پیش ہوئیں۔

تجویز نمبر ۱ جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ کامل ارادتمندی اور خلوص کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ حضرت سلطان المعظم مسلمانوں کے مسلم خلیفہ اور امیر المومنین ہیں۔ اس لئے آپ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

محرک۔ مولانا محمد اکرم خان صاحب

مؤید۔ مولانا پیر تراب علی صاحب سندھی

یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی۔

تجویز نمبر ۲ جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ ملک معظم سے استدعا کرتا ہے کہ خلافت و مسائل متعلقہ ٹرکی کا تصفیہ کرنے کے لئے مسٹر لائیڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] کے ہمراہ صاحب وزیر ہند و مسلم نمائندے مسٹر اصفہانی و مسٹر بھرگری، مسٹر حسین صاحب قدوائی لازمی طور پر صلح کانفرنس میں بھیجے جائیں ورنہ ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملات مذکورہ کا فیصلہ مسلمانوں کے متفقہ مذہبی مطالبات کے خلاف ہو جائے اور ملک معظم کی کروڑوں رعایائے ہند کی سخت بے چینی کا باعث ہو۔

محرک۔ مولوی عبدالرزاق صاحب

مؤید۔ مولوی محمد مبین صاحب

یہ تجویز بھی بالاتفاق منظور ہوئی۔

تجویز نمبر ۳ جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ یہ تجویز نمبر ۲ بذریعہ تار ملک معظم کی خدمت میں روانہ کی جائے اور جلسہ کی کارروائی اخبارات میں بھیجی جائے۔

محرک۔ مولوی منیر الزمان صاحب

مؤید۔ مولوی احمد سعید صاحب

بالاتفاق منظور ہوئی اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط صدر

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ بقلم خود ۱۳/۱۹/۱۲

کارروائی یکم جنوری ۱۹۲۰ء

مولانا محمد اکرم خان صاحب نے تحریک کی کہ اس جلسہ کے صدر مولانا محمد کفایت اللہ صاحب ہوں اور مولانا عبد الباری صاحب نے تائید کی اور باتفاق مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کے صدارت منظور ہوئی پھر باجازت صدر حسب ذیل کارروائی شروع ہوئی۔

جمعیت علمائے ہند کے ضوابط وقواعد کا مسودہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب نے پیش کیا اور پڑھ کر سنایا گیا اور صدر نے حسب ذیل تجویز پیش کی۔

تجویز نمبر ۱ ضوابط اور قواعد کا مسودہ اسی زیر تجویز حالت میں چھپوا لیا جائے اور اراکین جمعیت و دیگر علماء کرام آئندہ مجلس انتظامیہ کے جلسہ میں پیش کیا جائے اور پھر مجلس انتظامیہ اسے مرتب و مہذب کر کے منظوری کے لیے مجلس علم میں پیش کرے۔

محرک۔ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب

مؤید۔ مولوی محمد اکرم خان صاحب، مولانا عبد الباری صاحب

یہ تجویز نمبر ۱ بالاتفاق منظور ہوئی۔

تجویز نمبر ۲ جمعیت علماء کا یہ جلسہ باوجود اعلانِ شاہی شائع ہو جانے کے حضرت مولانا محمود حسن صاحب و مولانا ابو الکلام صاحب و دیگر علماء کی عدم رہائی پر سخت اضطراب و بے چینی کا اظہار کرتا ہے۔ صدر جلسہ کو اختیار دیا جائے کہ وہ بذریعہ تار اس تجویز کو وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کریں۔

محرک۔ مولوی محمد اکرم خان صاحب، ایڈیٹر اخبار محمدی

مؤید۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری و مولانا محمد فاخر صاحب الہ آبادی۔

بالاتفاق منظور ہوئی۔

تجویز نمبر ۳ جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ منتظمہ کے ارکان کا انتخاب کر لیا جائے اور جو حضرات کہ اس انتخاب میں آجائیں، ان سے رکنیت اور اس انتخاب کی منظوری بذریعہ تحریر حاصل کی جائے۔

محرک۔ مولوی منیر الزمان صاحب

مؤید۔ مولوی محمد اکرم خان صاحب

بالاتفاق منظور ہوئی اُس کے بعد مجلسِ منتظمہ کیلئے حسب ذیل حضرات منتخب کئے گئے۔

مولانا محمد کفایت اللہ صاحب	دہلی
مولانا احمد سعید صاحب	
حاذق الملک حکیم اجمل خان صاحب	
مولوی پیر تراب علی صاحب	سندھ
مولوی عبد اللہ صاحب	
مولوی محمد صادق صاحب	
مولانا عبد الماجد صاحب بدایونی	ممالکِ متحدہ آگرہ و اودھ
مولانا محمد فاخر صاحب الہ آبادی	
مولانا محمد سلامت اللہ صاحب	
مولانا حسرت موہانی صاحب	
مولانا مظہر الدین صاحب	
مولانا محمد اکرم خان صاحب	بنگال
مولوی منیر الزماں صاحب	
مولانا رکن الدین صاحب دانا	بہار
مولوی خدا بخش صاحب	
مولانا ثناء اللہ صاحب	پنجاب
مولوی سید داؤد صاحب	
مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی	

مولوی عبد اللہ صاحب
مولوی عبد المنعم صاحب
مولوی سیف الدین صاحب
حکیم ابو یوسف صاحب اصفہانی

] بمبئی

اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ بقلم خود ۲/۱

ماخذ: محمد میاں، جمعیت علماء کیا ہے؟ حصہ دوم، دہلی ۱۹۴۶ء، ص ۳۲ ۸-۱۵۰۔

۲

اساسی اصول واغراض ومقاصد وضوابط
جمعیت العلماء ہند کا زیر تجویز مسودہ
جنوری ۱۹۲۰ء

اساسی اصول

نام :-

دفعہ ۱۔ اس انجمن کا نام جمعیۃ علمائے ہند ہوگا۔

اغراض ومقاصد -

دفعہ ۲۔ اس جمعیۃ کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہونگے۔

(الف) ہر قسم کے خارجی اثرات کی (جن سے مذہب اسلام یا مشترکہ اسلامی قومیت کی تخفیف یا توہین ہوتی ہو) آئینی حدود کے اندر رہ کر مدافعت کرنا۔

(ب) مشترکہ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ مذہبی وملکی ضروریات کی تحصیل میں کوشش کرنا

(ج) عامہ اہل اسلام کی مذہبی نقطۂ نظر سے آئینی طریق پر سیاسی رہنمائی کرنا۔

(د) مشترکہ مذہبی وقومی اغراض میں مسلمانوں کے متفق رہنے کی کوشش کرنا۔

(ہ) دیگر غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ بمقتضائے فطرت واتباع احکام شریعت ہمدردی و اتفاق کو ترقی دینا۔

دفتر جمعیت علمائے ہند۔

دفعہ ۳۔ اس جمعیۃ کا صدر دفتر دہلی میں رہے گا۔

دفعہ ۴۔ جمعیۃ کی ایک مہر ہوگی جس پر "جمعیۃ علمائے ہند" کندہ ہوگا۔

جمعیت علمائے ہند کے ارکان

دفعہ ۵۔ اس جمعیت کے ارکان تین قسم کے ہوں گے۔

(۱) طبقہ علمائے اسلام۔

یعنی وہ حضرات اہلِ علم جنہوں نے کسی باقاعدہ مدرسے میں یا کسی مستند عالم سے علوم دینیہ عربیہ کی تکمیل کی ہو۔

(۲) طبقہ واعظین اسلام۔

یعنی وہ حضرات اہل علم جنہوں نے علوم دینیہ عربیہ کی تحصیل یا تکمیل تو نہیں کی لیکن مذہبی معلومات پر انکی نظر ہے اور مذہبی مضامین پر وعظ و تقریر کیا کرتے ہیں۔

(۳) دیگر معززین و عامہ اہلِ اسلام۔

دفعہ ۶۔ ہر امیدوار رکنیت کو ایک درخواست تحریری اس فارم پر جو دفتر جمعیت سے ملے گا یا اسی جیسے نمونے پر اپنے دستخطوں سے دفتر جمعیت میں بھیجنی ہوگی۔

دفعہ ۷۔ یہ درخواست مجلسِ انتظامیہ میں پیش ہوگی اور مجلس انتظامیہ کا فیصلہ اس کے بارے میں قطعی ہوگا۔

دفعہ ۸۔ مجلسِ انتظامیہ کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی شخص کو بدون تحریری درخواست کے بھی جمعیۃ کا رکن منتخب کرے مگر ایسے رکن کی رکنیت اس وقت معتبر ہوگی جب کہ اس کی تحریری منظوری دفتر جمعیت میں پہنچ جائے۔

دفعہ ۹۔ ہر ممبر کو تین روپے سالانہ چندہ ادا کرنا ہوگا۔

عہدہ داران جمعیۃ علمائے ہند

دفعہ ۱۰۔ جمعیت علمائے ہند کے عہدہ دار حسبِ ذیل ہونگے۔

(۱) صدر (پریسیڈنٹ)۔

(۲) نائب صدر (وائس پریسیڈنٹ) مختلف صوبوں میں جن کی تعداد ۱۳ سے ۲۶ تک ہو سکتی ہے۔

(۳) ناظم (سیکرٹری)۔

(۴) نائب ناظم و معین ناظم جن کی تعداد پانچ تک ہو سکتی ہے۔

(۵) امین جمعیت علمائے ہند (خزانچی)۔

دفعہ ۱۱۔ عہدہ داران جمعیۃ اس کے عام جلسہ میں منتخب کیے جائیں گے اور دو سال تک اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے مگر ان کا تین دفعہ تک مسلسل انتخاب مکرر ہو سکے گا۔

دفعہ ۱۲۔ صدر، نائب صدر و ناظم کا انتخاب طبقہ اولیٰ میں سے ہونا لازمی ہوگا۔

مجلس انتظامیہ۔

دفعہ ۱۳۔ جمعیۃ علمائے ہند کی منتظمہ جماعت اس کے ارکان میں سے پابندی قواعد ذیل مقرر کی جائے گی۔

قاعدہ (۱) منتظمہ جماعت زیادہ سے زیادہ ۱۳۲ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ ان میں سے لازمی طور پر ۸۸ ارکان طبقہ اولیٰ کے اور ۴۴ طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے لیے جائیں گے اور دو سال تک اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے مگر ان کا تین دفعہ تک مسلسل انتخاب مکرر ہو سکے گا۔

قاعدہ (۲) منتظمہ جماعت کے ارکان کا انتخاب صوبہ وار حسب ذیل تناسب سے ہوگا۔

صوبۂ دہلی	صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ
صوبۂ آسام	صوبۂ بہار
صوبۂ بمبئی	صوبۂ برار
صوبۂ سندھ	صوبۂ پنجاب
ریاستہائے ہند	صوبۂ سرحدی
صوبۂ بنگال	صوبۂ برہما
صوبۂ مدراس	

قاعدہ (۳) ہر صوبہ کے ارکان کا انتخاب اس صوبہ کی جمعیۃ علماء کرے گی۔ لیکن اگر کسی صوبہ میں جمعیۃ علماء قائم نہ ہو تو جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عام اُس صوبہ کے نمائندوں کا انتخاب کرے گی۔

دفعہ ۱۴۔ منتظمہ جماعت کا ہر رکن (عہ) سالانہ چندہ ادا کرے گا اور اگر تاریخ رکنیت سے ایک سال تک اس نے مفوضہ چندہ ادا نہ کیا تو مناسب اطلاع دینے کے بعد مجلس منتظمہ کو اختیار ہوگا کہ اسے رکنیت سے علیحدہ کر دے۔

مجلسِ انتظامیہ کے اختیارات و فرائض ۔

دفعہ ۱۵۔ مجلسِ انتظامیہ کو حسبِ ذیل اختیارات حاصل ہونگے ۔

(الف) جمعیۃ علمائے ہند کے ارکان کا انتخاب حسبِ دفعات ۵۔ ۷۔ ۸ عمل میں لانا۔

(ب) جمعیۃ علمائے ہند کے جلسے حسب دفعات ۱۷۔ ۱۹ منعقد کرنا۔

(ج) جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عام کے لئے صدر منتخب کرنا۔ لیکن انتخاب صدارت میں اس صوبہ کی جمعیۃ علمائے سے جس میں مجلس عام منعقد ہونے والی ہے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔

(د) جمعیۃ علمائے ہند کے مقاصد کے حصول میں جو معلومات مفید اور ضروری ہوں انہیں بہم پہنچانا۔

(ہ) جمعیۃ علمائے ہند کے مقاصد سے جو امور متعلق ہوں ان پر غور کرنا اور تجاویز منظور کرانا۔

(و) منظور شدہ تجاویز کو عمل میں لانے کی ضروری تدابیر اختیار کرنا۔

(ز) اپنے اختیارات و فرائض کی انجام دہی کے لئے خاص خاص ماتحت جماعتیں (سب کمیٹیاں) بنانا۔

(ح) مقامی اور صوبہ وار جمعیتوں اور انجمنوں کو جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ ملحق کرنا اور ان کے الحاق کو منسوخ کرنا۔

(ط) جمعیۃ علمائے ہند اور دوسری مقامی یا صوبہ وار ملحقہ جمعیتوں کے درمیان معاملات کا طے کرنا۔

(ی) جمعیۃ کے سرمایہ کی نگرانی کرنا اور حسب قواعد اس کو صرف کرنا۔

(ک) مجلس انتظامیہ کو اختیار ہوگا کہ اپنے اختیارات میں سے ایک یا متعدد اختیارات ناظم کو بلا شرط یا مناسب شرائط کے ساتھ سپرد کردے۔

(ل) تنخواہ دار ملازمین مقرر کرنا یا ان کو برطرف کرنا اور ناظم کے فیصلہ جات متعلقہ تقرر یا برطرفی ملازمین کی نگرانی کرکے انہیں بحال رکھنا یا منسوخ کرنا۔

(م) مجلس انتظامیہ کو اختیار ہوگا کہ عہدہ داران اور ارکان منتظمہ کے ان عہدوں کو جو خالی ہوگئے ہوں عارضی طور پر بذریعہ انتخاب پُر کرلے تاوقتیکہ مجلس عام میں ان کا باقاعدہ انتخاب عمل میں آئے۔

جمیعت علمائے ہند کا دائرہ۔

دفعہ ۱۶۔ جمیعۃ علمائے ہند کا مفہوم حسب ذیل جماعتوں کے مجموعہ پر مشتمل ہوگا۔

(الف) ممبران جمیعۃ جو حسب دفعہ ۵۔ ۷۔ ۸ منتخب کئے گئے ہوں۔

(ب) مجلس انتظامیہ جو حسب دفعہ ۱۳ منتخب کی گئی ہو۔

(ج) مقامی یا صوبہ وار جمعیتیں اور انجمنیں جو حسب دفعہ ۱۵ ضمن (ج) جمیعۃ علمائے ہند کے ساتھ ملحق کی گئی ہوں۔

جمیعۃ علمائے ہند کی مجالس۔

دفعہ ۱۷۔ جمیعت علمائے ہند کا سالانہ ایک عام جلسہ منعقد کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی مجلس عام منعقد ہو سکے گی بشرطیکہ مجلس انتظامیہ کا ۲/۱ حصہ اس کے انعقاد کو ضروری سمجھے۔

دفعہ ۱۸۔ مجلس عام کے اختیارات حسب ذیل ہونگے۔

۱۔ مجلس انتظامیہ کا انتخاب کرنا۔ ۲۔ قوانین وضوابط بنانا اور ترمیم کرنا یا منسوخ کرنا۔

۳۔ عہدہ داران جمیعۃ کا انتخاب کرنا۔ اغراض ومقاصد جمیعۃ کے متعلق تجاویز پاس کرنا۔

دفعہ ۱۹۔ جمیعت علمائے ہند کی مجلس انتظامیہ کے جلسے عموماً سہ ماہی ہوا کریں گے لیکن کسی ضرورت کے وقت غیر معمولی جلسے بھی ناظم طلب کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر باوجود ضرورت کے ناظم جلسہ طلب نہ کرے تو صدر جمیعۃ بذاتِ خود یا نائب صدر مع تین ممبروں کی رائے کے یا پانچ ممبر خود ناظم سے جلسہ کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور پھر بھی ناظم جلسہ طلب نہ کرے تو یہ لوگ بحیثیت مذکورہ بالا خود جلسہ طلب کر سکتے ہیں۔

دفعہ ۲۰۔ جمیعۃ علمائے ہند کی مجلس عام میں ایک ثلث ممبروں کی موجودگی تکمیل نصاب کے لئے کافی ہوگی بشرطیکہ موجودہ ممبروں میں دو ثلث ممبر طبقہ اُدنیٰ کے ہوں۔

دفعہ ۲۱۔ مجلس انتظامیہ کے جلسوں میں چھ ممبروں کی موجودگی پر نصاب پورا سمجھا جائے گا اور اگر پہلے جلسے میں باوجود اطلاع جاری ہونے کے نصاب پورا نہ ہو تو دوبارہ صرف دو ممبروں کی موجودگی کافی سمجھی جائے گی۔

دفعہ ۲۲۔ جمیعۃ علمائے ہند کی تمام مجالس عامہ وخاصہ میں ارکان کی تحریری رائے اُن کی زبانی رائے کے برابر سمجھی جائے گی۔

جمیعۃ علمائے ہند کا سرمایہ۔

دفعہ ۲۳۔ جمیعۃ علمائے ہند کے سرمایہ میں تین قسم کی رقمیں شامل ہونگی۔

(الف) عام ارکان کا چندہ سالانہ۔

(ب) منتظمہ جماعت کے اراکین کا چندہ سالانہ۔

(ج) عام اہل اسلام کے عطایا جو اغراض و مقاصد جمعیۃ کے لئے عطا کئے جائیں۔

دفعہ ۲۴۔ ہر قسم کی رقم اور عطیہ جو جمعیۃ کو دیا جائے گا دفتر جمعیۃ سے اس کی رسید دینے والے کو دی جائے گی جس پر ناظم کے دستخط اور جمعیۃ کی مہر ہوگی۔

دفعہ ۲۵۔ جمعیۃ کا تمام سرمایہ امین جمعیۃ کی تحویل میں رہیگا اور اسکا حساب دفتر جمعیۃ میں محفوظ رکھا جائیگا۔

دفعہ ۲۶۔ معمولی مصارف کیلئے ناظم اپنے اختیار سے ماہانہ ... روپیہ امین سے واپس لے سکے گا اور اس سے زیادہ کے لئے صدر جمعیۃ کی تحریری منظوری شرط ہوگی۔

دفعہ ۲۷۔ غیر معمولی مصارف کے لئے مجلسِ انتظامیہ کی اجازت ضروری ہوگی۔

دفعہ ۲۸۔ ہر قسم کے معمولی اور غیر معمولی مصارف کا مفصل حساب ناظم کو مجلس انتظامیہ کے روبرو پیش کرنا ہوگا۔

متفرق قواعد۔

دفعہ ۲۹۔ ہر اسلامی انجمن یا جمعیۃ علماء کا الحاق جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ بشرائط ذیل ہو سکے گا۔

(۱) وہ انجمن یا جمعیۃ۔ جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ اغراض و مقاصد میں متفق ہو۔

(۲) اس انجمن یا جمعیۃ کی مجلس انتظامیہ میں اسکے الحاق کی تجویز منظور ہو چکی ہو۔

دفعہ ۳۰۔ جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عام یا مجلسِ خاص میں زیر بحث امور کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا۔ لیکن رائے لینے کی صورت میں رایوں کا شمار اُسی تناسب سے ہوگا جس کی تصریح دفعہ ۱۳ کے قاعدہ نمبر ۱ میں کی گئی ہے۔ یعنی کسی صورت میں رائے دہندگان کی مجموعی تعداد میں طبقہ اولیٰ کی تعداد ½ سے کم نہ ہوگی۔

دفعہ ۳۱۔ غیر ممبر کو رائے دہندگی کا حق نہ ہوگا۔

دفعہ ۳۲۔ دفتری کاروبار و دیگر ضروریات کے انصرام کے لئے ناظم اپنے اختیارات سے بیس روپیہ ماہوار تنخواہ تک کے ملازم رکھ سکتا ہے اور اسی حد تک کے ملازموں کو برطرف بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے فیصلے کے خلاف مجلسِ انتظامیہ میں اپیل ہو سکے گا۔

التماس بخدمت علمائے کرام و دیگر ہمدردانِ اسلام -

صفحات سابقہ سے جناب کو واضح ہو گیا ہو گا کہ علمائے کرام نے ایک جمعیت کی بنیاد اعلےٰ پیمانے پر ڈالدی ہے اور اس کے گزشتہ جلسوں میں جس قدر حضرات شریک ہوئے ہیں انہوں نے جمعیت کی رکنیت بھی منظور فرمائی ہے (الا ماشاءاللہ) علم اور اہل علم کے وقار کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ براعظم ہندوستان کے ہر گوشے اور شہر و قصبے کے علماء کرام فوراً جمعیت کی رکنیت قبول فرما کر دفتر جمعیت کو اطلاع فرما دیں اور دیگر دردمندان اسلام کو بھی ممبری کی ترغیب دیکر ممبر بناویں۔ جس قدر جلد اور جس قدر کثرت سے جمعیت کے اعضاء و ارکان بہم پہنچیں گے اسی قدر جمعیت جلد سے جلد ترقی کے مدارج پر پہنچے گی۔

اساسی اصول اور ضوابط کا مسودہ آپ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا گیا ہے کہ اس پر پورا غور و خوض فرما کر اپنی رائے صائب صفحے کے سادہ کالم میں درج فرما دیں اور جس قدر جلد ممکن ہو دفتر جمعیت میں ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

اب تک ابتدائی مصارف کے لئے کوئی چندہ نہیں کیا گیا۔ لیکن کام میں ہرج نہ ہو اس خیال سے چندہ کا انتظار نہیں کیا بلکہ کام شروع کر دیا ہے ارباب ہمم اس کام کی عظمت و اہمیت کا خیال فرما کر خود ہی ابتدائی مصارف کا انتظام کر دیں گے۔

علمائے کرام و دیگر معززین و اہل الرائے اہلِ اسلام کی تحریری رائیں حاصل ہونے کے بعد جمعیت کا عام اجلاس بغرضِ منظوری قواعد و ضوابط منعقد کیا جائے گا اور اس وقت تبادلۂ خیالات کا اچھا موقع دستیاب ہو گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ۵

خاکسار

احمد سعید عفی عنہ (عارضی) ناظم جمعیۃ علمائے ہند -

ماخذ: احمد سعید، اساسی اصول و اغراض و مقاصد و ضوابط جمعیت العلماء ہند کا زیر تجویز مسودہ جنوری ۱۹۲۰ء، دہلی، ت ن، ۰۱۰ص -

۳

اغراض و مقاصد۔

دستور العمل جمعیۃ علماء ہند کے الفاظ میں اغراض و مقاصد حسبِ ذیل ہیں :۔

دفعہ ۳۔ اِسلامی نقطۂ نظر سے ملتِ اسلامیہ کی حسبِ ذیل امور میں رہنمائی اور جدوجہد کرنا۔

(الف) اِسلام، مرکزِ اسلام (حجاز) جزیرۃ العرب اور شعائرِ اسلام کی حفاظت اور اسلامی قومیت کو نقصان پہنچانے والے اثرات کی مدافعت۔

(ب) مسلمانوں کے مذہبی اور وطنی حقوق اور ضروریات کی تحصیل و حفاظت۔

(ج) علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔

(د) ملّتِ اسلامیہ کی شرعی تنظیم اور محاکمِ شرعیہ کا قیام۔

(ہ) شرعی نصب العین کے موافق قوم اور ملک کی کامل آزادی۔

(و) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اصلاح اور اندرونِ ملک حسبِ استطاعت اِسلامی تبلیغ و اشاعت۔

(ز) ممالکِ اسلامیہ اور دیگر ممالک کے مسلمانوں سے اِسلامی اخوت و اتحاد کے روابط کا قیام و استحکام۔

(ح) شرعی حدود کے مطابق غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کے تعلقات کا قیام۔[۵]

---

۵ دستور العمل منظور شدہ اجلاس مجلس مرکزیہ جمعیۃ علمار ہند منعقدہ ۷، ۸، ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۳۹ء بمقام مراد آباد کے الفاظ یہ ہیں جو درج کئے گئے اس سے پہلے دستور العمل کے الفاظ حسبِ ذیل تھے۔

دفعہ ۳۔ مذہبی نقطۂ نظر سے ..... اہلِ اسلام کی سیاسی اور غیر سیاسی امور میں رہنمائی کرنا جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(الف) اسلام، مرکزِ اسلام (جزیرۃ العرب و مستقر خلافت) شعائرِ اسلام، اسلامی قومیت کو ضرر پہنچانے والے اثرات کی شرعی حیثیت سے مدفعت کرنا۔

(ب) مشترکہ مذہبی حقوق کی تحصیل و حفاظت اور مشترکہ مذہبی و وطنی ضروریات کو حاصل کرنا۔

(ج) علمار کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔

(د) مسلمانوں کی تنظیم اور اخلاقی و معاشرتی اصلاح۔

(ہ) غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کے تعلقات اِس حد تک قائم رکھنا جہاں تک شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہو۔

(و) شرعی نصب العین کے موافق مذہب و وطن کی آزادی۔

(ز) شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے محاکم شرعیہ کا قیام

(ح) اندرونِ ہندوستان اور بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کرنا۔

(ط) بیرونی ممالک کے مسلمانوں سے اِسلامی اخوت و اتحاد کے روابط قائم رکھنا اور مستحکم کرنا۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلمار کیا ہے؟ حصہ اول، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۰-۱۱۔

۴

جمعیت العلمأ ہند کے اغراض ومقاصد اور نظام -

جمعیت العلمأ کے دستور کی دفعہ ۶ کے مطابق جمعیۃ علمائے ہند کے اغراض ومقاصد حسبِ ذیل ہونگے۔

(الف) اسلام، شعائرِ اسلام اور مسلمانوں کے مآثر و معابد کی حفاظت۔

(ب) مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل وحفاظت۔

(ج) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاح

(د) ایسے اداروں کا قیام جو مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی (سوشل) زندگی کی ترقی واستحکام کا ذریعہ ہوں۔

(ہ) اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔

(و) علوم عربیہ واسلامیہ کا احیاء اور زمانۂ حال کے مقتضیات کے مطابق نظامِ تعلیم کا اجرا

(ز) تعلیماتِ اسلامی کی نشر واشاعت۔

(ح) اسلامی اوقاف کی تنظیم وحفاظت

جمعیۃ العلماء کے ممبر

دفعہ ۷ - جمعیۃ العلماء کے ابتدائی ممبر اور میعاد ممبر سازی (الف) ہر وہ مسلمان (مرد و

عورت) جمعیۃ العلماء کا ممبر بن سکتا ہے جو شرعاً عاقل و بالغ ہو اور جس کو جمعیۃ العلماء ہند کے مقاصد سے پوری طرح اتفاق ہو، اور ۲۵ پیسے فیس ممبری کی ادائیگی منظور کر کے فارم ممبری پر دستخط کرے۔

(ب) جمعیۃ علماء کی ممبر سازی ہر دوسرے سال ۳۰ نومبر تک ہوا کرے گی۔ البتہ مخصوص حالات میں ناظم عمومی کو بمشورہ صدر توسیع کا اختیار ہوگا۔

نظام ترکیبی

دفعہ ۸۔ جمعیۃ علماء ہند کے نظام ترکیبی میں حسب ذیل جمعیتیں شامل ہوں گی۔

(الف) مقامی جمعیۃ العلماء

(ب) شہری جمعیۃ علماء

(ج) جمعیۃ علماء ضلع

(د) جمعیۃ علماء علاقہ

(ہ) جمعیۃ علماء صوبہ

سوائے مرکزی جمعیۃ العلماء ہند کے کسی بھی ماتحت جمعیۃ کے نام کے ساتھ لفظ "ہند" نہیں لکھا جائے گا۔

دفعہ ۹ جمعیۃ العلماء ہند کے نظام ترکیبی میں شامل ہونے والی تمام جمعیتوں کے انتخابات دو سالہ ہوا کریں گے۔

ماخذ: احمد ہاشمی، وقت کے تقاضے، دہلی، ت ن، آخری ورق۔

باب دوئم
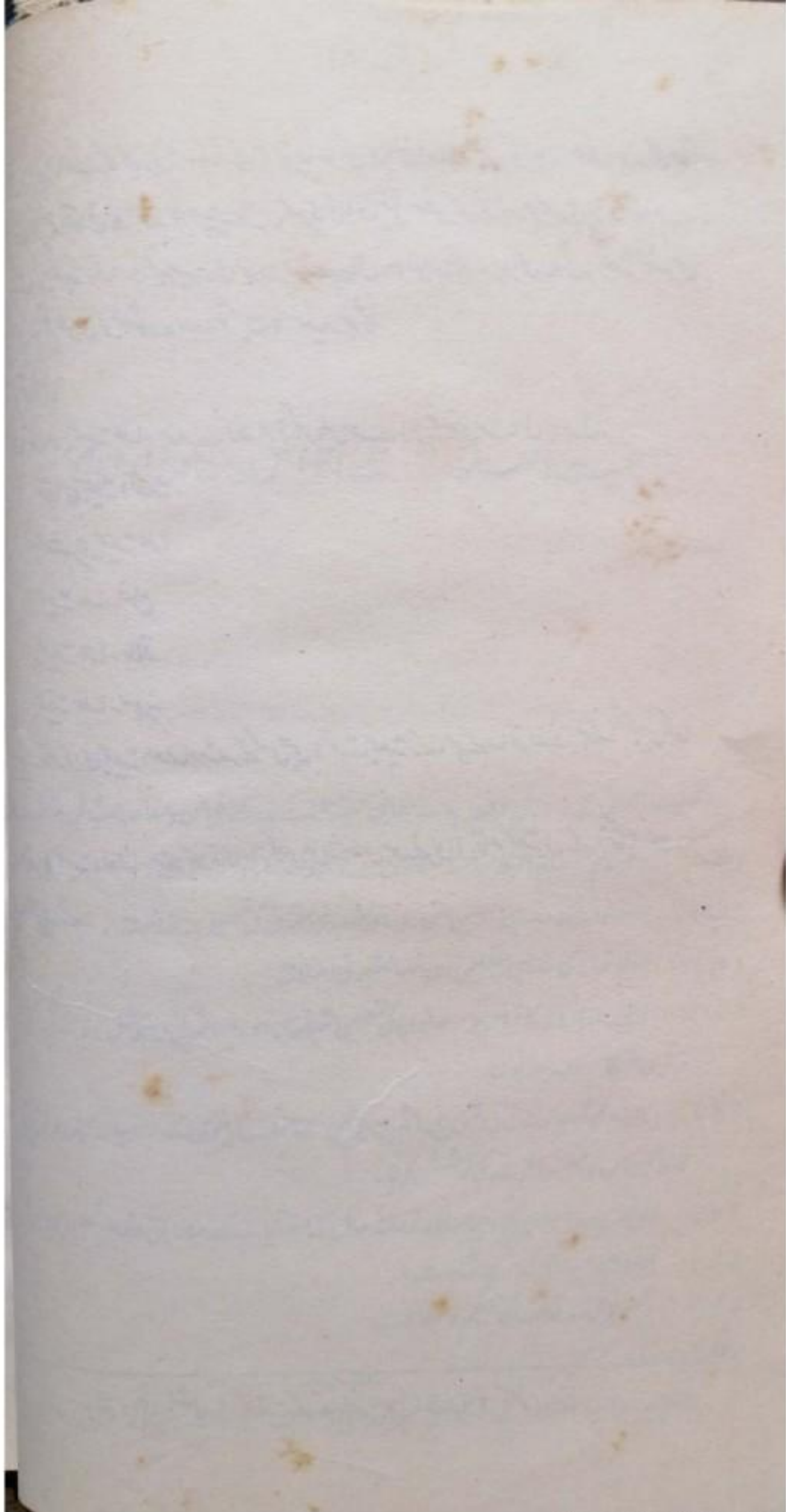
اجلاس دوئم، دہلی، ۱۹،۲۰،۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء

(۷،۸،۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ)

زیرِ صدارت

شیخ الہند مولانا محمود حسن

۵

خطبۂ صدارت از شیخ الہند مولانا محمود حسن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَاءُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ جَآءَ بِالْبَیِّنٰتِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ اَغِثْنَا وَنَجِّنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ خاکسار ذرۂ بے مقدار حضرات علمائے کرام و معززین اہلِ اسلام و برادرانِ وطن کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ آپ حضرات نے مجھ جیسے ناچیز و ضعیف کو جس عظیم الشان خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے میں اس کے لئے آپ کی محبت و عزت افزائی کا دل سے شکریہ

ادا کرنے کے ساتھ ہی یہ التماس کرتا ہوں کہ صدارت کی ذمہ داری کی اہمیت اور زمانۂ حاضرہ کی ہوش رُبا کشمکش موت وحیات پر نظر کرتے ہوئے میں اپنی گزشتہ پنج سالہ قید عزبت اور اب موجودہ ممتد علالت کے سبب سے صدارت کی خدمت سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں کیونکہ ایسے نازک اور پرخطر زمانہ میں کسی عظیم ملی اور قومی اجتماع کی صدارت کے لئے ضروری تھا کہ صدر تمام جزئیات سے واقف ہو اور نہ تھکنے والی دماغی قوت اور نہ متزلزل ہونے والی قلبی عزیمت اور چست ہونے والی اعضاء وجوارح کی طاقت رکھتا ہو۔ با ایں ہمہ آپ حضرات نے مجھے ایک دینی و قومی خدمت کے لئے نامزد اور منتخب کر دیا تو میرے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ بنامِ خدا اس کے لئے سر تسلیم خم کر دوں اور خدا کی تائید پر بھروسہ کر کے خدمت اسلام و اہلِ اسلام کے لئے تیار ہو جاؤں۔

معززِ حاضرین! میری اس عاجزانہ التماس پر پوری توجہ مبذول فرمائیں کہ کئی مہینے کی ممتد علالت کی وجہ سے مجھے پورے اطمینان و غور و خوض کا موقع نہیں ملا ہے۔ اس لئے اگر معروضات میں کسی قسم کی کوتاہی ہو، مضامین منتشر ہوں تو میرے واقعی عذر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معاف فرمائیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

محترم حاضرین! آج جس اجلاس میں آپ تشریف فرما ہیں اور طویل وعریض سفر برداشت کر کے شریک ہوئے ہیں، یہ وہ مقدس اجتماع ہے جس کا سنگ بنیاد بحکم وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ـــ اور أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ اور تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ رکھا گیا ہے یعنی حضرت حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم فرمایا کہ اپنے اصحاب کرام سے مشورہ فرمایا کریں۔ اور پھر مسلمانوں کی شان بھی یہی بیان فرمائی کہ وہ اپنے امور کا آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے تھیں۔ جس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے تمام کام بالخصوص ایسے کام جن کا مسلمانوں کی تمام جماعت سے تعلق ہے آپس کے مشورے سے ہونے چاہئیں۔ یہ حکم تو ایسے جلسوں اور اجتماعوں کے جواز کی بنیاد ڈالتا ہے جو بغرضِ مشورہ منعقد کئے جائیں۔ اور ارشاد تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ۔ ان اجتماعوں کی نوعیت کو مقید کرتا ہے۔ یعنی مجلسِ مشاورت کا نیکی اور خوفِ خدا پر مبنی ہونا لازم ہے۔ پس تمام ایسے جلسے جن کا مقصد دینِ مقدس کی حمایت و حفاظت ہو اور جن میں نیکی اور بھلائی کے طریقوں پر غور کیا جائے اور جن میں خدائے قدوس کا خوف شامل حال رہے، منعقد کرنا اور ان میں شریک ہونا حکم خداوندی کی تعمیل اور سنتِ نبویہ کی اقتداء ہے۔

چونکہ دورِ حاضر میں دشمنانِ اسلام نے مقاماتِ مقدسہ کو غصب کر کے اقتدار خدمت

کو پامال کر کے مسلمانوں کے واجب الاحترام، جان ومال سے زیادہ عزیز مذہب کی توہین کی اور ان کے دینی بھائیوں کی جان و مال عزت وآبرو کو برباد کیا اس لئے تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر فرض ہوگیا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی نصرت واعانت، اور اپنے پاک اور مقدس مذہب کی حفاظت اور اعدائے اسلام کی مدافعت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس فرض میں چین، جاوا، ہندوستان، افغانستان، ترکستان، بخارا وغیرہ کے مسلمان برابر ہیں۔ کسی کی تخصیص نہیں۔ جن مقامات میں لڑائی ہوئی ہے جس طرح وہاں کے مسلمانوں پر فرض تھا کہ اپنے بھائیوں کی مدد اور دشمن کی مدافعت کریں۔ اسی طرح روئے زمین کے مسلمانوں پر ایشیائی اور یورپین مظلوم مسلمانوں کی امداد و اعانت اور دشمنوں کی مدافعت فرض ہے اگرچہ امداد و اعانت کی صورت مختلف اور مدافعت کی نوعیت جداگانہ ہو۔

جمعیۃ علمائے ہند کے سامنے جہاں اور مذہبی وعلمی فرائض ہیں وہاں اس وقت یہ فریضہ بھی اس کے پیش نظر ہے۔ بلکہ تمام دیگر فرائض سے مقدم اور اہم ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا بیرون ہند کے مسلمانوں کے ساتھ تعلق۔

رہا یہ سوال کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بیرون ہند کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا کون سا شدید تعلق ہے جس کی وجہ سے ان پر سات سمندر پار رہنے والوں کی جانی اور مالی امداد فرض ہو جاتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں اور کلمہ گویوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ اتحاد و اخوت قائم کیا ہے۔ جو تمام قومی مصنوعی اتحادات سے بالاتر ہے۔ اس میں قومیت اور لباس اور رنگت کا امتیاز نہیں۔ صرف خدائے واحد پر ایمان لانا ایک مغربی شخص کو اقصائے مشرق میں رہنے والے کا بھائی بنا دیتا ہے اور ان بعد المشرقین کے رہنے والوں کے درمیان وہ تمام تعلقات قائم ہو جاتے ہیں جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت حق جل شانہٗ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (قرآن مجید) یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان حقا علی المومنین ان یتوجع بعضھم لبعض کما یالم الجسد للراس (کنز العمال) — یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے لئے ایسے دردمند ہوں جیسے سر کے درد میں باقی اعضائے بدن دکھ پاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینه اشتکی کله وان اشتکی راسه اشتکی کله

(رواہ مسلم)

یعنی تمام مسلمان مثل ایک جسم کے ہیں اگر آنکھ میں درد ہو تو تمام بدن دکھ اٹھاتا ہے اور سر میں درد ہو تو تمام بدن تکلیف پاتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے درد اور دکھ سے تمام مسلمانوں کو درد اور تکلیف پہنچنا ضروری ہے خدا تعالےٰ کے پاک فرمان اور رسول مقبول صلعم کے مقدس ارشاد سے صاف ثابت ہو گیا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے درد سے اس قدر صدمہ ہونا چاہیئے۔ جس قدر ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضا کو تکلیف ہوتی ہے اور اس مثال سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اس وقت کامل ہو گا جب کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تکلیف سے ایسی ہی بے اختیاری اور اضطراری طور پر تکلیف پہنچے۔ جس طرح ایک عضو سے دوسرے اعضا کی تکلیف سے ایسی ہی بے اختیاری اور اضطراری ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:۔

المسلم اخوا لمسلم لا یظلمه ولایسلمه (وفی روایة المسلم) ولا یظلمه ولا یخذلہ ولا یحقرہ۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے دشمن کے پنجہ میں چھوڑ دے (اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے) کہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کی نصرت اور مدد سے منہ موڑے اور نہ اسے حقیر کرے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

مَامِنْ اِمْرِءٍ مُسلم یخذل امرءًا مسلمًا فی موضع ینتھک فیه حرمته و ینتقص فیه من عرضه الاخذله الله تعالی فی موضع یحب فیه نصرته وما من امرءٍ مسلم ینصر مسلمًا فی موضع ینقص فیه من عرضه وینتھک

جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد نہ کرے جہاں اسکی بے عزتی کیجاتی ہو اور آبرو پامال ہوتی ہو تو خدا اس کی اُس جگہ مدد نہیں کرے گا جہاں یہ خدا کی مدد چاہتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے گا جہاں اس کی عزت خراب کی جاتی ہے اور بے آبروئی ہو

فیہ من حرمتہ الا نصرہ اللہ فی مواطن یحب فیہ نصرتہ (رواہ ابوداؤد)
المومن اخوالمومن یکف عنہ ضیعتہ ویحوطہ من ورائہ (ابوداود)

رہی ہے تو خدا اس کی اس جگہ مدد کرے گا جہاں یہ خدا کی مدد چاہتا ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کو ہلاکت سے بچاتا اور پس پشت اس کی حفاظت کرتا ہے۔

یہ ہیں خدائے برتر اور اس کے پاک رسولؐ کے صریح فرمان اور یہ ہیں مقدس مذہب اسلام کے جلیل القدر احکام جن کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان اپنے سمندر پار کے مذہبی بھائیوں کی امداد واعانت کو اپنا مذہبی پاک فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ہم نے اس درد ناک مصیبت میں بھی انکی بات نہ پوچھی، کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہے اور ان کو دشمنوں کا تختۂ مشق بن جانے کے لیے چھوڑ دیا اور ان کی امداد و اعانت میں امکانی کوشش نہ کی تو قیامت کے دن خدائے جلیل وجبار کے قہر سے چھٹکارا مشکل ہے۔

اسلام سے پہلے قومی زندگی قائم رکھنے اور بنی نوع کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اقوامِ عالم کا یہ طریقہ تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ حلف یعنی معاہدہ کر لیا جاتا تھا۔ دونوں معاہد قومیں ایک دوسرے کی مددگار ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کی طرف سے دشمنوں سے لڑتی تھیں۔ معاہدے کی یہ رسم غیر مسلم اقوام میں آج تک جاری ہے۔

اسلام نے حلف یعنی معاہدۂ نصرت کو مسلمانوں کے آپس میں غیر ضروری قرار دیا۔ مگر غیر ضروری قرار دینے کا منشا یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کو متفقہ قومی طاقت یا باہمی معاونت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو خود انکے پاک مذہب نے باہمی نصرت و اعانت کی ایسی مضبوط زنجیر میں جکڑ دیا ہے جو انسانی معاہدۂ نصرت سے کہیں زیادہ مضبوط اور استوار ہے، جس وقت کسی شخص نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ لیا۔ اُسی وقت سے وہ مسلمانوں کا بھائی ہو گیا۔ خواہ وہ اقصائے مغرب کا رہنے والا ہو یا منتہائے مشرق کا، گورا ہو یا کالا کچھ تفاوت نہیں۔

بات یہ ہے کہ معاہدہ کرنیوالے معاہدے سے تین فائدے حاصل کرتے تھے اول یہ کہ ایک معاہد دوسرے کے حملے سے محفوظ ہو جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ کسی تیسرے حملہ آور دشمن کے ساتھ مل کر اس سے لڑنے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ اگر یہ کسی دشمن پر حملہ کرے تو معاہد اس کی مدد کرے۔ یہ تینوں باتیں ہر مسلمان پر اسلام لاتے ہی فرض ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلی

بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حملے سے محفوظ ہو جائے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے۔

سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (بخاری) — مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس پر حملہ کرنا کفر ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:-

کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه — یعنی مسلمان کو دوسرے مسلمان کے جان و مال اور آبرو پر حملہ کرنا حرام ہے۔

تیسری حدیث میں ارشاد ہے:-

الا لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (ترمذی) — دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو۔

اور حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما ہ (سورۃ نساء) — جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور لعنت نازل ہوگی اور اس کے لئے خدا تعالیٰ نے بڑا عذاب مہیا کیا ہے۔

اور دوسری بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جانب سے یہ خوف نہ کرے کہ وہ میرے دشمن کے ساتھ ہو کر میرے اوپر حملہ کرے گا۔ اس کے متعلق ارشاد ہے۔

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔ — یعنی مسلمان کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کے خلاف نہ بنائیں کہ کفار کی طرف ہو کر مسلمانوں سے لڑیں۔

تفسیر ابن جریر میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:-

ومعنی ذلك لا تتخذوا ایها المؤمنون الکفار ظهرا وانصارا توالونهم علی دینهم وتظاهرونهم علی المسلمین (ابن جریر طبری) — یعنی معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ اے مسلمانو! کفار کو اپنا مددگار اور حمایتی نہ بناؤ کہ ان کا فرول سے تم ان کے دین میں دوستی کرو اور ان کی مسلمانوں کے خلاف مدد کرو۔

تیسری بات کہ اگر مسلمان کسی دشمن اسلام پر حملہ کرے تو تمام مسلمان اس کی مدد کریں۔
اس کے متعلق حضور کا صاف و صریح ارشاد موجود ہے کہ :-

المؤمنون ید علی من سواھم (ابوداؤد)۔ تمام مسلمان دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ہاتھ ہیں۔

یعنی دشمنان اسلام کے مقابلے میں تمام مسلمانوں کو اس طرح متفقہ طاقت سے کام لینا چاہیئے کہ گویا ان سب کی حرکت ایک ہاتھ کی حرکت ہے۔

پس جب کہ مسلمانوں کے لئے رسمی معاہدہ کی تمام ذمہ داریاں صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہیں تو مسلمان کو مسلمان سے معاہدہ کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ رہا مسلمانوں کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ کرنا اور جب تک دوسرا فریق بدعہدی نہ کرے اس پر قائم رہنا یہ علیحدہ چیز ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج کل کی دنیا کی وہ قومیں جو اپنے رسمی معاہدوں کو واجب الاحترام سمجھتی ہیں یا اُن کو یہ حق ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس آسمانی معاہدے اور مذہبی حلف سے روک دیں یا یہ کہہ سکیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ترکی یا عراق یا شام کے مسلمانوں سے کیا واسطہ یہ خواہ مخواہ کیوں چیخ پکار کرتے ہیں ہم تمام ایسے لوگوں سے ببانگ دہل کہے دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی نصرت و معاونت کا معاہدہ انسانی معاہدہ نہیں ہے بلکہ خدائے قدوس کا قائم کیا ہوا اور سنت تاکیدی مذہبی احکام کا قرار دیا ہوا معاہدہ ہے۔ اگر تمہارے اپنے قائم کئے ہوئے معاہدے تمہیں مجبور کرتے ہیں کہ امریکہ والے آکر یورپ میں تمہاری مدد کریں اور ان کی یہ مدد آئین و انصاف کے خلاف نہ سمجھی جائے تو مسلمانوں کو ان کا خدا ان کا رسول ان کا پاک مذہب حکم کرتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کریں خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں۔

کسی انسانی قانون اور طاقت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض سے روکے یا ان کی جائز مذہبی جدوجہد کو غیر آئینی قرار دے۔

یہاں پر طبعًا یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ کون سے واقعات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اس قدر بے چین اور مضطرب کر دیا ہے اور کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے بیرونِ ہند کے رہنے والے بھائیوں سے ہمدردی اور ان کی اعانت فرض ہوگئی ہے اس کا جواب دینے اور سننے کے لئے پتھر کا دل، فولاد کا کلیجہ درکار ہے اور اس کی تفصیل کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے اس لئے اول تو اپنے ضعف کی وجہ سے دوسرے اس لئے بھی کہ بہت سے واقعات

اور مظالم اخباروں اور تحریروں کے ذریعہ سے عالم پر آشکارا ہو چکے ہیں۔ میں صرف چند جملوں پر اختصار کرتا ہوں۔

معزز ناظرین! دنیائے اسلام میں گزشتہ چند صدیوں سے سلطان ٹرکی کی واحد سلطنت اسلامی شوکت کی ضامن تھی اور حرمین محترمین، بیت المقدس، عراق وغیرہ کے تمام اماکن مقدسہ و مقامات محترمہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔ جمہور اہل اسلام کے اتفاق سے سلطان ٹرکی خلیفۃ المسلمین مانے جاتے تھے اور خلافت کے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے تھے۔ ان کا عروج و ترقی اور ان کی سلطنت کی وسعت جابر و غاصب مسیحی سلطنتوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگی رہتی تھیں کہ خلیفۃ المسلمین کا اقتدار گھٹایا جائے اور مستقر خلافت پر قبضہ کر کے یورپ سے اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ اگرچہ سلطان ٹرکی پر ان مسیحی بھیڑیوں کے درمیان بالکل بتیس دانتوں میں ایک زبان کی مثل صادق تھی، مگر خلیفۃ المسلمین کی اسلام کے لئے جاں بازانہ مقاومت ان غاصبوں کی متعصبانہ خواہشیں پوری نہ ہونے دیتی تھی۔ تاہم ان دشمنانِ اسلام کے دندان آز غریب ٹرکی کے بدن میں سے گوشت کے لوتھڑے نوچتے رہے۔ اور ۱۸۷۷ء سے تو اس نوچ کھسوٹ کا متواتر ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ مصر جیسا زرخیز علاقہ، جزیرہ قبرص، طرابلس سالونیکا، یونان، بلغاریہ، سرویا، البانیہ وغیرہ ٹرکی علاقے یکے بعد دیگرے اِن ظالموں کی جوع الذئب کی بھینٹ چڑھ گئے اور یہ ان بڑے بڑے لقموں کو ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ یہاں تک کہ یہ جنگ عظیم چھڑ گئی جس کا واحد سبب طمع ملک گیری تھا، کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ ٹرکی کو بھی شریکِ جنگ ہونا پڑا اور شریک بھی اس فریق میں جو برطانیہ سے برسر پیکار تھا اس وقت تمام عالم کے مسلمان جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اور بالخصوص برطانوی حکومت میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مشکلات پیش آئیں۔ اس کو خدائے علیم و حکیم ہی بہتر جانتا ہے۔

برطانوی مدبرین نے اپنی مسلمان رعایا کی تسلی کے لئے وقتاً فوقتاً چند اعلان شائع کئے۔ جن میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ ان کے مقاماتِ مقدسہ پر کوئی آنچ نہ آئے گی اور مستقر خلافت پر کوئی معاندانہ قبضہ نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ مسلمانوں کا اِن وعدوں پر یقین کر کے مطمئن ہو جانا ایک سخت غلطی تھی جس کا تلخ ترین مزہ آج ان کے روحانی ذائقے کو تلخ بنا رہا ہے لیکن واقعہ یوں ہی ہوا کہ مسلمان اس وعدے پر مطمئن ہو گئے اور سلطنت برطانیہ کی جانی و مالی امداد کر کے شاندار فتح حاصل ہونے کے باعث بنے۔

شاطرین برطانیہ نے جیسے ہی ہوا کا رُخ اپنے موافق دیکھا۔ فوراً عیاری کے داؤ چلنے لگے اور تمام دنیا کی مہذب قوموں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر تمام وعدے نسیاً منسیاً کر دیئے۔

مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کر لیا، مستقرِ خلافت یعنی قسطنطنیہ کو فوجی قبضہ میں دبوچ لیا، سمرنا پر یونانیوں کو قبضہ دلا دیا، عرب کو ترغیب اور لالچ دے کر خلیفۃ المسلمین سے باغی بنا دیا۔ ترکی فوجوں سے ہتھیار رکھوا لیئے اور اس غریب کو زمانہ التوا میں بے دست وپا کر کے نہایت ذلت آمیز شرائطِ صلح پر دستخط کرنے کے لیئے مجبور کیا۔ شرائطِ صلح میں خاص طور پر اقتدارِ خلافت کو زائل کرنے والی شرطیں لگائی گئیں اور تمام دیگر طاقتوں کی مسلمان رعایا کا خلیفۃ المسلمین سے ذہنی سرپرستی کا تعلق منقطع کر دیا گیا۔ ولیعہدِ ترکی کو حراست میں کر لیا اور اسی قسم کے ہزاروں غیر منصفانہ سلوک کئے گئے۔

ان لڑائیوں میں شام، عراق، عرب، سمرنا، ترکی کے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑے گئے۔ لاکھوں مسلمان قتل کئے گئے۔ لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے ہزاروں کلمہ گو خانہ ویران ہو کر وطن سے بھاگ نکلے اور آج غیر ملکوں میں سڑکوں اور میدانوں پر بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہیں، سینکڑوں کے بدن پر کپڑا اور جان بچانے کے لیئے قوت لایموت بھی میسر نہیں۔ سمرنا میں ہزاروں بے گناہ قتل کر دیئے گئے عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔

یہ ہیں وہ روح فرسا اور جانسوز واقعات جنہوں نے تمام عالم کے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے اور جس کے دل میں ذرا سا ایمان بھی باقی ہے وہ سیماب وار بیقرار ہے اور اپنا شرعی، اخلاقی اور قانونی حق سمجھتا ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی نصرت و اعانت کے لیئے اٹھ کھڑا ہو اور جس طرح ممکن ہو اپنے بھائیوں کو دشمن کے نرغہ سے نکالے اور ان کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائے۔

اخوتِ ایمانی کی ایک عالمگیر لہر اٹھی اور طرفۃ العین میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک دوڑ گئی، سوتے ہوؤں کو بیدار کر دیا، بیداروں کو اٹھا کر کھڑا اور کھڑے ہوؤں کو بے محابا دوڑا دیا۔

حجرہ نشین زاہد کتاب کے کیڑے طالب علم، مدرسوں میں درس دینے والے برق تقریر عالم، دکانوں پر بیٹھنے والے تاجر، اسباب ڈھونے والے مزدور سب ایک صف میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ دول یورپ اور بالخصوص برطانیہ کی ظالمانہ اور غاصبانہ پالیسی دیکھ کر اکتیس کروڑ برادرانِ وطن بھی انکے ساتھ ہمدردی کیلئے تیار ہو گئے۔

یہ فریضہ تو اپنے مسلمان بھائیوں کی اعانت و امداد کے متعلق تھا جس میں انسانی ہمدردی اور اخلاقی مروت کی وجہ سے غیر مسلم بھائی بھی مسلمانوں کے دوش بدوش کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا فریضہ حمایت مذہب اور اماکن مقدسہ کا احترام باقی رکھنے کے متعلق ہے جو مسلمانوں پر ان کے پاک مذہب نے عائد کیا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ آخری وصیت جو دنیا سے تشریف لے جاتے وقت مسلمانوں کو فرمائی تھی یہ تھی۔

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب — یعنی مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

اور دوسری روایت میں ہے:-

اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب۔ — یعنی یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

اِن احکام میں تمام مسلمان مخاطب ہیں۔ عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں، شامی یا ترکی یا ہند کا کوئی امتیاز نہیں۔ ان احکام کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اسلام کے اصلی سرچشمہ ہیں۔ حجاز کی مقدس سرزمین پہلی جگہ ہے کہ جہاں سے توحید ربانی کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کے ذرّوں کو روشن کر کے ہر ذرّے کو دنیا کے مختلف حصوں کے لئے ایک ایک آفتاب بنا دیا۔

اِس پاک اور مقدس سرزمین پر اسلام کے حقیقی جاں نثاروں اور خدائے پاک کی توحید پر جان قربان کرنے والوں کے خون کے محترم قطرے گرے ہیں اور انہوں نے نہایت جلیل القدر قربانیوں کے بعد ان مقامات کو کفر و شرک کی نجاست سے پاک کیا ہے۔ پس اس لئے کہ جزیرۂ عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ ہے۔ آفتاب توحید کا مطلع ہے اسلامی شوکت کا مرکز اور تجلیات الٰہی کا مظہر ہے۔ اس میں خدا کے سب سے زیادہ مقدس اور محبوب رسول ؐ کی آرامگاہ ہے۔ اس میں دنیا کا سب سے پہلا توحید کا عبادتخانہ ہے۔ اس کے ریگستان کے ذرّے صحابہ رض کے خون سے سیراب کئے گئے ہیں۔ اس میں اسلام کے جدّ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ؑ کی یادگاریں ہیں۔ ضروری ہے کہ کسی غیر طاقت اور دشمن اسلام سلطنت کے قبضہ اور تسلط سے پاک رہے۔

کیا تین خدا ماننے والوں، کیا مادی قوت کے پرستاروں، کیا دنیا کی تمام سرزمین کو اپنی جاگیر سمجھنے والوں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ان کے تسلط اور قبضے کے بعد رسول پاک کے روضۂ مطہرہ کا احترام اور بیت الحرام کی حرمت باقی رہے گی اور یہ دشمنان توحید اس کی تقدیس و تعظیم کو۔

اپنے نقطۂ خیال سے ضروری سمجھیں گے رعایا کے مذہبی جذبات سے خوف کھا کر اور عام ہیجان کے خطرے سے دفعتہً کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے عالم اسلامی میں ایک دم طوفان برپا ہو جائے تو یہ اور بات ہے۔ لیکن کوئی تجربہ کار جسے یورپین طاقتوں کی اس مذہبی عصبیت کا تجربہ ہے جس کی وجہ سے برطانیہ کے ذمہ دار اراکین فتح بیت المقدس کو شاندار صلیبی فتح قرار دیتے ہیں اور سالونیکا پر یونانیوں کے قبضہ کے وقت یہ کہہ کر خوشی مناتے ہیں کہ یورپ میں عیسائی مذہب کے داخل ہونے کا پہلا دروازہ پھر عیسائیوں کے پاس آگیا ایک منٹ کے لئے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ ان دوست نما اعداء اسلام کے تسلط کے بعد بھی مقامات مقدسہ کی حقیقی حرمت باقی رہ سکتی ہے۔

بہت سے ظاہر بیں مسلمان بھی اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انگریزی تسلط کے بعد حج جاری رہے گا۔ بلکہ آرام و آسائش کے سامان زیادہ ہو جائیں گے۔ میں ان حضرات سے صرف اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ظاہری سفر کو حقیقی حج سمجھ لیا ہے اور ظاہری سفر کے آرام و آسائش کو حضور قلب اور اخلاص و حلاوت ایمانی کی جگہ دے دی ہے اور پھر ظاہری آرام و آسائش کا بھی آپ کو تجربہ ہو جائے گا۔ ابھی ذرا ٹھہر جائیے اور یہ منہ زور طوفان جو خود غرضی اور عیاری کے ساتھ عرب کی سطح پر محیط ہو گیا تھا ذرا کھل جانے دیجئے پھر آپ کو آرام و آسائش کا بھی پتہ چل جائے گا۔

یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ حجاز پر انگریزی قبضہ نہیں ہے بلکہ شریف مکہ کی حکومت ہے میں عرض کروں گا کہ شریف مکہ کی حکومت کی حقیقت بھی واقف کار نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ علاوہ شریف جس نے اپنے قدیمی ولی نعمت اور واجب الاحترام آقا اور مفروض الطاعۃ خلیفۃ المسلمین سے ایک مسیحی طاقت کی ترغیب اور ابلہ فریبی کی وجہ سے بغاوت کی ہو۔ وہ شریف جو انگلستان کا وظیفہ خوار ہو وہ شریف جو مسیحی سرداروں کی تصویر کو سینہ سے لگاتا ہے وہ شریف جو خدا کے مقدس جائے امن سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے کفار کے حوالے کر دے اسکی حکومت صحیح معنے میں اسلامی حکومت ہو سکتی ہے اور اس کا نام نہاد اقتدار اسلامی اقتدار کہلا سکتا ہے؟ حاشا وکلا۔ الغرض بیت المقدس حجاز کی مقدس سرزمین عراق عرب یہ سب مسلمانوں کے اماکن مقدسہ ہیں۔ مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ اور ایڈریانوپل قدیمی اسلامی یادگاریں ہیں ان تمام مقامات کو اسلامی شوکت و وقار کا مرکز اور خلافت اسلامیہ کا محور ہونے کی وجہ سے مذہبی احکام کے موجب غیر مسلم اثر سے پاک و صاف رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے یہاں تک اس کا بیان تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے مذہبی فرائض کیا ہیں۔ گزشتہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ وہ فرائض یہ ہیں۔

اپنے مسلمان مظلوم بھائیوں کو نصرت و اعانت۔ مقامات مقدسہ کی حفاظت خلیفۃ المسلمین کے اقتدار کی برقراری میں کوشش خلافت اسلامیہ کے استحکام کی سعی کرنا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ان فرائض کے ادا کرنے کی کیا سبیل ہے
میں پہلے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ صرف ہندوستان بلکہ اقصائے
عالم میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جو ان فرائض کی واقعیت سے منکر ہو۔ بلکہ اس میں تردد اور شبہ
رکھنے والا بھی غالباً کوئی متنفس نہ نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے
تک ایک تلاطم برپا ہے۔ ہر شخص بے چین اور مضطرب ہے۔ خلافت کمیٹیوں کی کثرت اور عام قومی مظاہروں
اور جلسوں کی نوعیت اس کی بین دلیل ہے۔
مگر بعض بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی خوف کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر مسلط ہوگیا ہے۔ اس
فریضہ کے عائد ہونے میں طرح طرح کے شبہات نکالتے ہیں یا کسی دنیوی طمع اور لالچ اور اپنی سنہری روپہلی
مصلحتوں کے باعث حیلے حوالے تراشتے ہیں۔
آپ کو معلوم ہے کہ علمار ہند کی ایک کثیر جماعت یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ چونکہ ہندوستان کے
مسلمانوں کے پاس مدافعت اعدا کے مادی اسباب نہیں ہیں۔ توپیں۔ ہوائی جہاز۔ بندوقیں۔ ان کے
ہاتھ میں نہیں اس لئے مادی جنگ نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ جب تک برطانیہ کے
وزرار اسلامی مطالبات تسلیم نہ کریں اس وقت تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ان کے ساتھ
معاشرتی اور اخلاقی جنگ کی حالت ہے۔ یعنی مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے
ساتھ ایسے تعلقات قائم رکھیں۔ جن سے ان کی مخالفانہ اور معاندانہ طاقت کو مدد پہنچے اور ان کے
نشہ غرور و تکبر کو تیز کرے۔ مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دشمن اسلام کو دشمن کے مرتبہ میں رکھیں
اور ایسے تعلقات جو میل جول اور دوستی اور محبت پیدا کرنے والے ہیں ایک دم چھوڑ دیں۔ اس اخلاقی
جنگ کا نام ترک موالات ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں صریح احکام موجود ہیں۔ حق تعالےٰ نے
سورۂ ممتحنہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ۔ — یعنی ایمان والو۔ میرے اور اپنے دشمن کو دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

اس آیت میں حضرت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمنان خدا اور دشمنان اہل اسلام کے ساتھ
موالات کرنے سے منع فرمایا ہے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جس وقت حضور نبی کریم صلعم نے
غزوۂ فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور اس کا سامان ہونے لگا تو حاطب بن ابی بلتعہ صحابی نے مشرکین عرب
کو ایک خفیہ اطلاع کا خط لکھا جس میں ان کو متنبہ کیا تھا کہ رسول خدا تمہارے اوپر حملہ کی تیاریاں کر

رہے ہیں تم اپنا بھلا برا سوچ لو چونکہ قریش کے ساتھ ان کا کوئی نسبی تعلق نہ تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ میں ان کے ساتھ یہ احسان کر دوں اور اس کے بدلے میں وہ میرے اہل و عیال اور جائداد وغیرہ کی جو مکہ میں ہے حفاظت کریں حضور کو وحی سے اطلاع ہوگئی اور راستہ میں سے وہ خط پکڑا گیا اس پر حق تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں کئی باتیں خاص توجہ کے لائق ہیں۔

اول یہ کہ اس میں حضرت حق تعالے نے عدوی وعدوکم فرمایا ہے جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ دشمنانِ خدا اور دشمنانِ اہلِ اسلام سے ترک موالات کا حکم دینے کی علت ان کی عداوت اور دشمنی ہے تو جہاں کہیں عداوت اور دشمنی موجود ہوگی وہاں ترک موالات کا حکم اسی طرح عائد ہوگا جس طرح آیت شریفہ کے نزول کے واقعہ میں ہوا تھا۔

دوسرے یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کفار مکہ کی محبت یا قلبی میلان یا ان کے کفر سے راضی ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کیا تھا بلکہ محض ایک دنیوی مصلحت کی وجہ سے کیا تھا اور مصلحت بھی ایسی کہ ان کے اہل و عیال کی حفاظت کی اور کوئی سبیل نہ تھی۔ کیونکہ وہ دشمنوں کے تسلط کے مقام میں تھے گویا ان کا یہ خبر دینا دشمنوں کی ایک خدمت (محافظت جائداد و اہل و عیال) کا معاوضہ تھا۔ باوجود اس کے حضرت حق نے اس کو موالات سے تعبیر فرمایا اور ممانعت کا حکم بھیجا۔

تیسرے یہ کہ حاطب کا یہ فعل یعنی خبر دینا کفار مکہ کی کوئی مادی مدد کرنا نہ تھا بلکہ صرف ان کو ان کے برے انجام سے خبردار کرنا اور اپنی نجات کا طریقہ سوچ لینے کے لئے ہلاکت کا وقت سر پر آنے سے پہلے موقعہ بہم پہونچانا تھا مگر صرف اتنی بات کو بھی حق تعالیٰ نے موالات ممنوعہ میں داخل فرما کر موالات کی ممانعت کا حکم نازل فرمایا۔ حاطب کے اس خفیہ خط کے یہ الفاظ اس مضمون پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يريدكم فخذوا حذركم

یعنی رسول اللہ صلعم تمہارے اوپر حملہ کا ارادہ فرمارہے ہیں تو تم اپنا بچاؤ اختیار کرلو۔

(خازن)

اور جب حضور نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں حاطب یہ کیا حرکت تھی تو انہوں نے جواب دیا۔

ما فعلته كفرا ولا ارتدادا عن ديني ولا رضا بالكفر بعد الاسلام۔

کہ حضور میں نے یہ کام کفر کی وجہ سے یا اسلام سے پھر جانے کے باعث یا اسلام لانے کے بعد کفر کے ساتھ راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا۔

کان اھلی بین ظھرانیھم فخشیت علی اھلی فاردت ان اتخذلی عندھم یدًا وقد علمت ان اللہ تعالٰی ینزل بھم باسہ وان کتابی لایغنی عنھم شیئًا

(خازن)

میرے اہل وعیال کفارِ مکہ کے نرغے میں تھے مجھے ان کی جان کا خوف تھا تو میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ ایک احسان کردوں اور بیشک میں جانتا تھا کہ خدا تعالٰے ان کافروں پر اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرے خط سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

چوتھے یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حاطب کے اس فعل کو نکث بیعت اور مظاہرت سے تعبیر فرمایا۔

لکنہ قد نکث وظاھر اعداءک علیک

(ابن جریر طبری)

یا رسول اللہ اس (حاطب) نے اسلام کی بیعت توڑ دی اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی۔

اس کے بعد حضرت حق تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(ممتحنہ)

یعنی حق تعالٰے تم کو ایسے لوگوں کی موالات سے منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے والوں کے مددگار ہوئے اور جو لوگ ان سے موالات کریں گے وہ ظالم ہیں۔

جن کافروں میں یہ تین چیزیں پائی جائیں ان کی موالات کو یہ آیت حرام قرار دیتی ہے۔[1]

اوّل مسلمانوں سے دینی لڑائی لڑنا۔

---

[1] مگر یہ مطلب نہیں ہے کہ جن کافروں نے یہ کام کئے ہوں انکے ساتھ مدت العمر موالات حرام ہے۔ اس لئے کہ ان کاموں کے کرنیوالے جب مسلمان ہو جائیں تو ان کی گزشتہ کارروائیاں اسلام لاتے ہی کالعدم ہو جاتی ہیں ان سے مسلمان صلح کریں تو صلح کی شرائط کی تعمیل ضروری ہو جاتی ہے جیسے کفارِ مکہ سے صلح حدیبیہ کی شرائط کے ماتحت حضور نے ان مسلمانوں کو واپس کر دیا جو کفار کی قید سے کسی طرح نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

دوم مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا اور خانہ ویران کرنا۔

سوم۔ نکالنے والوں کی مدد کرنا۔

پہلی بات کہ برطانیہ کی مسلمانوں سے لڑائی مذہبی تھی یا نہیں برطانیہ کے وزیرِ اعظم نے ان الفاظ سے جو جنرل ایلنبائی۔ [GEN. EDMUND HENRY HYNMAN ALLENBY] کو فتح بیت المقدس کی مبارکباد دینے کے وقت کہے گئے تھے اور اس فتح کو شاندار صلیبی فتح قرار دیا گیا تھا صاف ظاہر ہے اور ٹرکی کے ساتھ المتوار جنگ اور صلح کی شرائط پر نظر ڈالنے سے موٹی نظر والے کو بھی حقیقتِ حال نظر آجاتی ہے تھریس پر یونانیوں کو قبضہ دلانا' قسطنطنیہ پر قبضہ کرلینا۔ اپنے صریح وصاف وعدوں کی خلاف ورزی کرنا۔ سمرنا میں یونانیوں کے مظالم کو نہ روکنا۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ انکے بعد کسی کو اس بات میں شبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ ترکوں کے ساتھ صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ تمام ناانصافیاں روا رکھی گئی ہیں۔

دوسری بات مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا۔ قسطنطنیہ اور اس کے اطراف سے ہزاروں محبانِ دین نکل بھاگے خود ولیعہد سلطنت نے اسلامی حمیت کی وجہ سے کئی مرتبہ نکلنے کا ارادہ کیا مگر ان کو سخت حراست میں کر دیا گیا۔ یونانیوں کے مظالم سے ہزاروں مسلمان سمرنا سے گھر بار چھوڑ کر بھاگے قسطنطنیہ سے بہت سے معززین اور متقدر افراد کو جلاوطن کر کے مالٹا وغیرہ میں بھیج دیا۔ یہ تمام واقعات ہیں جن سے اخراج من الدیار اور مظاہرت علی الاخراج میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ مالٹا میں ٹرکی کے بہت سے مقتدر افراد میری موجودگی کے زمانے میں نظر بند تھے۔

پس جب کہ یہ تینوں باتیں سلطنتِ برطانیہ کے ذمہ دار وزراء کی طرف سے واقع ہوگئیں تو اب بھی کسی مسلمان کو برطانیہ کے ساتھ موالات کے حرام ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ موالات اور چیز ہے اور معاملہ اور چیز ہے۔ آیت موالات کو منع کرتی ہے مولات کو تو میں کہوں گا کہ ہاں موالات اور معاملہ میں مفہوم کے لحاظ سے فرق ضرور ہے لیکن موالات کے مفہوم میں قربت اور نزدیکی پیدا کرنے والے تعلقات اور باہمی نصرت و معاونت کے تمام ارتباطات لغوی معنے کے لحاظ سے داخل ہیں پس تمام ایسے معاملے جن کی وجہ سے دشمن کے ساتھ میل جول ربط و اتحاد بڑھے ایسے معاملے جو انکی معاندانہ طاقت کو بڑھائیں ایسے تعلقات (فوجی ملازمت وغیرہ) جو مسلمانوں کی ہلاکت اور شوکتِ اسلامیہ کے مٹانے میں دخل رکھتے ہوں ایسے روابط جن کی وجہ سے انہیں موقع ملے کہ مسلمانوں کی رضامندی پر استدلال کرسکیں ایسے مراسم جن سے ان کے ساتھ محبت اور الفت کا اظہار ہوتا ہے۔

براہ راست یا بالواسطہ موالات ممنوعہ محرمہ میں داخل ہیں۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ کے واقعہ کو بغور دیکھا جائے اور فاروقِ اعظم کی ایمانی عینک سے مشاہدہ کیا جائے تو پھر کوئی شبہ واقع نہیں ہو سکتا۔

اس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے اس لئے صرف اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ دوسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ترکِ موالات سے تکلیف اور نقصان اٹھائیں گے اس کے جواب میں بھی مختصراً یہ واقعہ ذکر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

کہ جس وقت یہود بنو قینقاع سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو عبادہ بن الصامت انصاری نے عرض کیا :۔

قال عبادة ان لی اولیاء من الیهود کثیر عددهم شدیدة شوکتهم وانی ابرالی الله والی رسوله من ولایتهم وخلفهم ولا مولی لی الا الله ورسوله وقال عبد الله بن ابی لکنی لا ابرأمن ولاء یهود انا رجل لا بدلی منهم (ابن جریر و خازن)

کہ حضور میری یہود کی ایسی جماعت سے موالات تھی جن کی تعداد بہت ہے اور طاقت زبردست ہے آج میں ان کی موالات سے دست برداری کرتا ہوں اور اب خدا اور رسول کے سوا میرا کوئی مولےٰ نہیں اس پر عبداللہ بن ابی (منافق) بولا کہ میں تو یہود کی موالات سے دست برداری نہیں کر سکتا کیونکہ میری تو بغیر انکے گزر مشکل ہے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ۔

ایمان والو۔ یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ اور ان سے موالات نہ رکھو۔

منافقین کا یہ قول ہے کہ ہمیں تکالیف اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے جواز موالات کیلئے کافی نہ ہوا اور ان کو موالات کی اجازت نہ دی گئی۔

بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت حق تعالیٰ نے فی قلوبھم مرض" فرمایا ہے اور ان کے اس قول کا کہ جس میں تکلیفیں اور مصیبتیں پہونچنے کا خوف ہے یہ جواب دیا کہ عنقریب حق تعالےٰ اپنی طرف سے مسلمانوں کی فتح یا کوئی مہتم بالشان امر ظاہر کرے گا۔ جس سے یہ تمام ڈرنے والے اپنے نفسانی منصوبوں پر نادم ہو جائیں گے۔

آج بھی ایک میدان عمل تمہارے سامنے ہے، ابتلا و امتحان کی کڑی منزل درپیش ہے مگر آپ

دور نجات ہیں. صرف اپنے آقائے نامدار خاتم النبین صلعم کے حالات پر غور کریں۔ آپ کو مشرکین عرب نے اس قدر سخت تکلیفیں پہنچائی ہیں کہ الامان الحفیظ مگر آپ ان تمام جانگداز تکلیفوں کو نہایت استقامت کے ساتھ برداشت فرماتے رہے اور اپنے فرض تبلیغ کو جاری رکھا یہاں تک کہ کفار مکہ نے آپ کے قتل کا منصوبہ باندھ کر آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت آپ خدا تعالےٰ کے حکم سے مکان چھوڑ کر تشریف لے گئے اور تین دن غار ثور میں رہ کر مدینہ منورہ چلے گئے وہ زمانہ مسلمانوں کے لئے سخت ابتلاو آزمائش کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل اور مالی حالت نہایت تنگی کی تھی مگر ان کے ایمان پختہ اور قلب مطمئن تھے۔ ان کی صداقت و استقامت کی برکت تھی کہ کفار کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے اور خوار و ذلیل ہو کر مغلوب ہوئے اور خدا کا نور تمام دنیا میں پھیل گیا۔

میری غرض اس بیان سے صرف یہ ہے کہ آج اگر مسلمانوں کے ایمان پختہ ہو جائیں اور خدا تعالےٰ کے وعدۂ نصرت وکان حقا علینا نصر المؤمنین پر ان کو پورا بھروسہ ہو جائے اور تکالیف کی برداشت میں ذرا صبر و استقامت سے کام لیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے کیونکہ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چالیس کروڑ ہے۔ جس میں سے صرف ہندوستان میں سات ساڑھے سات کروڑ آباد ہیں اگر یہ سب متفقہ طور پر اسلامی خدمت کے لئے صبر و استقامت کی ڈھال لے کر کھڑے ہو جائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آجائے۔

دشمنان خدا ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن خدا تعالےٰ کی نصرت اور توفیق سے مومنین کی قوت ایمانی اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئی ہے۔ اِسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی معاندانہ پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔

فرزندان توحید آج تمہارے ایمان اور اخلاص کا امتحان لیا جا رہا ہے خدا تعالےٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے جلال و جبروت کے سامنے سر جھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔

اگر تم کو میدانِ محشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اگر تم کو رسول پاک صلعم کی شفاعت کی آرزو ہے تو اس کے پاک دین کی حفاظت کرو، اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو۔ اس کی امانت توحید کو برباد نہ ہونے دو، اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی عزت سمجھو۔

اسلام صرف عبادات کا نام نہیں۔ بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ کہ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ اور صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کے پاک و صاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں۔

اُن کے فرائض صرف نماز روزہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے وفقنا اللہ وایاکم لمایحب ویرضیٰ۔

برادرانِ وطن نے تمہاری اس مصیبت میں جس قدر تمہارے ساتھ ہمدردی کی ہے اور کر رہے ہیں وہ ان کی اخلاقی مروت اور انسانی شرافت کی دلیل ہے اسلام نے احسان کا بدلہ احسان قرار دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ احسان اس کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دیدیں۔ کسی دوسرے کی چیز کو اٹھا کر دے دینے کو احسان نہیں کہتے اس لئے آپ برادرانِ وطن کے احسان کے بدلے میں وہی کام کرسکتے ہیں۔ جو اخلاقی اور شریفانہ طور پر اپنے اختیارات سے کرسکتے ہوں مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں ان پر تمہارا اختیار نہیں ہے اس لئے لازم ہے کہ حدودِ مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے میں احسان کرو اور دونوں قومیں مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے مذہب، تمہاری آزادی کو پامال کر رہا ہے۔

جماعت علماء، جو حقیقتہً مسلمانوں کے مذہبی قائد ہیں ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقعہ کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں۔ آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام تر ذمہ داری انہیں پر عائد ہوگی۔ علمی تدقیقات کے لئے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں۔ عبادت و ریاضت کے لئے بہت سی راتیں آپ کو بلا شرکت غیرے حاصل ہیں مگر جو کام کہ جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔

آج احتجاج اور مطالبہ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں۔ خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لئے کافی نہیں ہیں اگر موجودہ زمانہ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعداء کے لئے جائز ہوسکتا ہے (باوجودیکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں)۔ تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی تامل نہ ہوگا، کیونکہ موجودہ زمانہ

میں ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔
معزز حاضرین۔ برطانیہ کا یہ دعوے کہ وہ کسی کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتی آپ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان کے مسلمان اپنے مذہبی امور میں آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔ کیا سلطنت کا زبردست پنجہ ان کا گلا گھوٹنے کے لئے ہر وقت تیار نہیں ہے۔ آج مولوی ظفر علی خان اور مولوی ثناء اللہ صوفی اقبال احمد مولوی محمد فاخر اور اسی طرح دوسرے فرزندانِ ہند کس جرم میں قید خانوں میں بند ہیں۔ کیا انہوں نے مذہبی احکام کی تبلیغ کے سوا اور کوئی گناہ کیا تھا۔ کیا مسلمانوں کے مذہبی احکام کے فتوے ضبط نہیں ہوئے۔ کیا مسلمانوں کی ہزاروں خواتین اپنے نکاح و طلاق کے مقدمات میں غیر مسلم عدالتوں کے سامنے جا کر اسلامی احکام کے خلاف فیصلے کرانے پر مجبور نہیں۔ کیا شفعہ و قبضہ مخالفانہ وغیرہ کے قوانین شریعت اسلامیہ کے موافق ہیں یہ تمام چیزیں ہیں جن کی پوری نگہداشت جمعیۃ العلماء کے اہم فرائض میں سے ہے۔

اسی طرح اسلامی مذہبی تعلیم کے لئے مفید نظام قائم کرنا اور تمام اسلامی درسگاہوں کو ایک سلسلہ میں منسلک کرنا بھی علماء کے لئے ضروری فرائض میں داخل ہے۔

اسلامی اوقاف کا وسیع و عریض سلسلہ بھی ایک خاص نظم کا محتاج ہے غرضکہ بہت سی اسلامی ضروریات ہیں جو علماء کے ایک مرکز پر جمع نہ ہونے کی وجہ سے منتشر حالت میں تھیں۔ خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے اُن کو جمع کر دیا اس اجتماع کی بدولت امید ہے کہ تمام پراگندہ اور منتشر امور کا نظام درست ہو جائے گا۔ قبل اس کے کہ میں اپنے بیان کو ختم کروں آپ حضرات سے ایک التجا کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر حال میں خدائے قدوس پر بھروسہ رکھیں اور اپنی تدبیر کو تدبیر ہی کے مرتبہ میں سمجھیں۔ اسلامی احکام کی تعمیل کریں اور مذہبی فرائض ادا کرنے کا مضبوط اور مستحکم عہد باندھ لیں۔ خدا کی رحمت نیک بندوں کے ساتھ رہتی ہے اور اس کا رحم ضعیفوں اور خدا پر بھروسہ رکھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

اے زندہ اور قدوس خدا اے ارحم الراحمین اے شہنشاہ رب العلمین ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمارے ضعف و ناتوانی پر رحم کر۔ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق دے اور اپنے دین کی خدمت کے لئے ہمارے دل مضبوط کر دے۔ ہماری کلائیوں میں طاقت عنایت فرما۔ ہمارے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کر حق کو فتح اور باطل کو شکست دے آمین یا ارحم الراحمین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و الہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت شیخ الہند صدر جمعیۃ علمائے ہند کی اختتامی تحریر جو صدر کے حکم سے ۹ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۳۹ھ [۲۱ر نومبر سنہ ۱۹۲۰ء] کو آخری اجلاس میں پڑھی گئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اے حضرات علمائے کرام اور حضار جلسہ میں اولاً جمعیت کی تمام کارروائیوں کے بااحسن اسلوب انجام پانے پر خدائے قادر و توانا کا شکر ادا کرتا ہوں اور ثانیاً یہ عرض ہے کہ اگرچہ میں ناقابل انکار عذر کی وجہ سے آپ کے جلسوں کی شرکت سے بظاہر محروم رہا لیکن آپ یقین کیجیے کہ میرا دل آپ کے مجمع سے بہت کم غائب ہوا ہے اور مجھے یہ معلوم ہوکر نہایت مسرت ہوئی کہ جسم قوم کی روح (جماعت علماء) نے بعض ان شعب سیاسیہ میں پھر ایک مرتبہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ جن میں وہ بالکل مردہ سمجھی جارہی تھی اور جن میں اگر وہ مردہ ثابت رہتی تو اسلامی عزت و وقار کا بالکل ہی خاتمہ تھا۔ آپ رنجیدہ نہ ہوں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم و تدین اگر اب بھی عالم اسلامی کے خوفناک مصائب سے آنکھ بند کیے رکھنے کی اجازت دیتا تو آج دنیا ہماری غیرت ایمانی اور شرافت انسانی دونوں کے بیک وقت دفن کیے جانے پر ماتم کناں ہوتی۔

اب بھی اگر ہم چند تجاویز پاس کرکے اور صرف چند ساعتوں کی گرمی محفل کو اپنی تمام تقریروں اور خطبوں کا ماحصل سمجھ کر منتشر ہوگئے تو ہماری مثال ٹھیک اس مریض کی سی ہوگی جو ایک اکسیر شفا کی تکرار زبان سے بار بار کرتا ہے لیکن اس کا استعمال ایک دفعہ بھی نہ کرے۔

میں اس وقت آپ سے رخصت ہورہا ہوں اور جو کچھ مجھے کہنا تھا خطبۂ صدارت میں کہہ چکا ہوں اور جو مبسوط مضمون مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے آپ کو آج ہی کے اجلاس میں سنایا ہے اس کے ضمن میں بھی میرے مقاصد اور محسوسات نہایت خوبی سے ادا ہوگئے ہیں اور حضرات علماء متدینین نے بحث و تمحیص کے بعد جو امور طے کیے ہیں ان سے بھی یہ بندہ

ضعیف عملاً علیحدہ نہیں ہے۔ اس لئے اب مجھ کو اس سے زائد کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم سب کو ملکر متوکلاً علی اللہ ان طے شدہ تجاویز پر عمل کرنا اور کرانا چاہیئے جن سے ہمارے ایمان ہمارے کعبہ ہماری خلافت، ہماری عزت و آبرو، ہمارے مقاماتِ مقدسہ اور ہمارے وطنی اور قومی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ اگر اس وقت بھی ہم نے غفلت اور تن آسانی اختیار کی تو شاید عافیت حاصل کرنے کا یہ آخری موقعہ ہوگا جس کو ہم جان بوجھ کر اپنے ہاتھ سے کھوئیں گے۔ جو صراطِ مستقیم آپ نے معلوم کر لیا ہے قرآن و سنت کی روشنی میں اس پر سیدھے چلے جایئے اور یمین و شمال کی طرف مطلق التفات نہ کیجیے۔

جو لوگ اسوقت آپ سے علیحدہ ہیں ان کو بھی حکمت اور موعظہ حسنہ سے اپنی جماعت کے اندر جذب کیجیے اور اگر اس میں مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بالتی ہی احسن ہونا چاہیئے۔

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالےٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں موید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدنے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آیندہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی ادھر دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بدعالیوں سے حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ کر رہیگا۔ اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے رہینگے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے گی۔

ہاں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دلنشین کر لیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے۔ جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنےٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہر گز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابتک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہورہا ہے مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنیکے لئے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن محکموں اور ابواب معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتا ہے۔

میں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری یہ گذارش دونوں قوموں کے زعمار (لیڈروں) سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی کثرت اور ریزولیوشنوں کی زبانی تائید سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے۔ ان کو ہندو مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہیئے اگر فرض کرو ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے اتفاق کے لیے مہلک نہیں۔ البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمایاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں۔ اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورہ کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے۔

اب آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ ہم کو اور آپ کو نیکی اور سمجھ دے اور ہمارے دلوں کو سیدھا کرنے کے بعد کج نہ کرے اور ہماری وجہ سے ہمارے مذہب پر دوسروں کو تضحیک کا موقع نہ دے اور ہم کو ہر ایک آسان اور کٹھن منزل میں صبر و استقلال کے ساتھ ثابت قدم رکھے اور اس وقت کے حالات سے بہتر حالات میں پھر ہم کو جمع کرے آمین یارب العالمین وصلے اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

آپ کا دعاگو اور خیر اندیش **محمود حسن** غفرلہٗ

۹۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۱۹، نومبر ۱۹۲۰ء

(نوٹ) جو صاحب اس خطبہ کو بغرض حصول ثواب تقسیم کرنا چاہیں وہ ہمیں اطلاع دیں کہ اس قدر جلدیں مطلوب ہیں ہم فوراً تعمیل کریں گے۔

مہتمم مطبع فنی المطابع دہلی

ماخذ: شیخ الہند مولانا محمود حسن، خطبہ صدارت، جمعیت العلماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس منعقدہ ۸۔۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۔۲۰ نومبر ۱۹۲۰ء باہتمام دہلی: دہلی مت ن، ۲۴ ص۔

۶

تجاویز۔

تجویز نمبر۱ - جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ احکام شرعیہ کا پورا احترام اور عمل کرنے کی دل سے سعی کیا کریں۔ وضع، لباس، اخلاق، برتاؤ بالخصوص فرائض میں اس کا التزام نہایت ضروری سمجھیں۔

تجویز نمبر۲ - جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں۔ جس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں۔

۱۔ خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا۔

۲۔ کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کے لئے رائے نہ دینا۔

۳۔ دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا۔

۴۔ کالجوں اسکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا۔

۵۔ دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا۔
۶۔ عدالتوں میں مقدمات نہ لے جانا اور وکیلوں کے لئے ان مقدمات کی پیروی نہ کرنا۔

محرک۔ مولوی حافظ احمد سعید صاحب۔

مؤید۔ مولوی مرتضےٰ حسن صاحب، مولوی داؤد صاحب غزنوی، مولوی محمد داؤد صاحب توحید، مولوی ابو الوفا ثناء اللہ صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا عبد الماجد صاحب، مولوی نثار احمد صاحب، مولوی عبد الحلیم صاحب صدیقی، مولوی آزاد سبحانی صاحب۔

تجویز نمبر ۳ – جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ ترکِ موالات کے سلسلہ میں طلبہ کے ان اسکولوں اور کالجوں کے چھوڑنے کو جو گورنمنٹ سے امداد حاصل کرتے اور سرکاری یونیورسٹی سے الحاق رکھتے ہیں، شرعی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہے اور جن طلباء نے ایسے کالجوں اور اسکولوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ان کے اس فعل کو اسلامی احکام کی تعمیل سمجھتا ہے۔

تجویز نمبر ۴ – جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اپنے ملکی بھائیوں کی خلافت کے مسئلہ میں شرکت عمل کو بنظر امتنان دیکھتا ہے اور مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے ہم وطن بھائیوں سے حدودِ شرعیہ کے اندر رہ کر اور زیادہ خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھیں گے۔

تجویز نمبر ۵ – جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کی حمایت اور دوسری قومی و ملی ضروریات کی کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے ضروری ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کا ایک قومی بیت المال قائم کیا جائے اور سر دست اس کا نظام مرتب کرنے کے لئے ایک خصوصی جماعت معین کر دی جائے۔ جو اپنی رپورٹ تین ماہ کے اندر جمعیت العلماء ہند کے دفتر میں ارسال کرے۔

تجویز نمبر ۶ – جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ترکِ موالات کے سلسلہ میں تبلیغ کا شعبہ خاص اہتمام سے جاری کیا جائے اور تمام اطراف میں وفود بھیجے جائیں اور مجلسِ منتظمہ مبلغین و دعاۃ کا جلد انتخاب عمل میں لائے۔

تجویز نمبر ۷ جمیعۃ العلمار ہند کا یہ اجلاس علیگڑھ کالج کی ذمہ دار جماعت کے اس فعل کو کہ مسجد میں قومی یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبا کے نماز پڑھنے سے تعرض کرتے ہیں اسلامی احکام کے صریح خلاف ورزی اور مسجد کی حرمت کو زائل کرنے والا سمجھتا ہے۔

تجویز نمبر ۸ جمیعۃ العلمار ہند کا یہ جلسہ حکام کی اس جابرانہ کارروائی پر جو اس نے علمار کرام اور خدام خلافت کے ساتھ روا رکھی ہے حقارت و نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ نیز جو تکلیفیں کہ ان بیگناہوں کو جیل خانہ میں دی جاتی ہیں ان کو انسانی اور اخلاقی شرافت کے خلاف سمجھتا ہے اور ان مظلوموں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اِن مصائب کا پورے استقلال اور استقامت سے مقابلہ کریں گے۔

تجویز نمبر ۹ جمیعۃ العلمار ہند کا یہ اجلاس نہایت افسوس اور درد کے ساتھ بعض علمار زمانہ کے اس طرزِ عمل سے مخالفت اور بریت کا اظہار کرتا ہے۔ جنہوں نے ترکِ موالات جیسے صریح و واضح حکم شرعی کے وجوب اور نفاد سے انکار کیا ہے یا اس بارے میں شکوک و شبہات عارض کئے ہیں۔ نیز اعلان کرتا ہے کہ علمار ہند اِن کے اس فعل کے ذمہ دار نہیں ہیں اور عام مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اِن افراد کے قول و فعل کو عام علمار کا حکم تصور نہ کریں۔

تجویز نمبر ۱۰ جمیعۃ العلمار ہند کا یہ اجلاس اِن تمام قومی درسگاہوں کے منتظمین اور ارکان کی نسبت جنہوں نے سرکاری اعانت اور سرکاری یونیورسٹیوں کے ساتھ الحاق کے ترک کرنے اور اس بارے میں احکام شرعیہ کی سماعت و اطاعت سے اِنکار کر دیا ہے۔ یہ اعلان کرتا ہے کہ انہوں نے اہلِ اسلام کو چھوڑ کر اعدار اسلام کا ساتھ دیا ہے۔ پس جب تک وہ اپنے اس فعل سے رجوع نہ کریں تمام مسلمانوں کو ان کی اعانت و امداد سے دست بردار ہونا چاہیئے نیز طلبا اور ان کے سرپرست اور اساتذہ کو ان کالجوں، اسکولوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہیئے۔

تجویز نمبر ۱۱ جمیعۃ العلمار ہند کا یہ اجلاس ارکانِ ندوۃ العلمار کے اس کمال جذبۂ حق و صداقت کو جس کی وجہ سے سرکاری امداد

لینے سے انہوں نے انکار کر دیا ہے نہایت استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے
قومی و ملی ایثار کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟، حصہ دوئم، دہلی ۱۹۴۶، ۴۳، ۲۷-۲۹۔

باب سوئم
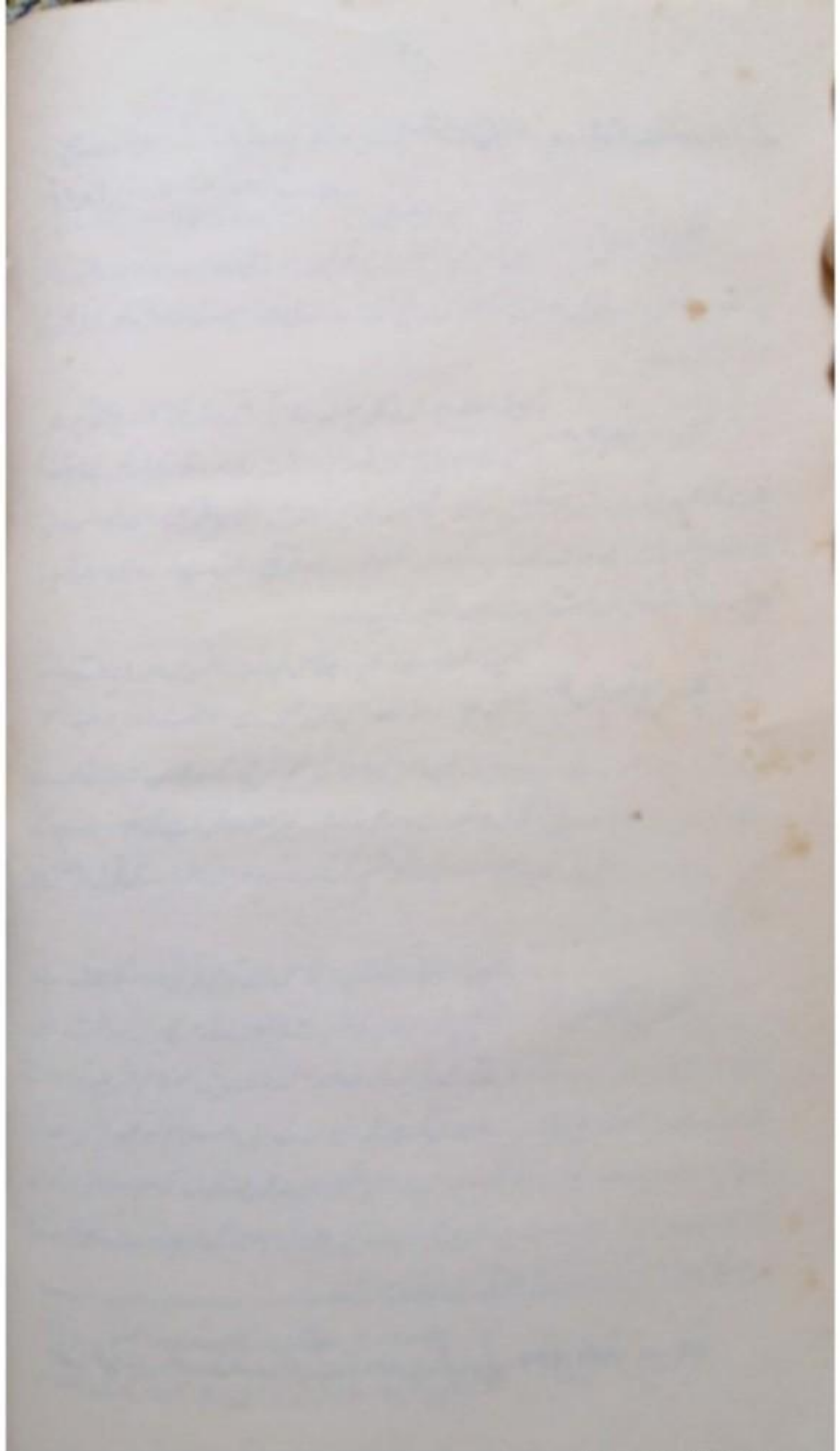
اجلاس سوئم، لاہور ۱۸ر ۱۹ر ۲۰ر نومبر ۱۹۲۱ء
(۱۷ر ۱۸ر ۱۹ر ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ)

زیرِ صدارت

مولانا ابوالکلام آزاد

خطبۂ صدارت از مولانا ابوالکلام آزاد۔

(تحریری)

الحمد للہ الذی جعلنا اُمّۃ التوحید وجعل دیننا دین التوحید وسیاستنا سیاسۃ التوحید واعز من استقاموا منا علی التوحید واذل من انحرف عن حجۃ التوحید لیعید نا کما بدأنا الی التوحید انہ ہو یبدئ ویعید وہو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید۔

والصلوۃ والسلام علی محمد خاتم انبیآئہ ورسلہ وصفوتہ من خلقہ الذی بعثہ بتوحید الالوہیۃ، والربوبیۃ، لیحرر الخلق من رق العبودیۃ للعوالم السماویۃ والارضیہ وبتوحید السیاسۃ تکون الشعوب والقبائل امۃ واحدۃ تضمنہا شریعۃ عادلۃ واحدۃ لیطلقہم من قیود الحکومۃ المستبدۃ الجائرۃ ویفکہم من اغلال الجنسیۃ الخاسرۃ فعز باتباعہ المومنون وذل باعراضہم عنہ المعرضون وانہ لکتاب عزیز لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

اما السادات! جمعیۃ العلماء ہند کا یہ تیسرا سالانہ اجتماع ہے جس کی صدارت کے لئے آپ نے اس عاجز کو منتخب فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی عزت ہے جو ہندوستان کی اسلامی آبادی میں کسی خادم علم وملت کو حاصل ہوسکتی ہے لیکن دنیا کی تمام فرضوں کی طرح ادائے فرض ومسئولیت کا بارگراں بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے میں آپ تمام بزرگانِ ملت کا شکر گزار ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ جس طرح آپ کے لطف وکرم

نے میری بے بضاعتی کو قبول فرما لیا ہے اسی طرح آپ کی رفاقت و مساعدت میری کمزوریوں اور درماندگیوں کے لئے بھی پردہ پوش ہوگی۔ آئیے! عزم و عمل کی اس نازک اور پُر آشوب گھڑی میں ہم سب کے دل اُس کارفرمائے حقیقی کے آگے جھک جائیں جس کے فضل و کرم کے بغیر ہماری کوئی سعی و جستجو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وہ کریم کارساز ہماری درماندگیوں اور بے چارگیوں پر رحم فرمائے، ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو بخش دے، اپنی رحمتوں اور برکتوں کا دروازہ ہم پر کھول دے اور اس چارہ ساز کی دستگیریوں سے ایسا ہو کہ ہم سب کی نیتیں خالص، ہم سب کے اعمال صالح، ہم سب کے ارادے راسخ اور ہم سب کے قدم جادۂ حق و صدق اور صراطِ مستقیم پر قائم و استوار ہو جائیں ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ و ھیّئ لنا من امرنا رشدا۔

حضرات علمائے کرام! قبل اس کے کہ ہمارا سفر نظر و فکر شروع ہو مجھے ایک لمحہ کے لئے ان عزیزانِ ملّت سے مخاطب ہونے دیجئے جو آج آپ کی مجلس میں چشمِ نظارہ اور دلِ پُر شوق لے کر شریک ہوئے ہیں۔

اے عزیزانِ ملّت! آئیے ایک نظر اس منظر پر ڈال لیجیے جو اس وقت آپ کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔ آپ میں بہت سی آنکھیں ایسی ہوں گی جنہوں نے دنیوی جاہ و جلال کے بڑے منظر دیکھے ہوں گے بہت آنکھیں ایسی ہوں گی جن کے سامنے بارہا اربابِ حکومت و دولت کی شان و شوکت نے جلوہ فروشیاں کی ہوں گی اور عجب نہیں کچھ نظریں ایسی بھی ہوں جو حکمرانوں کے درباروں کی ہیبت و جبروت کا نظارہ کر چکی ہوں۔ لیکن آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کشش و نظر فریبی کے ان تمام سامانوں اور جلوؤں میں سے کوئی ایک بات بھی یہاں نظر نہیں آتی۔ دولت کی شان و شوکت کا یہاں نام و نشان نہیں ہے۔ دنیوی حکومت فرمانروائی کی نمود و نمائش سے یہاں کا گوشہ گوشہ خالی ہے۔ نہ زریں لباسوں کی آرائش ہے، نہ مسند نشینوں کی زیبائش۔ فقرائے علم کا مجمع ہے، بوریا نشینانِ حق کی مجلس ہے۔ نیازمندانِ صدق و بے نیازانِ دنیا کا جمگھٹا ہے۔ یہاں آپ کو اس دنیا کی شان و شوکت نہیں مل سکتی جسے چھوڑ کر اس وقت آپ آرہے ہیں البتہ اگر اقلیمِ حق اور شہرستانِ صدق و صفا کا جاہ و جلال دیکھنا مطلوب ہو تو انہی فقرائے علم کے پھٹے پرانے کپڑوں اور بے شکوہ صورتوں کے اندر ڈھونڈ لے سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا مجمع ہے جنہوں نے فقر و فاقہ کو ہمیشہ اپنی دولت سمجھا۔ زہد و انقطاع کو اپنی اقلیمِ استغنا کا تاج و تخت بنایا۔ بے نیازی و بے مرادی کے لازوال خزانوں پر ہمیشہ قانع رہے اور عشقِ حق اور پرستاریٔ علم کے بوریائے کہنہ پر بیٹھ کر دُنیا اور دُنیا کی ساری عظمتوں سے بے پروا رہے۔ لیکن بایں ہمہ جن کے کبرِ حق اور سطوتِ الٰہی کا یہ عالم رہا کہ شاہانِ عالم نے ان کے پھٹے پرانے دامنوں پر عقیدت و اطاعت کی آنکھیں ملیں اور تاج و تختِ حکومت کو ہمیشہ ان کے پائے استقامت کی ٹھوکریں نصیب ہوئیں۔ انہوں نے اللہ کی چوکھٹ پر سرِ نیاز جھکا کر تمام کرۂ

ارضی کی عظمتوں اور رفعتوں کو اپنے سامنے سرنگوں کر دیا تھا۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق راکیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

یہ سچ ہے کہ آج یہ خود اپنی ہی غفلت اور خود فراموشی کی بدولت اپنی وہ رفعت و عظمت الہٰی کھو چکے ہیں اور اب ان کی عظمت و جلال کی حقیقت بھی تاریخ ماضی کا ایک افسانہ بن کر رہ گئی ہے۔ خدا نے ان کو جس منصبِ عظیم و جلیل پر سرفراز فرمایا تھا اس کی قدر انہوں نے نہ پہچانی اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی شرف و عزت کا خلعت پارہ پارہ کر دیا۔ خدا نے دنیا کو اُن کے سامنے گرایا تھا لیکن افسوس ہے کہ یہ خود دنیا کے سامنے گرے۔ خدا نے ان کو صرف اپنی ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا لیکن انہوں نے انسانوں کی چوکھٹوں پر جبہہ سائی کی جب اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی جانب سے ان کے دل غافل ہو گئے تو دنیا نے بھی ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے لیکن اے نظارگیانِ مجلس! خواہ زمانے کے انقلابات و حوادث نے انہیں کتنا ہی حقیر و بے مرتبت بنا دیا ہو لیکن خدارا آپ چشم حقارت سے نہ دیکھیں یہی ہیں جنہوں نے اسی دنیا میں خدا کے رسولوں کی نیابت کی ہے۔ یہی ہیں جو ان کی وراثت کے حقدار ٹھہرے ہیں۔ یہی ہیں جن کے ہاتھوں میں اُمتِ مرحومہ اور خیر الاُمم کی قیادت و ہدایت کی باگ رہی ہے یہی ہیں جو آج تیرہ سو برس سے خدا کی زمین پر اس کے کلمۂ حق کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہی ہیں جن کی عظمتِ لازوال کے نقوش صفحۂ عالم پر ثبت ہیں اور جن کی ہیبت و سطوت کے افسانے آج تک زبانِ تاریخ پر جاری ہیں اور پھر یاد رکھیئے کہ یہی ہیں جو باوجود اپنی تمام کوتاہیوں اور درماندگیوں کے اب بھی آپ کی قسمت کے مالک اور آپ کی سعادت و شقاوت کی باگ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ آپ کو اگر زندگی مل سکتی ہے تو صرف ان ہی کی اطاعت اور پیروی سے۔

حضرات! ہمارا یہ اجتماع ایک اجتماعی عمل ہے۔ ہم سب جمع ہوئے ہیں کہ اپنے گم کردہ مقصد کی جستجو کریں اس لئے ضروری ہے کہ حکمتِ الٰہی نے تمام اعمال کامیابی کے لئے جو شرائط مقرر کر دی ہیں۔ وہ اس عمل کی کامیابی کے لئے بھی ضروری ہوں۔ پس ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مقصد کی جستجو سے پہلے خود اپنے اندر ان شرائط کی جستجو کر لیں۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا کی ہیں۔ دماغ دیا ہے جو ارادہ کرتا ہے اور اعضا و جوارح دیئے ہیں جو اس ارادے کو فعل میں لاتے ہیں۔ پس ہر انسانی عمل کی کامیابی کے لئے قدرتی طور پر دو باتیں ضروری ٹھہریں۔ ارادہ کا صحیح ہونا اور فعل کا صحیح طریقہ پر انجام پانا۔ دنیا کا کوئی عمل نہیں جو ان دو شرطوں کے بغیر وجود میں آسکے۔ علوم و اخلاق میں ان ہی دو حقیقتوں کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے

عزم، منصوبہ، تصور، اعتقاد وغیرہ سب سے وہی حقیقت مُراد ہے، جو افعال سے پہلے وجود میں آتی ہے اور افعال کے لئے بمنزلہ علت وسبب کے ہوتی ہے۔ جب تک وہ صحیح نہ ہوگی، فعل بھی صحیح نہیں ہو سکتا یہ بر بیڈ لاہال کی عمارت ہے جس میں ہم سب آج مجتمع ہوئے ہیں۔ یقیناً اس کی دیواریں اور محرابیں ہاتھوں نے چنیں اور اینٹ گارا بنا کر تیار کی گئیں۔ لیکن کیا یہ سب کچھ وجود میں آسکتا اگر معمار اور انجینئر کے دماغ میں پہلے اس کا نقشہ ارادہ وتصور کی حالت میں نہ کھنچ جاتا۔ پہلے یہ ہال انجینئر کے دماغ میں بن چکا، تب کہیں جاکر اس زمین پر وجود میں آیا۔ اس حقیقت کو شریعت نے ایک جامع اصطلاح میں نیت اور عمل سے تعبیر کیا ہے اور تمام ایمانیات وعبادات کو ان ہی دو حقیقتوں کی تصحیح واصلاح سے مرکب کیا ہے۔ نیت دماغ کا ارادہ اور دل کا یقین واعتقاد ہے اور عمل اس کا ظہور ہے جو ظاہر میں مرتب ہوتا ہے پس شریعت بتلاتی ہے کہ تمام کاموں کی کامیابی کے لئے پہلی شرط نیت کی تصحیح اور درستگی ہے۔ یہی اصل جڑ ہے، باقی سب شاخیں

انما الاعمال بالنیات اور لکل امرءٍ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا۔ فقیہہ الامت حضرت امام بخاری نے اسی لئے جامع الکلم کو اپنی جامع صحیح کا سرنامہ وعنوان قرار دیا کیونکہ تمام اعمال کی بنیاد اور تمام ایمانیات وعبادات کی اصل یہی قانونِ الٰہی ہے اور اسی لئے جو کچھ بھی اس کتاب میں روایت کیا گیا ہے وہ سب کا سب اسی کی شرح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

حضرات! آپ نے اپنے بزرگانہ لطف وکرم سے جو خدمت میرے سپرد کی ہے میں اس کی انجام دہی میں خیانت کروں گا اگر اس کی طرف سب سے پہلے آپ کو توجہ نہ دلاؤں۔ اس راہ کی سب سے پہلی شرط نیت کا اخلاص ہے اور ہر اُس قلب پر فلاح وکامیابی کی لذت حرام ہے جو اخلاصِ نیت کی دولت سے محروم ہو۔ اخلاص نیت سے مقصود یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اس سے مقصود صرف ادائے فرض ہو اور اللہ اور اس کی مرضیات ہوں ومن النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ بغرض نفس اور ذات کی خواہشوں اور آلودگیوں کو اس میں دخل نہ ہو۔ قرآن حکیم نے جابجا انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہمیں بتلایا ہے کہ خدمتِ انسانی اور دعوتِ امت کی راہ میں ان کا اعلان کیا تھا؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت امام دارمی نے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم اجعل عملی کلہ صالحاً، واجعلہ لوجھک خالصاً ولا تجعل لاحد فیہ شیئاً

حضرات! گزشتہ پچاس برس سے ہندوستان میں مختلف اغراض ومقاصد سے مجالس واجتماعات

کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور جہاں ان کا وجود ہمارے تمام اجتماعی اعمال کے لئے بحکم شوریٰ ضروری ہے وہاں نیابت و مقاصد کے لئے ایک نئی امتحان گاہ بھی پیدا ہوگئی ہے۔ ان مجالس میں شہرت کے ذرائع ہیں۔ ترفع کے مواقع ہیں، نمود و نمائش کے مطامع ہیں۔ ان میں تقریریں کی جاتی ہیں، جن کی تحسین میں نعرہ ہائے توصیف بلند ہوتے ہیں۔ ان کے عہدے اور مناصب ہیں جن کے لئے اُمیدواروں میں منافست و مسابقت کی کشمکش ہے۔ ان کی صدارت و ریاست ہے جس کی طمع بسا اوقات ہمارے اخلاص عمل پر غالب جاتی ہے۔ پس ہم سب کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیے کہ اپنی اپنی نیتوں اور دلوں کا کامل راست بازی کے ساتھ مراقبہ کریں اور ان مہلکاتِ راہ سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہ ہوں۔ ہمارا مقصد نہایت عظیم ہے اور ہم نے ادائے فرض اور خدمت انسانی کی ایک ایسی راہ میں قدم رکھا ہے جس سے بڑھ کر ذمہ داری کی انسان کے لئے کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے کندھوں پر اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی نیابت کا مقدس بوجھ ہے اور ہمارے سامنے حق کی شہادت اور اُمتِ مرحومہ کے احیا و تجدید کا عظیم الشان کام ہے۔ حیف ہے اگر ایک ایسے مقدس کام اور پاک کام میں بھی اپنی نیتوں کو پاک نہ رکھ سکیں، اور اغراض و ہوا کی ایک ادنیٰ کدورت بھی ہمارے دلوں کو ملوث کر سکے۔ پس ہر حال میں پہلا کام تصحیح و اخلاصِ نیت کا ہے۔ جب تک اس اوّلین منزل سے قدم کامیاب نہ گزر جائیں گے فوز و فلاح کی کوئی منزل رونما نہیں ہو سکتی۔

دوسری شرط اس راہ کی صحتِ عمل ہے مقصود یہ ہے کہ جب ارادہ و اعتقاد صحیح ہوگیا تو اب اس کو فعل میں لانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جائیں وہ نہج حق و صواب پر ہوں۔ یعنی ہر طرح کی گمراہی، کجروی اور کمزوری و نقائص سے محفوظ ہوں۔ اس بارے میں قرآن حکیم نے ہمیں بتلایا ہے کہ تمام برکاتِ عمل کا اصلی مبدأ و سرچشمہ انبیائے کرام علیہم السلام کا اُسوہ حسنہ ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ اور قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اور پانچ وقت ہم خدا کی سکھائی ہوئی یہ دعا مانگا کرتے ہیں۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سورہ نساء میں بتلا دیا ہے کہ جماعت مَنْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ کون ہے؛ فرمایا ہے سب پہلا طبقہ ان میں انبیائے کرام کا ہے الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ پس صرف وہی عمل قبول ہو سکتا ہے جو وجہ صواب پر ہو اور وہ نہیں ہے مگر انبیائے کرام کا اسوہ۔ جو عمل اس طریقۂ نبوت سے متحقق اور منہاج نبوت کے قدم بقدم نہ ہوگا وہ کبھی مقبول و مشکور نہیں ہو سکتا۔

حضرات! یہی دو شرطیں ہیں جن کی تکمیل پر ہمارے تمام اعمال کی کامیابی بھی موقوف ہے۔ کتنا ہی

بہتر طریق صواب اختیار کیا جائے، لیکن اگر اخلاصِ نیت کی رو سے عمل خالی ہوگا تو کبھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اسی بنا پر صحابہ و سلف سے آیۂ کریمہ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر میں منقول ہے (كما رواه ابن عساكر وابن كثير والسيوطي وغيرهم) اى اخلصه واصوبه پھر اس کی تشریح کی ان العمل اذا كان خالصا ولم يكن صوابا لم يقبل وان كان صوابا ولم يكن خالصا لم يقبل حتى يكون خالصا صوابا والخالص ان يكون لله والصواب ان يكون على السنة لیکن سنت سے یہاں مراد صرف عبادات وطاعت کی سنن نہیں ہے بلکہ اعمال نبوت کے تمام سنن و نوامیس مقصود ہیں جن کی راہیں اللہ تعالےٰ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کھول دیتا ہے اور وہ ان کے ذریعہ معالجۂ نفوس و تزکیۂ قلوب و تشکیل جماعت و تاسیس امت صالحہ کا عملِ عظیم انجام دیتے ہیں۔ یہ بات کہ انسانوں کی بھیڑوں کو ایک منظم و مقوم اُمتِ صالحہ و حاملہ کی شکل میں بدل دینا اور بکھرے ہوئے اجزا سے ایک متحد و موتلف جسم میں قومیت ڈھال لینا اور تمام امراض اجتماعیہ کی تداوی و طبابت سے عہدہ برآ ہونا ایک خاص عمل نبوت ہے اور انبیائے کرام کے بعد صرف وہی ورثائے نبوت اس عمل کو انجام دے سکتے ہیں جو اسوۂ حسنۂ نبوت سے متاسی ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے حکمتِ نبوت کے اسرار و غوامض کا دروازہ وراثت و نیابت کھول دیا ہو۔ شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے، یہاں صرف اشارہ مقصود ہے۔

حضرات علمائے کرام وارکانِ جمعیۃ! اس وقت ایک بہت بڑی آزمائش ہمارے طریق عمل کے لئے درپیش ہے۔ ہم نے مدتوں کی غفلت کے بعد قومی و اجتماعی عمل کی کش مکش و کشاکش میں قدم رکھا ہے اس لئے سب سے پہلے ہماری نظر آج کل کے مجلسی و اجتماعی کاموں کے طرق و اسلوب پر پڑتی ہے۔ اور تقلید و محاکات کا جذبہ ہمیں بے اختیار اُن کی جانب کھینچنے لگتا ہے لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کی راہ اُن راہوں سے بالکل الگ ہے اور کتاب اللہ کی ہدایت و حکمتِ نبوت کی سنت نے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے تمام گھڑے ہوئے طریقوں اور قاعدوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ آپ اس لئے نہیں ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں، بلکہ آپ کو علم و عمل شریعت اس لئے دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھیں آپ کی طرف امید طلب سے اُٹھیں اور آپ کی ہدایت اُن کے لئے اتباع و تقلید کا پیام ہو۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور اس کے رسول کی سنت ہے اور ان دو چیزوں سے بڑھ کر اور کون سا مبدأ علم اور سرچشمۂ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام اصول و فروع کے لئے دنیا میں وجود رکھتا ہو۔ دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم و اعمالِ نبوت ہیں۔ اس کے سوا علم و یقین کا اس سمار دنیا کے نیچے وجود نہیں۔ اس کے ماسوی جس قدر بھی ہے، قرآن پکار پکار کے کہتا ہے کہ ظن ہے، تخمین ہے، قیاس ہے، اٹکل ہے، تحریص اور تلعب بالریب ہے

ظلمت ہے، ظلمات بعضہا فوق بعض ہے۔ علم، یقین، برہان، بصیرت، فرقان، النور اور نورٌ علیٰ نور تو صرف اسی اعلم الخلائق اور اعرف العباد کی درس گاہِ سنت و حکومت سے مل سکتا ہے، جو شک کی جگہ یقین کا، جہل کی جگہ علم و بصیرت کا، ظن و رائے کی جگہ بینہ و حجۃ کا، قیاس و تخمین کی جگہ، برہان و فرقان کا اور ان سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ نور کا، تبیاناً لکل شیٔ کا اور عروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا کا تمام نوع انسانی کے سامنے اعلان کر رہا ہے اور تمام کرۂ ارضی کو یہ کہہ کر بلا رہا ہے۔ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط

پس اے علمائے ملت! آپ کو اپنے طریقِ عمل، نظم کار کے لئے صرف کتاب و سنت کو دستور العمل بنانا چاہیے۔ اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔ دنیا علم و بصیرت کے لئے آپ کی محتاج ہے۔ آپ کو علم و بصیرت کے لئے دنیا والوں کی احتیاج نہیں ہے۔

حضرات! اس تمہید کے بیان کے بعد میں بالکل آمادہ تھا کہ مقاصد و مطالب کا سفر شروع کروں لیکن اچانک غمگین حادثہ کی یاد نے میرے قدم روک دیئے۔ آپ کی اس جمعیت کا گزشتہ اجلاس مجمع علماء ہند کے جس بزرگ و محترم وجود کی رہنمائی و صدارت میں منعقد ہوا تھا آج وہ ہم میں نظر نہیں آتا اور اس کی موجودگی کی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ میرا اشارہ حضرت مولانا محمود حسنؒ کی ذاتِ گرامی کی جانب ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ آج آپ میں سے ہر فرد کو ان کی یاد دعوتِ غم دے رہی ہوگی۔ ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے اور سب کو ان کی یاد کی عوت میں چند لمحوں کے لئے رک جانا چاہیئے۔ حضرات! مولانا مرحوم ہندوستان کے گزشتہ دورِ علماء کی آخری یادگار تھے۔ ان کی زندگی اس عہدِ حرمان و فقدان میں علمارِ حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی۔ ان کا آخری زمانہ جن اعمالِ حقہ میں بسر ہوا وہ علماءِ ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ستر برس کی عمر میں جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا۔ عین جوارِ حرم میں گرفتار کئے گئے اور کامل تین سال تک جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے۔ یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام و ملتِ اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا۔ اور انہوں نے اعدائے حق کی مرضات و اہوا کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔ فی الحقیقت انہوں نے علمائے حق و سلف کی سنت زندہ کر دی اور علمائے ہند کے لئے اپنی سنتِ حسنہ یادگار چھوڑ گئے۔ وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روحِ عمل موجود ہے اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔

وما دام ذکر العبد بالفضل باقیاً

فذالک حی وھو فی التراب ھالک

حضرات! ٹھہریئے۔ ابھی ایک اور جماعت بھی ہے جو آپ سب کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ ہمارے رفقائے طریق ہیں جو کل تک ہمارے ساتھ دعوت و تبلیغِ حق میں سرگرم تھے اور جن کو آج اس جمعیت کی صفِ اولین میں ہونا تھا۔ مگر وہ یہاں نظر نہیں آتے۔ وہ اس وقت آپ کو کہاں ملیں گے؟ آپ انہیں اس مصرِ فراعنہ میں نہ ڈھونڈیں، جس کی وسیع آبادی اگر آلِ فرعون کے لیے عیش کدۂ حکومت و آزادی کا حکم رکھتی ہیں مگر اسیرانِ بنو اسرائیل کے لئے سرتا سر زندانِ استبداد ہیں۔ وہ آپ کے کنعانِ ملت کے عزیزِ گم گشتہ ہیں۔ اگر آپ ڈھونڈتے ہیں تو اسی یوسف کدۂ عزت و اقبال میں ڈھونڈیئے جہاں اگرچہ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ کے زنجیر و طوق میں وہ گرفتار ہیں مگر فی الحقیقت اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ اور کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ کا تاج و تختِ فتح و مراد بھی اسی زنجیر و طوق سے ڈھالا جا رہا ہے۔

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ.

حضرات! قرآنِ حکیم نے ہمارے سامنے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ لقد کان فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بازاروں میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ پھر ان کے سامنے دو راہیں کھلیں۔ ایک میں اللہ کی معیت تھی اور ایک میں انسان کا ظلم۔ انہوں نے قید خانہ کی مصیبت گوارا کر لی۔ مگر معیت کی عیش و آزادی گوارا نہ کی۔ ان کو حق کی فتح اور ظلم کے خسران پر اس قدر یقین و ایمان تھا کہ خوشی خوشی قید خانے چلے گئے اور ان کی روح ہمیشہ اس یقین سے معمور رہی کہ اگر وہ حق پر ہیں تو بالآخر کامیابی و فتح مندی ان ہی کے حصے میں آئیگی۔ ان کے استغراقِ ایمانی و ادائے فرضِ دعوت کا یہ حال تھا کہ قید خانے میں بھی زبان کھلی تو اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ حق و ہدایت کی تبلیغ و دعوت ہی کے لئے کھلی۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ بالآخر جب فیصلۂ حق و باطل کا وقت آگیا تو نصرتِ الٰہی ظاہر ہوئی اور جو زنجیریں قید خانۂ مصر میں پہنائی گئی تھیں وہی بالآخر مصر کا تاج و تخت بن کر نمودار ہوئیں۔ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ اس اسوۂ یوسفی کے بصائر و عبر بے شمار ہیں، مگر زیادہ نمایاں حقیقت جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص تاجِ مصر سر پہ رکھنے کا طلب گار ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے زندانِ مصر کے طوق و زنجیر کو اپنے دست و گردن کا زیور بنا لے۔ ہم تختِ مصر کا جاہ و جلال دیکھ کر للچانے لگتے ہیں مگر زندانِ مصر کی قید و محن فراموش کر دیتے ہیں

حالانکہ طلبگارانِ تاجِ آزادی کے لئے پہلی منزل زندان وقید ہی کی ہے۔

اے کہ از دیدارِ یوسف غافلی
داغِ یعقوب و زلیخا را نگر

بلاشبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چشم شوق ایک مدت کے ہجر و فراق کے بعد جمالِ یوسفی سے روشن ہوئی۔ مگر معلوم ہے کہ فتح و مراد کی روشنی سفیدی چشم سے چمکتی تھی جو ایک مدت مدید کے صبر و طلب سے دیدۂ یعقوبی میں پھیل چکی تھی۔ پس اس راہ میں پہلی آزمائش صبرِ کامل اور طلبِ صادق ہی کی ہے۔ جب تک طلبِ یعقوبی حاصل نہ ہو، طلعتِ یوسفی نظر افروز نہیں ہوسکتا۔

یا من شکی شوقہ من طول فرقتہ
اصبر، لعلك تلقیٰ من تحب غدا

مولانا روم کے اشارات اس مقام پر کیا لطیف و بدیع ہیں

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش — روز و شب در گریہ و آشوب باش
پیشِ یوسف نازشِ خوبی مکن! — جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن!!

سورۂ یوسف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کردی کہ اگر ایک غلام زندانی اپنے حسنِ عمل و استقامت سے ملک کے تاج و تخت کا مالک ہوجاسکتا ہے، تو کیا ایک پوری قوم ایمان وعمل کے غیر مسخر اسلحہ سے مسلح ہو کر اپنی کھوئی ہوئی حکومت واپس نہیں لے سکتی؟

ہزار رخنہ بدام دمرا بہ سادہ دلی
تمام عمر در اندیشۂ رہائی یافت

حضرات! الحمد للہ کہ اسوۂ یوسفی کے اتباع و تاسی کا باب سعادت ملک وملت پر کھل چکا ہے اور زندانِ ہند میں اب روز بروز آزادگانِ حق کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ابھی ابھی ہم ملک وملت کے محبوب اور محترم پیشواؤں کو کراچی کے قید خانے میں وداع کر کے آرہے ہیں اور آپ کی جمعیۃ کے سرگرم وفدا کار ناظم مولانا احمد سعید دہلی سے میانوالی کے جیل میں اس طرح پہنچائے گئے ہیں کہ ان کے جسم پر قیدیوں کا کمبل پڑا تھا اور ہاتھ ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے تھے۔

وَحَدَّثتنی یا سعد عنہا فزدتنی
جنونا فزدنی من حدیثك یا سعد

حضرات! اگر اللہ کی محبوبیت، خدمت ملت کی لازوال عزت، دعوت و شہادت حق کا شرف بے مثال

صرف ان ہی زنجیروں اور ہتھکڑیوں کے معاوضہ میں مل رہا ہے تو اس سے زیادہ ارزاں سودا اور کون ہوسکتا ہے۔ اور ہزار رشک و مسرت ان خوش نصیبوں پر جو اس دولت بے گراں اور سعادت بے بہا سے شاد کام ہوئے۔ حضرات! یقیناً یہ وہی وقت ہے جس کی صحاح کی حدیث میں خبر دی گئی تھی۔ الصبر فیھن کالقبض علی الجمر ان فتنوں میں ایمان وحق پر استقامت ایسی مشکل ہو جائے گی جیسے انگاریں کو مٹھی میں لینا۔ سو واقعی آج یہی حال ہو رہا ہے۔ آج ایمان پر قائم رہنا گویا آگ سے کھیلنا ہے اور جو شخص اس کے لئے تیار نہیں اُسے چاہیے کہ اس شعلہ زار حق پرستی سے مٹ جائے اور اُسے جانبازانِ ایمان کے لئے چھوڑ دے۔

گریزد از صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

حضرات! خدارا بتلائیے، میں اپنے خون چکاں زخموں کا مرہم کہاں ڈھونڈوں۔ کون ہے جو اس درد وغم کا لذت شناس ہو سکتا ہے جس کو برسوں سے اپنے سینۂ مجروح میں چھپائے ہوئے ہوں۔ جب سوچتا ہوں کہ ہمرہانِ طریق آج قید خانوں میں اسیر ہیں اور میں نامراد جلسوں کی صدارتیں کرتا پھرتا ہوں تو یقین کیجئے کہ مجھے اپنی اس زندگی اور نام نہاد آزادی سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اور میں لفظوں اور صداؤں میں اس درد وغم کی کشمکش ظاہر نہیں کر سکتا جس سے میرا سینہ شق ہونے لگتا ہے۔ اگر احادیث میں روکا نہ گیا ہوتا کہ مومن کو ابتلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے تو یقین کیجئے کہ میں اس آزادی سے اس قدر اُکتا گیا ہوں کہ قید وبند کی آرزوئیں کرتا اور اس کے لئے خدا سے دعائیں مانگتا۔ اس پر بھی آپ کو معلوم ہے کہ قطع نظر ایام گذشتہ کے پچھلے دو ماہ کے اندر میں اپنی جانب سے بار بار معاملہ کو انتہا تک پہنچا چکا ہوں۔ مگر نہیں معلوم کیا بات ہے ساری دنیا گرفتار کی جا رہی ہے مگر مجھ مشتاق کے نام کوئی پیام نہیں آتا۔

دیوانہ برا ہے رود وطفل بہ راہے
یاراں مگر ایں شہر شما سنگ ندارد

حضرات! مجھے یقین ہے کہ میں آپ کے دلوں کی بھی ترجمانی کروں گا، اگر ان تمام عزیزانِ ملت کو آپ کی جانب سے پیام محبت وتشکر پہنچاؤں۔ پس ان سب پر سلام جو دین وملت کے نام پر زنداںہائے ہند میں اسیر ہیں اور ان سب کے لئے ہمارے دلوں کی مخلصانہ تبریک ہماری روحوں کا لازوال عشق اور اللہ کی خوشنودی ومحبت کی ابدی وسرمدی بشارت۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب یا تو ہم خود ان تک پہنچیں گے یا ان کو اپنے حلقۂ محبت وشوق کے اندر موجود پائیں گے۔

حضرات! ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے کہ میں نے اس خطبہ کو شروع کرتے ہوئے اپنے دعائیہ کلمات کا خاتمہ اس دعا پر کیا تھا۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا آپ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ دعا بھی منجملہ ادعیۂ قرآنیہ کے ہے اور سورۂ کہف میں بتلایا گیا ہے کہ اصحابِ کہف نے اتباعِ حق کی راہ میں اپنے وطن و دیار کو چھوڑتے ہوئے مقدس دعا مانگی تھی۔ اصحابِ کہف سے مقصود چند بندگانِ مومن و مخلص ہیں کہ ﴿اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ﴾ جو ایک ایسی آبادی میں بستے تھے جس میں ہر طرف ظلم و ضلالت کی حکومت چھائی ہوئی تھی اور کوئی گوشۂ امن و عافیت ایسا نہ تھا جو پیروانِ حق کے لئے امن و ملجا ہو سکتا۔ اُن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اللہ پہ ایمان رکھتے تھے اور طریقِ حق کو چھوڑ کر بطلان و ضلالت کے آگے سر جھکانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ صرف ایک ہی پروردگارِ عالم پہ ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا سر اس کے آگے جھک چکا۔ اب اور کسی ہستی کے آگے نہیں جھک سکتا۔ فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ لیکن یہ حق پرستی ان کے حکمرانِ ملک کے قانون میں سب سے بڑا انسانی جرم ٹھہری اور جب کہ ان کی آبادیوں میں ظلم کے لئے عیش و آزادی تھی، کفر کے لئے عافیت تھی، گمراہی کے لئے امن تھا۔ تو ان عشاقِ حق کے لئے صرف جنگلوں کے بعد اور پہاڑوں کی غاروں ہی میں امن و نجات کا گوشہ باقی رہ گیا تھا۔ بالآخر آبادی سے نکل کر ایک پہاڑ کی غار میں پوشیدہ ہو گئے اور انسانی آبادی کا دروازہ جن مظلوموں پہ بند ہو گیا تھا ان کے لئے خدا کے پہاڑ نے اپنا آغوش کھول دیا۔ حضرات! عہدِ قدیم کی یہ ایک داستانِ عبرت ہے جو کلامِ الٰہی نے ہمیں سنائی ہے اس بارے میں قرآنِ حکیم کا اسلوبِ بیان آپ کو معلوم ہے کہ وہ بحکمِ فیه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم گذشتہ کو مستقبل کے لئے اور رفتہ کو آئندہ کے لئے بیان کرتا ہے۔ اور ہر اعمالِ انسانی کے یکساں و یک رنگ حوادث و ایام کو بطور تاریخی استقرار کے مرتب کر کے دائمی نتائج و عواقب کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلسل یا متفرق قصص و ایامِ ماضیہ کا ذکر کیا ہے صاف صاف واضح کر دیا ہے کہ مقصد جمعِ تاریخ اور نقل و حکایات نہیں ہے۔ بلکہ وہ حقیقت ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد تاریخ افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور اس کے وجود میں دنیا کے لئے کوئی سود اور فائدہ باقی نہیں رہتا، یعنی موعظت و تذکیر، انتباہ و اعتبار، واقعات و حوادث کے تسلسل و یکرنگی سے قوانینِ عالم کا ادراک و انکشاف اور گزشتہ سے آئندہ کا استنباط۔ چنانچہ سورۂ ہود میں جس کا محورِ بیان یہی حقیقت ہے فرمایا وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۢۡبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيۡ هٰذِهِ الۡحَـقُّ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور عہدِ نوح سے لے کر عہدِ موسیٰ تک کے ایام کا ذکر کر کے نتیجہ

نکالا وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ط اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ نیز سورہ یوسف کے آخر میں فرمایا وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ ۝ یعنی کائنات ہستی کی آیتوں میں سے ایک آیت تو ملکوت السمٰوٰت کی ہے جس کا تفکر مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا اور اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا الخ - کا بابِ عرفان و حقیقت کھولتا ہے اور دوسری قسم آیاتِ ارضیہ کی ہے اور آیاتِ ارضیہ میں سب سے زیادہ نمایاں آیت حوادث و ایام کی ہے جو ہمیشہ قوموں اور ملکوں پر گزر چکے ہیں اور اب یا تو صرف ان کی داستانیں زبانوں پر باقی رہ گئی ہیں یا اطلال و آثار ہیں۔ بہت سے مٹ چکے اور بہت سے ٹوٹی ہوئی دیواروں اور کھنڈروں کی شکل میں عبرت سرائی کے لئے باقی ہیں۔ مِنْھَا قَآئِمٌ وَّحَصِیْدٌ پس اس آیت میں حوادث و ایام امم کو بھی زمین کی آیتوں سے تعبیر کیا گیا اور بہیں سورہ یونس، اعراف، شعرا وغیرہا میں بیان واقعات کے بعد فرمایا فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ط وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ سورہ نور میں بالکل واضح کر دیا وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ اور عام طور پر بھی ہر جگہ ایام گذشتہ سے نتائج و عبر اخذ کئے ہیں اور انسان کی غفلت و اعراض پر افسوس کیا ہے کہ وہ آنکھ رکھ کر بھی نہیں دیکھتا اور کان رکھ کر بھی نہیں سنتا۔

غرض قرآن حکیم کا مقصد قصص و اخبار سے موعظت و تذکیر ہے۔ آج کل فلسفۂ تاریخ کے بعض جدید مذاہب نے تاریخ اقوام سے قوانین اجتماع اور طبیعتِ اقوام کے اصول اخذ کئے ہیں لیکن قرآن حکیم نے موعظت و تذکیر کے ایک لفظ میں بے شمار حقائق و معارف کے ساتھ اس حقیقت کو بھی آشکار کر دیا ہے قرآن کا استدلال اس بارے میں یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانی و مادی کے لئے ایک قانون طبیعت ہے اور اشیاء کے خواص و آثار ہیں جو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پانی ڈوباتا ہے، آگ جلاتی ہے، زہر کی یبوست ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ صالح غذا سے جسم نشو و نما پاتا ہے، ٹھیک اسی طرح عالم معنویات کے لئے بھی ایک قانونِ طبیعت ہے اور دیگر اشیاء کی طرح عقائد و اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں جو کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے۔ باطل کے لئے ہمیشہ مٹنا ہے اور حق کے لئے ہمیشہ قائم رہنا ہے۔ فساد کا خاصا ہمیشہ ہلاکت ہے اور اصلاح کا نتیجہ ہمیشہ زندگی، ظلم و جور ضرور ہے کہ جب کبھی ہو بالآخر شکست کھائے اور عدل و صداقت کے لئے ضروری ہے کہ جب کبھی ہو فتح پائے۔ قرآن حکیم نے اسی قانونِ

معنوی کو جا بجا سنّۃ اللہ اور فطرت اللہ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت یہی ناموس خلقت ہے، آئینِ طبیعت ہے، آگ کی حرارت اور پانی کی برودت سے بھی زیادہ محکم و غیر مبدل ہے اور صرف عالم حیوانات ہی میں نہیں بلکہ کارخانہ ہستی کے ایک ایک وجود اور ایک ایک ذرہ تک میں جاری و ساری ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ دُنیا میں ہمیشہ اسی قانون کے ماتحت قوموں کو زندگی ملی ہے اور اسی کے ماتحت وہ ہلاک ہوئی ہیں۔ اور چونکہ قانون دائمی ہیں اور اعمال یکساں ہیں، طبیعت غیر مبدل ہے، خواص لاینفک ہیں اور نتائج و ثمرات ناگزیر۔ اِس لئے آئندہ بھی ہمیشہ وہی ہوگا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور وقت کا امتداد و تغیر اللہ کے قانونِ مکافات و مجازاتِ عمل کو متغیر نہیں کرے گا۔ زہر کھانے سے اگر ایک ہزار برس پہلے آدمی مرجاتا تھا تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اب زہر کھانے سے زندگی ملے۔ اور اگر آگ پانچ ہزار برس پہلے جلاتی تھی تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اب اس کے شعلوں میں انگلی ڈالو تو ٹھنڈک اور حرارت ملے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا چنانچہ اسی بنا پر جا بجا گزشتہ حوادث و انقلابات کے نتائج کو سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ کے لفظ سے تعبیر کیا اور آخرین کے لئے اُس کو بطور دلیل و برہان استعمال کیا۔ سورۂ انفال میں کہا وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ اور فاطر میں کہا فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا اور سورۂ نساء میں فرمایا سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

پس سُنَّةُ اللّٰه سے مقصود یہ قانون نتائج حق و باطل اور آئینِ فلاح و خسرانِ امم ہے نہ مادی و جسمانی خواص کا قانون، جیسا کہ معتزلۂ قدیم و مقلدین یونانیات و فلاسفہ اور اُن کے خوشہ چینوں نے سمجھا۔ اور جیسا کہ موجودہ عہد کے معتزلۂ جدید اور مفتونین فتنۂ علوم جدیدہ نے استدلال کیا ہے۔ ایسا استدلال قطعاً تحریفِ معنوی ہے اور نظمِ قرآن کو بالکل درہم برہم کردیتا ہے۔

حضرات! آپ کی نظرِ علم و بصیرت سے یہ حقیقت بھی مستور نہ ہوگی کہ قرآنِ حکیم نے اس ضمن میں جماعت انسانی کے وحدتِ اعمال، وحدتِ خواص، اور وحدتِ نتائج کو ایک عجیب معجزانہ استدلال فطری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ البتہ اس کی فقہ و معرفت کا دروازہ صرف انہی قلوب صافیہ پر کھل سکتا ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انوارِ کتاب و سنت کے اکتساب کے لئے مجلّیٰ و مزکّیٰ کردیا ہو اور جنہوں نے ظلماتِ قیل و قال و آراءِ رجال و صناعاتِ مخترعہ جدل و خلاف، و سُبل متفرقہ یونانیۂ کلامیہ کے طلسمات ظنون اور کارخانہ جات اہواء سے نکل کر فضائے بے کنارِ حکمت قرآن و سنت کی سیر کی ہو۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ بہرحال قرآن حکیم نے حیاتِ امم کے قانونِ الٰہی کا اعلان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ابتدائے خلقت سے جس طرح حق و عدالت کا ظہور یکساں رہا ہے، اسی طرح بطلان و فساد کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ جس طرح حق کی صدائیں ہمیشہ ایک ہی طرح اٹھی ہیں اسی طرح ظلم و عدوان کے دعوے بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوئے ہیں جس طرح حق و ہدایت کی شکل وصورت اور خصائص و اوصاف ہر عہد میں ایک ہی طرح کے رہے۔ اسی طرح بطلان و فساد کا رنگ روپ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا۔ چنانچہ وہ جا بجا کہتا ہے بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ پھر اس استقرار کے بعد وہ اس قدرتی یقین و اذعان کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جس طرح حق و باطل کی یہ دو زنجیریں متقابل و متوازی ابتدا سے چلی آتی ہیں، ضرور ہے کہ آئندہ بھی جاری رہیں تاکہ حق کی آخری فتح مندی کا وقت آجائے اور بطلان و فساد کی تمام سرکش قوتیں مٹ جائیں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ پس ماضی میں جو کچھ ہوچکا ہے، مستقبل میں بھی ہوگا اور ماضی میں جو نتائج نکلے ہیں ضرور ہے مستقبل میں بھی نکلیں۔ ہمیشہ ایسا ہوگا کہ حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و مظلومی کا معرکۂ آویزش و کشاکش گرم ہوگا۔ حق کا یہ خاصہ طبیعت ہے کہ اس کی غربت و بے چارگی جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ فتح و فوز سے قریب ہوتا جائے گا۔ اور باطل کا یہ خاصۂ طبیعت ہے کہ اس کی قوتِ ظلم و استبداد جس قدر بڑھتی جائے گی۔ اتنا ہی وہ ہلاکت و خسران کے لئے زیادہ تیار ہوتا جائے گا۔ حق کی مظلومی میں بالطبع داعیہ فتح ہے اور ظلم کی سرکشی میں داعیۂ خسران ہے۔ کچھ عرصہ تک کشمکش جاری رہے گی اور فساد کو تکمیل مادۂ خسران کے لئے ایک خاص زمانے تک مہلت دی جائے گی اس مہلت کو قرآنِ حکیم نے جا بجا تمتّع اِلٰی حین اور تربّص … سے تعبیر کیا ہے اور اس خاص وقت کو جو قانونِ الٰہی کے ماتحت ظہورِ نتائج کے لئے مطلوب ہوتا ہے، اجل مقدر اور اجل مُسمّٰی کہا ہے۔ پس جب وہ وقت آجائے گا اور مادہ فساد تکمیل تک پہنچ کر انفجار کے لئے تیار ہو جائے گا تو پھر حق و باطل کا آخری فیصلہ ظہور میں آئے گا حق کی مظلومی و درماندگی فتح پائے گی، باطل کی مغرور طاقت و سطوت کچھ کام نہ دے گی، قرآنِ حکیم کی، اصطلاح میں اس آخری فیصلہ کا نام قضاء بالحق ہے اور اب لوگوں نے اسے انتخاب اصلح اور بقائے امثل کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا ہے۔ وَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

حضرات! اصحاب کہف کو اگر اپنے عہد کے ضلالت و طغیان سے درماندہ و لاچار ہوکر پہاڑ کی غار میں پناہ لینی پڑی، تو گو وہ عہد جا چکا ہے۔ لیکن اس عہد کی ضلالت و طغیان دُنیا سے رخصت نہیں ہوئی ہے آج بھی عشاقِ حق کے عزم و ثبات کے لئے ایک ویسی ہی آزمائش درپیش ہے آج بھی ظلم کی حکومت ہے، بطلان و فساد کی فرمانروائی ہے جو رو طغیان کا دور دورہ ہے اور اصحاب کہف کی بستی کی طرح صرف ایک ہی تطوّاتی

نہیں بلکہ تمام کرۂ ارضی کی خشکی وتری حق و عدالت سے محروم ہوگئی ہے اور خدا کی زمین پر اس کے مظلوم و درماندہ بندوں کے لئے کوئی گوشۂ امن وعافیت باقی نہیں رہا ہے۔ گویا زمین کی تمام پچھلی نامرادیاں لوٹ آئی ہیں، اور تاریخ عالم کی ساری گزری ہوئی شقاوتیں ایک ایک کرکے پلٹ رہی ہیں۔ سرزمینِ اصحاب کہف کا جبر و طغیان، فراعنۂ مصر کا ظلم و استبداد، نمادرہ کلدان کا غرور و تمرد، اصحاب مدین کا انکار و اعراض، قوم عاد کا فسق و عدوان یہ سب کچھ بیک ظرف و زمان جمع ہوگیا ہے۔ مصر و ایران، بابل و نینوا، یونان و روما، اگرچہ اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کی صداقت کے مقابلہ کے لئے اٹھ چکے ہیں، لیکن اب اُن سب کی جگہ اور اُن سب سے بڑھ کر یورپ کی مدنیتِ ملعونہ ہے جو پانچ سال تک آگ اور خون کے سیلابوں میں غرق رہ کر بھی بدستور مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً کا دعویٰ کر رہی ہے۔ اصحابِ کہف کی جماعت چند انفاس پر مشتمل تھی۔ اس لئے پہاڑ کی غار میں انہیں پناہ مل گئی۔ لیکن آج اصحابِ کہف کی سی مظلومی میں چند افراد ہی نہیں بلکہ آبادیوں کی آبادیاں اور اقلیموں کی اقلیمیں مبتلا ہوگئی ہیں اور لاکھوں کروڑوں بندگانِ الٰہی پر ان کی بستیوں اور شہروں میں امن آزادی کا دروازہ بند ہوگیا ہے اس لئے نہ تو صحراؤں کے اس قدر گوشے ہیں جہاں انہیں پناہ مل سکے اور نہ پہاڑوں کی اس قدر غاریں ہیں جو انہیں اپنے آغوش میں لے سکیں۔

حضرات! آئیے قبل اس کے کہ ہم صفِ ماتم میں بیٹھیں، ذرا انہی اُن بربادیوں پر بھی ایک نظر ڈالیں، جن کے ماتم و فغاں سنجی کے لئے آج یہاں جمع ہوئے ہیں تمام کرۂ ارض کے مشارق و مغارب پر نظر ڈالیئے اور ڈھونڈیئے کہ پرستارانِ حق و اسلام کے لئے کوئی ایک گوشۂ امن بھی آج باقی رہا ہے! سانپوں کے بھٹ ہیں اور درندوں کے لئے غار ہیں، جہاں امن و بے فکری سے وہ اپنی رات بسر کرسکتے ہیں۔ مگر آہ! پیروانِ اسلام کے لئے آج تمام کرہ ارضی میں چار بالشت زمین بھی امن وعافیت کی باقی نہیں رہی۔ گویا اسلام کی پوری تیرہ صدیوں کی تاریخ ایک محض افسانۂ ماضی اور حکایت رفتہ ہے۔ اوراق و دفاتر میں پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر بلاد و اقلیم میں دیکھی نہیں جاسکتی۔ حضرات! معلوم نہیں کہ آپ کے کانوں کا کیا حال ہے مگر میں اپنے نامراد سامعہ کو کیا کروں جس سے ہر لمحہ اور ہر آن وَاشَرِیْعَتَاہ اور وَادِیْنَاہ کی جگر دوز صدائیں ٹکرا رہی ہیں اور میری مجروح آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ کفر و ظلم کے غلبہ و قہر سے ارضِ الٰہی کا ایک ایک چپہ چیخ رہا ہے، پرستارانِ حق کی غربت و بیکسی ہر طرف سر پیٹ پیٹ کر ماتم کر رہی ہے اور فضائے کائنات کا ایک ایک ذرہ قائم حق کو ڈھونڈ رہا ہے حامیانِ ملت کو پکار رہا ہے۔

یا ناعی الاسلام قم وانعہ
قد زال عرف وبدا المنکر

حضرات! یہ دعا اصحابِ کہف نے اُس وقت مانگی تھی جب اُن کی آبادی کے دروازے اُن پر بند ہو گئے تھے۔ آیئے آج ہم اسی دعا کو وسیلۂ قبولیت بنائیں جب کہ صرف ایک ہی آبادی کے نہیں بلکہ تمام دنیا کے دروازے پیروانِ حق پر بند ہو گئے ہیں اور ہر طرف ظلم و فساد کی حکومت پھیل گئی ہے اس دعا میں رحمتِ الٰہی کی طلب ہے اور ارشادِ امر کا سوال ہے۔ رحمت، اللہ کی وہ صفتِ کاملہ ہے جو ہر طرح کے فیضان و بخشائش کا دروازہ کائناتِ ہستی پر کھولتی ہے اور رشدِ امر سے مقصود ہر طرح کی ہدایت و رہنمائی ہے جو حصولِ مقاصد کے لئے مطلوب ہو پس گویا اعجاز بلاغتِ قرآنی نے ان چند لفظوں کے اندر ان تمام برکات و مقاصد کو جمع کر دیا ہے جن کی نوعِ انسانی محتاج ہو سکتی ہے۔ اس کو رحمت کی ضرورت ہے جو اس کی درماندگیوں اور خطاؤں کو بخش دے اور ارشادِ امر کی ضرورت ہے تاکہ صحیح راہِ کامیابی پر چل کر کامران و فتح مند ہو۔ ان دو ہی چیزوں کے ہم بھی محتاج و آرزومند ہیں۔ ہم نے خطائیں کی ہیں۔ پس اس کی رحمت مطلوب ہے جو بخش دے۔ ہم نے راہِ عمل گم کر دی ہے اور رشد و ہدایت کے سائل ہیں تاکہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔

حضرات! اب میں جمعیۃ العلماء کے وجود و مقاصد کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس سلسلہ میں دو اہم مطالب سامنے آتے ہیں۔ ایک جمعیۃ العلماء کے مقاصد و وظائف کا مبحث ہے جو اس وقت تک مسائل وقت کے انہماک کی وجہ سے بحث و نظر میں نہ آسکا۔ دوسرا موضوع مسائلِ حاضرہ کا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ آرائشِ بیان و تزئینِ عبارت سے بالکل قطع نظر کر کے نفسِ مطالب بطریقِ اشارات گوش گزار کر دوں۔

حضرات! جمعیت العلماء کا قیام فی الحقیقت مسئلہ "احیا و تجدیدِ ملت" کی ایک فرع ہے جو گذشتہ ایک صدی سے تمام عالمِ اسلامی میں دعاۃِ اصلاح و ترقی کے لئے مبحثِ افکار و معرکۂ آراء و انظار رہ چکا ہے مسئلۂ احیاءِ ملت کا مقصود واضح ہے یعنی مسلمانوں کو موجودہ پستی و ادبار سے نکالنے اور ان کے عروج و اقبالِ رفتہ کے واپس لانے کے لئے کیا اسباب و وسائل اختیار کرنے چاہئیں اور راہِ عمل و فوز کیا ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں ابتداء سے تین مختلف مذاہبِ اصلاح ہیں۔ جو ہندوستان، مصر، ترکی، ایران و تیونس اور بلادِ ترکستان و قفقاز کے درمیان اصلاح نے اختیار کئے ہیں۔

پہلا مذہب وہ ہے جسے میں "اصلاحِ افرنجی" سے موسوم کرتا ہوں۔ گذشتہ صدی یورپ کے تمدن و صنائع کے ظہور و اعلان کا عہد تھا۔ یورپ کی پستی نہایت تیزی کے ساتھ بلند ہو رہی تھی اور مشرق کی بلندی موجودہ پستی کی طرف اُسی تیزی کے ساتھ گر رہی تھی۔ جب یورپ کے تمدن کا ہوش ربا جلوہ اسلامی ممالک کے سامنے بے نقاب ہوا تو دو مختلف اثرات دو مختلف جماعتوں پر مرتب ہوئے۔ غالب

جماعت نے اپنی غفلت و جمود کی وجہ سے اس انقلاب و تغیر کی طرف نظر ہی نہ اُٹھائی لیکن ایک جماعت ارباب بینش و خبر کی بھی تھی جس نے فوراً تغیر احوال محسوس کیا۔ لیکن جیسا کہ طبیعت بشری کا خاصہ ہے، اپنی پستی و کمزوری اور جلوہ کی نظر فریبی و ہوشربائی کی وجہ سے یہ اوّل نظر مرعوب و مسحور ہوگئی اور مقابلہ و مقاومت کی جگہ تقلید و اطاعت کے جذبات اس میں پیدا ہوگئے۔ ہندوستان میں سرسید احمد خاں مرحوم اور اُن کے متبعین و مقلدین، ٹرکی میں سلطان محمود خاں اور اس کے عہد کے وزراء مثلاً فواد پاشا، مصر میں محمد علی پاشا، تیونس میں خیرالدین صاحب "اقوم المسالک" اور بیرم تونسی صاحب "صفوۃ الاعتبار" وغیرہم اسی گروہ میں محسوب ہیں۔ انہوں نے اصلاح و تغیر کے لئے صرف یورپ کی تقلید، علوم مدنیہ کا ترویج، عادات و خصائل فرنگ کے تخلق و تشبہ اور اُن کے ذہنی و عملی تعبد و اطاعت کو اساس کار و اعتقاد و اصلاح قرار دیا۔

دوسرا مذہب "اصلاح سیاسی" کا مذہب ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس کو اسلامی ممالک کے پولیٹیکل زوال اور سیاسی اختلال کا حد درجہ استغراق ہوا اس لئے اس کی نظر اس طرف گئی کہ سب سے مقدم سیاسی اصلاح ہے جب تک یہ ظہور پذیر نہ ہو کوئی سعی سودمند نہیں ہوسکتی۔ ممالک اسلامیہ میں اس مذہب اصلاح کے سب سے بڑے داعی مرحوم سید جمال الدین اسد آبادی تھے اور ٹرکی میں مدحت پاشا ابوالاحرار کی دعوت بھی اسی مسلک میں محسوب ہے۔

تیسرا مذہب اصلاح "اصلاح دینی و اسلامی" کا ہے۔ اگرچہ مذہب کے دعاۃ بمقابلہ مذاہب سابقہ قلیل رہے مگر فی الحقیقت مسلک اصلاح میں بھی گروہ اصحاب رشد و ہدایت اور سالکین جادہ اقتصاد و حق کا رہا ہے۔ بحکم حدیث "قلیل فی ناس سوء کثیر" (رواہ ابو داؤد) گو ان کی تعداد قلیل اور اُن کی صدائیں ضعیف رہیں لیکن زمانہ روز بروز اُن کی دعوت سے قریب تر ہوتا گیا اور مذاہب سابقہ کی نامرادیوں نے بہت جلد اس مسلک کی صحت و حقانیت دنیائے اسلام پر آشکارا کردی۔

اس آخری مسلکِ اصلاح کی بنیاد حسبِ ذیل مبادی و مقدمات پر تھی اور ان ہی کی دعوت و تبلیغ کے لئے ۱۹۱۲ء میں میں نے "الہلال" جاری کیا تھا۔

۱۔ اسلام کے نظمِ شریعت میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اسلام نے شریعتِ الٰہی کو نوعِ انسانی کی تمام سعادت و ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا اور مسلمانوں کی سیاسی، علمی، اخلاقی، قومی، تمدنی زندگی کی بنیاد صرف ایک ہی حقیقتِ جامعہ پر ہے۔ یعنی شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت پر۔

۲۔ مسلمانوں کی قومیتِ صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم و عمل ہے۔ شریعت نے انہیں بتلایا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی قوم وہی ہیں، وہی خیر الامم ہیں، وہی خیر البریہ ہیں، وہی شہداء علی الناس ہیں، وہی شہداء اللہ فی الارض ہیں۔ ان کے عروج و سعادت کی علت صرف یہ تھی کہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول کو انہوں نے اپنا دستور العمل حیات قرار دیا تھا۔ قرآن کی نسبت صاحبِ قرآن کا اعلان تھا۔ "ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ اخرین" (رواہ مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی ہدایت سے قوموں کو اٹھائے گا۔ اور یہی ہے جس کو ترک کرکے قومیں گریں گی اور ہلاک ہوں گی۔ پس جب مسلمانوں نے قرآن و سنت کا علم و عمل ترک کردیا تو اقبال و عروج نے بھی ان سے کنارہ کشی کرلی۔ یہ مسلّم اور حقائقِ تاریخیہ میں سے ہے کہ مسلمانوں کے عروج و اقبال کا سب سے بہتر اور ارفع زمانہ وہی تھا۔ جب بجز کتاب و سنت کے علم و عمل کے اور کوئی تعلیم ان کی رہنما نہ تھی۔ یعنی عہدِ صحابہ کرام و خلفائے راشدین اور تنزل و فساد کا عہد اس وقت سے شروع ہوا کہ جب اقوامِ ماضیہ مغضوبہ کے علوم و اعمال بشکل علوم دخیلہ و اعمالِ بدعیہ ان میں رائج ہوئے۔ ایک ہی علت کے دو مختلف نتائج نہیں نکل سکتے۔ پس اگر اب بھی مسلمان اپنے عروجِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں تو صرف ایک ہی راہ ہے اس کے علاوہ جس قدر راہیں بھی نکلیں گی، گمراہی و فساد کی ہوں گی۔ یعنی علم و عملِ شریعت کا احیا اور ترک و ہجرِ شریعت کا انسداد۔

۳۔ اس مسلک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر بھی تھی کہ شریعتِ اسلامیہ آخری اور اکمل شریعت ہے۔ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اور اس کا وعدہ ہے: لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔ یقیناً اس وعدہ کا ابھی ظہور نہیں ہوا پس ضرور ہے کہ وعدۂ الٰہی ظاہر ہو اور اس لیے مستقبل کے لیے اگر کوئی راہ فوز و فتح ہوسکتی تو وہ صرف دعوتِ شریعت اور احیاءِ عمل بالقرآن ہی ہے۔

۴۔ مسلمانوں سے اہتداء و اتباعِ شریعت مہجور نہیں ہوا اگر علماءِ اسلام کی غفلت و اغراض سے شریعت کے علم و عمل کے وہی حامل و مبلغ تھے اور امت کی حیاتِ شرعیہ کا تمام دار و مدار خود ان کی حیاتِ علمی و عملی پر تھا۔ جب کتاب و سنت کا ترک و ہجر، تفرقہ و تشتت وحدت اور سبلِ متفرقہ کا شیوع۔ اختلاف و تحزب کی عصبیت، علوم محدثہ کا استغراق، جب جاہ و ریاست کا استیلا، فریضۂ دعوتِ الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تغافل، اہواء و سلاطین و امرا کا اتباع، اجتہادِ فکر و نظر

کا فقدان غرض کہ منصب نیابتِ نبوت کا ضیاع اور احبار و رہبانِ اہلِ کتاب کے متذکرۂ قرآن مفاسد کا ظہور و احاطہ خود طبقۂ علما میں بحدِ کمال پہنچ گیا تو اس کا لازمی نتیجہ اُمت کی ہلاکت تھا وہ ظہور میں آیا وکان وعدا مفعولا۔

پس اب اگر اصلاحِ حال کی کوئی راہ ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ علمائے اُمت کے طبقہ میں احساسِ حال کی تبدیلی پیدا ہو اور وہ اپنے منصب عظیم کو از سرِ نو سنبھال لینے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ اور اس طرح علم و عملِ شریعت کا احیا صورت پذیر ہو۔ ترکستان و بلادِ روسیہ میں شیخ صدر الدین، مصر میں شیخ محمد عبدہ، شام میں شیخ عبدالرحمٰن کواکبی اور شیخ کمال الدین قاسمی وغیرہم اسی مسلکِ اصلاح کے داعی تھے مگر سلطان عبدالحمید مرحوم کے استبداد نے مہلتِ عمل نہ دی اور ان کے افکار نفاذ و عمل تک نہ پہنچ سکے۔

اِن تین جماعتوں کے علاوہ ایک چوتھی جماعت بھی ہمیشہ رہی ہے اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن اس جماعت کا کوئی ایجابی مسلک نہیں ہے محض سلبی وجود ہے۔ یعنی اربابِ جمود و غفلت کا طبقہ۔ اس جماعت کو اصلاح سے انکار ہے۔ اور ضرورت سعی و انقلاب سے گریز اور پھر ان ہی میں وہ دعاۃِ فتن علمائے سوء و مشائخ دنیا و جاجلۂ فساد بھی ہیں جو ہر صدائے حق کے جمود اور ہر سعی اصلاح و عمل کے انکار و مخالفت کو اپنا فریضۂ علم و عمل سمجھتے ہیں۔ میں نے ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ الحمد للہ اب ان کی کوئی مقام ہستی باقی نہیں رہی ہے۔

حضرات! اس مسلک اصلاح کے مطابق ممالکِ اسلامیہ میں متعدد کوششیں علماء کے اجتماع و نہضت کے لئے کی گئیں۔ شیخ محمد عبدہ نے اپنے تمام آخری ایام حیات علماء ازہر کے انتباہ و بیداری میں صرف کر دیئے۔ شیخ محمد عزاری نے علمائے جامعہ زیتونیہ تیونس کی ایک جمعیۃ اصلاح قائم کرنے کے لئے مدت العمر آہ و فغاں کیا۔ شیخ عبدالرحمٰن کواکبی نے "سجل جمیعۃ ام القریٰ" لکھ کر علمائے اسلام کی بین الملی جمعیت کی تحریک کی ہندوستان میں پہلے ندوۃ العلماء اور پھر جمعیۃ الانصار دیوبند قائم ہوئی لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی سعی و تدبیر بھی سودمند و کامیاب نہ ہوئی۔ اس ناکامیابی کے بھی واضح و بین اسباب ہیں۔ لیکن میں بخیالِ اختصار اُن کی تشریح نہیں کروں گا۔ بعض مساعی کے لئے استبداد حکومت مانع ہوا۔ بعض مساعی باہمد گر اختلافات و نزاعات کی وجہ سے ناکام رہیں بعض تدابیر میں علماء سوء و دعاۃِ فتن کی مقاومت نے خلل ڈالا اور اکثر کا یہ حال رہا کہ خود نفسِ دعوت و تدبیر کے اندرونی نقائص کامیابی میں حائل ہو گئے۔ از اں جملہ سب سے بڑا نقص ان تمام دعوتوں میں یہ رہا کہ گو اصلاحِ دینی کی قسم میں داخل تھیں لیکن بمصداق خلطوا عملا صالحا واخر سیئا جو طریق عمل

اختیار کیا گیا تھا وہ ٹھیک ٹھیک نہج قویم و مستقیم پر نہ تھا۔ یعنی منہاج و اسوۂ نبوت کے علوم و اعمال کو ان میں غلبہ و احاطہ حاصل نہ تھا، اور کتاب و سنت کی دعوتِ خالص و بے آمیزش کی جگہ موجودہ عہد کے طرق محدثہ نے اُن میں راہ پالی تھی اور از آں جملہ ایک بڑا سبب اُن کی ناکامی کا یہ بھی ہوا کہ اصول کی جگہ فروع کا استغراق داعیوں پر چھا گیا اور یہ حقیقت اُن پر منکشف نہ ہوئی کہ راہ کی ہدایت کا تعین کیونکر کرنا چاہیئے۔ پس ایسا ہوا کہ جو طاقت اصل پر خرچ کرنی تھی وہ بعض شاخوں کے لئے وقف ہو گئی۔ مثلاً اصلاحِ نصابِ تعلیم وغیرہ۔ اور اس طرح تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو گیا۔ مع ہٰذا اس کارخانۂ حیات اور کارگاہِ مکافات و مجازات کا کوئی عمل بھی بالکل ضائع نہیں جاتا جس کی بنیاد اعتقادِ صحیح پر ہو۔ یہ کوششیں اگرچہ خود راہ نہ پاسکیں لیکن انہوں نے آنے والے عہد کے لئے بہت کچھ راہ صاف کر دی۔ اور کم از کم ان میں سے ہر سعی کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ دعوتِ اصلاحِ دینی اور حرکت و نہضۃ علمائے ملت کے لئے وقت کی استعداد روز بروز بڑھتی گئی۔

حضرات! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے خودستائی اور خودفروشی کا الزام نہ دیں گے اگر میں بطورِ تحدیثِ نعمت اس موقع پر دعوتِ الہلال کا بھی ذکر کروں۔ عالمِ اسلامی کے ماضی قریب میں اصلاحِ دینی اور انتباہ و انبعاثِ علماءِ ملت اور احیاء و تجدیدِ اُمت کی جو دعوت ان تمام پچھلی دعوتوں کے طریقوں اور اسلوبوں سے بالکل مختلف اسلوب پر بلند ہوئی ہے وُہ دعوتِ الہلال ہے آج آپ کی یہ مقدس و مبارک جمعیت العلماء جس مقصد کی جستجو میں منعقد ہوئی ہے میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ وہی یوسفِ مقصود ہے جس کے فراق میں میں ۱۹۱۱ء سے مستقل "وَا اسفا علی یوسف" کی فغاں سنجی کر رہا ہوں۔ اور جس کے لئے میں نے الہلال مرحوم کے صفحوں کو کبھی اپنے چشمِ خونین کے آنسوؤں سے رنگا ہے اور کبھی اس کے سواد و حرف کے اندر اپنے دل و جگر کے ٹکڑے بچھا دیئے ہیں۔ ۱۹۱۱ء سے لے کر آج تک یہ مقصد میرے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مطلوب اور میری روح کی عشق و شیفتگی کا محبوب رہا ہے۔ خُدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی جب اس مقصد کی طلب سے میرا دل خالی ہوا ہو اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گذری جب میں نے اس کی تمنا میں اپنے بسترِ غم و اندوہ پر بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں۔ میں نے اپنی آزادی کی تمام فرصت اسی کے عشق میں بسر کی اور نظربندی و قید کے سال بھی اسی کے فراق میں کاٹے۔

پس اے بزرگانِ ملت اگر آج علماءِ اُمت کی یہ نہضت مبارکہ جمعیت العلماء کی شکل میں طالع نظر افروز ہوئی تو مجھے کہنے دیجئے کہ یہ میرے دہ سالہ سوالوں کا جواب ہے، میری تمناؤں

اور آرزوؤں کا ظہور ہے میری فریادوں اور التجاؤں کی قبولیت ہے، میرے لئے ما تشتہیہ الانفس و تلذ الاعین ہے اور یقیناً میری امیدوں کے خواب قدیم کی تعبیر ہے۔

حضرات! جمعیت العلماء کا قیام دراصل اسی آخری مذہب اصلاح واحیا کا ظہور ہے اور اس کی تاسیس حضرت امام مالک کے اس اعتقادی قاعدہ پر ہوئی ہے "لا یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا" اس اُمت کے آخری دَور کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے ابتدائی عہد کی ہوئی تھی اور یہ قاعدہ ٹھیک حضرت صادق کی اُس خبر کے مطابق ہے جو مشہور حدیث غربیہ میں دی گئی ہے۔ "بدء الاسلام غریبا و سیعود کما بدأ" (رواہ مسلم) اسلام کے لئے دو عہد غریب ہیں۔ ایک غریب اولیٰ اور ایک ثانیہ۔ پس ضرور ہے کہ جو کچھ غربت اولیٰ میں ہوا، غربت ثانیہ میں بھی ہو اور جس چیز نے غربت اولیٰ کو فتح و اقبال اوّل سے بدل دیا، وہی چیز اس غربت ثانیہ کو فتح و اقبال ثانی سے بدل دے اور وہ نہیں ہے مگر دعوتِ صادقہ و صالحہ کتاب و سنت اور احیائے علم و شریعت سے

مصلحت دیدِ من آں ست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

چنانچہ اسی حدیثِ غربت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے "فطوبیٰ للغرباء وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من سنتی" (رواہ ترمذی) سبحان اللہ۔ غربائے دورِ آخر کی خوش نصیبی اور مصلحینِ غربتِ ثانیہ کی بلند طالعی! کہ زبان حق ترجمانِ نبوت سے ان کے لئے مبارک نکلی۔

حضرات! یقیناً میں نے یہ عرض کرنے میں آپ تمام مجمع علم و بصیرت کے آرا و معتقدات کی ترجمانی کی ہے جمعیت العلماء کے اعمال دعوت کے لئے قاعدہ اساسی یہی مسلک ہے، اسی مقصد کو سامنے رکھ کر وہ موجودہ عہدِ غربت اسلام میں منصب نیابت و شہادت حق کے فرائض انجام دینے کے لئے مستعد کار ہوئی ہے اور بلا خوف رد کے کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اصلاحِ دینی کی بنا پر عالم اسلامی کا یہ سب سے پہلا اجتماعِ علماء ہے جو اس وسعت و اتحاد اور جمعیت و قوام کے ساتھ مجتمع ہوا ہے۔ جو کام اس وقت تک تمام بلادِ اسلامیہ کی طلب و سعی سے بروئے کار نہ آسکا اور جس کی توفیق موجودہ عہد کی اسلامی حکومتوں کو بھی نہ ملی اور تمام مصلحین عہد اس کی تمنائیں اپنے ساتھ لے گئے۔ آج وہ اپنی سعی بست فعل و وجود تک پہنچ چکا ہے اور عمل و اقدام کی شاہراہ آپ کے آگے باز ہے

حضرات! اس اصل تقریر کے بعد ضرورت تھی کہ جماعت علماء کے منصب و وظائف کی بھی پورے شرح و بسط کے ساتھ تفصیل کردی جاتی اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی کہ طلب صلاح اور ادائے فرض کے سلسلے میں آج جو مقصد آپ کے سامنے آیا ہے وہ کوئی نیا مقصد نہیں ہے بلکہ وہی مقصدِ اصلی و قدیمی ہے جو روز ازل سے وحی الٰہی نے جماعت علماء کے لئے قرار دے دیا ہے اس مقام پر سب سے زیادہ اہم مشہدِ علم حق کی شہادت و دعوت کا تھا جہاں پہنچ کر ہم معلوم کرتے کہ حکمتِ الٰہی نے کائناتِ ہستی اور نوعِ انسانی کے قیام و سعادت کے لئے کون سا نظامِ ہدایت مقرر کیا ہے اور قرآنِ حکیم کے بیانات اس بارے میں کیا ہیں؟ قرآنِ حکیم نے بتلایا ہے کہ دنیا کی قوام سعادت کی بنیاد تین حقیقتوں پر ہے جن کو اصطلاحِ قرآنی میں لفظِ "شہادت" سے تعبیر کیا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (آل عمران)

اس آیہ کریمہ میں بالترتیب تین شہادتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی شہادت، ملائکہ کی شہادت، اولوالعلم یعنی علم والوں کی شہادت۔ قرآنِ حکیم جب کبھی لفظِ شہادت کو اس سیاق و سباق کے ساتھ استعمال کرتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، تو شہادت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ کے کلمۂ حق کی اس کی زمین پر گواہی دینا یعنی اس کا اعلان و اظہار کرنا۔ ہدایتِ الٰہی کی دعوت کو قائم کر دینا اور حق و صداقت کی تعلیم و بیان سے دُنیا کی غفلت و ضلالت کا استیصال کرنا۔ پس وہ تمام امور جو بیان، اظہار، اعلان، تعلیم، دعوت اور قیام و قوامِ دعوت سے تعلق رکھتے ہیں سب کے سب لفظِ شہادت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ پس آیۂ آلِ عمران میں شہادت سے مقصود شہادت حق و توحید ہے۔ خواہ زبان قال سے خواہ حال سے۔

اللہ کی شہادت سے مقصود صداؤں میں اسی کی وحی ہے اور مشاہدہ و احوال میں کائناتِ ہستی کا نظام و جمال ہے۔ یہ آخری شہادت دنیا کے گوشے گوشے، چپے چپے، ذرے ذرے سے ہر آن و ہر لحظہ بلند ہو رہی ہے۔ ہر سامعۂ معرفت سنتا ہے اور ہر چشم عرفان اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔

ملائکہ کی شہادت اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہ وحیِ الٰہی کے سفیر و وسیط ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ کارگاہِ ہستی کے تمام تغیرات و تبدلات کی اصلی علت انہی کے اعمالِ مدبرہ ہیں۔ اگرچہ ہمارا علم محدود محسوس نہ کر سکے۔ یہ ملائکہ و یہ ارضیہ کی شہادت ہے جو تمام تغیراتِ کونیہ کے اندر فاطر السموات والارض کی قدرت و حکمت کا اعلان کر رہی ہے۔ وَلٰکِن لَّا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْن

تیسری شہادت اولوالعلم یعنی علم والوں کی ہے۔ جب شہادتِ الٰہی کی ابدی و سرمدی نداؤں اور ملکوت السموات والارض کی غفلت شکن صداؤں سے غافل انسان اپنے کان بند کر لیتا ہے، تو پھر ایک تیسری

شہادت کی ضرورت ہوتی ہے جو خود انسان ہی کے اندر سے اٹھے۔ وہ شہادت الٰہی کی حامل و مبلغ ہو اور شہادت ملائکہ کے ادراک و معرفت کی راہیں کھولنے والی ہو۔ پس یہ تیسری شہادت اصحاب علم و معرفت کی شہادت ہے اصل اور اساسی طبقہ اس جماعت کا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور پھر تبعاً ان کے متبعین صادقین یعنی علما و عرفائے حق ہیں جو ہمیشہ نوع انسانی کی غفلتوں اور ضلالتوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور خدا کی زمین کو اس کے کلمہ صدق و حق کی شہادت سے خالی ہونے نہیں دیتے چنانچہ شاہدین حق کی یہ جماعت ابتدائے ظہور حیات سے برابر رہی اور جب تکمیل شریعت کا وقت آگیا، اور اتمام نعمت کی وجہ سے حضرات خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم کا ظہور ہوا تو اس شہادت الٰہی کا منصب بھی قیامت تک کے لئے انہی کے سپرد ہوا اور علمائے اسلام ان کے وارث و نائب ٹھہرے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا نیز فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ یعنی حق و ہدایت کی جو شہادت اس شاہد صادق نے امت مرحومہ کو پہنچائی ہے امت مرحومہ تمام نوع انسانی اور کرہ ارضی میں اس کے اعلان و قیام کی ذمہ دار ٹھہری تاکہ جو روشنی اس سراج منیر سے حاصل کی ہے اس سے تمام ارض الٰہی کو روشن کر دے۔

پھر اس کے بعد واضح کرنا تھا کہ علمائے اسلام نے گزشتہ تیرہ صدیوں کے اندر کس طرح اس فرض شہادت کو انجام دیا ہے اور دعوت و اعلان حق کی راہ میں کیسی کیسی قربانیاں اور سرفروشیاں کی ہیں۔ دنیا میں کسی قوم کی تاریخ حق پرستی کی ایسی مثالیں نہیں دکھلا سکتی جن سے علمائے اسلام کی تاریخ کا ہر باب و صفحہ روشن ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت و دہشت اور انسانی تاج و تخت کی کوئی ہیبت و سطوت بھی علمائے اسلام کے جذبۂ اعلان حق پر غالب نہ آسکی اور دنیاوی خوف و طمع کا کوئی منظر بھی انہیں اس راہ سے باز نہ رکھ سکا دنیا میں راہ حق سے روکنے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں اور ساری آزمائشیں انہی میں مضمر ہیں۔ ایک خوف ہے، ایک طمع لیکن ان کے دلوں میں خوف تھا تو صرف اللہ کے جبروت و جلال کا اور طمع تھی تو صرف اسی کی رضا و رحمت کی يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا پس نہ تو خوف کا حربہ ڈرا سکتا تھا اور نہ طمع کی دلفریبی ان کے دلوں کو لبھا سکتی تھی۔

حضرات! وقت تھا کہ اسی سلسلہ میں میں آپ کو علمائے اسلام کے ادائے فرض کے چند مناظر دکھلاتا۔ حضرت سید التابعین سعید بن المسیب کو دیکھئے کہ حکام جور کے حکم سے ان کی پیٹھ پر دُرّے لگائے جا رہے ہیں مگر ان کی زبان صدق بیان اعلان حق میں پہلے سے بھی زیادہ سرگرم ہو گئی ہے آپ مدینہ کی گلیوں میں امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس کو دیکھئے۔ ان کی مشکیں اس زور سے کس دی گئی ہیں کہ دونوں بازو اکھڑ

گئے ہیں اور اوپر سے پیہم تازیانے کی ضربیں پڑ رہی ہیں اس عالم میں بھی جب زبان کھلتی ہے تو اسی مسئلہ کا اعلان کرتے ہیں جس کو وہ حق سمجھتے تھے۔ لیکن وقت کی حکومت اس کے اعلان کو اپنے جبر و طاقت سے روکنا چاہتی تھی یعنی مسئلہ طلاق مکرہ کو جب گورنر مدینہ نے تشہیر و تذلیل کے لئے اونٹ کی برہنہ پیٹھ پر سوار کرا کے گشت کرایا تو ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی کوئی بازار یا مجمع سامنے آتا تو عین ضرب تازیانہ کی حالت میں کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے:-

من عرفنی فقد عرفنی	جو مجھ کو جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا
ومن لم یعرفنی فانا مالك ابن انس	تو جان لے کہ میں ہوں مالک انس کا بیٹا اور اسی
اقول طلاق المکرہ لیس بشئ	مسئلہ کا اعلان کرتا ہوں جس اعلان سے مجھ کو جبراً روکا جا رہا ہے کہ طلاق مکرہ کوئی چیز نہیں۔

آپ امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبل کو دیکھئے کہ معتصم باللہ جیسا قاہر و باجبروت فرمانروا ان کے سامنے کھڑا ہے۔ جلاد یکے بعد دیگرے تازیانے لگا رہے ہیں پیٹھ زخموں سے چور چور ہو گئی ہے تمام جسم خون سے رنگین ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ محض اس لئے ہو رہا ہے کہ جس مسئلہ کو وہ کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اس کا ایک مرتبہ اقرار کر لیں۔ لیکن اس پیکر حق، اس مجسمہ سنت، اس صابر اعظم کی زبانِ صدق ترجمان سے یہی صدا نکل رہی ہے۔ اعطونی شیئا من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول بہ۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

آپ حضرت امامنا الاعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیے کہ قید خانہ بغداد میں اسیر ہیں لیکن اس پر بھی منصور عباسی جیسے قاہر بادشاہ کے حکم کے سامنے ان کا سر نہیں جھکتا۔۔۔ آپ کو حضرت امام شافعی اس حالت میں نظر آتے کہ یمن سے بغداد تک قید و اسر کی حالت میں بھیجے جا رہے اور ان کا جرم صرف یہ ہے کہ حق کے داعی ہیں اور صدق و ہدایت پر قائم ہیں۔۔۔ آپ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کو دیکھیے کہ تین تین مرتبہ مصر کے قید خانے میں اسیر کئے گئے اور بالآخر قید خانے ہی میں وفات پائی مگر اظہارِ حق سے منہ نہ موڑا اور حکومتِ وقت کے آگے سرِ اطاعت خم نہ کیا۔۔۔ آپ خود اسی ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو دیکھیے کہ قلعہ گوالیار میں قید ہیں، مگر جہانگیر کے آگے اس سر کو جھکانے کے لیے تیار نہیں جس کو اللہ نے صرف اپنے ہی آگے جھکنے کے لئے بنایا ہے۔۔۔ آج ہندوستان میں صرف قید و بندی کی منزل ہمارے سامنے آئی ہے اس لئے میں صرف انہی کا ذکر کر رہا ہوں جنہوں نے راہ دعوتِ حق میں اس

منزل کو مردانہ وار طے کیا۔ ورنہ علمائے حق کی شہادتِ حق اور ادائے فرضِ نیابتِ نبوت کا سب سے بڑا عظیم الشان
تو یہی شہادت ہے جہاں انہوں نے صرف اپنی زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے خونِ شہادت کی سرخی سے حق و
صداقت کے نقوش ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم پر ثبت کردیے ہیں۔ پھر اس کے بعد مجھے بالتفصیل عرض کرنا تھا۔ وہ
کیا اسباب و بواعث ہیں جن کی وجہ سے اس شہادت کے قیام و اجرا میں خلل پڑا یعنی مسلمانوں کے تنزل علم
وعمل کے مبادی و اساسات کیا ہیں۔ کیونکہ جب تک امراض کی صحیح تشخیص نہ ہوگی علاج صحیح کی راہ نہیں کھل سکتی
اس سلسلہ میں مفاسد و مہالک کے اصول تھے اور فروع تھے۔ مبانی و مبادیات تھے اور ان کا تشعب و
انشعاب تھا۔ مجھے ایک ایک کرکے سب کو شمار کرنا تھا۔ اصل اس بارے میں وہ مفاسد و فتن ہیں جو ہر دور میں
اقوام و شرائع کی ضلالت و فساد کا باعث رہ چکے ہیں اور اس لئے قرآن و سنت نے اوّل دن ہی ان سب
کی توضیح و تشریح کردی تھی۔

ازاں جملہ وہ مفاسد ہیں جن کا حال امم سابقہ علی الخصوص اہل کتاب کے اسبابِ ضلالت کی حکایت
کرتے ہوئے قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے اور مقصود ان سے امتِ مرحومہ کا تنبہ و اتقا ہے ـــ اور ازاں
جملہ فتنۂ شبہات و شہوات ہے جس کی خبر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا صحیحین وغیرہما میں دی گئی۔ "شبہات" میں تمام ذہنی و
اعتقادی مفاسد آگئے اور "شہوات" میں تمام عملی مفاسد ـــ اور ازاں جملہ فتنۂ تفرقہ و اختلاف ہے جس کے
اخبار مدوّن و معلوم ہیں ـــ اور ازاں جملہ فتنۂ تاویل الجاہلین و تحریف الغالین و انتحال المبطلین ہے جس
کی خبر حدیث ابراہیم بن العذری رضی اللہ عنہ بیہقی میں دی گئی تھی اور جس کے تین جملوں میں سارے فتنے گن دیے ہیں
اور ازاں جملہ فتنۂ جدل و فتنۂ تعمق و تنطع اور فتنۂ اہوا ہے۔ جن کے اخبار کو حضرت امام بخاری نے باب اعتصام
بالسنہ میں ایک عجیب و دقیق ترتیب حکیمانہ و استنباط فقیہانہ کے ساتھ جمع کیا ہے ـــ اور ازاں جملہ فتنۂ
مولدین و دخلاء ہے جس کی خبر حدیث ابن ماجہ میں دی گئی تھی کہ لم یزل امر بنی اسرائیل
معتدلاً حتی نشأ فیہم المولدون ـــ اور ازاں جملہ فتنۂ "تولید" و "وھن" اور ترکِ جہاد
فی سبیل اللہ ہے اور "وھن" کے معنی بتلادیے تھے کہ حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔

پھر ان مفاسدِ اصلیہ کے فروع اور برگ و بار ہیں، ضرور تھا کہ ان کی بھی تشریح کی جاتی مثلاً نظامِ
اقوام خلافت کی برہمی، تفرقۂ قومی و مناصب حکومتِ شوریٰ کی جگہ حکومتِ شخصیہ و مستبدہ کا قیام۔ وحدتِ کلمۂ
اسلام کی جگہ تفرقۂ مذاہب و احزاب کہ فی الحقیقت راس الفتن اور علت العلل انقراضِ ملت یہی ہے۔ اسی
طرح ترکِ اہتدا بہ کتاب و سنت کی جگہ علومِ محدثہ دخیلہ کا استغراق اور شیوع۔ فتنۂ یونانیہ و عجمیہ کا مجموعہ
فتنۂ شبہات اور فتنۂ مولدین میں انہی دو سب سے بڑے فتنوں کی خبر دی گئی تھی اور ازاں جملہ علماء میں احکام

مناصب و ریاست کی کثرت کہ بقول امام غزالی سب سے بڑا سبب علماء دنیا کی کثرت اور علماء آخرت کی قلت کا یہی ہوا (قال فی الاحیاء) اور ازاں جملہ اقوامِ مغضوبہ و مضلہ کی موالات کا شیوع و استیلا جس سے کتاب و سنت میں بار بار روکا گیا تھا اور صحابہ کرام اس فتنہ سے تعوذ کیا کرتے تھے ــــ اور ازاں جملہ خلافت عربیہ کا انقراض و عجمی حکومتوں کا قیام اور مرکزیت و وحدت خلافت کا فقدان بالآخر تمام اسلامی حکومتوں کا زوال علماء کا حکومیت و غلامی پر اقناع، فریضۂ جہاد و دفاع فی سبیل اللہ سے اعراض، ادائے فرض و وظائف شرعیہ میں طرح طرح کے حیل و احیال اور اسی طرح کے بے شمار فرعی مفاسد تھے جن کا افسانۂ درد آپ کے سامنے دہراتا تھا۔

ان تمام تفصیلات کے بعد اُن طرق اصلاح پر نظر ڈالنی تھی جو گزشتہ صدی میں عالمِ اسلامی کے تمام داعیانِ اصلاح نے اختیار کی ہیں اور پھر خاص ہندوستان کی سابق اور موجودہ حالت اور اس کی مقتضیات و داعیات پر بحث کرنی تھی۔ اس طرح واضح ہوتا کہ ہمارے لئے آئندہ مسلکِ عمل کیا ہونا چاہئے اور اس کے ارکان و طریق حسب ہدایت کتاب و سنت کیا کیا ہیں؟ لیکن مسائلِ حاضرہ کے استغراق اور وقت کی قلت کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مباحث کو اس خطبہ کے مطبوعہ نسخہ کے لئے اٹھا رکھوں اور بیان صرف یہ عرض کردوں کہ آئندہ کے لئے سب سے زیادہ مقدم اور بنیادی معاملہ کیا ہے۔

حضرات! اس موقع پر آپ کی توجہ اس خطبہ کے ابتدائی حصّہ کی طرف مبذول کراؤں گا میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے کہ اس راہ میں شرطِ کامیابی یہ ہے کہ ہمارا عمل خالصاً لوجہ اللہ ہو اور نیز طریق ثواب پر ہو اور طریق ثواب نہیں ہے مگر طریق سنت و منہاجِ نبوت اس لئے میں دو لفظ بولوں گا۔ ایک لفظ "تاسیس" ہے اور ایک "تجدید" ان کے معانی آپ پر روشن ہیں: "تاسیس" اساس سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ازسرِ نو کسی چیز کو بنانا۔ "تجدید" جدت سے ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی پیشتر کی بنی ہوئی چیز کو تازہ کر دینا اور اس طرح سنوار دینا گویا وہ بالکل نئی ہو گئی۔ آج ہمارے قومی کاموں کی ہر شاخ میں ایک بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہم نے اصولی طور پر طریقِ اصلاح کا فیصلہ نہیں کیا۔ مسلمانوں کی اصلاح حال کے لئے ضرورت طریقِ تاسیس کی ہے یا تجدید کی؟ یعنی اس کی ضرورت ہے کہ ازسرِ نو نئی باتیں، نئے طریقے، نئے ڈھنگ، نئے نظام اور نئی نئی چالیں اختیار کی جائیں یا صورتِ حال یہ ہے کہ پہلے سے ایک مکمل کارخانۂ ملت موجود ہے جس کو اپنے بقاء و ترقی کے لئے کسی نئی بات کی احتیاج نہیں۔ مگر طرح طرح کی خرابیاں عارض ہو گئی ہیں۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ خرابیاں دور کر دی جائیں۔ کھوئی ہوئی چیزیں واپس لے لی جائیں اور اس کو ایسا ہی بنا دیا جائے جیسا کہ اصل میں وہ تھا۔

تاسیس کے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ نے ایک نئی عمارت تعمیر کی" تجدید" یہ ہوئی کہ مکان پہلے سے موجود ہے، صرف شکست و ریخت کی درستگی مطلوب تھی۔ پس آپ نے نقائص دور کرکے درست کردیا ہم کو غور کرلینا چاہیے کہ بنائے ملت کی درستگی کے لئے تعمیرات اساسیہ مطلوب ہے تو بلاشبہ ہمارا کام یہ ہوگا کہ نئے ڈھنگ اختیار کریں۔ لیکن اگر تجدید کی ضرورت ہے تو ہمیں نئی نئی چیزوں کی ضرورت نہ ہوگی، صرف دیکھنا ہوگا کہ پہلے سے جو چیزیں موجود ہیں ان کا کیا حال ہے اور ان میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، وہ کیونکر دور کی جائیں۔

حضرات! دین کامل ہوچکا اور اتمام نعمت کا اعلان کردیا گیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اور مجھے یقین ہے کہ ہم میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہ ہوگا جو یہ کہے کہ اصلاح ملت اسلامیہ کے لئے قرآن و شریعت کی تعلیمات و نظامات کافی نہیں ہیں اور ہمیں غیروں کی تقلید اور دریوزہ گری ضرورت ہے پس یہ اصل تو متفق و مسلم ہے کہ راہ اصلاح میں ضرورت صرف تجدید کی ہے، تاسیس کی نہیں ہے خود شارع علیہ السلام نے بھی ہمیں تجدید ہی کی خبر دی نہ کہ تاسیس کی: "ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (رواہ ابوداؤد عن ابی ہریرہ) لیکن میں عرض کروں گا کہ اگر یہ سچ ہے تو عملاً نتیجہ اس اعتقاد کا یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا قدم طلب اصلاح میں تاسیس کی طرف نہ جائے اور وقت کے نظر فریب اسلوب کار علی الخصوص یورپ کے مجلسی و اجتماعی طریقے ہمیں نظم شرعی سے روگرداں نہ کردیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک تمام اعیان اصلاح کا طرز عمل اسکے مخالف رہا ہے اور یقین کیجیے کہ یہی علت ہے کہ اس وقت تک ہماری کوئی سعی اصلاح و ترقی فوز و فلاح نہ پاسکی۔ اسلام اگرچہ دین کامل ہے تو ضرور ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کی تمام انفرادی اجتماعی اور مدنی ضروریات کے لئے کامل و اتم تعلیم دے دی ہو۔ اگر وہ دین آخری ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اور شارع کی عملی سنت ہر عہد ہر زمانے ہر حالت اور ہر شکل کے لئے رہنما و کفیل ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ حقیقت ایسی ہی ہے اور اسلام نے ہمارے لئے تمام اجتماعی و قومی برکات کا سامان کردیا ہے لیکن پھر یہ کیا مصیبت ہے کہ ہم ان کھوئی ہوئی برکتوں کو واپس لینا نہیں چاہتے مگر نئی نئی راہوں کی جستجو میں حیران و سرگرداں ہیں۔ مثالاً میں چند امور عرض کروں گا۔

قوم افراد سے مرکب ہے اور افراد کی قومی ہستی کے قیام و ظہور کے لئے ضروری ہے کہ ایک جماعتی مسلک میں تمام افراد منسلک ہوجائیں اور تفرقہ و تشتت کی جگہ وحدت و اتحاد پر افراد قوم کی شیرازہ بندی کی جائے ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور یورپ کے اجتماعی طریقوں کی نقالی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ آخر اسلام نے بھی حیات اجتماعی کے لئے کوئی نظم ہمیں دیا تھا یا نہیں۔ اگر دیا تھا تو

ہم نے ضائع کر دیا ہے تو یورپ کی دریوزہ گری سے پہلے خود اپنی کھوئی ہوئی پونجی واپس کیوں نہ لے لیں اور سب سے پہلے اسلام کا قرار دادہ جماعتی نظام کیوں نہ قائم کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک مجالس نہ ہوں، اجتماعات نہ ہوں، انجمنیں نہ ہوں، کانفرنسیں نہ ہوں کوئی عمل انجام نہیں پا سکتا، نہ اتحاد و تعاون کی برکت حاصل ہو سکتی ہے پس ہم آج کل کے مجلسی طریقوں کے مطابق انجمنیں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں مگر ہم میں سے کسی کو بھی اس کا خیال نہیں آتا کہ اسی مقصد اجتماع و تعاون کے لئے اسلام نے پانچ وقت کی نماز باجماعت جمعہ و عیدین اور اجتماعِ حج کا حکم دیا ہے۔ یہ نظام و قوام درہم برہم ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے اسے کیوں نہ درست کریں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک کوئی قومی فنڈ نہ ہو، اس وقت تک قومی اعمال انجام نہیں پا سکتے۔ پس ہم نئے نئے فنڈ قائم کرتے ہیں، یہ ٹھیک ہے مگر کاش کوئی یہ بھی سوچے کہ خود شریعت نے اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا ہے اس کا نظم ٹھیک قائم ہے یا نہیں۔ اگر وہ قائم ہو جائے تو پھر بھی کسی چندہ اور فنڈ کی ضرورت ہوگی؟

ہم دیکھتے ہیں کہ قومی تعلیم عام کے لئے مجامع و محافل کی ضرورت ہے ہم اس کے لئے نئی نئی تدبیریں کرنے لگتے ہیں مگر کبھی یہ حقیقت ہمارے دلوں کو بے قرار نہیں کرتی کہ عین اسی مقصد سے شریعت نے خطبہ جمعہ کا حکم دیا۔ ہم نے کیوں اسکی برکتوں کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ قومی و اجتماعی کام انجام نہیں پا سکتا جب تک اس میں نظم و انضباط نہ ہو اور یہ نہیں ہو سکتا کہ جب تک اس کا کوئی رئیس و قائد مقرر نہ کیا جائے۔ پس ہم تیار ہو جاتے ہیں کہ جلسوں کے لئے صدر تلاش کریں لیکن اگر یہی حقیقت شریعت کی ایک اصطلاح "امامت" کی ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب و حیرانی ہوتی ہے اور اس کے لئے ہم تیار نہیں ہوتے۔

حضرات! میں مثالوں میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا مقصود یہ ہے کہ ہمارے لئے راہِ عمل تجدید و احیاء ہے نہ کہ تاسیس و اختراع۔ پس کسی طرح بھی یہ طریق صواب نہ ہوگا کہ علمائے امت کی جمعیت بھی اپنے نظام و قوام کے لئے محض آج کل کی مجلسوں کے قاعدوں اور طریقوں کی نقل و محاکات پر اکتفا کرے۔ حاملینِ شریعت کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے عمل کے لئے ان مجلسوں کے ڈھنگ اور طریقوں کے محتاج ہوں۔ ان کی راہ اتباعِ شریعت اور اہتداء بہ مشکوٰۃ نبوت کی ہے اور اسوۂ حسنۂ نبوت اور حکمت رسالت نے انہیں تمام انسانی طریقوں سے مستغنی و بے نیاز کر دیا ہے۔ ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ہم ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنا لیں۔ شریعت کے کھوئے ہوئے نظام

کو از سر نو قائم و استوار کردیں اور اس طرح اسلام کی مٹی ہوئی سنتیں زندہ ہو جائیں۔ محض مجلس آرائی اور ہنگامہ سازی ہمارے لئے کچھ سود مند نہیں ہو سکتی۔

حضرات! آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مختصراً اس مسئلہ کی نسبت بھی کچھ عرض کروں جس کو میں وجہ امیدواری تمام اعمال اصلاحیہ کے لئے بمنزلہ اصل و اساس کے یقین کرتا ہوں اور کامل بارہ سال کے مسلسل غور و فکر کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ بغیر اس کے کبھی عقدہ کار حل نہیں ہو سکتا میرا اشارہ مسئلہ نظام جماعت اور قیام امارت شرعیہ کی جانب ہے۔

مسئلہ نظام جماعت سے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اصلاح حال اور ادائے فرائض شرعیہ کی استطاعت کبھی ظہور پذیر نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے موجودہ حیات انفرادی کو ترک کر کے حیات اجتماعی و شرعی اختیار نہ کریں یعنی احکام نظام شرع کے مطابق سب ایک امیر و قائمہ شرع کی اطاعت پر مجتمع نہ ہو جائیں اور بکھرے ہوئے متفرق قومی مرکزوں کی جگہ ایک ہی مرکز قومی پیدا نہ ہو جائے۔ یہی اصل و اساس کار ہے اور تمام مقاصد اصلاح اور مصالح انقلاب کا نفاذ و ظہور اسی کے قیام و وجود پر موقوف ہے۔

حضرات! اسلام کے نظام اجتماعی کی نسبت کسی شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں۔ علی الخصوص ایک ایسے مجمع میں جیسا کہ فضل و توفیق الٰہی سے اس وقت میرے گرد و پیش موجود ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لئے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ کسی حال میں بھی متفرق الگ الگ اور متشتت نہ ہوں۔ ہمیشہ مجتمع، متحد اور کنفس واحدۃ ہو کر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں جا بجا اجتماع و وحدت پر زور دیا گیا اور کفر و شرک کے بعد کسی بد عملی سے بھی اس قدر اصرار و تاکید کے ساتھ نہیں روکا جس قدر تفرقہ و تشتت سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام و اعمال میں یہ حقیقت اجتماعیت بمنزلہ محور و مرکز کے قرار پائی اور تمام دائرہ عمل اسی کے گرد قائم کیا گیا۔ عقیدہ توحید سے لے کر تمام عبادات و اعمال تک یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے اور اسی بنا پر بار بار نظم جماعت پر زور دیا گیا "علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ" اور اسی لئے نظم و قوام ملت کے لئے منصب خلافت کو اطاعت قرار دیا گیا کہ تمام متفرق کڑیاں ایک زنجیر میں منسلک ہو جائیں۔ شرح اس مقام کی بہت طولانی ہے اور معارف کتاب و سنت اس بارے میں بے شمار ہیں۔ رسالہ خلافت میں اس پر بحث کر چکا ہوں میں یہاں اس بارے میں کچھ عرض نہیں کروں گا کیونکہ گزشتہ آخری صدیوں میں مسلمانوں کا شیرازہ اجتماع پراگندہ ہوا اور تفرقہ پانچویں صدی ہجری کے بعد سے اس پراگندگی کے اسباب یکے بعد دیگرے ظہور

میں آتے رہے۔ مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ بایں ہمہ تفرق و پراگندگی ہندوستان میں اسلامی حکومت تھی اور جب تک وہ قائم رہی نظامِ جماعت بھی قائم رہا لیکن اسلامی حکومت کے انقراض کے بعد مسلمانِ ہند کا نظمِ جماعت بالکل درہم برہم ہوگیا اور سرتاسر جاہلیت کی سی بے نظمی و بے قیدی ہم پر چھاگئی۔ بلاشبہ مرکزی خلافت آلِ عثمان کی موجود تھی اور مسلمانانِ ہند کے لئے بھی تمام مسلمانانِ عالم کی طرح وہی خلیفہ عہد و مطاع تھے، لیکن مسلمانانِ ہند کا فرض تھا کہ یا تو اپنے علائق فعلاً و عملاً بارگاہِ خلافت سے قائم کرتے اور اس کے ایک موجودہ عامل نائب کی نیابت حاصل کرکے اپنا فرضِ اسلامی انجام دیتے اور اگر ایسا ہونا دشوار تھا اور واقعی بات یہی ہے کہ دشوار تھا تو پھر ضروری تھا کہ اپنے لئے ایک نائب امیر و امام منتخب کر لیتے اور اس کے ماتحت اعادہ حال اور تہیہ کار اور ادائے فرضِ اسلامیہ میں کوشاں ہوتے لیکن بدبختانہ ایسا نہیں ہوا، اور جہاں غیر مسلم غلبہ و استیلا پر محکومانہ قناعت کر لی گئی وہاں اس اولین فریضہ ملت کی طرف سے بھی ہمتوں کے قصور اور عزائم کے فقدان نے کوتاہی کی۔ بہرحال ایک زمانۂ دراز گذر گیا اور اب حالت یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمان جو تمام کرۂ ارض میں سب سے بڑی یکجا اسلامی جماعت ہے ہندوستان میں اس طرح زندگی بسر کر رہی ہے کہ نہ تو ان میں کوئی رشتۂ انسلاک ہے، نہ وحدت ملت کا کوئی رابطہ ہے، نہ کوئی قائد و امیر ہے اور نہ کوئی آمرِ نافذ شرع۔ محض ایک بھیڑ ہے۔ ایک انبوہ ہے ایک گلہ ہے جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھرا ہوا ہے اور یقیناً ایک حیات غیر شرعی و جاہلی ہے جس میں یہ پوری اقلیم مبتلا ہوگئی ہے۔ اس حالت کے مفاسد و شرور میں ایک بہت بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ برسوں سے ہندوستان میں شریعت کا باب قضاء گویا بالکل معدوم ہوگیا ہے کیونکہ قضا کا وجود بلا قاضی کے ہو نہیں سکتا اور قاضی کا وجود امارت اور امامت کے قیام پر موقوف ہے۔

حضرات! ایک منصب قضاء ہے اور ایک منصب امارت ہے دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے۔ قضا امارت کے مقاصد میں داخل اور اس کے ماتحت ہے مگر مقاصدِ امارت قضا سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ پس میں مقاصدِ امارت کے فقدان کا ذکر کر رہا ہوں۔ صرف قضا کا ذکر نہیں کرتا جس کے لئے محض نام نہاد قاضیوں کا تقرر یا فرضی عدالتوں کا اجرا کافی ہو۔

حضرات! اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ حالت میں ہم کوئی قدم مقاصد و اعمالِ ملیہ کا اٹھا سکتے ہیں۔ کیا احیاء و تجدیدِ ملت اور قیامِ شرع و ادائے فرائض انجام دے سکتے ہیں جن کے لئے اولین شرط عقلاً و شرعاً وجود جماعت منتظمہ اور امارت صحیحۂ شرعیہ ہے۔ چھوڑ دیجیے مصطلحاتِ شرعیہ کو اگر ان سے ہمیں اس قدر بُعد ہوگیا ہے کہ ساری باتوں کے لئے تیار ہیں۔ مگر طریق شرعی اور اس کے نظام

وقوام کے الفاظ سن کر یکایک متوحش و مضطرب الحال ہو جاتے ہیں۔ صرف نہیں قواعد واصول کو سامنے لایئے جن پر آج تمام اقوام عالم عامل ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بغیر ایک قائد اور لیڈر کے کوئی جماعت اپنی ہستی قائم رکھ سکتی ہے؟ پھر وہی حقیقت تو شریعت نے لفظ امیر و امام میں مضمر رکھی ہے، یہ کیا مصیبت ہے کہ اگر لیڈر کا لفظ کہا جائے تو آپ اس کا استقبال کریں اور امیر و امام کا لفظ آجائے تو نفرت سے شرارہ سے بھر جائیں۔ کیا یہ وہی غلطی نہیں ہے جس کو راہِ تاسیس اور راہ تجدید کی اصطلاح میں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں۔ اس کو بھی چھوڑیئے۔ آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور ادائے فرض اسلامی کی سب سے بڑی نازک اور فیصلہ کن گھڑی ہے جو آزادیٔ ہند اور مسئلہ خلافت کی شکل میں ہمارے سامنے آگئی ہے۔ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں، جو اس وقت تک سرشارِ غفلت تھے اور اب آمادہ ہوئے ہیں کیا اطاعت و اعانت خلیفۂ عہد، حفظ و صیانتِ بلاد اسلامیہ اور آزادی ہندوستان کی راہ میں اپنا اولین فرضِ اسلام انجام دیں، خدا را بتلایئے، اس صورتِ حال میں بھی طریق کار کیا ہونا چاہیئے اور ایسے وقتوں کے لئے آخر اسلام نے بھی کوئی نظامِ کار بتلایا ہے یا نہیں؟ یا وہ باوجود دعوۂ تکمیل شرع اس قدر نامراد ہو گیا ہے کہ آج اس کے پاس وقت کی مشکل و مصیبت کا کوئی حل نہیں۔ اگر بتلایا ہے تو وہ کیا ہے؟ کیا محض انجمن سازی اور ہنگامۂ مجلس آرائی؟ کیا محض اتباعِ رجال اور تقلید ارباب ظن و تخمین۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اس بارے میں راہ شرعی صرف وہی ایک ہے اور جب تک وہ ظہور میں نہ آئے گی ہماری کوئی سعی مشکور نہیں ہو سکتی۔ جو فتنہ آج یورپ سے اٹھا ہے چھٹی صدی ہجری میں بھی اس کے سیلاب بلاد تاتار و چین سے اٹھے تھے اور تاتاریوں کے استیلا سے تمام عالمِ اسلامی تہ و بالا ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی تمام بلاد شرقیہ اسلامی کا یہی حال تھا جو آج نظر آرہا ہے لیکن اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلا ہو گیا تھا وہاں تنظیم جماعت اور قیام شرع کے لئے ولاۃ مسلمین کے نصب و تقرر کا حکم دیا۔ اسی بنا پر فقہائے متاخرین کے یہاں اس کی تصریح پاتے ہو کہ بلادِ محکومۂ کفار میں طلب والیٔ مسلم واجب ہے۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ نے انہی بلادِ محکومۂ تاتار کے لئے فتویٰ دیا تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ابداً اس تغیر پر قانع نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی بغیر کسی امام کے بسر نہیں کرنا چاہیئے۔ یا تو وہاں سے ہجرت کر جائیں اور یا ایک امیر نصب کر کے اپنے فرائض شرعیہ انجام دیں۔ فی الحقیقت احکامِ شرع کی رو سے مسلمانانِ ہند کے لئے صرف دو ہی راہیں تھیں اور اب بھی دو ہی راہیں ہیں۔ یا تو ہجرت کر جائیں یا نظامِ جماعت قائم کر کے ادائے فرضِ ملت میں کوشاں ہوں۔

حضرات! بعض اصحاب نے واضح دینی مسئلہ کی نسبت بھی شکوک و شبہات ظاہر کئے لیکن وہ سب

کے سب اہلِ نظر و بصیرت کے نزدیک مالا یعبائۂ میں داخل ہیں اور اس لیے میں ان کے رد و نقد میں آپ کا وقت ضائع نہ کروں گا۔ بعض حضرات مسئلہ کی صحت و شرعیت تو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے لیے آمادہ عمل نہیں کہ نفاذ میں مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں گی۔ میں عرض کروں گا کہ بلاشبہ دنیا کے ہر عمل عظیم کی طرح اس عمل کی راہ میں بھی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ لیکن یہ آپ سے کس نے کہا ہے کہ آپ کی راہِ عمل آسائیوں کا باغ اور راحتوں کا عیش کدہ ہے۔ آپ نے تو مشکلوں ہی کی طرف قدم اٹھایا ہے اور دشواریوں ہی کی طلب کی ہے۔ آپ قوموں کی قسمت پلٹنے کے لیے اُٹھے ہیں اور تمام کرۂ ارضی کے ظلم و ضلالت سے آپ کو مقابلہ درپیش ہے۔ اگر آپ مشکلوں سے گھبراتے ہیں تو اس مسئلہ پر کیا موقوف ہے؟ عمل و عزم سے ہی کنارہ کش ہو جائیے۔

تازہ پروردِ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

آپ نے خلافتِ اسلامیہ و جزیرۃ العرب کی حفاظت و دفاع کا اعلان کیا ہے آپ ہندوستان کی آزادی کے لیے بے قرار ہیں۔ یہ کونسی آسائیوں کی راہ ہے؟ کونسی پھولوں کی سیج یہاں آپ کے لیے تیار کی گئی ہے؟ آپ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی قاہر و جابر طاقت کے دہن آز سے اس کا نگلا ہوا لقمہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ یقیناً تنظیم جماعت کی راہ اس سے زیادہ دشوار نہیں ہے۔

حضرات! یاد رکھیے کہ آج آپ نے جس راہ میں قدم اٹھایا ہے وہ سرتاسر مشکلوں اور آزمائشوں ہی کی راہ ہے۔ وہ پھولوں کی روش نہیں ہے کانٹوں کا دشتِ بے کنار ہے اگر آپ کے تلوے لذتِ زخم سے آشنا نہیں ہیں تو مشکلاتِ راہ کی شکایت نہ کیجیے۔ بہتر یہ ہے کہ دیبا و مخمل کے فرش پر لوٹیے اور راہ کی زخم و کاوش انہی لوگوں کے لیے چھوڑ دیجیے جو اس ذوق کے لذت شناس ہیں۔ اور حضرات! حق تو یہ ہے کہ جس راہ کو آپ مشکل کہہ رہے ہیں، ساری آسانیاں اسی میں پنہاں ہیں اور جس کو آپ نے سہل سمجھ رکھا ہے مشکلوں اور دشواریوں کا وہی سرچشمہ ہے۔ مشکلیں انسان کے بنائے ہوئے طریقوں میں ہو سکتی ہیں۔ مگر اللہ کی کھولی ہوئی فطری راہوں میں نہیں ہو سکتیں نہ وہاں دشواری ہے اور نہ کسی طرح کا ضیق و حرج البتہ ساری دشواری خود ہمارے نفس و غفلت ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور بلاشبہ جب تک اس سے ہمارا چھٹکارا نہ ہوگا کوئی عملِ حق بھی ہم پر آسان نہیں ہو سکتا۔

حضرات! بعض حضرات کا بیان ہے کہ اس سے ممکن ہے کوئی نیا فساد اُٹھ کھڑا ہو۔ میں عرض کروں گا کہ اگر یہ طریقہ احکامِ شریعت سے ماخوذ ہے تو ہمارے سامنے یقین و بُرہان آگیا اب کیا آپ یقین کو شک کی خاطر چھوڑ دیں گے؟ آپ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی فساد پیدا ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ اور

اس کے رسول نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ فوز و فلاح حاصل ہوگی۔ پھر کیا شک ہے کہ آپ یقین کے مقابلے کے لئے اٹھے ہیں۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔

حضرات! سچ یہ ہے کہ یہ تمام مظاہر اس حقیقت کے ہیں کہ مدتوں کی غفلت اور ترک و بُعد کتاب و سنت کی وجہ سے ہمتیں مفقود ہو گئی ہیں۔ عزائم معدوم ہو گئے ہیں اور عزائم امور کی راہ سے ہم سب یک قلم نا آشنا ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سنتِ الٰہی وقت کی مہم کو سر کرنے کیلئے اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق سرگرم انبعاث و ظہور ہو اور توفیق الٰہی قیامِ حق اور مقامِ عزیمت دعوت کے لئے کسی مردِ غیب کے قلب کا انشراح فرماوے۔ یہ راہ اصحابِ عزم کی ہے اور فاتحینِ عہد کی۔ ضعفاء طریق اور درماندگانِ راہ کا یہاں گزارہ نہیں ہو سکتا۔ آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت کے سر و سامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اس کی راہ تک رہا ہو۔ مشکلیں اس کی راہ میں غبار و خاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولانِ قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں۔ وہ وقت کا خالق و مالک اور زمانہ اس کی جنبشِ لب پر حرکت کرے۔ اگر انسان اس طرف سے گردن موڑیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلائے۔ اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتارے۔ اس کا علم مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہو۔ اس کا قدم منہاجِ نبوت پر استوار ہو۔ اس کے قلب پر اللہ تعالےٰ حکمتِ رسالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجۂ اقوام اور طبابتِ عہد و ایام کے تمام سرائر و قضایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفۂ کتاب و سنت اپنے ہاتھوں میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کے مقابلہ اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز۔

حضرات! ۱۹۱۴ء کے لیل و نہار قریب الاختتام تھے جب اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت اس عاجز پر منکشف کی اور مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک یہ عقدہ حل نہ ہوگا ہماری کوئی سعی و جستجو بھی کامیاب نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی وقت سے میں سرگرم سعی و تدبیر ہو گیا۔ حضرت مولانا محمود حسنؒ سے میری ملاقات بھی دراصل اسی طلب و سعی کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے پہلی ہی صحبت میں کامل اتفاق ظاہر فرمایا تھا اور یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا کہ وہ اس منصب کو قبول کر لیں گے اور ہندوستان میں نظمِ جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ بعض زود رائے اشخاص کے مشورے سے مولانا نے اچانک سفرِ حجاز کا ارادہ کر لیا اور میری کوئی منت و سماجت بھی انہیں سفر سے باز نہ رکھ سکی۔ اس کے بعد میں نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن ایامِ نظر بندی میں بھی اس کی فکر و تبلیغ سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ صوبہ بہار

کے بعض احباب و مخلصین کو اُسی زمانے میں اس طرف توجہ دلائی گئی اور وہاں ابتدائی بنیاد اس کی ڈال دی گئی۔ اُسی زمانے میں میرے عزیز و رفیق مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رانچی میں مجھ سے ملے تھے اور اسی وقت سے سعی و تدبیر میں مشغول ہو گئے تھے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں جب میں رہا ہوا اور موجودہ تحریکِ خلافت کی تنظیم شروع ہوئی تو اس وقت بھی میں نے بار بار کوششیں کیں اور تمام کارکن طبقہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ مگر حالات موافق و مساعد نہ ہوئے اور مجھے مجبوراً انہی اصلاحات پر قناعت کرنی پڑی جو اس تحریک کے اندر رہ کر میں انجام دے سکتا تھا۔ گزشتہ موسمِ گرما میں جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی کہ تمام ملک کے لئے کوئی متفقہ و متحدہ نظم قائم ہو تو پھر یہ ارادہ کیا اقلاً صوبہ وار تنظیم کا کام شروع کر دیا جائے۔ چونکہ صوبہ بہار میں تین چار سال سے ابتدائی بنیاد کام کر رہی تھی۔ اس لئے سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ ہوئی۔ اور میں نہیں جانتا کہ کن لفظوں میں حضرت علمائے بہار کو مبارک باد دوں کہ انہوں نے سبقت بالخیرات کا مقام اعلیٰ حاصل کیا اور جمعیت العلماء بہار کے جلسہ میں تین سو مجمع علماء نے بالاتفاق اپنا امیر شریعت منتخب کر لیا۔ اس کے بعد ارادہ تھا کہ فوراً دوسرے صوبوں میں بھی کام شروع کر دیا جائے۔ لیکن یکایک بعض حضرات نے اس مسئلہ کی نسبت اخبارات میں قیل و قال شروع کر دی اور بلاضرورت علمائے ملت کا انقسام عوام میں بصورت اختلاف و جدل نمایاں کر دیا گیا۔ یہ چیز مجھ کو اس کام سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں روک سکتی تھی، مگر جب میں نے دیکھا کہ اب یہ مسئلہ منظرِ عام پر آ چکا ہے اور جمعیت العلماء اس کا آخری اور قطعی فیصلہ کر سکتی ہے۔ تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے جمعیت کے حوالے کر کے بالفعل خود سبکدوش ہو جاؤں۔ چنانچہ ارکانِ جمعیت کی ایک خاص مجلسِ شوریٰ منعقدہ دہلی میں یہ مسئلہ پیش ہو کر بالاتفاق منظور ہوا۔ اور اب اس کا آخری فیصلہ اس اجلاس کے ہاتھ میں ہے۔

ماخذ: المنار اکادمی، مرتب، خطباتِ ابوالکلام آزاد، لاہور، ت ن، ص ص ۹۱-۱۰۰۔

۸

خطبۂ صدارت از مولانا ابوالکلام آزاد -

(تقریری)

حضرات! مجھ کو اس موقع پر جو معروضات آپ کی خدمت میں پیش کرنا تھیں، خاص طور پر اصرار کیا گیا کہ میں اپنی عادت کے خلاف اُسے قلمبند کروں۔ یہ جس قدر بھی حصہ خطبہ کا تھا اگرچہ ایک حد تک بے صبری اور بد ذوقی سے سُنا گیا لیکن بہر حال میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے یہ تمام حصہ سُن لیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان متفرق داستانوں کے سننے کے بعد جو مختلف طرق رہ چکے ہیں اس کا ایک سرسری خاکہ آگیا ہوگا

اب اس کے بعد اس امر کی ضرورت تھی کہ دوسرے ٹکڑے کی جانب توجہ ہوتی کہ جو اگرچہ جمعیۃ العلماء کے عظیم مقصد میں داخل نہیں ہے۔ نفسِ جمعیۃ کے مقصد میں داخل نہیں ہے لیکن فی الحقیقت وقت کا یہ عظیم الشان مسئلہ ہے جو نہ صرف جمعیۃ العلماء بلکہ عالمِ اسلامی کے لئے ہر قائل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے لئے بلکہ ہر انسانیت دوست اور انسانیت پسند انسان کے لئے جو مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا وقت کا مسئلہ تھا اور ضرورت تھی کہ اس کی جانب میں متوجہ ہوتا اور اس بارے میں بھی جمعیۃ العلماء کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ آپ کے سامنے میں پیش کرتا۔ لیکن اب اس وقت جلسہ کا زیادہ بہتر، زیادہ مستعد حصہ اس خطبہ میں صرف ہو چکا ہے اور جلسہ کی موجودہ حالت اس کے لئے متحمل نہیں ہے کہ اب میں اس ٹکڑے کو زیادہ صراحت و تفصیل کے ساتھ عرض کر دوں لیکن چند ضروری

ٹکڑے ہیں جن کو اختصار کے ساتھ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے گوش گذار کر دوں۔

اس وقت میری آپ کے اس مجمع کے مقابلے میں حیثیت کیا ہے؟ میں اس وقت آپ کے سامنے ایک واعظ، ایک داعی، ایک مقرر نہیں ہوں۔ اس لئے یہاں نہیں کھڑا ہوں کہ آپکے کانوں و آنکھوں کے لئے تماشہ بنوں۔ میرا کام ایک خاص فرض کا ادا کرنا ہے۔ لوگوں کے حسنِ ظن نے مجھے اس پر کھڑا کر دیا ہے۔ میرا فرض یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کے تعلق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن خیالات کا اعلان ہونا چاہیئے وہ عرض کر دوں۔ اس وقت اگر آپ واعظانہ صحبتوں کا وقت لے کر آئے ہوئے ہیں تو اس کا بہترین وقت آپ کے سامنے آنے والا ہے۔ اس وقت جو بیان آئے گا وہ ادائے فرض ہے۔ سب سے پہلے جو مسئلہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ وہی مسئلہ ہے جو تمہاری زبانوں پر نہیں بلکہ تمہارے دلوں کے صفحوں پر نقش ہے یعنی مسئلہ **خلافت**۔ مسئلہ خلافت کا تعلق، اس کی اہمیت، اس کے متعلق عمل میں مسلمانوں کے اوپر ان کا وجوب، مسلمانوں کے لئے اُن کی ضرورت نہ صرف ضرورت بلکہ ایمان و کفر کے امتحان گاہ کا ان کے لئے پیدا ہو جانا۔ ان تمام پہلوؤں کو نہایت تشریح کے ساتھ گذشتہ دو سال کے اندر میں بیان کر چکا ہوں اور میں نہ چاہوں گا کہ وہ دہرائی ہوئی داستان پھر آپ کے سامنے دہراؤں۔

وقت کے حالات اس امر کا ضرور داعیہ رکھتے ہیں کہ اس امر کو ظاہر کر دوں کہ خلافت کے متعلق مسلمانانِ عالم اور علی الخصوص مسلمانانِ ہند کے مطالباتِ شرعی کیا تھے، تاکہ ایک مرتبہ ان مطالبات کا اعادہ موجودہ حالت کے اعتبار سے اس امر کا فیصلہ کرے کہ ہمارے مطالبات کیا ہیں اور ان مطالبات کی صورت و نوعیت کیا ہے اور وہ دنیا کے ہر طرح کے خیالات سے ہر طرح کی مفاہمت سے سمجھوتوں سے بالکل بالاتر ہے کسی طرح کی گنجائش باقی نہیں ہے۔

مسئلہ خلافت کے سلسلے میں اس صحبت میں مجھ کو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ خلافت کے متعلق جو ہمارے مطالبات تھے اس میں نہ تو کچھ گھٹا سکتے ہیں نہ بڑھا سکتے ہیں۔ نہ کوئی قدم پیچھے لے جا سکتے ہیں، نہ داہنے لے جا سکتے ہیں نہ بائیں، اس میں کسی طرح کا سمجھوتہ یا مفاہمت کا سوال نہیں ہو سکتا۔

اس بارے میں مسلمانوں کے مطالبات یہ تھے کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے بالکل پاک کر دینا چاہیئے۔ جزیرۃ العرب کے متعلق ہمارا یہ اعلان تھا کہ جزیرۃ العرب صرف حرمین کا نام نہیں ہے بلکہ عراق کا دو تہائی حصہ بھی حسبِ جغرافیہ اس میں داخل ہے اس لئے عراق کی سرزمین، بصرہ کا علاقہ اور بغداد کا علاقہ جزیرۃ العرب میں داخل ہے جس وقت تک انگریزوں کا اثر جزیرۃ العرب کی ایک چپہ زمین پر باقی رہے گا مسلمانانِ عالم کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے صلح و سمجھوتہ کا ہاتھ برٹش گورنمنٹ

کی طرف بڑھا سکیں جس وقت ایک چپہ زمین پر، ایک انچ زمین پر، اتنے حصہ پر کہ جتنے حصہ میں عراق کے اُڑنے والے گرد و غبار کا ایک ذرہ آ سکتا ہے اگر انگریزی حکومت کا بلا واسطہ ہاتھ باقی رہے، یہ مسلمانوں کے لئے آسان ہے کہ بچھوؤں کے ساتھ، سانپوں کے ساتھ صلح کر لیں۔ پہاڑوں کے غاروں اور بھٹوں میں چلے جائیں۔ وہاں درندوں کے ساتھ صلح کر لیں، مگر یہ ممکن نہیں کہ انگریزوں کے سامنے صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔

جزیرۃ العرب کے بعد مسئلہ خلافت کے مطالبات کیا ہیں؛ وہ بھی آپ کو یاد ہیں۔ وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے میں اس امر کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی آپ کو یاد دلاؤں۔

دوسری اہم چیز ہمارے سامنے فلسطین کی وہ سرزمین ہے جس کی تحریم ہمارے لئے ویسی ہی ضروری ہے جب تک کہ اس کا ایک چپہ بھی غیر مسلم اثر میں باقی ہے اس وقت تک محال ہے کہ ہمارے واسطے کسی صلح یا مفاہمت کا دروازہ کھل سکے۔ میں اس وقت اُن دفعات کی تشریح نہ کروں گا جو خلیفۃ المسلمین پر بصورت شرائط عائد کئے گئے یا خلافت کے اُن حقوق پر، جس وقت تک ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی باقی ہے اس وقت تک مسلمانانِ ہند کے لئے محال قطعی ہے کہ وہ صلح کا، اتفاق کا کوئی ہاتھ بھی اس گورنمنٹ کی طرف بڑھا سکیں۔ میں یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ اب جبکہ حالات نے پلٹا کھایا، واقعات نے اپنا ورق اُلٹا اور حضرت غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی فوجوں نے یقیناً موجودہ جنگ کے میدان ہی کو نہیں بلکہ وسط ایشیا کے میدان کو ہمیشہ کے لئے فتح کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے بار بار اس طرح کی چیزیں لائی جاتی ہیں اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ آج مسلمانوں کے مطالبات خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز تھریس اور سمرنا ہے۔

لیکن میں اس وقت اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ سمرنا اور تھریس کا میدان فی الحقیقت وہ دونوں ایسے میدان تھے کہ اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ فی الحقیقت تمام مسئلہ خلافت میں یہ ظلم اتنا نمایاں اور اُبھرا ہوا تھا کہ بار بار مقررین خلافت اپنی تقریروں میں ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں علاقے یونان کو دلائے گئے ——— یونان فریقِ جنگ نہ تھا۔ جنگ سے اس کا تعلق نہ تھا اس کو بار بار نمایاں کر کے پیش کیا جاتا تھا لیکن اس سے یہ مقصد نہ تھا کہ مطالبات خلافت میں اس کی اہمیت بمقابلہ دیگر معاملات کے ہے۔ میں اس امر کا اعلان کر دینے کے لئے تیار ہوں کہ سمرنا اور تھریس کو غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی تلوار کی نوک کی قسمت پر چھوڑ دیجئے۔ ہمارا مطالبہ جزیرۃ العرب، فلسطین اور شام کے لئے ہے۔ بیت المقدس کے لئے ہے اور ان شرائط کے لئے ہے جو پایۂ گاہ خلافت کے لئے عائد کی گئیں۔

مسئلہ خلافت کے متعلق جو عرض کرنا تھا، وہ چند اشارات تھے جو آپ کے گوش گذار کر دیئے۔ میرے فرائض میں سے ایک نہایت اہم فرض یہ بھی ہے کہ ایک دوسری جانب بھی کچھ نہ کچھ اشارہ کروں۔

میرا مقصد وہ حادثہ ہے کہ جس حادثہ کو آپ میں سے تقریباً تمام اخبار بین اور باخبر حضرات مختلف اخبارات میں پڑھ چکے ہوں گے۔ میرا مقصد جنوب ہند سے مدراس و مالابار کے اس حادثہ سے ہے جس کے متعلق طرح طرح کے نتائج و حالات آپ کے سامنے آچکے ہیں اس موقع پر جمعیۃ العلماء کے اس مجمع میں یقیناً اپنا فرض محسوس کرتا ہوں کہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اس واقعہ کی نسبت احکام شرع کی رو سے جو ہمارا اعلان ہو سکتا ہے اس اعلان کو اختصار کے ساتھ میں بیان کر دوں تاکہ اس کے متعلق نہ کسی طرح اخفائے نہ غلط فہمی رہے اور نہ پیچیدگی باقی رہے۔ اس واسطے آپ مجھے اجازت دیں گے کہ موپلاؤں کے متعلق کچھ عرض کر دوں۔

میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ جو واقعات ہوئے اس کے علل کیا ہیں اور جو داستانیں اس وقت تک ہمارے کانوں سے ٹکرا چکی ہیں اس کی صداقت کیا ہے۔ اب تک وہاں کے حالات تاریکی میں ہیں اُس کی روشنی ہم تک نہیں آئی۔ ایک واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے اور ایک پہلو کو نمایاں کرتا ہے مدراس میل کا نامہ نگار ایک واقعہ لکھتا ہے اُس سے دوسری صورت ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے حقیقت میں اور صداقت میں اور ان واقعات میں ایسی صورت حائل ہے کہ وہاں کے اصلی حالات کو ہمارے سامنے نہیں آنے دیتی۔ آپ اس امر کا فیصلہ کر لیں کہ اس حادثہ کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے میں جو کچھ عرض کروں گا کہ وہ اس قدر صاف اور واضح ہے کہ آپ میں سے کسی کو اس سے متفق ہوتے ہوئے تامل نہ ہوگا۔

دو چیزوں کے متعلق میرا فرض ہے کہ میں صاف صاف اعلان کر دوں پہلی چیز وہ واقعہ ہے کہ جو وہاں رونما ہوا یعنی وہ لڑائی، وہ جنگ، وہ فساد، وہ تشدد کہ جو وہاں واقع ہوا ہے اور اس وقت تک اصلیت ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ یہ خبر بھی بار بار بیان کی گئی ہے کہ موپلاؤں نے وہاں انگریزی حکومت سے لڑائی کی تلوار اُٹھائی۔ اُس کی عدالتوں اور اُس کی حکومتوں سے لڑائی کی۔ اور یہ جو انہوں نے شمشیر زنی کی یہ واقعی انہوں نے خلافت کا نام لے کر کیا اور اس اعلان کے ساتھ کیا کہ خلافت کے مسئلہ سے جو فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں اُن کی وجہ سے ہم نے تلوار اُٹھائی۔ میں نہیں جانتا کہ وہاں کے اصل واقعات کیا ہیں۔ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح ہو اور وہاں کے موپلاؤں نے یہ کیا ہو تو ہمارے واسطے یہ بالکل صاف اور ہر طرح کے شبہ سے پاک ہے۔

فی الحقیقت اسلام کا نظام شرعی یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے عام علماء مسلمانوں کے اہل علم اہل الرائے مسلمانوں کے عام اہل حل وعقد مجتمع ہو کر ایک فیصلہ کر دیں اور اس فیصلہ کا اعلان کر دیں تو بلاشبہ تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس فیصلہ کو جمعیت کا فیصلہ سمجھیں، جمعیت کے ساتھ رہیں اور اس سے قدم نہ ہٹائیں۔ ہندوستان میں بدبختی سے کوئی نظام شرعی جماعت اور قوم کے لئے نہیں ہے۔ ایسی حالت میں فی الحقیقت اگر منصب امامت کے فرض کو ادا کرنے کا کسی جماعت کو حق حاصل ہے تو وہ علماء کی جماعت ہے، اہل بصیرت کی جماعت ہے اور ان تمام لوگوں کی جماعت ہے جس کو اسلام اپنے یہاں ارباب حل وعقد کے نام سے موسوم کرتا ہے خواہ خلافت کی جماعت ہو یا جمعیۃ العلماء کی مقدس جماعت۔ اس جماعت نے کامل غور و فکر کے بعد تمام حالات دیکھنے کے بعد اس امر کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا کہ اس وقت ہم نے اپنے فرائض شرعی کے انجام دینے کے لئے مطالبات خلافت کے پورا کر دینے کے لئے جو راہ اختیار کی ہے، یہ راہ بلا قتل کئے اور بلا جنگ کئے ہے۔

میں نے وہ لفظ نہیں کہا جو تمہاری زبان پر جاری ہوتا ہے یعنی تشدد یا عدم تشدد۔ اس امر کا انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں نے اپنے فرائض شرعی کی انجام دہی کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے یہ وہ ہے کہ جن کو سکون کے ساتھ بلا کسی قتل کے بلا کسی ایسی حرکت کے جو لڑائی کی ہو، سکون اور امن کے ساتھ اس راہ کو طے کرنا چاہیئے۔ میں اس کے دلائل پر بحث نہ کروں گا۔ اگر وقت نے موقع دیا تو سن لو گے کہ اس کی تشریح کیا ہے۔ اب تمام حقیقتیں آپ کے سامنے منکشف ہو گئیں۔ پھر جب مسلمانوں کی بڑی سے بڑی ذمہ دار جماعت جو ہو سکتی تھی، احکام شریعت کی رو سے وہ یہی جمعیۃ العلماء ہے۔ اس نے یہ راہ عمل قرار دی کہ مطالبات خلافت پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو جو طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے وہ لڑائی کا نہیں، قتال کا نہیں ہے، جنگ کا نہیں ہے، خونریزی کا نہیں ہے بلکہ اس کو امن و سکون کے ساتھ طے کرنا چاہیئے۔

پھر جمعیت العلماء کا یہ فیصلہ تھا کہ اس نے جو بڑی سے بڑی جماعت ملک میں ہو سکتی ہے جس وقت اس امر کا اعلان کر دیا تو میں ان کو احکام شرع کی رو سے بتلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی کسی جماعت، کسی گوشہ ملک کو خواہ وہ مالابار ہو یا ہندوستان کا کوئی گوشہ جہاں مسلمان بستے ہوں، بشرطیکہ ان کی جماعت کو اس فیصلہ کی اطلاع ہو چکی ہو۔ احکام شرعیہ کی رو سے اس اعلان کے بعد جائز نہیں ہے کہ اس جماعتی فیصلہ سے اپنے قدم کو باہر نکالے اور اس طرز عمل کو اختیار کرے کہ جس طرز عمل کو مسلمانوں نے بحیثیت جماعت رد کر دیا ہے۔ اس لئے میں اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر موپلاؤں نے خلافت کے مقصد کو لے کر خونریزی، لڑائی اور جنگ کی تو ان کا یہ عمل اس جماعتی فیصلہ کے خلاف تھا جو ہندوستان کے علماء نے کیا۔

اس لئے یقیناً اُن کو ملامت کی جاسکتی ہے کہ ان کو کسی حالت میں یہ حق نہ تھا کہ وہ ہندوستان کے جماعتی فیصلہ سے قدم باہر نکالیں اور ہندوستان کے کسی گوشہ کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی جماعت نے جو فیصلہ کردیا ہے اس سے روگردانی کریں۔ انفراداً اس کا اصول تم کو معلوم ہے' اس کا معیار تم کو معلوم ہے بحیثیت جماعت کے جو عمل انہوں نے اختیار کیا۔ بلا کسی تاویل کے یہ کھلی ہوئی چیز ہے کہ جب جمعیۃ العلماء نے فیصلہ کرلیا خواہ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے۔ خواہ سروسامان نہ ہونے کی وجہ سے۔ جب انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو راہ تم کو اس وقت اختیار کرنا ہے' وہ تلوار کی نہیں ہے بلکہ اور حقیقتیں ہیں جن کے ذریعہ سے اس مقصد کو ڈھونڈنا چاہئے جب مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا تو مسلمانوں کو یہ جائز نہ تھا کہ اس سے قدم باہر نکالیں۔ اگر انہوں نے قدم باہر نکالا تو انہوں نے ترک اجماع کیا۔ اس کے لئے ہم ان کو ملامت کرسکتے ہیں۔ سرزنش کرسکتے ہیں سکے اس ترکِ اجماع سے ہماری اس جماعت کو نقصان پہنچا ہے تو احکام شرع کی رُو سے ان کی تعزیر کی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ اس اعتبار سے یہ کھلی ہوئی چیز ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو معلوم ہے کہ خلافت کے مطالبات کی رو سے اور خلافت کے مقاصد کو اگر ترک کر دیجئے جب بھی ہندوستان کے مقتضیات کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کے لئے اُٹھے اور اپنی لاشوں کو تڑپائے۔ موپلاؤں یا کسی مسلمان نے اگر یہ سمجھ کر کہ ہم اس کو احکام شرع کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہم اس کو گناہ نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت نفسِ عمل سے کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن بحث یہ ہے کہ جن حالات میں وہ عمل کیا گیا اس کے اعتبار سے اس کے احکام کیا ہیں؟ بلاشبہ شریعت نے جو روشنی ہمارے سامنے پھیلائی ہے' ہم دیکھ سکتے ہیں کہ علماء کا فیصلہ اس کے خلاف تھا۔ اس وقت جو راہ ہم نے اختیار کی ہے یہ تلواروں کی نہیں ہے جب انہوں نے یہ فیصلہ کرلیا تو مالابار کے مسلمانوں کو یہ حق نہ تھا کہ وہ جمعیت کے التزام کو ترک کر دیں اگر انہوں نے ایسا کیا تھا تو ان کو سرزنش کی جاسکتی ہے لیکن حقیقتاً وہاں واقعات کیا رونما ہوئے ہیں۔ اس کے متعلق میں صحیح حالات نہیں بتا سکتا۔

بعض لوگوں کی طرف سے بیان کیا گیا کہ موپلا مسلمانوں نے جو کچھ کیا منجملہ ان کے ایک بات یہ بھی بیان کی گئی کہ اس بستی والے ہندوؤں پر جبر کیا اور جبراً ان کو مسلمان بنانا چاہا۔ مگر صحیح واقعات ہمارے سامنے نہیں یہ چیز جو ہمارے سامنے پیش کی گئی، بیسیوں افسانے ہیں جو اس کے خلاف ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں خود میرے پاس متعدد خطوط مالابار سے آچکے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ یہ واقعات صحیح ہیں تو ہم کو چاہیے کہ جو ہمارے اعتقادات ہیں وہ مخفی نہ ہوں۔ ہمارا کھلا ہوا آشکارا مذہب ہے ہم کو چاہیے کہ ہم بیان کر دیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے؟ جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے شائع کیا ہے ہر شخص متفق ہوگا

کہ اگر وہاں کے مسلمانوں نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے ظلم جبر کر کے ان کو مسلمان بنانا چاہا ہے تو ہم میں سے ہر شخص جس کو شریعت کا علم ہے اس کا اعلان کریگا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو ان کا یہ کرنا شریعت کا عمل نہیں ہے بلکہ شریعت کی توہین ہے۔ شریعت نے کبھی حکم نہیں دیا ہے کہ جبرًا مسلمان بنایا جائے جن پر شریعت نے جبر کیا تھا ان کے لئے بھی جزیہ کی راہ رکھی تھی جن حالات میں یہ کیا گیا ہے اس بے قاعدگی کو دیکھتے ہوئے کسی طرح کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ایک لمحہ کے لئے ان کا یہ فعل اسلامی فعل تھا مسلمان اس اعلان کیلئے تیار ہیں کہ ان کے اس جبر سے اس ظلم سے بشرطیکہ جبر ہوا ہو، ہندوستان کے کسی مسلمان کو دلی ہمدردی نہ ہوگی۔ ہماری ہمدردیاں ان ہی اسباب پر ہیں جو حق ہیں۔

اس کے بعد اگرچہ مطالبات بے شمار ہیں، لیکن ابھی میں نے ضمناً ایک چیز کہہ دی ہے۔ قبل اس کے کہ میں اپنے مختصر بیان کو ختم کروں چاہتا ہوں کہ ایک غلط فہمی جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے الحمد للہ عمل میں نہیں فعل میں نہیں لیکن لفظوں میں، اختصار کے ساتھ اس غلط فہمی کا ازالہ کر دوں۔

تشدد و عدم تشدد، یہ دو چیزیں ہیں کہ جو اس وقت ہمارے سامنے آئی ہیں اور جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہم نے عدم تشدد کی راہ اختیار کی ہے، نیز یہ بھی بارہا کہا جاتا ہے، بطور ایک مسلم عقیدہ کے کہ اگرچہ بحیثیت مسلمان ہونے کے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ تشدد کریں، لیکن وقت کی ضرورتوں کو دیکھ کر انہوں نے اس عقیدہ کو ملتوی کر دیا ہے۔ اس بارے میں چند الفاظ عرض کروں گا۔ اگرچہ وقت کوتاہ ہے اور جتنی تفصیل کی ضرورت ہے، اتنی گنجائش نہیں ہے۔

سب سے پہلے میں یہ چیز لوں گا کہ فی الحقیقت تشدد اور عدم تشدد کی لفظی ترکیب جو اختیار کی گئی یہ ترکیب ہی غلط ہے۔ اگر تشدد سے مقصود ہے تشدد لغوی۔ تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ اسلام نے کسی حالت میں ایک لمحہ کے لئے مسلمانوں کی کسی جماعت کو، کسی فرد کو تشدد کا حکم نہیں دیا ہے۔

تشدد کے معنی ہیں ظلم کے، اسراف و اتلاف حق کے۔ پھر کیا ایک لمحہ کے لئے بھی اسلام نے ظلم کا حکم دیا ہے' اسراف کا حکم دیا ہے، بے جا زیادتی کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے ان میں کسی ایک چیز کا حکم نہیں دیا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر تشدد سے مقصود یہی ہے کہ جو معنی اس کے ہیں، زیادتی کرنا، سختی کرنا تو میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک منٹ کے لئے بھی اسلام نے کسی حالت میں زیادتی و سختی کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور چیز ہے جس کی اسلام نے اجازت دی ہے، زیادتی نہیں ہے، ظلم نہیں ہے، مار پیٹ نہیں ہے بلکہ وہ دوسری چیز ہے اس کا نام ہے جنگ، قتال، لڑائی۔ یہ ایک منظم عمل ہے جس کے شرائط ہیں، حالات ہیں، جو اس لئے نہیں ہیں کہ ظلم کو قائم کرے، زیادتی کرے، سختی کرے بلکہ اس لئے ہے کہ

حقوق وعدل کو دنیا میں قائم کرے۔ بلاشبہ اسلام نے، شریعت نے جنگ کا حکم دیا ہے جس طرح انسان کی فطرت اور نیچر جائز رکھتی ہے۔ میں ایک منٹ کے لئے بھی تسلیم نہ کروں گا کہ اس نے تشدد کا حکم دیا ہے جنگ دوسری چیز ہے، خونریزی، مار پیٹ اور قتل وغارت دوسری چیز ہے اسلام نے اس چیز کا حکم کبھی نہیں دیا ہے جس کو خونریزی سے تعبیر کرتے ہو اس واسطے کہ وہ یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ دنیا میں خدا کی عالمگیر برادری کو قائم کرتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایک لمحہ کے لئے خدا کی محبت قائم نہیں رہ سکتی جب تک محبت مٹانے والے دنیا میں باقی ہیں۔ دنیا میں خدا کا عدل قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ عدل کے مٹانے والے دنیا میں باقی ہیں۔ اس واسطے عدل کے قیام کے لئے، محبت کے قیام کے لئے، نوع انسانی کی عالم گیر اخوت کے قیام کے لئے ضرورت ہے کہ جنگ کا وجود ہو، لڑائی کا وجود ہو، قتال کا وجود ہو، جو خدا کی زمین کو پامال کرنا چاہیں جن کا وجود دنیا میں ظلم کے لئے ہے بلاشبہ ان کے وجود کی گندگی سے زمین کو پاک کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ تلوار بھی ہو اور وہ سُرخی بھی ہو جو انسانوں کے خون سے تلوار پر چمکتی ہے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ اسلام نے جنگ کی اجازت دی ہے، لیکن خاص شرائط کے ماتحت جس طرح کہ دنیا کی تمام قوتوں نے، دنیا کے کل حصہ نے قولاً و فعلاً تقریباً دنیا کی تمام قوموں اور تمام طبیعت بشری نے اس چیز کا اعتراف کیا ہے اس بنا پر تشدد اور عدم تشدد کا جو استعمال کیا جا رہا ہے اور جن معنوں میں استعمال کیا جا رہا ہے ان معنوں میں کسی طرح یہ استعمال صحیح نہیں۔ تشدد تو اسلام کے نقطۂ فکر سے کسی حالت میں جائز نہیں، اسلام کے نزدیک تو بجز عدل کے کوئی فعل انسان کا جائز نہیں ہو سکتا۔ تشدد کا حکم اسلام نے کسی حالت میں نہیں دیا ہے۔ جنگ کا حکم دیا ہے جب کہ جنگ عدل قائم رکھنے کے لئے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ جج بھی قتل کرتا ہے اور ایک ڈاکو بھی۔ جج قتل کرتا ہے پھانسی کے تختہ پر، ڈاکو قتل کرتا ہے مظلوم انسانوں کے بستروں پر۔ لیکن دنیا جج کی تعریف کرتی ہے اور ڈاکو پر لعنت کرتی ہے۔ حالانکہ دونوں نے قتل انسان کا کیا ہے۔ لیکن ایک نے جو قتل کیا ہے زیادتی کے لئے اور دوسرے نے جو قتل کیا ہے وہ دفع تشدد کے لئے۔ خدا نے عدل کے قیام کے لئے، انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے جنگ کو جائز رکھا ہے اس کے لئے تشدد کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔

اب یہ دیکھو کہ مان لیا جائے کہ تشدد سے مقصود واقعی جنگ ہے۔ لڑائی ہے لیکن اب اس بارہ میں ہمارا موجودہ طرز عمل کیا ہے۔ اس بارے میں میں یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی عزیز جو یہ سمجھتا ہو کہ اس جمعیۃ العلماء کے اعضاء و اراکین نے اس امر کا اعلان محض کسی شخصی رائے کی بنا پر کیا ہے۔ کسی وقت کی مصلحت کی بنا پر کیا ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی آپ میں سے کسی کو خیال ہو تو آپ پر واضح ہو جائے

کہ آپ کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی درست ہو تو مسلمانوں کے لئے کسی ایسے عمل کے ترک کا متحمل ہونا تو درکنار کوئی ملحدانہ عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمان شریعت کی کسی تعلیم کو محض چند انسانوں کی خوشنودی کی خاطر ایک لمحہ کیلئے بھی چھوڑ دیں، ترک کر دیں کوئی اس طرح کا سمجھوتہ کر لیں۔ مفاہمت کر لیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عمل اسلامی عمل نہیں ہے یہ ایک سخت سے سخت ملحدانہ عمل ہے جس سے بڑھ کر ملحدانہ عمل مسلمانوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کسی حالت میں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اسلام کی چھوٹی سے چھوٹی فرع کو ایک لمحے کے لئے ترک کر دیں۔

اگر مسلمانوں نے تمہاری بولی میں ترکِ تشدد کی پالیسی اس لئے اختیار کی ہے کہ چند انسانوں کی مصلحتیں اور چند انسانوں کی آراء ان کے سامنے آگئی ہیں تو اول تو یہ حقیقت کے خلاف ہے اور یہ اتنا بڑا سوئے ظن ہے کہ اس سے بڑھ کر سوئے ظن مسلمانوں کے لئے نہیں ہو سکتا کہ اس بڑی جماعت نے وہ عمل کیا ہے جس کے معنی ہیں خدا کی شریعت سے منہ موڑ لینے کے، اس نے گردن نہیں موڑی ہے اس نے جو اعلان کیا ہے اس کی بنا بھی احکام شریعت پر ہے۔ بلاشبہ موجودہ حالت میں احکام شرع کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جو شرعی عمل ہو سکتا تھا وہ وہی تھا جو انہوں نے کیا اور مسلمانوں کے علما کا اس پر متفق ہو جانا کہ مسئلہ خلافت کے لئے جن کاموں کو انجام دیں گے بلا لڑائی لڑے ہوئے ان کو انجام دینا چاہیے اس کی بنیاد بھی نظامِ شرعی پر ہے۔ محض ایک فرد یا ایک جماعت کی رائے نہیں ہے اگر ایسا ہو تو اس آسمان کے نیچے کسی بڑے سے بڑے امام و خلیفہ کو، بڑے سے بڑے عالم کو ایک منٹ کے لئے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ کی شریعت کے خلاف کسی چھوٹی سے چھوٹی فرع کے خلاف خدا کے چند بندوں سے سمجھوتہ کر لیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے بڑھ کر کوئی ذلالت نہیں ہو سکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ سوء ظن ایک لمحہ کے لئے ممکن ہوتا تو ہم کو اپنی بدبختی پر شہادت دینی ہوتی۔

جمعیۃ العلماء نے اور ذمہ دار جماعتوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ راستہ لڑائی کا نہیں ہے، جنگ کا نہیں ہے، حرب کا نہیں ہے، قتال کا نہیں ہے، خونریزی کا نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ ہم کو جو راہ اختیار کرنا ہے وہ امن شرعی اور پُرسکون ہے ان کا یہ فیصلہ کسی شخصی رائے پر نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت اس کی بنیاد شریعت کے نظام پر ہے اس روشنی پر ہے جو شریعت کی رو سے ہمارے سامنے آتی ہے اور بتاتی ہے کہ ہمارے لئے وہ صحیح راہ ہو سکتی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے اور جس کو ہمیں آخر تک پہنچانا ہے۔

میرے دوست مولوی حسرت موہانی نے فرمایا کہ اس امر کا اعلان کر دیا جائے کہ کیا دفاعی جنگ بھی ممنوع ہے دفاعی جنگ ڈیفنس میں لڑنا۔ دفاع کا کیا سوال ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ قرآن نے جن حالتو

میں مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیا ہے، وہ دفاعی ہی نہیں ہے بلکہ ہجوم کی جنگ بھی ہے۔ موپلاؤں اور مسلمانوں کی کسی جماعت کے لئے بعد اس کے کہ مسلمانوں کے اہل الرائے نے، صاحب بصیرت نے، ان سب نے متفق ہو کر، متحد ہو کر اس امر کا اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ راہ عمل ہے تو ہندوستان کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس سے علیحدہ قدم نہ لے جائے۔ مقصد اس وقت یہ ہے اور بلا شبہ یہ کھلی حقیقت ہے اگر موپلاؤں نے ان ایام میں تلوار اٹھائی تو اُن کا یہ فعل ہماری اس جماعت کے فیصلہ کے خلاف ہے اور اب اس کے اس فعل سے ہمارے تمام مقاصد پر جو اثرات پڑیں گے ان کی بنا پر ہم ہمیشہ حکم لگائیں گے اگر ان سے ہم کو مشکلات پیش آئیں جن کی ہم کو مصالحت کی ضرورت ہے تو ہم اس سے زیادہ سخت رائے ظاہر کریں گے اور احکام لگائیں گے کیونکہ ان کا یہ فعل ایسا فعل ہے کہ انہوں نے جمعیت کے فیصلہ کو ترک کر کے کیا، بشرطیکہ ان کو جمعیت کے فیصلہ کا علم ہو۔

کالی کٹ تک میں خود جا چکا ہوں اور ان لوگوں سے مل چکا ہوں، یہ چیز کہ خلافت کمیٹی کا اعلان کیا ہے، ہندوستان کے علماء کا اعلان کیا ہے۔ یہ چیز پہلے اُن کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی اگرچہ یہ سچ ہے کہ جس درجہ اعلان ہونا چاہیئے تھا ویسا اعلان نہیں ہوا، لیکن اگر ان کو علم تھا اور انہوں نے باوجود علم کے قدم اُٹھایا تو ان کا قدم جمعیت کے عمل، جمعیت کے فیصلے کے خلاف ہے، اس سبیل کے خلاف ہے جو ہندوستان کے علماء کی جماعت نے اپنے لئے نکالا، یقیناً ہم اس کا بھی اعلان کر سکتے ہیں کہ آج کے بعد بھی ہندوستان کے علماء کے خاص جماعتی فیصلہ کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی فرقہ، کوئی جماعت جو کام کرے گی اگر وہ اس جماعتی فیصلہ کے خلاف ہے تو یقیناً اس کو ملامت کی جائے گی سرزنش کی جائے گی۔ شریعت کے احکام ہم کو مجبور کریں گے کہ ہم انگلیاں اٹھائیں۔

موپلاؤں کی حرکات کے متعلق جو رائے میں دے سکتا ہوں یہ رائے تھی اس وقت بحث یہ ہے کہ جو یہ چیز ہمارے سامنے لائی گئی جو صورت ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ بلا حملہ کے انہوں نے مطالبات خلافت کا نام لے کر تلوار اٹھائی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ واقعات کیا ہیں، ہمارے پاس بہت سے ایسے خطوط ہیں جن سے اس واقعہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ میرے پاس اس قسم کا مواد موجود ہے۔ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹے تھے وہاں بھی وہ واقعات کئے گئے جو آج ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کئے گئے۔ ایک حد تک انہوں نے صبر کیا۔ جب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو اس کا قدرتی نتیجہ تھا کہ پیمانہ چھلکے، اگر ان پر حملہ کیا گیا۔ اگر ان پر کسی فوج اور کسی حکومت نے، کسی جماعت نے کیا ہو، یا ہم پر اس وقت حملہ ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ متعلق عام حالات حملہ آور کے۔ اس کے جواب میں قرآن بتلا چکا کہ یقیناً مسلمانوں کو حفاظت کرنا چاہیئے۔ تلوار اٹھانا چاہیئے اور مقابلہ کرنا چاہیئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہندوستان میں جو ایک خاص طرح کی بدبختانہ زندگی ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان کے مسلمان برداشت کر رہے ہیں اور جس طرح انہوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے، نامردی کی وجہ سے، سرکشی کی وجہ سے، تعلیم الٰہی سے اعراض کی وجہ سے جو طریقہ اختیار کر لیا کہ وہ اس درجہ اس حالت میں غرق ہوگئے ہیں کہ اس حالت سے ان کو نکالنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک پوری تعلیم کو الٹ دیا جائے اور ایک انقلاب برپا کر دیا جائے۔ ہندوستان کے اندر بھی خاص طور پر مظالم کئے گئے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والی حلیف قوموں کا خون بہایا گیا۔ اسلامی حکومت کے مقابلہ میں اس حکومت کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایسی حالت میں اب ہندوستان کے مسلمان جن کی تعداد دس کروڑ تک پہنچتی ہے اور جو دو سو برس سے اس زندگی کو گوارا کئے ہوئے ہیں اب ہندوستان کے مسلمان کیونکر اپنے فرائض شرعی کو انجام دیں تو اگر ہندوستان کے علماء نے، اہل الرائے نے اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ بلاشبہ ایسی منزل عمل آگئی ہے ایسے نتائج موجود ہیں، اس طرح بے استطاعتی، اس طرح کی غفلت و بے سروسامانگی آج تمہاری کمر میں نہیں بلکہ تمہارے دلوں میں پیدا ہوگئی ہے تلوار ایک لوہار کے یہاں نہیں تو دوسری جگہ مل جائے گی۔ ہندوستان کے علماء نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ تمام مصائب کو جھیل جائیں حملہ ہو تو اسکو بھی جھیل جائیں۔ قید خانوں کے دروازے کھولے جائیں تو اسکو بھی جھیل جائیں۔ اگر انہوں نے یہ فیصلہ کیا تو ان کا فیصلہ احکام شرع کے خلاف نہیں ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ موجودہ حالت میں جب ہندوستان کے مسلمانوں نے بحیثیت جماعت کے یہ فیصلہ کر لیا تو ہندوستان کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے۔ اس سے منحرف نہ ہو۔

موپلا اور مالابار کے مسلمانوں نے اگر یہ سوچا ہے تو اس کے کہہ دینے میں ہم کوئی باک نہیں رکھتے کہ انہوں نے ایسا کیا کہ مسلمانان ہند کے متفقہ طرز عمل سے انہوں نے انحراف کیا۔ یقیناً ان کو ملامت کی جا سکتی ہے اور ان کو سرزنش کی جا سکتی ہے۔ اس عمل کے وہ ذمہ دار ہیں ہم شریک نہیں ہیں۔

اس امر کے متعلق جو مجھ کو عرض کرنا تھا کر چکا۔ تشدد کے متعلق جس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا تھا یہ تھا کہ کہ ہم نے یہ طرز عمل اختیار کیا ہے تو محض اس لئے کہ چونکہ علمائے دین کا فیصلہ ہے اس طرح کسی انسان کا پیش رو ہونا کسی قائل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے لئے جائز نہیں ہے پس ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ معلوم کریں کہ تمہاری زبان کے مطابق مسلمان عدم تشدد پر عامل رہیں گے تو اس کی

کیا وجہ ہے ؟ اُمید ہے کہ آنے والے دو دنوں کے اندر وہ بھی آپ کے سامنے آجائے۔

حضرات! اب اس کے بعد جو ضروری گرٹے ہیں جن کو میں اس وقت نظر انداز کرتا ہوں وہ ہندو مسلمانوں کا اتحاد ہے۔ اس اتحاد کے متعلق احکام شرعی کیا ہے ؟ اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اس بارے میں احکام شریعت کیا ہیں حالاتِ گذشتہ کی بنا پر اور آئندہ آنے والے حالات کی بنا پر ایک نہایت ضروری موضوع یہ تھا۔ لیکن میں اس کو اس وقت نظر انداز کرتا ہوں۔ شاید کل یا پرسوں عرض کروں گا اس لئے کہ وقت کی صورت مساعدت نہیں کرتی۔

ایک اور مسئلہ ہے جو ایک ہندی لفظ کے بھیس میں سوراج کے لفظ میں آیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ محض لباس کا تغیر آپ کو حقیقت و معانی سے ناآشنا نہ کر دے گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حقیقت آپ کے لئے کوئی نئی حقیقت نہیں ہے، نیا پیغام نہیں ہے۔ عمل کا کوئی نیا دروازہ نہیں کھلنا چاہتا ہے مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کرۂ ارضی کے نیچے دنیا کی کوئی جماعت، قوم، فرد نہیں ہے کہ جس کو اس کے خدا اور رسول نے اس حقیقت محبوبہ کو اس کے دل کے ایک ایک گوشہ میں نہ رچا دیا ہو اور اس کے تمام جسم میں نہ پھیلا دیا ہو۔ یہ حقیقت ہے جو تیرہ سو برس سے آپ کے سامنے موجود ہے۔

(اس موقعہ پر یکایک بجلی کی روشنی گل ہو گئی اور تمام ہال میں تاریکی چھا گئی۔ رضا کاران نے گیس لیمپ اور لالٹینیں ہال میں منگائیں لیکن چند منٹوں کے بعد ہی بجلی کی روشنی پھر ہو گئی جس پر حاضرین نے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا۔)

عزیزان من! آج کی صحبت صرف دس منٹوں کی اور باقی رہ گئی ہے۔ عزیزان من! یہ روشنی ایسی قیمتی نہ تھی جس کے ملنے پر نعرۂ تکبیر بلند کرو۔ ہاں اگر ایمان کی روشنی مل گئی تو اس کے لئے جس قدر چاہو نعرۂ تکبیر بلند کرو۔ اگر آپ خاموشی سے کام لیں تو آج کی صحبت چند منٹوں میں ختم ہو جائے گی۔ بہر حال یہ ضروری مسئلہ تھا اب اس کا اجمالی ذکر بھی آج کی صحبت میں ملتوی رکھتا ہوں انشاء اللہ بشرط زندگی اور توفیق الٰہی کل و پرسوں کی صحبتوں میں بیان میں آجائے گا۔

اگر حقیقتاً آپ کے قلب کے اندر وہ شوق معانی و ذوق عرفانی پیدا ہو گیا کہ آپ حق کی صدائیں سننے کے لئے اپنے سینوں کے اندر ایسی لازوال آشفتگی رکھتے ہیں کہ بستر کی آرام دہ کروٹیں قربان کر دیں رات بھر کی تکلیف اور اختر شماری۔ تب بھی آپ اس صدا کے سننے کے لئے تیار ہیں تو میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کے خرچ کرنے کے لئے یہ موقع نہیں ہے کہ بہت زیادہ دیر تک میری تقریریں سنیں بلکہ اس کے خرچ کرنے کا اصل محل یہ ہے کہ اللہ کے عشق میں، اس کے اتباع میں اس کی پیروی میں، اس کی راہ میں سب خرچ

قربان کرنے کے لئے اپنے شوق دکھلاؤ، اپنے دل کے جذبات کو دکھلاؤ تاہم میں آپ کے ذوق وشوق کا معترف ہوں۔

(تحریری خطبۂ صدارت سننے کے وقت لوگوں میں ایک مرتبہ شور ہوا اس پر حضرت مولانا نے پبلک کو سختی سے متنبہ کیا تھا، اس کے متعلق یہاں بیان معذرت ہے۔)

ساتھ ہی اس امر کی بھی آپ سے معافی چاہوں گا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی خطبۂ صدارت کے اوراق سنائے جا رہے تھے تو موضوع روکھا پھیکا تھا اور کچھ طرز بیان روکھا پھیکا، اگرچہ میرے عزیز سرسری طور پر اُسے دیکھ چکے تھے۔ پڑھنے میں بھی رکاوٹ ہوئی اور پبلک میں شور ہوا۔ مجھے مجبور ہو کر اس لب ولہجہ میں کہنا پڑا، علی الخصوص جبکہ ایسے بزرگوں کا مجمع موجود ہے۔ میں اس لب ولہجہ کا عادی نہیں ہوں مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ایک حقیقی صورت کے احساس نے مجھ کو مجبور کیا کہ اس لب ولہجہ کو اختیار کروں۔

ہماری مجلسوں میں سب سے بڑا جو جائز مطالبہ ہے قولاً وشرعاً ایک نظام ہے۔ انضباط ہے، صبر ہے اگر ہم میں اس وقت اتنا صبر نہیں پیدا ہوا ہے کہ ہمارے چند ہزار نفوس موجود ہیں اگر وہ چیز ان کے سامنے آتی ہے اور ان کو بتلایا گیا ہے کہ وہ سکون کے ساتھ سنیں تو یقیناً ہمارے اندر اتنا صبر اور قاعدہ ہونا چاہیئے اور ان لوگوں کی اطاعت کا جذبہ ہونا چاہیئے جن کو ہم مستحق اطاعت سمجھتے ہیں۔ مان لو کہ یہ چیز تمہارے لئے کڑوی کسیلی تھی لیکن آدھ گھنٹہ کے لئے تم اتنی تلخی گوارا نہیں کر سکتے تو اللہ کے راستے میں قربانی کی تلخی کیسے گوارا کروگے وہ ہنگامہ جو بار بار گزرتا تھا میری طبیعت کو ناگوار گزرا اور اس لب ولہجہ میں آپ کو مخاطب کیا جس کا میں عادی نہیں ہوں۔ اگر کسی عزیز کو ناگوار گزرا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے اس لئے آج کا جلسہ ختم کیا جاتا ہے۔ میں علمائے کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کا حسن ظن میرے لئے توشۂ آخرت ہوگا۔

ماخذ: المنار اکادمی، (مرتب) خطبات ابوالکلام آزاد، لاہور، ت ن، ص ص ۱۰۹-۱۲۶۔

۹

تجاویز

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس فیصلہ کی تصدیق کرتا ہے جو جمعیت منتظمہ کے اجلاس منعقدہ دہلی مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۹۲۱ء نے متفقہ فتوی کی ضبطی کے بارے میں کیا تھا وہ فیصلہ یہ تھا:

(۱) جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس منتظمہ کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ جمعیۃ کے جس فتوے کو چیف کمشنر دہلی کے اعلان مورخہ ۳۱ر جولائی کی بنا پر دہلی میں اور بعض دیگر صوبوں میں بھی ضبط کیا گیا ہے وہ تمام تر شریعت اسلامیہ کے اُن احکام پر مشتمل ہے جو تیرہ سو برس سے اپنی یکساں اور غیر متبدل قطعیت کے ساتھ موجود ہیں اور جن کا اعتقاد و عمل اور اعلان ہر مسلمان پر فرض اور ضروری ہے۔ بنا بریں علمائے اسلام کسی حالت میں بھی کسی ایسی صورت کو برداشت نہیں کر سکتے جس سے کوئی رکاوٹ ان احکام کی تبلیغ اور اعلان میں پیدا کی جائے۔ علمائے اسلام احکام شرعیہ کی بنا پر مسلمانوں کا فرض قرار دیتے ہیں کہ ضبطی کی مداخلت سے بے پروا ہو کر بدستور اس فتوے کی طباعت و اشاعت و تبلیغ و دعوت میں مشغول رہیں اور ارکان انتظامیہ جمعیۃ العلماء کی جانب سے بھی برابر اس کی تبلیغ و اشاعت جاری رکھی جائے۔

(۲) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس فیصلہ کی تصدیق کرتا ہے جو جمعیۃ منتظمہ کے اجلاس منعقدہ دہلی مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۹۲۱ء نے کراچی ریزولیوشن کے بارہ میں کیا تھا وہ فیصلہ یہ تھا:

جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس منتظمہ کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ گورنمنٹ نے مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی مولانا حسین احمد، پیر غلام مجدد، ڈاکٹر کچلو اور مولانا نثار احمد کو خلافت کانفرنس منعقدہ ۸، ۹، ۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء کی جس تجویز کی بنا پر گرفتار کیا ہے وہ اسلام کے ان قطعی و مسلم احکام میں سے ہے جو تیرہ سو برس سے موجود ہیں اور خود ہندوستان میں بھی ان کا ہمیشہ اعلان ہوتا رہا ہے مسلمان کسی حالت میں بھی ان کے اعلان و دعوت سے باز نہیں رہ سکتے اور جب تک اسلام باقی ہے اس کے احکام کا اعلان بھی ہوتا رہے گا۔ جمعیۃ العلماء تمام مسلمانوں کو دعوت دیتی ہے کہ اس امتحان طلب موقع پر ادائے فرض کے لئے مستعد ہو جائیں اور جہاں تک بھی ممکن ہو ہر صورت و ہر عنوان سے اس حکم شریعت کا نشر و اعلان کر کے اعلائے کلمۃ اللہ میں ساعی رہیں۔

(۳) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ پولیس اور فوج کی ملازمت کی نسبت اعلان کرتا ہے کہ:-

الف۔ انگریزی گورنمنٹ کی فوج اور پولیس کی ملازمت کا حرام ہونا صرف اسی حالت پر مبنی نہیں ہے کہ فعلاً مسلمانوں کا قتل بھی اس وقت درپیش ہو بلکہ شرعاً اس کے لئے اس قدر کافی ہے کہ انگریزی فوج مسلمان حکومتوں اور آبادیوں کے قتل کیلئے ظلم و فساد کی تقویت کے لئے، پامالی حقوق انسانیت و عدالت کے لئے استعمال میں لائی جاتی یا لائی جا سکتی ہو۔

ب۔ مسلمانوں کا کسی غیر مسلم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنا جس سے کفر کی شوکت بڑھتی ہے اور اسلام کی قوت کو صدمہ پہنچتا ہے قطعاً حرام ہے اور اس صورت کی حرمت متفق علیہ ہے اس کے جواز کے لئے حیلے ڈھونڈنا (اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں سے استدلال کرنا) کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

محرک: مولانا حبیب الرحمٰن۔

مؤیدین: مولانا شبیر احمد۔ مولانا محمد فاخر۔ مولانا محمد اسحاق مرادآبادی۔ مولوی محمد نعیم لدھیانوی۔ مولانا مرتضیٰ حسن۔ مولوی عبد الحلیم، مولوی عبد الرزاق مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبد القادر۔ مولانا شاہ رسول پشاوری مولانا عبد الوہاب۔ مولانا عزیز گل۔

اس تجویز کی تائید میں صرف تین تقریریں ہوئی تھیں تمام حاضرین سرو قد کھڑے ہو گئے اور متفق اللفظ ہو کر سب نے اس تجویز کی تائید کی۔

(۴) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ ہندوستان کو موجودہ حکومت کے تسلط و استبداد سے آزاد کرانے کی سعی مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں داخل ہے اور اس کے حصول

کے لئے تمام صحیح و مناسب مدلل وسائل کو عمل میں لانا اور آخر تک جد و جہد جاری رکھنا ہمارا مذہبی نصب العین ہے۔ جمعیۃ اس کا بھی اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا جو نصب العین ہمارے سامنے ہے اس کے لئے اسلامی احکام کی رو سے ضروری ہے کہ :-

الف ۔ مسلمان اپنی مذہبی و شرعی زندگی میں بالکل خود مختار اور آزاد ہوں۔

ب ۔ مسلمانوں کے لئے احکام و حدود و تعزیرات اسلامیہ کے اجراء و تنفیذ میں کوئی قوت مانع اور مزاحم نہ ہو۔ جمعیۃ تسلیم کرتی ہے کہ ہندوستان کی اقوام کے ساتھ متفق ہو کر بتحفظ حدود شرعیہ ایسی آزادی ہم حاصل کر سکتے ہیں اور حاصل کریں گے۔

محرّک :- مولانا ثناء اللہ

مؤید :- مولانا عبد الماجد

مؤید ثانی :- مولوی عبد العزیز (حضرو)

مؤید ثالث :- مولانا مرتضیٰ حسن

(۵) ۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ جلد از جلد تبلیغ کے لئے وفود مرتب کئے جائیں جو اندرون ہند مختلف صوبوں میں خلافتِ اسلامیہ و اعانت غازی مصطفےٰ کمال پاشا و اجرائے دار القضاء وغیرہ اغراضِ اسلامیہ کا نشر و ابلاغ کریں اور صدر و ناظم جمعیۃ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ وفود کو ترتیب دے کر روانہ کریں۔

(۶) ۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی اسلامی خدمات کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہے اور جمعیۃ العلماء ہند کی جانب سے اِن کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کرتا ہے اور مسلمانان ہند کو ان کے اسلامی فرض سے آگاہ کرتا ہے کہ اس وقت اس غازی اسلام کی امداد و اعانت کرنا افضل ترین عبادت اور جہاد مالی ہے۔

(۷) ۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں کو یہ حکم شرعی دوبارہ یاد دلاتا ہے جو گذشتہ سال کے اجلاس جمعیۃ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موجودہ حالات میں ولائتی مال بالخصوص ولائتی کپڑے کا استعمال تمام زن و مرد قطعاً چھوڑ دیں۔ جو لوگ اس وقت ولائتی کپڑے خریدتے ہیں وہ دشمنانِ اسلام کی اعانت کر کے تخریبِ اسلام کے فعل میں شریک ہوتے ہیں۔ جن کے پاس پہلے سے خریدے ہوئے کپڑے موجود ہیں اِن کو جمعیۃ مشورہ دیتی ہے کہ سمرنا فنڈ میں دے دیں اور عام کھلے طور پر استعمال کرنا یقیناً قومی فیصلہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل مواخذہ ہے۔

(۸) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ تنظیم جماعت مسلمین کے لئے ضروری ہے کہ امیر الہند کا انتخاب کرلیا جائے۔ امیر شریعت کے اختیارات و فرائض کے تعین کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی جائے جو جلد از جلد اس کا مسودہ تیار کر کے جمعیۃ العلماء کے اجلاس مجوزہ دسمبر میں بمقام بدایوں پیش کرے۔ سب کمیٹی کے ارکان یہ ہوں گے:۔

مولانا خلیل احمد صاحب	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
مولانا شبیر احمد صاحب	مولانا عبد الماجد صاحب
مولانا محمد سجاد صاحب	مولانا محمد ابراہیم صاحب
مولانا محمد فاخر صاحب	مولانا انور شاہ صاحب
مولانا محمد کفایت اللہ صاحب	مولانا مرتضیٰ حسن صاحب
مولانا عبد الباری صاحب	مولانا ثناء اللہ صاحب
مولانا سبحان اللہ صاحب	مولانا احمد اللہ صاحب
مولانا محمد داؤد صاحب	(باتفاق منظور)

(۹) ۱۰،۱۱ر دسمبر کو بدایوں میں جمعیۃ کا ایک عام اجلاس خصوصی منعقد ہو جو سب کمیٹی کی رپورٹ پر غور کرنے کے بعد انتخاب امیر کی کارروائی عمل میں لائے۔ (باتفاق منظور)

(۱۰) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس ان افواہوں کی تصدیق کرنے کی اس وقت تک جرأت نہیں کرتا، جب تک باوثوق ذرائع سے ان کی صحت ثابت نہ ہو جائے جو موپلوں کے متعلق اخباروں میں شائع ہوئی ہیں کہ انہوں نے اپنے ہمسایہ ہندو بھائیوں کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں اور بعض ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنایا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اگر یہ افواہیں سچی ثابت ہو جائیں تو موپلوں کا یہ فعل اسلامی تعلیم کے خلاف اور قابلِ ملامت ہے۔ (باتفاق منظور)

(۱۱) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ عام اجلاس تجویز کرتا ہے کہ جمعیۃ کے محترم صدر حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد جمعیت کی مجلس منتظمہ کے اجلاس منعقدہ ۸ر ستمبر ۲۰ئہ لکھنؤ نے جو فیصلہ کیا تھا کہ نائب صدر مولانا کفایت اللہ صاحب انعقادِ اجلاس تک صدارت کی خدمات انجام دیں گے۔ اس فیصلہ کو اجلاس منظور کرتا ہے اور آئندہ کے لئے مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کو ہی ایک سال تک صدارت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ (باتفاق منظور)

(۱۲) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس امر کو کہ مولانا حافظ احمد سعید ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی اور عبد العزیز

صاحب انصاری کو حکومت دہلی نے اور مقتدایان قوم مرحبین صاحب مولانا شوکت علی صاحب، مولانا محمد علی صاحب مولانا نثار احمد صاحب پیر غلام مجدد سندھی، ڈاکٹر کچلو، سیٹھ یعقوب حسن صاحب کو حکومت کراچی نے محض مذہبی احکام کے نشر و تبلیغ کے سلسلہ میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا اور اس طرح مذہبی احکام کی تبلیغ کو جرم و بغاوت قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان کی مذہبی آزادی کے خلاف ایک اعلان جنگ سمجھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنا مذہب اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز ہے اور کسی عزیز سے عزیز اور محترم سے محترم پیشوا کی گرفتاری و قید سے وہ مرعوب اور مذہبی احکام کی نشر و تبلیغ سے باز نہیں آسکتے۔

جمعیۃ العلمأ ہند کا یہ اجلاس اُن گرفتاروں کو ان کی ایمانی جرأت پر مبارکباد دیتا ہے اور ان کی اسلامی خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں صوبہ سرحد کے حکام کے جابرانہ طرزِ عمل پر اظہارِ نفرت کرتا ہے اور ان دین فروش علماء کے قول کو سخت مذموم اور خلافِ شریعت سمجھتا ہے جو گورنمنٹ کی موالات کا فتویٰ دے کر مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔

(باتفاق منظور)

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی ۱۹۴۶ء، ۴۴، ۴۳-۴۷۔

۱۰

ضمیمہ

جمعیۃ علماء ہند کا اجلاسِ خاص بمقام اجمیر شریف، ۳-۴-۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۳-۴-۵ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء جمعہ، شنبہ، یکشنبہ۔

صدرِ اجلاس - مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی۔

صدرِ استقبالیہ - مولانا محمد یونس صاحب۔

تجاویز

تجویز نمبر ۱: جمعیت العلمأ ہند کے اجلاس منعقدہ لاہور نے طے کر دیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تنظیم واقامت محاکم شرعیت و بیت المال کے لئے امیر الہند کا انتخاب کیا جائے چونکہ امیر الہند کا

انتخاب بظاہر اس وقت تک مشکل ہے جب تک صوبہ وار اُمرا منتخب نہ ہو جائیں۔ لہٰذا جمعیت العلما ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جلد اُمرا صوبہ کا انتخاب عمل میں آئے اور ہر صوبہ کی جمعیۃ کو توجہ دلاتا ہے کہ جلد از جلد اس غرض کے لئے جمعیۃ صوبہ کے عام اجلاس کرکے اپنے صوبہ کے واسطے امیرالشریعت انتخاب کرے، انتخاب امیر سے قبل اس کے فرائض و اختیارات و قواعد مرتب کرکے جمعیۃ العلما ہند سے منظور کرائے جائیں۔

تجویز نمبر ۲: جمعیۃ العلما ہند کا یہ اجلاس، کمیٹی تنظیم جدید مالیبار (مالیباری کانسٹرکشن کمیٹی) کی مفصلہ ذیل تجاویز (جو پانیر مورخہ ۹ر فروری میں شائع ہوئی ہیں) کے متعلق نہایت زوردار الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ یہ تجاویز مذہب اسلام اور اس کے اہم فرائض نماز اور عبادت گاہوں میں صریح طور پر مداخلت ہے جو یقیناً ناقابلِ برداشت ہے اور اس قسم کی حرکت کا اعادہ ہے جو اس فساد کا باعث ہوئی نیز یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جمعیۃ العلما ہند کی جانب سے ایک وفد مالیبار بھیجا جائے جو وہاں کے تمام حالات کی تحقیق کرکے اپنی رپورٹ[1] شائع کردے نیز مسلمانوں کو مظلوم موپلوں کی اعانت کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اس کی ایک آسان صورت یہ ہے کہ مسلمان اعانتی رقوم دفتر جمعیت میں ارسال کریں اور جمعیت کافی احتیاط کے ساتھ مظلوم و مستحق موپلوں کو پہنچانے کا انتظام کرے۔

کمیٹی تنظیم جدید کی محولہ بالا تجاویز یہ ہیں

۱۔ آئندہ تعمیرِ مساجد گورنمنٹ اپنے اختیار میں لے لے کیونکہ مساجد بغاوت کی پرورش گاہیں ہیں۔

۲۔ مساجد میں گورنمنٹ صرف مصلیہ لوگوں کی امامت کی اجازت دے۔

۳۔ ہندوؤں کے نقصان کا معاوضہ موپلوں سے بجبر دلایا جائے اور ان کے مندروں کی تعمیر بھی ان سے کرائی جائے۔

۴۔ (بے دست و پا) موپلوں کے مقابلے میں دیگر باشندگان مالیبار کو بندوقوں کے لائسنس بکثرت دئے جائیں۔

تجویز نمبر ۳: چونکہ اس مسودہ عہد نامہ میں جو جمعیۃ العلما ہند کی مجلس منتظمہ نے مرتب اور اجلاس عام نے اسے منظور کیا ہے، عدم تشدد کا عہد لیا جاتا ہے اور شرعی احکام کی رو سے اس کی تحدید کے متعلق بکثرت استفسارات آرہے ہیں اس لئے جمعیۃ العلما ہند کا یہ اجلاسِ عام عدم تشدد کا شرعی حکم ظاہر کردینا چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ تشدد کی دو قسمیں ہیں ایک اضطراری دوسری اختیاری۔ اضطراری سے مُراد یہ ہے کہ کوئی ایسی حالت پیش آجائے جس میں انسان کے ہوش و حواس بجا نہ رہیں اور

---

[1] دیکھئے: کتاب ہذا، ضمیمہ ۹۔

بے اختیار اس سے کوئی تشدد کی حرکت سرزد ہو جائے۔ یہ قسم تو معاہدہ کی حدود سے باہر ہے کیونکہ معاہدہ اختیاری افعال سے متعلق ہو سکتا ہے نہ اضطراری سے۔

دوسری قسم یعنی "تشدد اختیاری" اس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ابتدءً تشدد اپنی طرف سے کیا جائے۔ اس کے متعلق ہندوستان میں موجودہ حالت کے لحاظ سے پورے طور پر عدم تشدد کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ دوسرے یہ کہ کسی اشتعال انگیز اور توہین آمیز حرکت کے مقابلہ میں تشدد کیا جائے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک کوئی حرکت پیش نہ آئے جس پر شرعی احکام کی رو سے تشدد لازم ہو جائے۔ مثلاً کوئی آدمی کسی مسلمان کے روبرو قرآن پاک کی بے حرمتی کرے اور کسی طرح باز نہ آئے اور اس شخص کو قدرت ہو کہ کسی قسم کے تشدد سے اسے اس حرکتِ شنیعہ سے روک سکے اور اس کا تشدد مفادِ قومی کے خلاف نہ ہو، تو ایسی حالت میں اس کا شرعی فرض ہو جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو قرآن پاک کو بے حرمتی سے بچائے اس قسم کی شرعی مجبوریوں کے علاوہ تمام حالات میں اختیاری تشدد سے اجتناب کرنے کا معاہدہ شرعاً جائز اور مصلحت عامہ کے لحاظ سے مفید اور ضروری ہے۔

تجویز نمبر ۴: مولانا عبدالحلیم صدیقی نے امیر شریعت کے اختیارات و فرائض کے متعلق سب کمیٹی اجلاس بدایوں کا مرتب کردہ مسودہ[1] پیش کیا۔ مگر یہ مسودہ مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی کی تحریک و مولانا شاہ سلیمان صاحب کی تائید سے آئندہ اجلاس کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔

(مسلم ۱۶ مارچ ۱۹۲۲ء)

[1] دیکھئے: کتاب ہذا، ضمیمہ ب۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶، ص ۵۰ - ۵۲۔

باب چہارم

اجلاس چہارم، گیا، ۲۴ر تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۲ء

(۵ر تا ۷ر جمادی الاوّل ۱۳۴۱ھ)

زیرِ صدارت

مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی

۱۱

خطبۂ استقبالیہ از مولانا عبدالرؤف ۔

[دستاویز نمبر ۱۱ اور ۱۳ کے اصل متن اردو میں ہیں، جن کا انگریزی ترجمہ انڈین اینول رجسٹر (INDIAN ANNUAL REGISTER) میں دیا گیا ہے چونکہ اصل اردو متن مجھے دستیاب نہیں ہو سکے اس لئے میں نے مذکورہ بالا رجسٹر کے انگریزی ترجمہ کو پھر اردو میں منتقل کیا ہے ۔ ترجمہ لفظی نہیں ہے، تاہم انگریزی عبارت کے صحیح مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے —— مرتب]

مولانا عبدالرؤف صدر استقبالیہ کمیٹی نے خطبہ اُردو میں پڑھا ۔ نمائندوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے آپ نے کہا کہ آج صلیب کا مقابلہ ہلال سے ہے اور یورپ اس کوشش میں ہے کہ ترکی کو اُس کے یورپی مقبوضات سے محروم کر دے ۔ انہوں نے فرمایا کہ برطانیہ نے ہندوستان کو اس کی جنگی قوت سے محروم کر دیا ہے اور برطانیہ کی پالیسی رہی ہے کہ ہندوستانیوں کو ہمیشہ جنگ سے نفرت کی تعلیم دے ۔ اس کے برعکس امن قائم رکھنے کے بہانے وہ خود نہ صرف زبردست جنگی تیاریاں کرتا رہا ہے، بلکہ قانون فوجداری کی شکوں کو خدا کے قانون پر افضل سمجھتا آیا ہے ۔ حکمران ہندوستانی عوام کو وفادار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کو ختم کرنے کی کوششوں میں لگے رہے ۔ ایسے حالات

میں مسلمانوں کی ذمہ داری واضح ہے ان کو کمالسٹوں (KAMALISTS) کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اسلام کو مٹنے سے بچالیا۔

خلافت کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ خلیفہ چُنا یا نامزد کیا جا سکتا ہے اور اسے ہٹایا بھی جا سکتا ہے جو شخص خلیفہ بنے، اس میں دنیاوی اور رُوحانی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ خلافت کسی ایک خاندان کا ورثہ نہیں ہے اور اسے حضرت عثمان کے خاندان تک محدود کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ مولانا نے انگورہ کے اس فیصلے سے جس میں نئے خلیفہ کو اس کی دنیاوی طاقت سے محروم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا لاعلمی کا اظہار کیا، اور اگر ایسا فیصلہ کیا گیا تو انہوں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ مولانا نے فرمایا کہ خلافت ایک مثالی طاقت ہونی چاہیے اور تمام اسلامی ممالک مثلاً ترکی، افغانستان، ایران، بخارا، کینیا، عرب اور عراق کو خلافت سے اپنی وفاداری کا یقین دلانا چاہیے۔ خلافت ان کو اندرونی خود مختاری کا یقین دلائے اور ان کی خارجہ پالیسی کنٹرول کرے تاکہ لڑائی کے موقع پر اِن تمام ممالک کی قوت اسلام کے دفاع کیلئے یکجا ہو سکے۔ شریعت کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا نے کہا کہ ہندوستان جیسے ممالک جو اسلام کے کنٹرول سے نکل چکے ہیں۔ ان ممالک میں خلیفہ کو اپنے نمائندے بھیجنے چاہیئں جو انہیں صحیح راستہ دکھا سکیں انہوں نے یہ اُمید ظاہر کی کہ جمعیت العلماء اس کمی کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔

ہندوستان کے سیاسی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ترکِ موالات نے ہندوستانیوں کو کافی بیدار کر دیا ہے۔ انہوں نے کونسل پر قابو پانے کے تخیّل کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ یہ ملک و قوم کے پیسہ کو ضائع کرنا ہے۔ کانگریس کے امیدوار کونسلوں میں موجودہ عہدیداروں سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر پائیں گے اور گورنمنٹ کو کونسل کے ذریعے مفلوج کر دینے کی گفتگو اتنی ہی بے معنی ہے جتنی کہ سوراج کو تین مہینے میں حاصل کرنے کا وعدہ۔

ماخذ: THE INDIAN ANNUAL REGISTER 1923, VOL. I, CALCUTTA, 1923, PP. 937-942.

۱۲

خطبۂ صدارت از مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ومولانا محمد وّ الہٖ وصحبہٖ اجمعین اما بعد

فقد قال اللہ تعالیٰ

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

سو آپ میرے اُن بندوں کو خوشخبری سُنا دیجئے جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سُنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہلِ عقل ہیں۔

وقال تعالیٰ

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان لانے والوں اور (ایمان والوں میں) اُن لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (آخرت) میں درجات بلند کرے گا۔

وقال تعالیٰ

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

حضرات علماء اعلام و اساطین اسلام و معزز حاضرینِ اجلاس!

جمعیتہ مرکزیہ علماء ہند کے سالانہ اجلاس چہارم میں جو امتیاز مجھ کو عطا فرمایا گیا ہے اس کو میں اپنے لئے شرفِ دنیا و آخرت سمجھتا ہوں اور اپنی اس خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ علماء اعلام کی نظرِ انتخاب مجھ جیسے بے بضاعت پر پڑی۔ یہ میرے لئے فالِ نیک ہے۔ اور میں شُهَدَاءُ اللّٰهِ فی الارض کے انتخاب کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتا اور اللہ کے فضل و کرم سے توقع رکھتا ہوں کہ جماعتِ علماء کے حلقہ میں انسلاک کی بدولت میرا حشر اسی جماعت کے ساتھ ہو۔

هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ یہی ایک خیال تھا جس نے مجھ کو اس اقدام و جرأت کی اجازت دی ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل   نسیمِ صبح تیری مہربانی

احترامِ مجلسِ علماء کا مقتضاء تو یہ تھا کہ میں اپنے لئے اسی شرف و امتیاز کو کافی سمجھتا جو حضرات علماء کے ایثار سے مجھ کو حاصل ہوا ہے اور اس سے آگے قدم نہ بڑھاتا مگر ضرورتِ وقت اور امتثالِ امر مجبور کرتے ہیں کہ میں اپنے پراگندہ خیالات کو تنقید و تصحیح کے لئے پیش کروں۔ حالات نازک ہیں۔ خیالات منتشر ہیں۔ آراء مختلف ہیں۔ خطرات محیط ہیں۔ مہالک سامنے ہیں۔ سکوت کی گنجائش نہیں تکلم کے ثمرات و نتائج سے عہدہ برآ ہونا سخت دشوار ہے لیکن باوجود ان تمام مشکلات کے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ بنامِ خدا مختصر اور سادہ الفاظ میں اپنے خیالات کو ایک جگہ جمع کر دوں اور اس کی پرواہ نہ کروں کہ میرے الفاظ کی سادگی مطالب کے دل نشیں کرنے میں مخل ہو گی یا میرے بے نمک کلام سے سامعین اکتا جائیں گے یا میرے صاف اور صحیح خیالات کے اظہار سے حکامِ وقت ملولِ خاطر ہوں گے۔ میں اپنے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ کسی کا خوف کلمۂ حق کے اظہار سے مجھ

کو مانع نہ آئے اور افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر کی فضیلت سے بہرہ کر بھی حصہ مل جائے۔

حضرات علمار کرام ہیں اس مجلس میں جو کچھ عرض کروں گا اگرچہ وہ مذہبی حیثیت سے ہوگا مگر اس کو فتویٰ نہ سمجھا جائے۔ وہ صرف ایک شخص کے خیالات ہیں۔ اگر صحیح ہیں تو قبول کئے جائیں ورنہ بے تکلف رد کئے جائیں۔ آرار رجال کا اعتبار نہیں ہے۔ ہر ایک بات کو اصول شرع پر پرکھنے اور جانچنے کی ضرورت ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

پھر اگر جھگڑ پڑو کسی امر میں تو اس میں رجوع کرو اللہ اور رسول کی جانب اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز آخرت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے باعتبار انجام کے۔

پس میں حضرات علمار کی تنقید و اصلاح پر اعتماد رکھتا ہوا اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت کرتا ہوں۔ مسائل زیر بحث بہت سے ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی کامل و مکمل تنقیح و توضیح ہو چکی ہے۔ علمار کرام اپنی تقریروں، تحریروں، خطبات صدارت میں ان کو بیان فرما چکے ہیں۔ اب چنداں ضرورت ان کے اعادہ کی نہ تھی لیکن حالات کے تغیر کے ساتھ چونکہ سوالات بھی نئے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ضرورت ہے کہ ان جدید سوالات کی تنقیح بھی کر دی جائے۔ اس لئے میں ان مسائل کے بالاختصار تذکرہ کے ساتھ زیادہ تر جدید حالات سے بحث کروں گا۔ اور میں ایسے مسائل میں جو کچھ عرض کروں گا کوئی فیصل شدہ رائے یا فتویٰ نہ ہوگا۔ بلکہ محض ایک شخصی رائے ہوگی جس کو میں حضرات علمار کے غور و فکر کے لئے پیش کروں گا۔ واللہ ولی التوفیق

فذلکۃ الاحوال

خلاصۂ حالات۔

محاربۂ عظمیٰ کے دوران میں جس کو دنیا کی تاریخ میں مدعیان تہذیب و تمدن کی سب سے بڑی اور سب سے مہیب اور تباہ کن جنگ سمجھا جاتا ہے اور فی الحقیقت بھی دنیا میں ایسی تباہ کن جنگ آج تک کبھی نہیں ہوئی۔ گورنمنٹ برطانیہ نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کو بڑے بڑے سبز باغ دکھلا کر امداد و اعانت طلب کی اور ہندوستان نے اس وقت جب کہ گورنمنٹ کا

اضطراب حد سے متجاوز ہوچکا تھا۔ اس قدر جانی و مالی امداد دی جو قیاس وگمان سے زائد تھی۔ اس محاربہ میں چونکہ سلطنتِ اسلامیہ ترکیہ بھی دولِ ائتلاف کی شریک ہوکر اتحادیوں سے برسرِ جنگ تھی۔ اس لئے گورنمنٹ برطانیہ کو مسلمانوں کی طرف سے ایک قسم کا کھٹکا تھا مگر وزراءِ برطانیہ نے اقرار صالح اور مکرّر اعلانات سے اُن کو مطمئن کر دینے کی کوشش کی کہ یہ جنگ مذہبی نہیں۔ مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔ خلافت کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ مسلمانوں کا ایسے وعدوں پر مطمئن ہو جانا اگرچہ سخت غلطی تھی مگر وہ اپنی غلامانہ بزدلی اور غفلت وجمود کی تمادی سے ان مواعید پر مطمئن ہوکر گورنمنٹ کی امداد کے لئے تیار ہوگئے۔

دورانِ جنگ میں گورنمنٹ ہند نے اپنی نہایت ہی وفادار رعایا (مسلمانوں) کی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے اعلان شائع کیا کہ (اماکن مقدسہ جن میں عراق عرب کے مقدس مقامات کے ساتھ بندرگاہ جدہ بھی شامل ہے برطانیہ کی بحری یا فوجی قوت کے حملہ یا دست اندازی سے مصؤن ومحفوظ رہیں گے) وزیرِ اعظم کو اس امر کا اعتراف ہے کہ ان وعدوں سے مسلمان مطمئن ہوگئے اور اُنہوں نے گورنمنٹ کی امداد میں بے دریغ حصّہ لیا۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ :-

ان وعدوں کا فوری طور پر یہ اثر ہوا کہ ہندوستان میں رنگروٹ کثرت سے بھرتی ہونے لگے اور پندرہ لاکھ سپاہی فوج میں بھرتی ہوگئے۔ اس مدد کے بغیر برطانیہ ہرگز ٹرکی کو فتح نہ کرسکتا تھا۔

محاربہ کے دوران میں پھر وزیرِ اعظم برطانیہ نے اعلان کیا کہ قسطنطنیہ اور تھریس واناطولیہ پر یورپین قبضہ نہ ہونے پائے گا۔

سلطنتِ برطانیہ کے وزراء واہل حل وعقد کے یہ وعدے ایسے نہ تھے جن کو یوں ہی بادِ ہوا سمجھا جاتا بالخصوص جب کہ وزیرِ اعظم یہ بھی کہہ چکے ہوں کہ ایشیا میں برطانوی قوت کو کوئی چیز اس احساس سے زیادہ ضعف پہنچانے والی نہیں کہ برطانیہ کے قول وقرار کی قدر وقیمت نہیں۔

لیکن جب کہ محاربۂ عظمیٰ ختم ہوگیا اور گورنمنٹ اس نزع کی حالت سے نکل کر مطمئن ہوگئی تو سب قول وقرار بھول گئی۔ ہندوستان میں تین بڑی قومیں آباد ہیں۔ ہندو، سکھ، مسلمان۔ ان میں سے مسلمان ایک ایسی قوم تھی جس کے تعلقات ہندوستان سے باہر بھی تھے۔ اور وہ تعلقات مذہبی تھے۔ گورنمنٹ نے ان تینوں قوموں کی مشترک قدردانی تو یہ کی کہ رولٹ بل [ROWLATT BILL] پاس کرکے اُن کی ذلت کو انتہا درجہ تک پہنچا دیا۔ پنجاب میں وہ واقعات ظہور پذیر ہوئے کہ الامان۔

مسلمانوں کی خصوصیت کے ساتھ یہ عزت افزائی ہوئی کہ اُن کے ساتھ جو وعدے کئے گئے تھے سب فراموش کر دیئے گئے۔ اپنے وعدوں کے خلاف اس جنگ کو مذہبی اور صلیبی جنگ قرار دیتے ہوئے جنرل ایلن بائی کو (سب سے آخر صلیبی جنگ کے فاتح کا) خطاب دیا گیا۔ مقاماتِ مقدسہ پر دست اندازی کی گئی۔ خلافتِ اسلامی کو مٹا دیا گیا۔ قسطنطنیہ تھریس وغیرہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ قسطنطنیہ میں سلطان کو برائے نام قائم رکھا۔ ایک کابینہ وزارت بھی بنا دی لیکن تسلط و اختیارات سب اتحادیوں کے ہاتھ میں۔ فوجیں اُن کی پولیس ان کی۔ انتظام اُن کا۔ سلطان اور وزراء کو کسی انتظام میں دخل دینے یا اتحادیوں کے کسی حکم کو رد کرنے کی مجال نہ تھی۔ اس ذلت وحقارت کی زندگی سے تنگ آکر ولیعہد ٹرکی نے بھاگ کر اناطولیہ جانا چاہا تو جانے نہ دیا۔ یہ سب کچھ کس نے کیا۔ اس سلطنت نے جس کو فخریہ دعویٰ ہے کہ وہ سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے۔

(کیوں؟ اس لئے کہ اس کی سلطنت میں جس قدر تعداد مسلمان غلاموں کی ہے کسی دوسری سلطنت میں نہیں ہے)

خلافت وسلطنتِ اسلامی کے برباد ہو جانے۔ مقاماتِ مقدسہ پر جس میں عراق وشام وفلسطین بھی داخل ہیں۔ تسلط ودست اندازی سے مسلمانانِ ہند پر دفاع عن حوزۃ الاسلام واخراج الیھود والنصارٰی عن جزیرۃ العرب اور نصب امام واقامتِ خلافت کا فرض براہِ راست عائد ہو گیا۔ ابنائے وطن ہندو، سکھ اگر فقط اندرونی اور محض سیاسی معاملات سے نالاں اور بقدرِ غلامی سے تنگ آکر آزادی کی فکر میں تھے تو مسلمانوں کو اس کے ساتھ ہی ان کا مذہبی فریضہ بھی کسی امر کا متقاضی تھا۔ معاملاتِ ملکی و وطنی میں تو سکھ، ہندو، مسلم سب شریک ہی تھے مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملہ میں بھی برادرانِ وطن نے اُن کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش چلے۔ ہندوستان کے اندرونی معاملات میں اور خلافت واماکن مقدسہ کے مسئلہ میں گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ برطانیہ سے ہر قسم کی استدعائیں کی گئیں۔ درخواستیں دی گئیں۔ وفد بھیجے گئے۔ غرض کوئی تدبیر اُٹھا کر نہ رکھی گئی مگر مغرور ومتکبر وعدہ فراموش ذمہ دارانِ سلطنت نے ایک نہ سُنی۔ وہ سمجھتے تھے کہ جنگ میں شریک ہو کر ترکی نے اپنی قبر آپ کھود دی ہے مدبرانِ یورپ جو اپنے آپ کو کارکنانِ قضا وقدر جانتے ہیں کہتے تھے کہ ترکی کا مٹ جانا قضاء مبرم ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

بالآخر قول وقرار کے خلاف، انصاف کے خلاف، ولسن کے چودہ اصولوں کے خلاف، اپنی

نہایت ہی وفادار رعایا کے جذبات و محسوساتِ مذہبی کے خلاف، ذلّت آمیز معاہدہ سیورے [TREATY OF SEVRES] مرتب کیا گیا اور ترکی کو غاصبانہ قطع و برید کے بعد ایک معمولی آزاد ریاست کے برابر بھی نہ رکھا۔ اور باوجودیکہ برطانیہ کے بہت سے ذی رائے مدبّروں نے اور سلطنت کے بعض بڑے ذمہ داروں نے اس غلط پالیسی کے نتائج پر متنبہ کیا مگر کسی کی کوئی بات پیش نہ گئی۔

مسلمانوں کا مذہبی فرض تھا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد و ممالکِ اسلامیہ کی صیانت میں حصّہ لے کر کم از کم جَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ کے درجہ میں داخل ہوں اور دشمنانِ اسلام سے ایسے تعلقات کو منقطع کر دیں جن سے اسلام کے مقابلہ میں ان کو تقویت پہنچتی ہے اور ترکِ موالات کے مذہبی فرض پر عمل کریں۔

ادھر ان پر یہ بھی ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے ایسی صورتوں کو ناممکن الوقوع بنا دیں کہ جن سے اُن کی قوت اُن ہی کے مذہب کے مقابلہ میں صرف کی جائے۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ ملک کامل آزاد ہو، ملک کی حکومت خود اہلِ ملک کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس مقصد کے حصول کا بھی ایک ذریعہ تھا کہ گورنمنٹ سے ترکِ تعاون کیا جائے۔ تمام ابناءِ وطن ہندو، مسلمان، سکھ سب کا یہ مشترک مقصد تھا اور اس کی تدبیر بھی مشترک تھی۔ اس لئے ان میں قدرتاً اتفاق پیدا ہو گیا۔ اور آج باوجود اختلافِ مذہب سب مل کر ایک مقصدِ واحد آزادیِ ملک کے لئے کوشاں ہیں اور ایک ہی تدبیر ترکِ تعاون پر عمل پیرا ہیں اور یہ جدوجہد انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ان کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔

اسلام کی رُوحانی طاقت۔

یاد رکھئے کہ اسلام کی روحانی طاقت ایک چٹان ہے جس سے جو قوت متصادم ہوتی ہے وہ خود پاش پاش ہو جاتی ہے یا اس میں جذب ہو جاتی ہے۔ اسلام تمام حوادث و نوازل کا مقابلہ کرتا ہوا اسی آن بان سے قائم رہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر اُن کا کوئی دشمن اس طرح مسلط نہیں ہو گا جو ان کا استیصال کر دے۔

دوسرا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ یہ دین برابر قائم رہے گا اور ایک جماعت اس کے قائم رکھنے اور حفاظت کے لئے برابر قتال کرتی رہے گی۔ ان احادیث اور اس قسم کے بے شمار ارشادات سے ثابت ہے کہ اسلام

ہیں وہ روحانی قوت ہے جس کو کوئی مادی طاقت فنا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ رہا کہ اسلام اور اسلام کی شوکت و قوت کسی کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتی۔ کیسے ہی مایوس کن حالات پیش آئے مگر مسلمان ہمیشہ اس اعتقاد پر قائم رہے اور وہ کبھی مایوس نہیں ہوئے اور جب کبھی سخت سے سخت حوادث پیش آئے ہیں جن کو دیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے فنا ہونے اور مٹ جانے کا یقین ہو جاتا تھا وہ ہمیشہ ان کو تمحیص اور امتحان ہی سمجھتے رہے ہیں۔ چودہ صدیوں کے حالات کا معائنہ بتلا رہا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں شریعت کی طرف سے غفلت، دنیا میں انہماک اور ترفہ و تنعم کے لوازم کا غلبہ ہوا ہے۔ اُن کے زجر و تنبیہ کے لئے اس قسم کے مصائب و حوادث نازل کئے گئے ہیں لیکن جب ان حوادث کا زوال ہوا اسلام میں وہی تازگی پیدا ہو گئی جو مریض کو صحت کے بعد ہوتی ہے۔

واقعات عالم اسلام میں حادثہ تتار بہت ہی سخت گزرا ہے جس کی نسبت طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے:۔

لما کانت سنة ست عشرة و ستمائة کان فیها ظهور جنگیز خان و جنوده و عبورهم نهر جیحون وهی الواقعة التی ما سطر مثلها المورخون والمصیبة التی ما عاینها الاولون والداهیة التی ما خطرت ببال والکائنة التی تکاد ترجف عندها الجبال اجمع الناس علی ان العالم منذ خلق الله تعالیٰ آدم الیٰ زماننا لم یبتلوا بمثلها وان ما فعله بخت نصر ببنی اسرائیل من القتل و تخریب بیت المقدس یقصر عن فعلها۔

چنگیز خاں کا ظہور ۶۱۶ھ میں ہوا۔ اس کا دور دورہ اور اس کے جنود کی قتل و غارت نہر جیحوں سے ان کا عبور ایسے درد انگیز واقعات ہیں کہ عالم میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ بلاشبہ یہ ایسا واقعہ تھا کہ تاریخی صفحات میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ یہ ایسی مصیبت تھی کہ اگلے زمانہ کے لوگوں کی آنکھوں نے اس کو نہیں دیکھا۔ یہ وہ حادثۂ عظیم تھا کہ پہلے کسی کے دل میں ایسے مظالم کا خطرہ و وسوسہ بھی نہ گزرا تھا۔ یہ وہ بلائے بے درماں تھی کہ اس کے ذکر سے پہاڑوں کو کپکپی ہوتی ہے۔ اہلِ عالم کا اتفاق ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا یعنی پیدائش آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چنگیز خاں کے زمانہ تک بنی اسرائیل کسی ایسی مصیبت میں مبتلا نہیں کئے گئے۔ بخت نصر نے جو مظالم بنی اسرائیل پر ڈھائے تھے۔ اُن کو قتل کیا تھا۔ ان کے بلاد کو غارت کیا تھا بیت المقدس کی تخریب کی تھی۔ یہ سب کچھ چنگیز خانی مظالم کے سامنے ہیچ تھا۔

قال الحافظ عزالدين ابو الحسن علی بن محمد بن الاثیر وما البیت المقدس بالنسبة الی ما خرب هؤلاء الملاعین من البلاد التی کل مدینة منها اضعاف البیت المقدس وما بنو اسرائیل بالنسبة الی ما قتلوا فکل اهل مدینة واحدة ممن قتلوا اضعاف من بنی اسرائیل و لعل الخلق لا یرون مثل هذه الحادثة الی ان ینقرض العالم وتفنی الدنیا الا یاجوج وماجوج واما الدجال فانه یبقی علی من اتبعه ویهلك من خالفه وهؤلاء لم یبقوا علی احد بل قتلوا النساء والرجال والاطفال وشقوا بطون الحوامل وقتلوا الاجنة فانا لله وانا الیه راجعون

حافظ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن اثیر نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کو ان بلاد سے کیا نسبت ہے جن کو ان ملاعین چنگیز خانیوں نے تباہ و برباد کیا ہے۔ ان بلاد میں کا ایک ایک شہر بیت المقدس سے کئی گنا بڑا تھا اور مقتولین بنی اسرائیل کو ان ملاعین کے مقتولین سے کیا نسبت ہے اس لئے کہ ملاعین نے ایک ایک شہر میں بنی اسرائیل سے اضعاف مضاعف قتل کئے ہیں۔ غالباً اہل عالم ایسا شدید کوئی حادثہ انقراض عالم تک نہ دیکھیں گے۔ ہاں یاجوج وماجوج کا واقعہ اس سے اشد ہوگا۔ رہا خروج دجال گو وہ بھی ایک سخت تر حوادث امت میں سے ہے مگر بعض اعتبارات سے وہ فتنہ چنگیز خاں سے کم ہے۔ کیونکہ دجال اپنے اتباع پر رحم کرے گا۔ اور مخالفین کو ہلاک کرے گا۔ اور چنگیز خاں کے پنجۂ ظلم سے کسی نے نجات نہ پائی۔ مردوں کو تو قتل کیا ہی ان کے ساتھ بے گناہ عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی نہ چھوڑا اس پر بھی بس نہ کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے ان کی عصمت دری کی اور ماں کے پیٹ کے نکلے ہوئے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہی وہ سیلاب تھا جس نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت سلطنت خراسان کو ایسا تباہ کر دیا کہ اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ دار الخلافہ بغداد کو بے چراغ کرنے کے ساتھ خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا اور اسی طرح یکے بعد دیگرے اکثر بلاد اسلام کا حال ہوا۔ اور سوائے سلطنتِ مصر، ایشیاء کوچک، ہندوستان، افغانستان اور مغرب کی سلطنتوں کے ایشیاء کی بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد ہوگئیں لیکن اس تمحیص و امتحان کے بعد اسلام کی روحانی طاقت کا ظہور ہوا۔ مصر کی چھوٹی سی سلطنت پر تتار کے دانت تھے اور وہ ہر وقت اس کی طرف تیز نظر سے دیکھتے رہتے تھے۔ سلطنت مصر ہر وقت خطرہ میں تھی۔ بالآخر سلطانِ مصر جو اپنے بھائی سے برسر پیکار رہنے کی جنگی تیاریوں میں مشغول تھا حضرت سلطان العلماء عزالدین ابن عبد السلام رحمۃ اللہ کی مداخلت اور فہمائش سے مقابلہ تتار کے لئے آمادہ

ہو گیا۔ بادشاہ مصر حضرت سلطان العلماء کی فہمائش سے مقابلہ تتار کے لئے آمادہ تو ہو گیا مگر تتار کا رعب اس درجہ غالب تھا کہ عسکر سلطانی ان کے ساتھ معرکہ آرائی کی ہمت نہ کرتا تھا۔ بادشاہ یہ حالت دیکھ کر متردد تھا مگر حضرت سلطان العلماء نے ہمت بندھوائی اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر فتح کا ضامن ہوتا ہوں۔ یہ سُن کر بادشاہ مستعد ہو گیا۔ مگر اُس نے سلطان العلماء سے مشورہ کیا کہ مصارف کے لئے روپیہ کی بہت ضرورت ہے۔ خزانہ سرکاری میں اس قدر روپیہ نہیں ہے۔ آپ اجازت دیں تو تجار سے بطور قرض لے لیا جاوے۔ حضرت سلطان العلماء نے فرمایا کہ اول بادشاہ اپنا اور اپنی بیگمات اور امراء سلطانی کا زر و جواہر بیت المال میں داخل کریں۔ اس کے بعد اگر ضرورت رہے گی تو تجار سے لیا جائے گا۔ اس پر سلطان اور امراء سلطانی نے اپنا مال و متاع لاکر حاضر کر دیا۔ اس کے بعد معرکہ قتال گرم ہوا۔ تتار کو شکست ہوئی اور اُن کی بڑھتی ہوئی ترقی مسدود ہو گئی۔ تتار کی فرعونیت نخوت و غرور اور ان کو اپنی طاقت پر گھمنڈ اس قدر تھا کہ جب ہلاکو دمشق کو برباد کرنے کے لئے پہنچا ہے تو اس نے اہلِ دمشق کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا ہے:-

اما بعد فنحن جنود الله بنا ینتقم
ممن عتی وتجبر وطغی وتکبر و
نحن قد اهلکنا البلاد وابدنا العباد
وقتلنا النساء والاولاد فایها الباقون
انتم بمن مضے لاحقون وایها
الغافلون انتم الیهم تساقون
ونحن جیوش المهلکة لاجیوش
المملکة مقصودنا الانتقام وملکنا
لایرام ونزیلنا لایضام وعدلنا فی
ملکنا قد اشتهر ومن سیوفنا این
المفر ولا مفر لها رب ولنا
السلطان الثری والسماء ذلت
لهیبتنا الاسود واصبحت فی قبضتنا
الامراء والخلفاء ونحن الیکم

اما بعد ہم اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے اپنے سرکش جابر نافرمان متکبر بندوں سے انتقام لیتا ہے۔ دیکھو ہم نے بکثرت بلاد کو ہلاک کیا بے شمار بندگانِ خدا کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس پر بھی بس نہ کیا ناچار عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی مردوں کی آغوش میں سلا دیا۔ اے باقی ماندہ لوگو تردد نہ کرو تم بھی اپنے مقتولین اعزاء سے عنقریب ملنے والے ہو۔ اے غفلت شعار و شک نہ کرو۔ تم بھی ان ہی کی طرف کھینچے جاؤ گے خوب یاد رکھو ہم جیوشِ ہلاکت ہیں ہم جیوشِ مملکت نہیں ہیں ہمارا مقصود صرف انتقام و ایذا رسانی ہی ہے۔ ہماری شوکت کی وجہ سے ہمارے ملک پر کوئی چڑھائی نہیں کر سکتا۔ کوئی ہمارے ملک کی طرف رُخ نہیں کر سکتا۔ ہماری سطوت کا یہ حال ہے کہ جو ہماری پناہ میں آ گیا اس پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا۔ ہماری عدالت ہمارے ملک میں مشہور ہے اور ہماری تیز تلواروں سے کسی کو مفر نہیں ہے اور کوئی اُن

صاغرون و لتعلم الحروب وعلينا الطلب — کی دمار سے بچ کر بھاگ نہیں سکتا۔ بحر و بر میں ہمارا ہی قبضہ ہے۔ ہماری ہی ہیبت سے بڑے بڑے بہادر ہمارے سامنے ذلیل ہیں دنیا کے امراء و خلفاء ہمارے قبضۂ اقتدار میں ہیں۔ اب ہم تمہاری طرف پھرنے والے ہیں تم یقیناً بھاگوگے اور مقابلہ کی تاب نہ لاسکوگے اور ہم یقیناً تمہارا تعاقب کریں گے۔

ستعلم لیلی ای دین تداینت — جو معاملہ تم نے کیا ہے اس کی حقیقت تم کو معلوم ہو جائے گی

وای غریم للتقاضی غریمھا — اور تم جان لوگے کہ کوئی زبردست قرضخواہ تم سے تقاضا کرنے آیا ہے۔

شاہ مصر کا ایک ایسی قوم کے مقابلہ سے خائف ہونا جس کے غرور و نخوت اور طاقت کا یہ حال ہو اور جس نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں اور دار الخلافہ کو برباد کیا ہو بالکل صحیح تھا۔ مگر اسلام کی روحانی طاقت غالب آئی اور تتار کی ساری نخوت خاک میں مل گئی۔

دوسری جانب اسلام کی روحانی کشش نے قوم تتار کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ شاہ تتار شیخ شمس الدین باخرزی خلیفہ حضرت نجم الدین کبری رح کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہوا اور وہاں سے اسلام کی حلاوت اپنے دل میں لے کر اٹھا۔ اور اس طرح قوم تتار جو اسلام اور مسلمانوں کی سخت ترین دشمن تھی اسلام کی خادم اور محافظین گئی۔

صلیبی جنگوں میں جو سو برس سے زیادہ عرصہ تک مسلسل جاری رہیں اور جن میں یورپ نے اپنی مجتمع قوت اور تمام مادی سامانوں کو صرف کر ڈالا اور ایک حد تک کامیاب ہو کر بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے۔ سلطان نور الدین اور صلاح الدین کی مساعی نے انکی تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ بیت المقدس کو واپس لے لیا اور باوجود لگاتار کوششوں کے دوبارہ مسیحی قبضہ اُس پر نہ ہو سکا اور بالآخر یورپ کو سخت ندامت کے ساتھ ان جنگوں سے دست کش ہو کر بیٹھ جانا پڑا۔

ایشیا اور یورپ کی روحانیت کا توازن۔

واقعہ تتار اور حروب صلیبی سے ہم کو اس فرق کا پتہ چلتا ہے جو ایشیا اور یورپ میں باعتبار روحانیت اور قبول حق کے ہے۔ قوم تتار غالب اور فاتح تھی لیکن مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کا اثر اُن پر یہ ہوا کہ قوم کی قوم نے اسلام قبول کر لیا اور سلطنتِ کفر منقلب ہو کر سلطنت اسلام بن گئی۔ مگر یورپ نے مسلمانوں سے سب کچھ سیکھا۔ یورپ کی تہذیب و تمدن اور ترقی علوم و فنون کی بنیاد مسلمانوں کے ساتھ اختلاط اور ان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے سے پڑی مگر مادیات کا غلبہ اس قدر تھا کہ یورپ نے من حیث القوم

حق کو قبول نہ کیا بلکہ جس قدر اسلام کے محاسن سے زیادہ واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کا عناد و تعصب روبہ ترقی ہوتا گیا اور جوں جوں مادہ پرستی میں غرق ہوتے گئے اسی طرح ان کا قدم اسلام سے (جو روحانیت اور خدا پرستی کا مکمل پیکر ہے) دور پڑتا گیا۔

محاربۂ عظمیٰ اور اسلام کا اعجاز۔

حادثۂ تتار میں جو مصیبت مسلمانوں پر، اسلامی سلطنتوں پر، خلافت اور خلیفہ پر نازل ہوئی تھی ایسی مصیبت دُنیا میں کسی قوم پر نہیں آئی۔ اسی لئے اس کو تاریخ عالم میں سب سے زیادہ مصیبت ناک حادثہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے حق میں محاربۂ عظمیٰ یعنی جنگ اتحاد و ائتلاف بچند وجوہ اس سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی ایک ہی سلطنت باقی رہ گئی تھی جو غیر مسلم اور بالخصوص مسیحی سلطنتوں کی مقاومت اور ممالکِ اسلامیہ و حرمین شریفین کی محافظت کرتی تھی۔ اس محاربہ کے اختتام پر دول اتحاد کی متفقہ سعی سے اس کو پارہ پارہ کر دیا گیا اور اس کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ کبھی دول یورپ کی قید سے نکل کر آزادی کی فضا میں سانس لے سکے۔ سلطنت ترکی کے خاتمہ سے مسلمانوں کی تمام اُمیدیں جو اسلامی سلطنت سے وابستہ تھیں خاک میں مل گئیں اور بظاہر اسباب اب کوئی صورت اُس کے اُبھرنے کی نہ تھی۔ دول متحدہ نے معاہدۂ سیورے [TREATY OF SEVRES] کی بندشوں میں جکڑنے کے ساتھ ساتھ وحشی یونان کو اُن پر مسلط کر دیا تھا۔

مگر اس مایوسی کی حالت میں اسی ترکی سلطنت کی خاکستر سے ایک چنگاری ظاہر ہوئی اور اُن ہی تیرہ و تاریک گھٹاؤں کے ہجوم میں ایک بجلی چمکی جس نے دول متحدہ کی تمام تر اُمیدوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اور سلطنتِ ترکی اپنے مزمن امراض سے نجات حاصل کر کے ماشاء اللہ از سرِ نو ایک طاقت ور سلطنت بن گئی۔ جب کہ اتحادیوں نے دار الخلافت پر قبضہ کر کے سلطان کو مثل ایک اسیر کے بنا دیا تھا اور جب کہ ترکی کے لئے وہ ذلت آمیز معاہدہ لکھ کر وزراء سلطانی کے دستخط کرائے گئے تھے جس کو کوئی غیور اور شریف قبول نہیں کر سکتا۔

اس وقت اسلام کا معجزہ مصطفےٰ کمال کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مصطفےٰ کمال کو اتحادی خلافت سے باغی کا لقب دیا گیا تھا۔ اس کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی تھی۔ قسطنطنیہ سے اس کے مقابلہ کے لئے مجبور خلیفہ کے نام پر مسلمانوں کا لشکر بھیجا گیا تھا۔ یونانیوں نے اس پر لشکر کشی کی تھی اور اناطولیہ و سمرنا میں سخت مظالم کئے تھے مگر وہ شیر مرد سب پر غالب آتا رہا۔ ایک وقت وہ تھا کہ متحدین مجلس ملیہ گورنمنٹ انگورہ

کو تسلیم ہی نہ کرتے تھے۔ پیرس کی کانفرنس [PARIS CONFERENCE] میں گورنمنٹ انگورہ کو دعوت ہی نہ دی گئی تھی۔ انگورہ کے نمائندہ سے وزیر خارجہ انگلستان نے ملاقات، سے انکار کر دیا تھا۔

مگر آج وہی گورنمنٹ انگورہ ایک مستقل گورنمنٹ شمار ہونے لگی اور اتحادیوں کا سب سے زیادہ متکبر اور مغرور سر اُن کے سامنے نیچا ہونے لگا اور بحمد اللہ اب سلطنت ترکی حقیقی معنوں میں باسطوت و جبروت سلطنت بن گئی۔ کیا یہ اسلام کا کھلا اعجاز نہیں ہے اور کیا مغرب کے ملحدوں کے لئے اس میں کوئی درسِ عبرت نہیں کہ نورِ الٰہی کے جس روشن چراغ کو انہوں نے اپنی طاقتوں اور سامانوں کی آندھیوں سے بجھانا چاہا تھا اسی نے آج اُن کی ناپاک اُمیدوں اور نیتوں کے خرمن میں آگ لگا رکھی ہے۔

یاد رکھو کہ آج خدائے قدوس اپنی عظیم قدرت اور دین متین کی عظمت کے کھلے کھلے نشان دکھلا رہا ہے اور اس کے قہر و غضب کی کڑک اور گرج بھی دُور سے سنائی دے رہی ہے تاکہ مجرم اپنے تمرد و طغیان سے باز آجائیں اور غافل سونے والے خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تک ظالموں اور مجرموں کی توبہ کا وقت نہیں آیا۔ وہ خدا کے حکم امتحان اور اس کی سخت سزا کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی سلطنتوں کی بے انتہا وسعت اور وسائل کی بے حد فراوانی پر نازاں ہیں لیکن ان کو خدا کی یہ عادت معلوم نہیں کہ :-

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ٥ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ط وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥
(وَاِذَا سَمِعُوا ع)

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا۔ پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے پھر (اس عذاب سے) ظالم (کافر) لوگوں کی جڑ (تک) کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

حکومت روس کا انقلاب اسلام کے حق میں۔

ماضی قریب کے چند ہی سالوں میں دنیا نے اس قدر جلد پلٹا کھایا ہے۔ اور ہم سب کو ایسے محیر العقول مناظر دیکھنے کی نوبت آئی ہے جو ایک عقلمند اور عاقبت اندیش آدمی کو سبق دینے کے لئے کافی ہے۔ کون یقین کر سکتا تھا کہ روس کی شخصی حکومت کے خون سے ایسی حکومت کی آبیاری ہوگی جو تمام مظلوم اقوام کی حمایت اور عالم اسلامی کی تقویت اور نئی ترکی کی دوستی

ہیں سب سے زیادہ مؤثر اور طاقتور آواز بلند کرے گی۔

اگر یہ عجیب بات ہے کہ ملک فرانس اور اٹلی، انگورہ گورنمنٹ کے لئے عین اُس وقت ہر قسم کا سامانِ حرب بہم پہنچا رہے تھے جب کہ ترکان احرار بزدل یونانیوں کو ہزیمت اور بڑے بڑے رُعب و اقتدار کو دھمکی دے رہے تھے تو کیا اس سے کہیں زیادہ یہ امر حیرت انگیز نہیں کہ لوزان کانفرنس [LAUSANNE CONFERENCE] میں ترکی اقتدار کے تحفظ و حمایت میں غازی عصمت پاشا سے بھی دو قدم آگے موسیو چچرن مستانہ نعرے لگا رہا ہے۔

اربابِ بصیرت و دانش کے لئے روس کے موجودہ حالات و واقعات پر غور کرنے کا موقع ہے کہ کس طرح ترکی کے حریفوں کے ہاتھ سے وہ مہرہ نکل گیا ہے جو یورپ کی بساطِ سیاست پر ترکی کے مقابلہ پر سب سے زیادہ زبردست مہرہ تھا۔ اس کا سبب بظاہر یہی ہے کہ ترکی اور روس دونوں زخم خوردہ اور ستم رسیدہ ہیں مظلومیت نے دونوں کو متحد کر دیا ہے اور مصائب نے دونوں کو اپنے نفع و ضرر سے آگاہ کر دیا ہے۔ کچھ ان ہی دونوں پر موقوف نہیں بلکہ مشرق کی تمام مظلوم قومیں جو مغربی سرمایہ داروں کی ہوس ملک گیری اور جور و تعدی سے تنگ آگئی ہیں متفقہ طور پر چیخ اٹھی ہیں۔ ایشیا کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک ایک خاص حرکت پائی جاتی ہے جو عظیم تلاطم کی خبر دے رہی ہے۔

عالمِ اسلامی اپنی پُرانی روایات کی طرف عود کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اخوۃ اسلامی کا بھولا ہوا سبق یاد کیا جا رہا ہے اور یورپ اس کا نام پان اسلام ازم رکھ لے یا اور کچھ مگر جیسا کہ امیر غازی امان اللہ خاں ایدہ اللہ بنصرہ نے اس معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے جو دولت انگورہ اور دولتِ افغانستان کے مابین ہوا ہے تحریر فرمایا ہے۔ شرق و غرب کے مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا اسلام کی سب سے زیادہ صاف اور بدیہی تعلیم ہے۔

غازی انور پاشا کا ذکرِ مبارک۔ سخت ناشکری ہوگی اگر میں اس موقع پر اخوۃ اسلامیہ کے سب سے بڑے مجدد غازی انور پاشا کا ذکر خیر نہ کروں جو آج اتحادِ اسلامی کی آہنی زنجیر کی کڑیوں کے جوڑنے والے اور پھٹے ہوئے پیراہن اسلامی کے بہترین رفو کرنے والے ہیں۔ خدا اُن کی مدد فرمائے۔ اُنہوں نے کئی مرتبہ مر مر کر عالم اسلامی کو زندہ کیا۔ صلح و جنگ کے ہر ایک ممکن طریق سے ترکستان کی آزادی تسلیم کرائی اور اس طرح اتحاد مسلمین کے اس بڑے رخنہ کو بند کیا جو بغیر ترکستان کی آزادی کے بند

نہ ہو سکتا تھا۔

امیر غازی امان اللہ خاں کا ذکرِ مسعود اور دُعاء۔ لیکن کہنا پڑتا ہے کہ غازی موصوف کی یہ سب کوششیں جو مسلمانوں کے برادرانہ تعلقات کے احیاء کے لئے ہیں ناتمام اور غیر مکمل رہتیں اگر ان میں امیر غازی امان اللہ خاں ایدہ اللہ کی گرانقدر سعی اور توجہ کا عنصر شامل نہ ہوتا۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ کافۂ مسلمین سلطنتِ ترکی کے ساتھ اس درویش بادشاہ کے دوام و استحکامِ سلطنت کی بھی دُعا کریں۔ جس کو لوگوں نے بلحاظ اس کے ایثار، تواضع، حبِ اسلام و مسلمین اور احیاءِ سنن اسلامیہ کے اس زمانہ کے عمر بن عبد العزیز کا خطاب دیا ہے۔ اور جس کی نسبت میں مولانا جامی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر صرف تصرف اسمی کے ساتھ پڑھ دینا کافی سمجھتا ہوں جو مولانا نے اپنے شیخ خواجہ عبید اللہ احرار کے متعلق لکھا ہے۔ یعنی

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد ز تدبیر عبید اللّٰہی آمد

میں اس کو یوں پڑھتا ہوں

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد ز تدبیر امان اللّٰہی آمد

اسلام و مسیحیت کا مقابلہ۔ اجلاس جمعیۃ علماء سیوہارہ ضلع بجنور منعقدہ ماہ فروری ۱۹۲۱ء کے خطبۂ صدارت میں (یہ خطبہ طبع نہیں ہوا) میں نے دکھلایا تھا کہ اسلام کو ابتداء ظہور سے اگرچہ بڑے بڑے دشمنوں کے ساتھ سابقہ پڑا تھا۔ مشرکینِ عرب، یہود، مجوس، نصاریٰ سب ہی اسلام کے دشمن تھے اور ہر ایک فرقہ نے اسلام کے مٹانے، مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوئی امکانی سعی اُٹھا نہ رکھی تھی مگر ہر ایک کی عداوت کا زور شور ایک وقت محدود تک قائم رہا اور پھر وہ عداوت مبدل بہ محبت ہوگئی یا اعداء کی قوت و شوکت ٹوٹ کر مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی۔ مشرکینِ عرب اپنی ساری کوششیں صرف کر چکے اور انجام کار وہی عرب کے مشرک اسلام میں داخل ہو کر خادمِ دین بن گئے اور عداوت کی جگہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزیں ہوگئی۔

یہود اپنی تمام تر طاقت اور حیلوں کو صرف کر کے بالآخر مقابلہ سے عاجز آگئے۔

دنیا کی عظیم ترین طاقت یعنی سلطنتِ کسریٰ کے مٹ جانے سے مجوس کا مقابلہ بھی ختم ہوگیا مگر جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا۔

فارس نطحة او نطحتان ثم لا فارس بعد هذا ابدا والروم ذات القرون كلما هلك قرن خلفه قرن

(فارس ایک ٹکر یا دو ٹکر کا ہے۔ پھر اس کے بعد ملک فارس کا وجود قیامت تک نہ رہے گا۔ البتہ روم صاحب قرن ہے۔ ایک قرن ہلاک ہو جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا قرن قائم ہو جائے گا (مراد یہ ہے کہ ان سے مقابلہ کا سلسلہ جاری رہے گا)

صرف قوم نصاریٰ اور ان میں سے بھی یورپ کے نصاریٰ کا مقابلہ اسلام سے دائمی رہا اور ہے اور اس لئے یہ کہنا کہ اسلام کے اصلی اور حقیقی دشمن عیسائی ہیں بالکل صحیح ہے۔ اسلام کی چودہ صدیوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو اس عرصہ میں جس قدر لڑائیاں غیر مذہب والوں سے لڑنی پڑی ہیں ان میں زیادہ تر حصہ مسیحی سلطنتوں کا ہے۔

خطبۂ صدارت سیوہارہ میں دعوی مذکور کو واقعات سے ثابت کیا گیا تھا جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں اس موقعہ پر اس دعوی کو اس قدر اختصار کے ساتھ ذکر کی وجہ بھی ایک تو یہ ہے کہ واقعات مابعد نے اس مضمون کو اور بھی زیادہ مدلل و مبرہن کر دیا ہے۔

تمام دُنیا نے دیکھ لیا کہ عیسائی سلطنتیں ترکوں کے مٹانے کے لئے کسی ذلیل سے ذلیل کوشش سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ اس معاملہ میں قانونِ انصاف، تہذیب و تمدن، ہمدردی انسانی، اقرار و معاہدے سب بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں اور ایک ہی مقصود پیشِ نظر رہتا ہے کہ اسلام کو اور اسلام کی شوکت و قوة کو مٹا دیا جائے۔ لیکن

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ۔۔۔ کسے کو تف زند ریشش بسوزد

ترکوں اور ترکی سلطنت کی خدمات کا اعتراف

دوسرے یہ کہ اقوام عالم میں جس طرح اسلام کی سب سے بڑی دشمن مسیحی طاقتیں ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کے بعد سلاطین اسلام میں سے اسلام کے سب سے زیادہ خدمت گزار اور محافظ دین قوم ترک اور سلطنت ترکی ہے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام میں مختلف خاندان حکمراں رہے۔ ہر ایک خاندان میں بڑے بڑے اولو العزم خلیفہ اور سلاطین پیدا ہوئے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے بلادِ اسلامیہ کی توسیع، حدودِ اسلامیہ

؎ قرن کے معنے سینگ کے بھی ہیں اور قرن ایک مقررہ زمانہ کو بھی کہتے ہیں مثلاً سو برس یا دس برس یا بیس برس یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

سے مدافعت اور قیام بمصالح مسلمین کو پوری شان و شوکت سے ادا کیا ہے لیکن جس قدر طویل زمانہ تک سلطنت ترکی نے اسلامی خدمات انجام دی ہیں کسی خاندان یا کسی قوم کو نصیب نہیں ہوئیں۔

بنی امیہ کی خلافت کا زمانہ سو سال سے بھی کم ہے۔ بنی عباس کی خلافت بغداد اگرچہ پانچسو برس سے زیادہ قائم رہی لیکن خلافت کی شان و شوکت کا اقتدار و تسلط کم و بیش سو سال ہی رہا۔

اس کے بعد خلیفہ ایک مجبور محض ہستی تھی اور سوائے خلافت کے نام کے اُس کے پاس کچھ نہ رہا تھا۔ حکمرانی اور انتظامِ عالم کے جملہ اختیارات ملوک نواحی کو حاصل تھے جن میں سے ہر ایک خود مختار بادشاہ تھا جن کو خلیفہ کے یہاں سے اختیارات تفویض کئے جاتے تھے لیکن یہ تفویض کرنا بھی اختیاری نہ تھا بلکہ اس پر مجبور تھے۔

اسی طرح آپ فرداً فرداً خلفاء اندلس، ملوک سلجوقیہ، دیلمیہ، سامانیہ، ایوبیہ، صلاحیہ، تیموریہ، غزنویہ، چرکسیہ وغیرہ پر نظر ڈالئے۔ کسی خاندان میں اس قدر طویل مدت تک سلطنت نہیں رہی جس قدر ترکی آلِ عثمان میں۔

اس وقت تک سلطنتِ عثمانیہ کو بعون اللہ وصونہ ۶۴۲ سال گزر چکے ہیں۔ کیونکہ سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد ۶۹۹ھ میں پڑی ہے۔

طویل مدت کے علاوہ سلطنتِ عثمانیہ کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ خلفاء اور سلاطینِ اسلام کے تمام خاندانوں کو فرداً فرداً دیکھئے۔ ہر ایک خاندان میں ایک دو یا زیادہ سے زیادہ تین چار بادشاہ ایسے نکلیں گے جن کو با اقتدار و با اختیار بادشاہ کہا جائے اور وہ بھی ہر ایک خاندان کے ابتداء نشو و نما کے زمانے میں ہوئے ہیں لیکن سلطنتِ عثمانیہ کے زمانہ کو دیکھئے۔ اُن میں اس طویل زمانہ ۶۴۲ میں ہر صدی کے اندر بڑے بڑے اولوالعزم سلاطین ہوتے رہے۔

ان ہی کثیر التعداد با سطوت سلاطین میں سے عثمان بانی سلطنت۔ ارل خاں، مراد خاں اوّل، مراد خاں ثانی، سلیمان اعظم، سلیم، بایزید یلدرم، محمد خاں فاتح اور اسی طرح کے بہت سے زبردست سلطان ہوئے ہیں۔ یہ بھی اسی خاندان کی خصوصیات میں سے ہے۔

کہ سلطان مراد خاں جیسا زبردست سلطان تخت و سلطنت کو ولیعہد کے حوالہ کر کے خود کنج عزلت میں یادِ الٰہی کے لئے بیٹھ جاتا ہے۔

مگر جب دول یورپ ولیعہد کو نو عمر اور ناتجربہ کار سمجھ کر حملہ کرتی ہیں تو سلطان پھر اپنے کنج عزلت

سے نکل کر تخت سلطنت پر نمودار ہو جاتا ہے اور دشمنانِ اسلام کو شکست دے کر پھر کنج عزلت میں یادِ الٰہی کے اندر مشغول ہو جاتا ہے۔

تاریخ دنیا میں یہ بھی اسی خاندان کا امتیاز ہے کہ سلطان محمد خاں فاتح نے خشکی میں جہاز چلائے اور قسطنطنیہ کا بحری و بری محاصرہ کرکے اس کو فتح کیا۔

اسی واقعہ کو میں نے اپنے قصیدہ لامیہ میں (جو محاربہ عظمیٰ میں ترکوں کی شکست کے بعد عین حالت یاس والم میں لکھا تھا) ان اشعار میں نظم کیا ہے:-

واجرينا المراكب فی البرارى
تری الکثبان یمخرها الفئال
وقسطنطنية لما فتحنا
جدعنها الاسا قفة الثقال
وعمّرت الجوامع والمصلى
واعليت المنائر والهلال

ہم نے جہازوں کو میدانوں میں چلا دیا۔ وہ جہاز ریتے کے ٹیلوں کو اس طرح چیرتے ہوئے جاتے تھے کہ گویا بچے فئال کھیل رہے ہیں ہم نے جب قسطنطنیہ کو فتح کیا تو بڑے بڑے پادری وہاں سے رخصت ہو گئے اور وہاں جامع مسجدیں اور عیدگاہیں تعمیر کر دی گئیں اور منارے اور ہلال بلند کر دیے گئے۔

ترکوں پر اعتراض اور اس کا جواب۔

بہت سے لوگ ترکوں سے ناراض ہیں اور وہ ان کو کسی ہمدردی کا مستحق نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ترکوں میں بد دینی آگئی۔ نصرانیت سرایت کر گئی۔ یورپ کے مقلد ہو گئے۔ معاشرت و تمدن میں یورپین بن گئے۔ انتظام سلطنت کے قابل نہیں رہے اسلامی اصول کو ترک کر دیا وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اسی قسم کے بہت سے عیوب ان میں بتائے جاتے ہیں اور بعض بعض مسلمان تو ترکوں کی عیب جوئی میں اس قدر منہمک رہتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں نصرانی سلطنتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض تو یہاں تک بڑھ گئے کہ انھوں نے اپنے نزدیک ترکوں کو اسلام سے بھی خارج کر دیا۔ معاذ اللہ۔

میں اس کو تسلیم کروں گا کہ ترکوں میں انسانی کمزوریاں ہیں اور وہ کونسی قوم ہے جو اس قسم کی کمزوریوں سے خالی ہے۔

ع مٹی کے ڈھیر میں کوئی شے چھپا دی جاتی ہے اور لڑکے دو فریق بن کر اس ڈھیر کے دو حصے کر دیتے ہیں جس کے حصہ میں وہ شے نکل آئے وہ غالب سمجھا جاتا ہے۔ اس کھیل کا نام فئال ہے۔ اس شعر میں جہازوں کے میدانوں میں چلنے اور ٹیلوں کے دو حصے کر دینے کو فئال سے تشبیہ دی گئی ہے۔

موازنہ کیا جائے تو ہر ایک خاندانِ حکومت میں اس سے زیادہ کمزوریاں نکلیں گی۔

مجھے اس کے تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں کہ یورپ کے قرب اور اُن کے اختلاط اور یورپین سلطنتوں کے آئے دن کی مداخلت سے کچھ خرابیاں پیدا ہوئیں اور انہیں خرابیوں کا خمیازہ ترکوں نے ایسا بھگتا کہ ایک دم مٹا دیئے گئے اور اس کے بعد اُن کو حیات تازہ بخشی گئی۔

لیکن میں ان معترضین سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ترکی اور سلطنت ترکی کی سرفروشیاں اُن کی تمام اسلامی خدمات محو کر دی جائیں گی۔ اُن کے تمام احسانات بھلا دیئے جائیں گے۔ ترکوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم بتلائی جائے گی جس نے اسلام کی عزت و شان کو برقرار رکھا ہو۔ جس نے صدیوں مسیحیت کے مقابلہ میں اسلام کو ترقی دی ہو اور کیا اب کوئی دوسری قوم ہے جو ترکوں کی نیابت کر سکتی ہے۔

اعلائے کلمۃ اللہ اور محافظت حدود اسلام اور دفاع عن الثغور کے لئے جہاد فرض ہے۔ کلام الٰہی اور حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بے شمار ارشادات جہاد کی فرضیت اُس کی فضیلت مجاہدین کے اجر و ثواب کی موجود ہیں جن میں سے چند احادیث اس موقع پر نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) ذروۃ سنامہ الجہاد	اسلام کے کوہان کی بلندی جہاد ہے
(۲) رباط یوم ولیلۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیہا	ایک دن اور ایک رات چوکیداری جہاد میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔
(۳) للغازی اجرہٗ وللجاعل اجرہٗ واجر الغازی	غازی کو اس کے جہاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو غازی کے لئے سامانِ جہاد مہیا کرے اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے اپنا بھی اور غازی کا بھی۔
(۴) من لقی اللہ بغیر اثر من جہاد لقی اللہ وفیہ ثلمۃ	جو مسلمان اللہ تعالےٰ سے ملے اور اس میں جہاد کا کچھ بھی اثر نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے اسلام میں رخنہ ہوگا۔
(۵) لن یبرح ہٰذا الدین قائمًا یقاتل علیہ عصابۃ من المسلمین حتی تقوم الساعۃ	یہ دین ہمیشہ قائم اور برقرار رہے گا اور ایک جماعت مسلمانوں کی برابر جہاد کرتی رہے گی قیامت تک۔
(۶) من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃٍ من نفاق	جو شخص مر گیا اور اس نے جہاد نہ کیا اور جہاد کے خیال میں بھی نہیں رہا تو وہ گویا بحالت نفاق کے مرا۔

(۷) لا ہجرۃ بعد الفتح لکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فانفروا	مکہ فتح ہو جانے کے بعد مکہ سے ہجرت فرض نہ رہی ہاں جہاد اور نیک کام کی نیت برابر باقی رہے گی جب تم جہاد کی طرف بلائے جاؤ تو فوراً عازم جہاد ہو جاؤ
(۸) من لم یغز ولم یجہز غازیاً او یخلف غازیاً فی اھلہ بخیر اصابہ اللہ بقارعۃ قبل یوم القیامۃ	جس شخص نے جہاد نہ کیا اور نہ مجاہدوں کے لئے سامانِ جہاد مہیا کیا اور نہ مجاہدوں کی غیبت میں ان کے بیوی بچوں کی خبر گیری بھلائی کے ساتھ کی تو اس کی قیامت سے پہلے اس کی زندگی میں ضرور کسی سخت مصیبت کا سامنا ہوگا
(۹) لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین علی من ناواھم حتی یقاتل اٰخرھم المسیح الدجال	میری امت میں سے ایک طائفہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اور اپنے دشمنوں پر غالب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ ان کا پچھلا شخص دجال کو قتل کرے گا۔

ارشادات مذکورہ بالا سے صاف اور صریح طور پر جہاد کی فرضیت ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ضرورت کے وقت ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جہاد کرے یا مجاہد کی امداد کرے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور مسلمانوں کا ایک طائفہ دین کو قائم رکھنے کے لئے برابر جہاد کرتا رہے گا۔

ان مضامین کو معلوم کر لینے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ سوا ترکوں کے دنیا میں کونسی جماعت ایسی ہے جو اقامتِ دین کے لئے جہاد میں مشغول ہے۔ ترک ہی ہیں کہ صدیوں سے تنہا اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں اور ہر وقت گویا مرابط فی سبیل اللہ ہیں۔

یورپ کی تقلید میں اگر ان سے کچھ غلطیاں در بارہ دین و قوانین اسلام صادر ہوئی ہیں تو انہوں نے اس کا خمیازہ یورپ ہی کے ہاتھ سے بھگتا اور اس حیاتِ تازہ نے جو ان کو اس زوال کے بعد حاصل ہوئی ہے ان پر واضح کر دیا ہے کہ ان کی بہتری اسی میں ہے کہ سلطنت کو اسلامی اصول و احکام پر چلائیں۔ مجلسِ عالیہ انگورہ کے اعلانات سے برابر یہی ثابت ہو رہا ہے۔ اور وہ عنقریب ایک مجلسِ علمار کی اسی غرض کے لئے منعقد کرنے والے ہیں جس میں دیگر ممالک کے علماء بھی شریک کئے جائیں گے۔

ترکوں کی ان خدماتِ دین کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ان کی حُسنِ خدمات کا اعتراف نہ کرنا ان کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا، ان کا شکرگزار نہ ہونا سخت ظلم اور اپنی آخرت کو برباد کرنا ہے۔

ہر مسلمان پر ترکوں کے ساتھ ہمدردی اور اعانت اور اس اسلامی سلطنت کی تقویت و امداد میں جان و مال سے حصّہ لینا فرض ہے۔

جو لوگ ترکوں کی غلطیوں سے متاثر ہو کر یا اور کسی وجہ سے اس وقت اسلامی سلطنت کی امداد اور ترکوں کے ساتھ ہمدردی سے اغماض و تقاعد کرتے اور مالی یا زبانی امداد میں حصّہ نہیں لیتے وہ حدیث نمبر ۴ و ۶ و ۸ کی وعید میں داخل ہوتے اور اس کے تحت میں آتے ہیں۔

نیز جو باحمیت مسلمان اس وقت ترکوں کی امداد میں حصّہ لے رہے ہیں وہ حدیث نمبر ۳ پر عامل اور اس کے مصداق ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ غازی کو ایک اجر ملتا ہے اور جاعل کو یعنی اس کو جو کسی دوسرے کو جہاد کے لئے تیار کرے دوہرا اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو توفیق دے کہ اسلامی معاملات میں نفسانی اثرات اور خیالات سے محترز رہیں۔

غازی مصطفےٰ کمال کو خطاب "مجدّدِ خلافت"۔

اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ میں تجدیدِ دین کا سلسلہ برابر جاری رہا حسب ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم:۔

اِنّ اللہ عزّ و جلّ یبعث لھٰذہٖ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا	اللہ تعالےٰ اس اُمّت کی ہدایت کے لئے ہر صدی ایک ایسے شخص کو پیدا کرتا رہے گا جو دین کی اصلاح کرے۔

ہر صدی پر ایسے مجدّد ہوتے رہے ہیں جن کی ہمّت و مساعی سے وہ خرابیاں جو دین میں واقع ہو گئی تھیں رفع ہوتی رہیں تاریخ اسلام میں مجدّدانِ دین کی فہرست موجود ہے۔

مجدّدانِ دین دو قسم کے ہوئے ہیں۔ ایک قسم ان اکابر کی ہے جنہوں نے دین کے تمام شعبوں سے خرابیوں کو رفع کیا ہے۔ اور ایک قسم ان بزرگوں کی ہے جنہوں نے دین کے اسی خاص شعبہ سے خرابیوں کا ازالہ کیا ہے۔

تجدید کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ شریعت کا کوئی حکم مٹ چکا ہو یا کوئی سُنت متروک العمل ہو چکی ہو۔ مجدّد اس کو از سرِ نو زندہ کر کے عدم سے وجود میں لائے۔ دوسرے یہ کہ نفس حکم شرعی

یا سُنّت پر عمل تو جاری ہے مگر اس کی ہیئت و اوصاف میں تغیّر و تبدّل ہو گیا ہے۔ اوّل معنٰی کو ہم تجدید ذات سے تعبیر کرتے ہیں اور معنٰی ثانی کو تجدید صفات سے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافتِ اسلامیہ کی تجدید باعتبار معنی ثانی کے فرمائی تھی۔ خلافتِ اسلامیہ بنی امیہ کے طرزِ عمل سے جو خرابیاں واقع ہو گئی تھیں ان کو رفع کر کے خلافت کو علیٰ منہاج النبوۃ قائم فرمایا تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ کو مجدّدِ خلافت مانا گیا۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کی تجدید باعتبار المعنی الاوّل کی یعنی خلافتِ اسلامیہ کو فنا ہونے کے بعد از سرِ نو قائم فرمایا۔

میری رائے ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو اُن کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں مجدّدِ خلافت کا خطاب باعتبار معنی اوّل کے مسلمانانِ ہندوستان کی طرف سے دیا جائے اور غالباً تاریخِ اسلام میں یہ پہلا خطاب ہے جو باعتبار اس معنی کے کسی کو دیا گیا[1] (فهنيئاً له، ثم هنيئاً له)

---

[1] ملک عادل سلطان نور الدین کو بھی اس معنی کے اعتبار سے مجدد سلطنت کہا گیا ہے۔ کتاب الروضتین میں ہے۔

وعلى الحقيقة فهو الذي جدد للملوك اتباع سنة العدل والانصاف وترك المحرمات من المآكل والمشرب وغير ذلك فانهم كانوا قبل ذلك كالجاهلية همة احدهم بطنه وفرجه لا يعرف معروفاً ولا ينكر منكراً حتى جاء الله بدولته فوقف مع اوامر الشرع ونواهيه وامر بذلك اتباعه وذويه فاقتدى به غيره اھ

فی الحقیقت نور الدین ہی وہ شخص ہے جس نے سلاطین کے لئے عدل و انصاف کے طریقوں کی اتباع اور کھانے پینے وغیرہ معاملات میں محرمات شرعی کے ترک کرنے کی تجدید کی۔ ورنہ اس سے قبل ان سلاطین کا حال زمانۂ جاہلیت کا سا ہو گیا تھا کہ ان کا بڑا کام اچھے اچھے کھانے کھانا یا خواہشاتِ نفسانی کا پورا کرنا تھا۔ نہ وہ معروف کو جانتے تھے نہ منکرات شرعی کو بُرا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نور الدین کی سلطنت کو قائم فرمایا۔ اس نے اپنے آپ کو اوامر و نواہی شرع کا پابند بنا دیا۔ اور اس نے اپنے متبعین اور ساتھیوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا۔

نور الدین خلیفہ نہ تھا۔ کیونکہ خلیفہ عباسی موجود تھا۔ بلکہ منجملہ ملوک نواحی ایک بادشاہ تھا اور خلیفہ کی نیابت میں سلطنت کرتا تھا۔ اس کی سلطنت کے اندر جو خرابیاں واقع ہو گئی تھیں سلاطین و ملوک نے قوانین سلطنت اور طریقہ انصرام امور معدلت میں جس قسم کے تغیرات کر دیئے تھے اور اُن کو اصول شریعت سے بعید کر دیا تھا اسی طرح اپنے ذاتی معاملات اور اندرونی حالات میں خلاف شرع امور میں مبتلا تھے ان سب کو رفع کر کے نور الدین نے احکام شریعت کا اتباع ہر امر میں لازم قرار دے کر سلطنت کی تجدید کی۔ اور یہ تجدید بھی باعتبار معنی ثانی کے تھی جس طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجدید خلافت باعتبار معنی ثانی فرمائی تھی۔ ۱۲ منہ

مجلس ملیہ انگورہ کے احکامات ممانعتِ شراب نوشی و امتناع تجارت شراب وغیرہ کو سُن کر توقع ہوتی ہے کہ غازی موصوف کی مساعیِ جمیلہ سے خلافت اپنی اصلی و حقیقی صورت میں قائم ہو جائے گی اور اس وقت غازی موصوف کو باعتبار معنے ثانی بھی مجدد خلافت کا خطاب مسلمانوں کی طرف سے دیا جائے گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيزٍ۔

خلافت و سلطنت - محاربۂ عظمیٰ کے اختتام اور دول متحدہ کے خلافت اسلامیہ پر دست اندازی کے بعد سے اس وقت تک خلافت اسلامیہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ علماء نے اپنی تحریروں و تقریروں میں خلافت کی حقیقت اور اس کی شرائط پوری وضاحت سے بیان کر دیں اور اس وقت اس موضوع پر لکھنے کی کچھ حاجت نہ تھی۔

مگر فتح سمرنا اور ترکوں کے دوبارہ قبضہ قسطنطنیہ کے بعد سے مدبران برطانیہ نے مسلمانانِ ہند کو بددل کرنے اور گورنمنٹ انگورہ سے منحرف ہو کر اُن کی ہمدردی سے دست کش ہونے کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ رپورٹر کے ذریعہ سے ہم تک یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ مجلس ملیہ نے سلطنت کو خلافت سے علیحدہ کر دیا۔ خلیفہ بحیثیت مذہبی پیشوا کے رہے گا اس کو سیاسی اور سلطنت کے اہم معاملات میں دخل دینے یا احکام نافذ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اس قسم کی خبریں ہندوستان میں شائع کرانے کے بعد وزراء برطانیہ کہتے ہیں کہ اب ہندوستان کے مسلمان کیا کہیں گے۔

ان خبروں کی اشاعت و تبلیغ سے جو غرض و غایت مدبرانِ برطانیہ کی تھی وہ اگرچہ حاصل نہیں ہوئی کیونکہ مسلمان اس پراپیگنڈا کی تہ کو پہنچ گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ان خبروں کی اشاعت سے کیا منشا ہے۔

ادھر گورنمنٹ انگورہ کے پیغامات نے مسلمانوں کو مطمئن کر دیا تھا کہ اس قسم کی خبریں کچھ اصلیت نہیں رکھتیں مجلس انگورہ نے منصب خلافت میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں کی جو تحفظ اقتدار خلافت پر اثر ڈالتی ہو۔

لیکن چونکہ اختیارات و سلطنت و خلافت کے تفرقہ کا مسئلہ زیر بحث آگیا اور اس پر بہت سے مضامین بھی اخباروں میں نکل چکے ہیں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا جائے تاکہ مسلمانانِ ہندوستان کو بھی اس کی حقیقت معلوم ہو جائے اور گورنمنٹ انگورہ کو بھی جب کہ وہ خلافت کے اقتدار کو قائم رکھنے کے ساتھ ملک کو استبداد و جبر یت سے محفوظ رکھنے کے لئے

قواعد مرتب کرنے میں مشغول ہے اس بیان سے امداد ملے۔

خلافت کی حقیقت۔ شریعتِ اسلام میں حراستِ دین سیاستِ دُنیا، دُنیا میں امن پھیلانا نظامِ شریعت کو قائم رکھنا۔ اسلام کی شوکت و قوت کو برقرار رکھنا۔ ممالکِ اسلامیہ کی حفاظت کرنا حدود و قصاص کو نافذ کرنا یہ سب احکامِ دین میں داخل ہیں اور اسی لئے امام کا نصب کرنا مسلمانوں پر فرض ہے اگر مسلمان اس فرض کو چھوڑ بیٹھیں تو سب کے سب عاصی ہوں گے۔ اگر کسی ایک جماعت نے بھی اس فرض کو ادا کر دیا تو سب کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ پس خلیفہ فی الحقیقت جانشین نبی ہوتا ہے۔ جو ان احکام کے متعلق نظامِ عالم و حراستہ دین میں نبی کی جانشینی کرتا ہے اور اسی لئے اس کو خلیفہ کہتے ہیں اور دوسرا نام اس کا امام بھی ہے۔

خلافت و امامت کی شرائط۔ خلیفہ و امام کے لئے بہت سی شرائط ہیں۔ جن میں سے اہم شرائط یہ ہیں۔ مسلمان۔ حر۔ عاقل۔ بالغ۔ مرد۔ عالم، شجاع، صاحب تدبیر و رائے۔ آزاد۔ خود مختار۔ با اقتدار۔ قادر علی تنفیذ الاحکام و حفاظتِ حدود و مدافعت عن الاسلام والمسلمین۔ قریشی اور عادل ہونا۔

ان میں بعض شرائط اشد ضروری اور خلافت کے لئے موقوف علیہ ہیں جن کے نہ ہونے سے خلافت و امامت راساً منعقد نہیں ہوتی۔ مثلاً اسلام و عقل اور بعض ایسی ہیں جو درجہ وجوب کا رکھتی ہیں جن کے نہ ہونے سے خلافت میں نقصان رہتا ہے اور باختیار خود ان شرائط سے اغماض درست نہیں ہے مثلاً قریشیت و عدالت وغیرہ۔ تیسری وہ ہیں جو مکمل اور محسن ہیں مثل علم و اجتہاد وغیرہ۔

اوّل قسم کی شرائط سے کسی حال اغماض درست نہیں ہے۔ خلیفہ غیر مسلم ہو ہی نہیں سکتا اور اگر مسلم خلیفہ معاذ اللہ مرتد ہو جاوے تو اس کی خلافت خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مجنون فاترالعقل یا غیر آزاد غیر قادر علی اجرا مصالح المسلمین و تنفیذ احکام الدین کی خلافت درست نہیں اگر بعد خلافت جنون طاری ہو جائے یا آزادی و اختیارات مسلوب ہو جائیں تو اس کی خلافت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم کی شرائط کو باختیار خود ترک کرنا جائز نہیں۔ مسلمان اگر کسی غلام کو یا غیر قریشی کو خلیفہ بنا دیں تو یہ انتخاب جائز نہیں لیکن اگر انتخاب کر لیا اور اختیاراتِ خلافت اس کو تفویض

کردے تو اس کی خلافت مان لی جائے گی۔ یا اگر ایسا شخص خود بخود بزور مسلط ہو گیا تب بھی اس کی خلافت و سلطنت کو تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کے احکام کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہوگی۔

فتح الباری جلد ثالث صفحہ ۱۰۹ میں بذیل شرح حدیث وان استعمل علیکم عبد حبشی لکھا ہے:۔

واما لو تغلب عبد حقیقة بطریق الشوکة فان طاعة تجب لاخماد الفتنة مالم یامر بمعصیة۔	لیکن اگر کوئی غلام اپنی شوکت و قوت کی وجہ سے حقیقۃً غالب اور مسلط ہو گیا تو اس کی اطاعت فتنہ سے بچنے کے لئے واجب ہوگی جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ کرے۔

نووی شرح مسلم جلد ثانی صفحہ ۱۲۷ میں لکھا ہے:۔

فیہ دلیل لوجوب طاعة المستولین للامامة بالقھر من غیر اجتماع ولا عھد۔	اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی بزور قوت بلا رضامندی و بلا وصیت کے امامت پر قبضہ کرے اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔

شرح مقاصد میں شرائط امامت کی بحث کرتے ہوئے اخیر میں لکھا ہے:۔

فمبنی ما ذکر فی باب الامامة علی الاختیار والاقتدار۔	جو کچھ باب امامت میں ذکر کیا گیا اس کا مبنی اختیار اور اقتدار پر ہے۔

فتح الباری جلد ثالث صفحہ ۱۰۴ میں بذیل شرح حدیث لا یزال ھذا الامر فی قریش لکھا ہے:۔

یحتمل ان یحمل المطلق علی المقید فی الحدیث الاول ویکون التقدیر لا یزال ھذا الامر ای لا یسمی خلیفة الا من یکون من قریش الا ان یسمی احد من غیرھم غلبة و قھراً۔	یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی حدیث میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ خلیفہ اسی کا نام ہوگا جو قریش میں سے ہو مگر اس صورت میں غیر قریشی کو بھی خلیفہ کہیں گے جب کہ وہ غلبہ و قوت سے قابض ہو جائے۔

رہی قسم ثالث اگرچہ مسلمانوں کے لئے اولیٰ و انسب یہ ہے کہ ایسے ہی خلیفہ کا انتخاب کریں جس میں یہ شرائط موجود ہوں لیکن اگر ایسے خلیفہ کا انتخاب کر لیں جس میں شرائط نہیں ہیں تب بھی جائز ہے اور خلافت منعقد ہو جاتی ہے۔

خلیفہ کو قائم کرنے کی صورتیں۔ خلیفہ کو قائم کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں اول یہ کہ اہل حل و عقد

کسی کو خلیفہ منتخب کریں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ وقت کسی کو ولیعہد بنادے جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ یہ دونوں صورتیں تو حسب قواعد شریعت صحیح طور پر خلیفہ بنانے کی ہیں۔ تیسری صورت غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ کوئی شخص اپنی شوکت وقوت کے ذریعہ سے مسلّط ہوجائے۔ تسلّط کی صورت میں بھی خلافت قائم ہوجاتی ہے اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔

ردالمختار میں ذیل شرح قول مصنف یصیر اماما بالمبایعۃ شرح مقاصد اور مسامرہ کی عبارت نقل کرکے آخر میں لکھا ہے۔

فقد علم انہ یصیر اماما بثلثۃ لکن الثالث فی الامام المتغلب وان لم تکن فیہ شروط الامامۃ وقد یکون بالتغلب مع المبایعۃ وھو الواقع فی سلاطین الزمان نصرھم الرحمٰن

پس معلوم ہوگیا کہ امام تین طرح ہوسکتا ہے لیکن تیسری صورت امام متغلب کی ہے اگرچہ اس میں شرائط امامت موجود نہ ہوں اور کبھی امامت تغلب کے ساتھ مبایعت سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ اس زمانہ کے سلاطین میں واقع ہے خدا اُن کی مدد فرمائے۔

اور اسی کتاب کی جلد ثالث صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔ قولہ علی الامام الحق الخ

الظاھر ان المراد بہ مایعم المتغلب لانہ بعد استقرار سلطنتہ ونفوذ قھرہ لا یجوز الخروج علیہ کما صرحوا بہ ثم رایت فی الدر المنتقیٰ قال ان ھذا فی زمانھم واما فی زماننا فالحکم للغلبۃ لان الکل یطلبون الدنیا فلا یدری العادل من الباغی کما فی العمادیۃ۔

ظاہر ہے کہ امام حق متغلب کو بھی شامل ہے اسلئے کہ متغلب کی سلطنت مستقر ہوجانے کے بعد اس کے مقابلہ کیلئے کھڑا ہونا جائز نہیں جیسا کہ فقہا نے تصریح کی ہے۔ در منتقیٰ میں لکھا ہے کہ یہ حکم سلف کے زمانہ کا ہے۔ ہمارے زمانہ میں غلبہ اور قہر کا اعتبار ہے۔ کیونکہ سب کے سب طالب دنیا ہیں ان میں عادل و باغی کی تمیز مشکل ہے۔

عبارات مذکورہ سے ثابت ہے کہ ثبوت امامت وخلافت کے لئے ایک صورت تغلب وقہر بھی ہے اور بعد ثبوت خلافت اُس کا حکم بھی مثل اسی خلیفہ جامع شرائط کے ہوتا ہے جس کا تقرر پہلی دو صورتوں سے کسی ایک صورت یعنی انتخاب اہل حل وعقد یا استخلاف سے ہوا ہو بلکہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اکثر حالات اور ہمیشہ اعصار میں اسی تیسری صورت سے تقرر خلیفہ کا ہوتا رہا ہے اور انہیں کو سلاطین

موک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

خلیفہ کی معزولی یا امامت سے علیحدگی۔ خلیفہ کے تقرر یا تسلط کے بعد اس کی معزولی یا منصب خلافت سے علیحدگی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ ۱۔ خلیفہ خود بخود معزول ہو جائے۔ یہ تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان شرائط میں سے جن پر خلافت کا وجود موقوف ہے کل یا بعض فوت ہو جائیں مثلاً خلیفہ العیاذ باللہ مرتد ہو جاوے یا اس کو جنون ہو جائے یا اسیر ہو جائے اور اس کی رہائی کی اُمید نہ رہے یا اس کو کوئی ایسا مرض ہو جائے جس کی وجہ سے یا تو معلومات فراموش ہو جائیں یا گونگا اندھا بہرہ ہو جائے۔ یا وہ محض عاجز ہو جائے اور اس میں قدرت علی تنفیذ الاحکام واقامۃ الحدود باقی نہ رہے ۲۔ یہ کہ خلیفہ خود خلع خلافت کر کے علیحدہ ہو جائے خواہ اس وجہ سے کہ وہ قیام بمصالح المسلمین سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہو یا یہ کہ اس کے نزدیک مسلمانوں کی اصلاح وخیر خواہی اسی میں ہے جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کی غرض سے کیا اور یہ فعل آپ کا عنداللہ اس قدر مقبول ومحبوب تھا کہ حضور پُر نور خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو بطور پیشگوئی مقام مدح میں ذکر فرمایا۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین	میرا بیٹا سید ہے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

۳۔ یہ کہ نہ خود بخود معزول ہوا ور نہ خلع خلافت کرے بلکہ اپنے فسق یا ظلم وجور یا ضعف رائے نقص انتظام وعجز عن القیام بامر المسلمین کی وجہ سے مستحق عزل ہو جائے اور مسلمانوں کو باعتبار اختلاف حالات ودرجات استحقاق اس کا معزول کرنا جائز یا ضروری ہو جائے۔ رد المختار جلد ثالث صفحہ ۴۴ میں ہے۔

وکذا فی انعزالہ بالفسق والاکثرون علی انہ لا ینعزل وھو المختار من مذھب الشافعیؒ وابی حنیفۃ رحمھم اللہ وعن محمد روایتان ویستحق العزل بالاتفاق الخ وقال فی المسامرۃ واذا قلد عدلاً ثم جار وفسق	ایسے ہی فسق کی وجہ سے معزول ہو جانے میں اختلاف ہے اکثر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ معزول نہیں ہوتا اور یہی مختار ہے امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک اور امام محمد سے دو روایتیں ہیں لیکن فسق کی وجہ سے مستحق عزل بالاتفاق ہو جاتا ہے۔ مسامرہ میں ہے کہ اگر حالت عدل ہونے میں امام مقرر ہوا اور پھر فاسق یا ظالم ہو گیا

لا ینعزل ولکن یستحق العزل ان لم یستلزم فتنۃ الخ وقال فی المواقف وشرحہ ان للامۃ خلع الامام و عزلہ لسبب یوجبہ مثل ان یوجد منہ ما یوجب اختلال احوال المسلمین وانتکاس امور الدین کما کان لھم نصبہ واقامتہ لانتظامھا واعلائھا وان ادی خلعہ الی فتنۃ احتمل ادنی المضرتین۔

ہو تو معزول نہ ہو گا البتہ مستحق عزل ہو جائے گا۔ اگر اس کے عزل سے فتنہ لازم نہ آتا ہو شرح مواقف میں ہے کہ امۃ کو خلع امام کا اور معزول کرنے کا حق حاصل ہے اگر امام سے ایسی باتیں صادر ہوں جن سے احوال مسلمین مختل ہوتے ہوں اور امور دینی میں ضعف اور نقص پیدا ہوتا ہو جیسا کہ نصب امام ان کے ہاتھ میں تھا اور اس کے عزل میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو کم تر درجہ کی مضرت کا تحمل کر لیا جائے گا۔

عبارات مذکورہ بالا سے چند امور ثابت ہوئے۔ **اول** یہ کہ امام اگر فاسق یا ظالم ہو جائے تو اکثر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ معزول نہیں ہو جاتا لیکن مستحق عزل ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کو اس کا معزول کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کے عزل سے کوئی بڑا فتنہ جس سے مسلمانوں کو یا اسلام کو ضرر پہنچے پیدا نہ ہو۔ **دوسرے** یہ کہ امت کو جیسے نصب امام کا اختیار ہے اسی طرح اس کے عزل کا بھی اور جس صورت میں کہ امام سے ایسے امور سرزد ہوں جن سے امور مسلمین میں اختلال یا معاملات دین میں تنزل وانحطاط اور ضعف واضمحلال پیدا ہوتا ہو ان پر خلیفہ کا معزول کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کی جا سکتی کہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ ضعف احوال مسلمین کی مضرت فتنہ کی مضرت سے زیادہ ہے ادنیٰ ضرر کو بمقابلہ اعلےٰ کے برداشت کیا جاتا ہے۔

خلیفہ کے اختیارات خلیفہ کے لئے اختیارات تام اور تصرفات عام وشامل کا ہونا شرعاً لازم ہے کوئی ایسا شخص جو با اختیار نہ ہو تنفیذ احکام کی قدرت نہ رکھتا ہو مسلمانوں کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ کو یہ تو اختیار ہے کہ امراء وزراء یا ملوک نواحی میں سے کسی کو اپنے کلی اختیارات سپرد کر دے۔ اس تفویض سے خلیفہ کے اختیارات میں اور نفس خلافت میں کوئی نقص نہیں آتا بلکہ ایک طرح سے اختیارات کی وسعت ثابت ہوتی ہے لیکن کسی ایسے شخص کو جو دشمن کے ہاتھ میں اسیر ہو اور اس کی خلاصی کی توقع نہ ہو امام وخلیفہ منتخب کرنا صحیح نہیں اور اگر ایسے شخص کا انتخاب کر بھی لیا جائے تو اس کی خلافت وامامت منعقد ہی نہ ہو گی اور اگر بعد انتخاب و انعقاد امامت کفار کے ہاتھ میں اسیر ہو جائے اور امید رہائی کی باقی نہ رہے تو اس کی خلافت باقی

نہ رہے گی ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے لئے دوسرا خلیفہ منتخب کرلیں ۔ اور اگر خلیفہ با اختیار و اقتدار پر اُس کے امراء و وزراء میں سے ایک یا چند اشخاص غالب آگئے اور جملہ تصرفات اپنے ہاتھ میں لے لئے لیکن وہ خلیفہ سے مقابلہ یا عداوت و خلاف نہیں کرتے بلکہ ان کا خلیفہ پر غالب آنا ایسا ہے جیسا کہ اکثر حالات میں سلاطین پر وزراء غالب آجاتے ہیں تو ایسی حالت میں اگرچہ متسلط کا یہ فعل جائز نہیں مگر خلیفہ کی خلافت باقی رہتی ہے کیونکہ وہ مسلوب الاختیار نہیں ہوگا البتہ مجبور الاختیار ہوگا اور ایک معنے سے یہ صورت اس صورت کے مشابہ ہے کہ خلیفہ با اختیار خود اپنے اختیار کسی وزیر کے سپرد کردے ۔

سلطنت و خلافت کی تقسیم یا خلافت کی سلطنت سے علیحدگی ۔

خلافت کے متعلق ہمارے بیانات سابقہ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ خلافت کے لئے اختیارات کا ہونا لازمی شرط ہے ۔ خلافت سلطنت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ۔ اگر خلیفہ کو اختیاراتِ سلطنت حاصل نہ ہوں یا خلافت کے مفہوم سے وہ اختیارات مٹا دئے جائیں جن سے حفظ ثغور و دفاع عن الحدود و قیام مصالح المسلمین وغیرہ کا تعلق ہے تو ایسی خلافت شرعاً ہرگز قابلِ اعتبار نہیں اور ایک مجبور خلیفہ کو قائم کرنا مسلمانوں کو نصب امام کے فریضہ سے سبکدوش نہیں کرتا البتہ شخصیت اور استبدادیت کے ان طریقوں سے تحفظ بھی ضروری ہے جن سے اسلام اور ممالکِ اسلام کو بے شمار نقصان اُٹھانے پڑتے ہیں ۔ قواعد شریعت میں ایسی صورتیں موجود ہیں جن کی طرف میں اپنی اس تحریر میں اشارہ کرچکا ہوں کہ مسلمان با اقتدار و اختیار خلیفہ کو ایسے طریقے اختیار کرنے سے بچایا جا سکے ۔ اس امر کی تفصیل کسی مناسب موقع کے لئے محفوظ رکھی جاتی ہے ۔

خلافت کی اقسام ۔

خلافت اگر جامع شرائط ہے یعنی خلیفہ کے اندر وہ تمام شرائط موجود ہیں جن کا وجود خلافت کے لئے ضروری ہے تب تو یہ خلافتِ راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوۃ ہے اور اگر خلافت جامع شرائط نہیں مثلاً شرط قرشیت ، حریت ، عدالت ایسے شرائط جن کے عدم سے خلافت راساً ساقط نہیں ہوتی موجود نہیں ہیں تو اس کو خلافت غیر راشدہ خلافت علیٰ غیر منہاج النبوۃ ملک سلطنت عادلہ یا غیر عادلہ جبریۃ وغیرہ سے تعبیر کریں گے ۔ غرض سلطنت بھی خلافت ہی کا دوسرا نام ہے ۔ سلطنت اگرچہ باعتبار درجات کے خلافتِ راشدہ سے علیحدہ چیز ہے مگر باعتبار نفس مقصد کے وہ بھی خلافت ہی ہے اور خلافت کے نفس مفہوم میں درجہ بدرجہ

تغیرات سے دوسرے نام پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

خلیفہ ایک ہی ہوتا ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک امام کے ہاتھ پر اہل حل وعقد بیعت کر چکے اور اس کے بعد وہ دوسرا شخص مدعی امامت اس سے منازعت کرے تو اس دوسرے شخص کی گردن مار دو۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جب دو اماموں کے لئے بیعت ہو چکی ہو تو اس کی بیعت کو پورا کرو جس سے اوّل بیعت کی تھی۔ اسی بنار پر اُمت کا اجماع ہو گیا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا امام با اقتدار و اختیار ایک ہی ہوتا ہے باقی سب اس کے نائب ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض علمار کے نزدیک دور دراز حصّہ ملک میں دوسرے خلیفہ کا قائم ہونا جائز ہے مگر اس قول کو شاذ اور غیر قابل حجت قرار دیا گیا ہے۔

لیکن اگر کسی ملک میں دوسرا خلیفہ اپنی قوت وتسلط کی وجہ سے قائم ہو جائے جیسے بمقابلہ خلافت بنی عباس اندلس میں خلافت بنی امیہ قائم ہو گئی تھی تو یہ بھی اسی قسم کی صورت ہے جیساکہ غیر جامع شرائط کا متسلط ہو کر خلیفہ بن جانا۔ مسلمانوں کو اثارۂ فتنہ اور خونریزی سے محفوظ رہنے کے لئے خلیفۂ ثانی کی اطاعت اور اس کے احکام کا قبول کرنا ضروری ہو گا جیساکہ علمار اندلس نے کیا۔

خلیفہ کی اطاعت

خلیفہ کے احکام کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے لیکن اگر وہ کسی معصیت کا حکم دے یا کسی ایسی بات کا حکم دے جو اہل الرائے کے نزدیک اسلام یا ممالک اسلام اور مسلمانوں کے لئے مضر ہو تو ایسے حکم کی اطاعت ضروری نہیں بلکہ اس کی اطاعت سے انکار کر دینا اور حق کا اظہار ضروری ہے۔

بلکہ بعض احادیث سے ان پر خروج کی بھی اجازت معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ احکام دین کی صریح خلاف ورزی کرنے لگیں۔

فتح الباری جلد ثالث صفحہ ۵۰۱ میں بذیل شرح حدیث انّ ھٰذا الامر فی قریش لا یعادیھم احدٌ الا کبّہ اللہ فی النار علیٰ وجھہ ما اقاموا الدین لکھا ہے۔

الثالث الاذن فی القیام علیھم وقتالھم والایذان بخروج الامر منھم کما اخرجہ الطیالسی والطبرانی من حدیث ثوبان رفعہ استقیموا	تیسری بات اجازت ہے قریشی خلفار کے مقابلہ میں کھڑے ہونے اور ان کے ساتھ قتال کرنے کی اور اس بات کی پیشن گوئی ہے کہ امامت وخلافت قریش ہی سے نکل جائے گی جیساکہ طیالسی اور طبرانی نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے

للقريش ما استقاموا لكم فان لم يستقيموا فضعوا سيوفكم على عواتقكم فابيدوا اخضراءهم فان لم تفعلوا فكونوا ذراعين اشقياء

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ قریش کے لئے سیدھے رہو جب تک کہ وہ تمہارے لئے سیدھے رہیں اور اگر وہ تمہارے لئے سیدھے نہ رہیں تو ان کی سبزی کو تباہ کر دو یعنی ان کی جڑ کو مٹا دو اور اگر تم ایسا نہ کرو تو کھیتی کرنے والے بدبخت ہو کر رہو۔

بعض ملوک بنی امیہ نے ایک تابعی سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد واولی الامر منکم میں تم کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ انہوں نے نہایت لطیف جواب دیا کہ کیا جب تم حق کے خلاف کرنے لگو تو یہ اطاعت سلب نہیں کر لی گئی۔ فتح الباری جلد ثانی صفحہ ۹۹

اسی طرح رد المحتار کے باب البغاۃ میں ہے

ثم اذا امر العسكر فهو على اوجه ان علموا انه نفع بيقين اطاعوه وان علموا اخلافه كان كان لهم قوة وللعدو مد يلحقهم لا يطيعونه وان شكوا الزمهم طاعته

پھر اگر امام لشکر کو حملہ کا حکم دے تو اس کے اندر چند صورتیں ہیں اگر یہ معلوم ہو کہ حملہ کرنے میں یقیناً مسلمانوں کا نفع ہے تو امام کے حکم کی اطاعت کریں اور اگر اس کے خلاف یعنی نقصان کا علم ہو مثلاً اس صورت میں کہ مسلمانوں کے پاس قوت تو ہے مگر دشمن کو تازہ دم امداد پہنچنے کا سلسلہ زبردست ہے تو امام کے حکم کی اطاعت نہ کریں اور اگر نفع یا نقصان میں شک ہے اور ان کے نزدیک کوئی ایک جانب متعین نہیں ہے تو اطاعت امام واجب ہے۔

حاصل یہ کہ امام کی اطاعت واجب ہے مگر دو حالتوں میں واجب نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں خلاف کرنا واجب ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ امام معصیت کا حکم دے دوسرے یہ کہ کسی ایسے کام کا حکم دے جس میں مسلمانوں کا ضرر ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلیفہ کے حکم کا خلاف کرنا مذکورہ دو صورتوں میں جائز تو ہے اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں بعض صورتوں میں قوم کو خلیفہ کا معزول کرنا جائز یا واجب ہو جاتا ہے مگر یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ خلیفہ کے اختیارات سلب کر لئے جائیں اور سلطنت کو خلافت سے علیحدہ کر دیا جائے خلیفہ سے علیحدہ سلطان کا انتخاب نہ شرعاً جائز ہے اور نہ اس سے فائدہ ہے۔ جو اختیار قوم کو سلطان کے منتخب کرنے میں ہے وہی خلیفہ کے انتخاب میں ہے۔ پھر سلطان قوم کے مشورہ کا پابند ہو سکتا ہے یا اس کا انتخاب قوم کے ہاتھ میں رہتا ہے تو یہی صورت خلیفہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ تاریخی واقعات میں جہاں اس کے خلاف نظر پڑتی ہے وہ حقیقی صورت خلافت کی نہیں اور

نہ قواعد شرعیہ کے ساتھ منطبق ہے ۔ وہ صورتیں محض تغلب اور تسلّط کی ہیں جن کو بہ مجبوری گوارا کیا گیا ہے۔ لیکن اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ خلافت کو اور سلطنت کو اصول شرع پر قائم کریں تو ہم کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ خلافت کو سلطنت سے علیحدہ کر دیا جائے اور خلافت کے اختیارات سلب کر لئے جائیں اور اس کو محض روحانی پیشوا کے درجہ میں رکھا جائے۔

مجلسِ عالیہ ملّیہ انگورہ پر کامل اعتماد

اور

مسلمانانِ ہند کا مؤدبانہ پیغام ۔

حضرات علماء کرام! غازی مصطفےٰ کمال، مجلسِ ملیہ اور قوم ترک کی خدمات اور احیاءِ خلافت میں سرفروشی ۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانبازی کسی پر مخفی نہیں ہے اور یہ بھی مخفی نہیں کہ مجلسِ ملیہ انگورہ سلطنت کو اصول شریعت و قواعد اسلام پر چلانے کی سرگرم کوشش کر رہی ہے اور اس نے ایک ایسی کانفرنس کے انعقاد کا ارادہ کیا ہے جس میں اقطارِ عالم کے علماء صرف اس لئے جمع کئے جائیں گے کہ وہ قانونِ ملک کو قواعدِ شریعت پر مرتب کرنے میں امداد دیں۔ اور اسی غرض سے شیخ عبدالعزیز شاویش کو انگورہ بلایا گیا ہے ۔ اور یہ ان کے اُسی ارادہ کا ظہور ہے کہ ملک میں شراب نوشی اور شراب فروشی کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

مجلسِ ملّیہ کے ایسے ارادوں کو دیکھ کر ہماری اُمیدوں کا دائرہ اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور خلافت راشدہ کا نقشہ ہماری آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ایسے حالات کو دیکھتے ہوئے میری رائے ہے کہ مسلمانانِ ہندوستان کا پیام جمعیۃ العلماء کے ذریعے سے مجلسِ ملیہ تک پہنچا دیا جائے اور مؤدبانہ عرض کیا جائے کہ

مسلمانانِ عالم خلافت کو اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کے مشتاق ہیں اور ان کی یہ تمنّا صرف مجلسِ انگورہ کی توجہ سے پوری ہو سکتی ہے ان کی نگاہیں مجلسِ ملیہ کی طرف لگی ہوئی ہیں وہ اُمید کرتے ہیں کہ مجلسِ ملیہ خلافت کو علیٰ منہاج النبوۃ قائم کرنے میں اپنی سرگرم مساعی جاری رکھے گی اور درمیانی مشکلات کو سنگ راہ نہ ہونے دے گی اور اس کے چہرہ کو تمام کدورات سے صاف کر کے ایسا شفاف بنا دے گی کہ اس میں خلافتِ راشدہ

کی صورت منعکس ہونے لگے ۔ جمعیۃ علماء ہند بکمال ادب مجلس ملیہ عالیہ انگورہ کو یہ یقین دلاتی ہے کہ اسلام نے خلیفہ کو پورا با اختیار اور کامل طور پر صاحب امر و نہی ماننے کے باوجود بھی قوم مسلمین سے اختیارات کو سلب نہیں کیا اور ہر قسم کے قومی مضار کو روکنے کے لئے جو خلیفہ کی با اختیار شخصیت سے پیدا ہو سکتے ہوں احکام اسلام ایسے ضوابط اور قوانین کی طرف پوری راہنمائی کرتے ہیں جو انگورہ کے نیشنل اسمبلی (قومی کونسل) کے وسیع اور جائز اختیارات کو خلیفۃ المسلمین کے مقابلہ میں محفوظ و مصئون رکھ سکتے ہیں اور مسلمانان عالم کو خلیفۃ المسلمین کے محبوب و پرشوکت خطاب سلطان المعظم کے استعمال سے محروم نہیں کرتے مجلس ملیہ عالیہ کی جناب میں یہ حقیقت یاد دلانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے اب ہم سے زیادہ اس کا احساس ہے کہ اسلام نے جس قدر ترقی کی ہے اپنی روحانی طاقت سے کی ہے ۔ سلاطین اسلام کی ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ انہوں نے صحیح اسلامی طریقہ پر احکام جاری کئے اور ان کے زمانہ میں سلطنت اسلامیہ کو ایسی ترقی ہوئی کہ جس کی نظیر دوسرے سلاطین کے عہد میں نہیں مل سکتی ۔ ملک عادل سلطان نورالدین زنگی کی تاریخ دیکھئے ۔ کتاب الروضتین فی احکام الدولتین میں لکھا ہے ۔

کہ ملک عادل سلطان نورالدین نے عام احکام صادر فرمائے تھے کہ جب تک کسی شخص پر حسب قواعد شرعیہ جرم ثابت نہ ہو جائے اس کو سزا نہ دی جائے ۔

والی موصل کی خود تو مجال نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں اس کے متعلق کچھ لکھ سکتا اس نے شیخ عمر ملّا سے جن کی منزلت و توقیر سلطان خود بھی زیادہ کرتے تھے لکھوایا کہ جنگلوں میں غارت گری اور لوٹ مار ہوتی ہے وہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا ۔ اگر قواعد شریعت کے موافق شہادت پر سزا کو موقوف رکھا جائے تو مفسدین کا انتظام نہیں ہو سکتا ۔ ضرورت ہے کہ سیاست سے کام لیا جائے اور امن قائم کرنے کے لئے سزائیں دی جائیں ۔

سلطان نے اس کے جواب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ مصالح عباد سے خوب واقف ہے اگر اس کے نزدیک مصلحت اسی میں ہوتی تو وہ شریعت میں اس کی اجازت عطا فرماتا لیکن اس نے شریعت میں قواعد سزا مقرر فرما دیئے ہیں تو ہم کو ان سے تجاوز کی کوئی وجہ نہیں

سلطان نے اصول شریعت کے خلاف سیاست کی اجازت نہ دی اور ان کے اسی اتباع شریعت کی برکت تھی کہ ملک میں اس قدر امن و امان رہا کہ کسی دوسرے

سلطان کے وقت میں نہ تھا۔

م کتاب الروضتین میں ہے :-

قال ابن الاثير ومن عدله انه لم يكن يعاقب العقوبة التي يعاقب بها الملوك في هذه الاعصار على الظنة والتهمة بل يطلب الشهود على المتهم، فان قامت البينة الشرعية عاقبه العقوبة الشرعية من غير تعدٍ فدفع الله بهذا الفعل عن الناس من الشر ما يوجد في غير ولايته مع شدة السياسة والمبالغة في العقوبة والاخذ بالظنة وامنت بلاده مع سعتها وقل المفسدون ببركة العدل واتباع الشرع المطهر

علامہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان نورالدین کے طریقہ عدل وانصاف میں یہ بھی تھا کہ وہ دوسرے بادشاہوں کی طرح محض بدگمانی یا تہمت کی وجہ سے کسی کو سزا نہ دیتا تھا بلکہ گواہ طلب کرتا تھا۔ اگر شرعی قاعدہ سے ثبوت ہوگیا تو شرعی سزا جاری کرتا تھا۔ اس کے اس طریق کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوسری سلطنتوں میں باوجود زبردست سیاست اور شدت عقوبت کے جو فتنے وفساد ملک میں رہتے ہیں وہ اس ملک میں نہ رہے اور باوجود مملکت کے وسیع ہونے کے ببرکت عدل و اتباع شریعت کامل طور پر امن وامان قائم رہا اور مفسدین کا وجود باقی نہ رہا۔

اسی کتاب الروضتین میں ہے :-

واما حفظ اصول الديانات فانه كان مراعيا لا يهملها ولا يمكن احدا من الناس من اظهار ما يخالف الحق ومتى اقدم مقدم على ذلك ادبه بما يناسب بدعته وكان يبالغ في ذلك ويقول نحن نحفظ الطرق من لص وقاطع طريق والاذى الحاصل منهما قريب افلا نحفظ الدين ونمنع عنه ما يناقضه وهو الاصل

رہے اصول دیانات یعنی مسائل اصولی واعتقادی پس وہ یعنی سلطان نورالدین ان کی سخت نگہداشت کرتے تھے اور اس میں ذرا بھی چشم پوشی نہ کرتے تھے اور نہ کسی کو اتنی گنجائش دیتے تھے کہ خلاف حق کا اظہار کرسکے اور کوئی کسی مخالف حق اعتقاد کا اظہار کرنے کی جرأت کرتا تھا تو وہ اس کو اس کی بدعت کے مناسب زجر وتنبیہ کرتے اور سزا دیتے تھے اور دربارہ حفاظت اعتقادیات سخت مبالغہ کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم (یعنی سلاطین) چوروں اور لٹیروں کا انتظام کرتے ہیں حالانکہ ان سے جو نقصان پہنچتا ہے ایسا شدید نہیں تو دین کی حفاظت ان امور سے کیوں نہ کریں جو منافی ومعارض شرع ہیں ۱۲ منہ

کوئی انسانی قانون خدائی قانون کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس کامل توقع ہے کہ مجلسِ ملیہ انگورہ قانونِ ملک کو ہمیشہ قواعد شریعت کے تابع رکھے گی اور گو اس کے راستہ میں کیسی ہی رکاوٹیں پیدا ہوں مگر وہ اس کی پروا نہ کرے گی۔ؑ

میری یہ بھی رائے ہے کہ مجلسِ ملیہ انگورہ سے یہ عرض کرنے کی جرأت بھی کی جائے کہ جمعیۃ العلماء ہندوستان کی ایک ذمہ دار مذہبی مجلس ہے جس کی تجاویز اور فیصلے مسلمانانِ ہند کے نزدیک واجب العمل ہیں اُن کی خواہش ہے کہ

بربنائے اُن روابط کے جو اسلام نے ہندوستان کے مسلمانوں اور مجلسِ ملیہ میں قائم کئے ہیں۔ گورنمنٹ انگورہ اپنے یہاں کی مذہبی مجلس میں جمعیۃ علماء ہند کو بھی نیابت

ؑ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسئلہ خلافت اور اختیارات خلافت کے متعلق ہماری سب تمناؤں کے پورا ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے۔ مجدد خلافت اعلیٰ حضرت غازی مصطفےٰ کمال اور ارکان مجلسِ ملیہ ہمہ تن خلافت کو اصولِ شریعت پر قائم کرنے کے درپے ہیں اور اس کی تدابیر میں منہمک ہیں۔ عربی اخبارات کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ علماء کی کانفرنس جو عنقریب منعقد ہونے والی ہے اور اس میں ہندوستان کے دس عالم شریک کئے جائیں گے اور اب ہم کو روزانہ اخبار خلافت بمبئی مطبوعہ ۱۹ جنوری ۲۳ء نمبر ۱۴ میں یہ مضمون دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ اختیارات خلیفہ کے سلب یا تقسیم کرنے کے متعلق جس قدر خبریں بذریعہ رپورٹر ہم تک پہنچی تھیں وہ بالکل بے اصل تھیں اور یہی خیال ان خبروں کی نسبت مسلمانانِ ہندوستان کا تھا۔ ابھی تک مجلسِ ملیہ نے اس کا فیصلہ ہی نہیں کیا بلکہ وہ ایک کمیٹی اس غرض کے لئے منعقد کر رہے ہیں جو خلیفہ کے اقتدار کے متعلق غور و خوض کرے گی۔ ادھر علماء عالم اسلامی کی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد سے قبل اختیاراتِ خلیفہ کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ہماری استدعا ہے کہ تمام مجلسِ ملیہ کے طریقِ عمل پر کامل اعتماد رکھیں اور ہرگز ایسی خبروں کی طرف مطلقاً التفات نہ کریں جن کی غرض و غایت مسلمانوں میں مجلسِ ملیہ کی طرف سے بددلی پھیلانا اور ان کے جوشِ حمیت اسلامی کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ مسلمان صبر و سکون سے دیکھتے جائیں اور مجاہدین اسلام مجلسِ ملیہ کی امداد و اعانت ہمدردی و دعا میں سرگرم رہیں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب سب مشکلات رفع ہو کر خلافتِ اسلامیہ اپنی پوری شان و شوکت دکھلائے گی دشمنانِ اسلام کو سوائے ذلت و خسران کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ۱۲ منہ

کا حق مرحمت فرمائے اور اہم مسائل شرعیہ کے انفصال میں جمعیۃ علماء ہند کے مشورہ سے بھی مدد لی جائے۔

خلیفۃ المسلمین سے اظہارِ عقیدت اور اعلانِ بیعت

حضرات علماء کرام! غازی مصطفےٰ کمال اور فداکارانِ اسلام نے نہایت سرگرم اور مسلسل کوشش و جانبازی سے دار الخلافت اغیار سے پاک اور غدارانِ اسلام کے وجود سے صاف کرکے جدید خلیفۃ المسلمین کا انتخاب کیا ہے۔ ہمارا اور آپ کا فرض ہے کہ مجلس ملیہ کے طریقِ عمل، ان کے اخلاص اور آئندہ ارادوں پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے خلیفۃ المسلمین کے ساتھ دلی عقیدت کا اظہار کریں اور اگر جمعیۃ علماء ہند کی جمعیۃ منتظمہ کے نزدیک مناسب ہو مسلمانانِ ہند کی جانب سے بیعت کا اعلان کردیا جائے۔

حضرات علماء کرام! خلیفۃ المسلمین سے اظہارِ عقیدت میں کوئی حالت منتظرہ نہیں لہٰذا میں اس اجتماع کے موقع پر اپنی طرف سے اور جمعیۃ علماء کی طرف سے اور مسلمانانِ ہندوستان کی طرف سے دلی عقیدت کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔

اور بارگاہ خلافت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ:-

ہماری دلی آرزوئیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے رگ و ریشہ میں آپ کی محبت و عقیدت سمائی ہوئی ہے اور میں اس وقت وہی عرض کرتا ہوں جو حضرت الامام حجۃ الاسلام الغازی المجاہد فی سبیل اللہ والمرابط لاعلائے کلمۃ اللہ شیخ الشیوخ العالم حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ نے محاربہ روم و روس واقع ۱۸۷۷ء کے زمانہ میں بارگاہ خلافت کو خطاب کرتے ہوئے پیام بھیجا تھا۔

لولا مهالك في مهالك دونها
من دونها اخرى وهن كذلكم
وموانع وعلائق وعوائق
عاقت منى عرض المنى بحيالكم
لرأيتنا و نحورنا كسيوفكم
من دون نحورك عصمة لانالكم

اگر خطرات و مہالک پے در پے اور متصل حائل نہ ہوتے اور اگر ایسے موانع اور علائق حائل نہ ہوتے جو اپنی آرزوؤں کو آپ کے سامنے کھڑے ہوکر پیش کرنے سے مانع ہیں۔ تو آپ دیکھتے کہ ہمارے سینے آپ کی تلواروں کی طرح آپ کی عظمت و اقتدار کی حفاظت کے لئے آپ کے سامنے ہوتے۔ یعنی ہم بھی آپ کے جھنڈے کے نیچے آپ کے دشمنوں سے لڑتے اور اپنے سینوں پر گولیاں کھاتے۔

حضرات علماء کرام! میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت آپ کا بہت سا وقت لیا ہے اور ابھی مجھے بہت سے ضروری امور عرض کرنے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ میری طولانی تقریر سے بہت سے حضرات اکتا گئے ہوں لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے آپ کا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ ایک ایسے ضروری مسئلے کی تنقیح میں صرف کیا ہے جس کی اس وقت بہت زیادہ ضرورت تھی باایں ہمہ میں نے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس سے زیادہ شاید کسی وقت لکھ سکوں۔

اب میں بحول اللہ و قوتہ دوسرے ضروری امور عرض کرنا چاہتا ہوں اور قبل اس کے کہ کچھ عرض کروں حضرات علماء کرام سے مخاطبت کا فخر حاصل کرتا ہوں۔

خطاب بحضرات علماء کرام کثّرہم اللہ تعالیٰ و بارک فی مساعیہم

بازگو از نجد و از یاران نجد

حضرات علماء کرام و امنا اسلام! علم کے علماء کے مراتب عالی پایہ بلند اور مناقب بے شمار ہیں۔ مذہبی نقطۂ نظر ارشادات ربانی اور تصریحات احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ثابت ہے کہ علماء دین ہی کا وجود نظام عالم کا محور اور اس کی بقا کا موقوف علیہ ہے۔ علماء ہی کی ذات ہے جس کے لئے عالم کی ہر ایک ہستی دعا و استغفار کرتی اور انبیاء علیہم السلام کا حقیقی ورثہ اُن ہی کو ملا ہے۔ وہی جانشینی کے اصلی مستحق ہیں۔ وہی ہیں جن کے ثبات و استقلال میں عالم کی نجات کا راز مضمر ہے اور وہی ہیں جن کی ذلّت اور لغزش سے عالم تباہ ہو جاتا ہے خشیۃ و خوف بھی جو تمام عبادات کا لب لباب ہے حقیقتی اور اصلی طور پر علماء ہی کو حاصل ہے۔

یہ اور اسی قسم کے ہزاروں فضائل علماء اور علم کی شان میں وارد ہوئے ہیں ان مناقب و فضائل پر علماء جس قدر فخر کریں بجا ہے لیکن حضرات مجھ کو معاف کیجئے اگر میں یہ کہوں کہ علماء دین اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو نہ سمجھیں اپنے لئے دعتہ و راحت اور عزت و وجاہت ہی کو علمی کمالات کا ثمرۂ عاجلہ خیال فرمائیں تو بجائے ان مناقب کے دوسرے القاب کے مستحق ہوں گے۔ ان کو شر الشر شرار العلماء کا مصداق کہا جائے گا۔ اُن کو علماؤھم شرمن تحت السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود میں شمار کیا جائے گا۔ اور وہ ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃً یوم القیامۃ عالم لا ینتفع بعلمہٖ کا مصداق ٹھہرائے جائیں گے کیونکہ علم

اور حق پوشی یا حق فراموشی کی وجہ سے انجام بد کے مستحق ہوں گے اور تمام عالم کی تباہی و بربادی کا وبال
ان کی گردن پر ہوگا۔

حضرات علماء! میں آپ کی آیت کریمہ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم کے مضمون کی طرف توجہ دلاتا ہوں اس آیت کریمہ کے بلاواسطہ مخاطب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جو بعد انبیاء و مرسلین کے من حیث المجموع تمام عالم سے افضل و برگزیدہ تسلیم کرلئے گئے ہیں۔ آپ خیال کرسکتے ہیں کہ لفظ تولی کا یہی مطلب نہیں کہ العیاذ باللہ نفس اسلام و ایمان سے روگردانی کی جائے بلکہ جس سے جس درجہ میں بھی ادائے خدمت اسلامی سے عمداً تقاعد ظاہر ہوگا اسی قدر اس آیت کی تنبیہ میں داخل ہوگا۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا۔ عرب ہی اس کے لواء کے حامل تھے اور ان ہی کی سرگرم مساعی اور جانبازانہ فداکاری کی بدولت مشرق و مغرب پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا۔ لیکن جوں جوں قوم عرب میں ناتوانی یا تقاعد کا اثر آتا گیا۔ دوسری قومیں ان کی جگہ لیتی گئیں۔

ان تتولوا کے ارشاد میں ہر قرن کے مسلمان اور خصوصیت کے ساتھ علماء مخاطب ہیں۔ اگر علماء اپنے فریضہ کو نہ پہچانیں اور ضرورت وقت کے مطابق اپنی ہمتوں کو صرف نہ کریں اور صرف اپنی جاہ و عزت یا مال و دولت پر قناعت کرکے بیٹھ رہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس لازوال دولت علم سے محروم ہونے کا وقت قریب آگیا ہے اور ان کی جگہ کوئی دوسری قوم سنبھالے گی۔

اگر میں یہ کہوں کہ علماء اب تک خدمات اسلامی سے غافل تھے تو سخت غلطی اور ناسپاسی ہوگی اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق کی تصدیق سے انکار ہوگا (خداوند عالم مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو ایسی گستاخی سے محفوظ رکھے) بیشک علماء حقانی کی مختلف جماعتیں انفرادی حیثیت سے تعلیم تبلیغ ارشاد و تلقین تصنیف و تالیف وعظ و نصح وغیرہ طرق سے ادائے خدمات اسلام میں مصروف رہیں اور بعض بعض جگہ اجتماعی صورت سے بھی کام کرتی رہیں اور ہر ضرورت کے وقت علماء مسلمانوں کی رہبری کرتے رہے لیکن جن حالات سے مسلمانوں کو اس وقت سابقہ پڑا ہے جس کے متعلق بس میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ شاید ایسے حالات اسلام کی چودہ صدیوں میں کبھی پیش نہ آئے ہوں۔ وہ حالات علماء کی زیادہ مستعدی اور وسیع پیمانہ پر مساعی کے مقتضی تھے۔ حضرات میں اپنی اسی تحریر کے ابتداء میں عرض کرچکا ہوں کہ علماء اسلام نے دین کے ہر شعبہ میں پورا حصہ

لیا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ تتار کی اتنی بڑی قوت کو توڑنے میں سلطان العلمار کا ہاتھ تھا آپ نے اپنے تمام علمی مشاغل حلقۂ درس وتدریس تخلی والفراغ للعبادات، مراقبات ومحاسبات پر اس خدمت کو مقدم سمجھا اور آپ کی مساعی پر جو ثمرات مرتب ہوئے آپ کو معلوم ہو چکے ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک طرف سلطان العلمار تتار کی تخریب کی فکر میں تھے تو دوسری جانب حضرت شیخ شمس الدین تتار کے قلوب میں ایمان کی تخم ریزی کر کے اس ویرانہ کو آباد کر رہے تھے۔ اُس تخریب و تعمیر کا جو کچھ نتیجہ ظاہر ہوا عالم نے دیکھا اور آپ دیکھ رہے ہیں پھر کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس زمانہ کے علمار کے فرائض وہ نہیں ہیں جو حضرت شیخ شمس الدین اور حضرت سلطان العلمار کے تھے ؟ ہیں اور ضرور ہیں۔

میں خداوند عالم کا شکر کرتا ہوں کہ علمار ہندوستان نے بروقت سمجھا اور جیسا فتنہ زبردست اور مشکلات عام تھیں ویسی ہی تدبیر بھی اختیار کی گئی اور ایسی ہی مستعدی اختیار کی جس کی ضرورت وقت متقاضی تھی اور ان ہی کی بروقت بیداری اور مستعدی کا یہ نتیجہ ہے جو جمعیۃ العلمار کے قیام کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

جمعیۃ العلمار کی اہمیت

جمعیۃ العلمار کی اہمیت کو لبس میں ایک ہی جملہ میں بیان کر سکتا ہوں وہ "یہ کہ جمعیۃ العلمار مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کے لئے قائم ہوئی ہے"۔ مذہبی رہنمائی کا جملہ بہت مختصر ہے مگر وہ اپنے اندر بہت سے مطالب لئے ہوئے ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے احکام میں عبادات معاملات اور تنظیم بلاد و حراستہ ممالک اسلامیہ سب ہی داخل ہیں شارع علیہ السلام نے ہر موقع کے لئے احکام صادر فرمائے ہیں اور فقہار اسلام نے کلیات سے استنباط جزئیات کر کے ان کو مدون کیا ہے۔

آپ نے دیکھا ہے کہ کتب فقہ میں جہاں صلوٰۃ زکوٰۃ صوم حج وغیرہ عبادات او بیع وشرار شفعہ ورہن ودلیعۃ کفالت ضمانت وغیرہ معاملات کے احکام بیان کئے گئے ہیں وہیں کتاب السیر بھی موجود ہے جس میں جہاد اسر غنیمت ہدنہ صلح۔ معاہدہ ذمی مستامن حربی وغیرہ کے احکام مذکور ہیں جن کا تعلق سیاست عالم اور نظام ممالک سے ہے اور مسلمانوں پر کوئی غیر مسلم طاقت مسلط ہو جائے تو اس کے احکام بھی کتب فقہ میں موجود ہیں۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ مذہب سے مستغنی نہیں

ہو سکتا۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں رہ کر غیر مسلم اقوام سے معاملات پڑتے ہیں اُن کو ضرورت پڑتی ہے کہ ہم اپنے ہم وطن اقوام کے ساتھ کیونکر رہیں شرعاً کس قسم کے معاملہ کے مجاز ہیں اور گورنمنٹ کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہونا چاہیئے۔ پھر مسلمانانِ عالم کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے اُن کی ہمدردی یا تعاون و تناصُر کے احکام کا تعلق ہم سے کس حد تک ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان صلوٰۃ زکوٰۃ حج نکاح طلاق بیع و شرا وغیرہ میں تو مذہبی فتویٰ کے محتاج ہوں اور معاملات ملکی اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کے احکام شریعت میں نہ ہوں یا اُن کو اس کی حاجت نہ ہو۔

اگر سیاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں یا علماء کا ان مسائل میں دخل دینا اُن کے فرائض میں داخل نہیں ہے تو میرے خیال میں کتب فقہیہ سے ابواب جہاد اسیر وغیرہ کو نکال لینا چاہیئے اور جب ایسا نہیں ہو سکتا تو آپ سمجھ لیجئے کہ معاملات سیاست کے اس حصہ میں جس کا تعلق مذہب سے ہے مسلمانوں کو علماء کی اُس سے کم ضرورت نہیں جس قدر کہ مسائل عبادات و معاملات میں بلکہ ایک معنی سے زیادہ ہے اور علماء کے فرائض میں یہ فریضہ بھی اہم ہے کہ وہ اُن کلی معاملات میں اپنے اوقات عزیز کو صرف کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مسائل عبادات و معاملات میں علماء کے انفرادی فتاویٰ بھی کافی ہو جاتے ہیں مگر ان معاملات کلیہ و اساسی میں علماء کی انفرادی آراء یا فتاویٰ ہرگز مفید و مثمر نہیں ہیں ان وجوہ سے جمعیۃ العلماء کے وجود کی مسلمانانِ ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ اگر ہمارے مسلمان بھائی تھوڑی دیر کے لئے اس سے قطع نظر کر لیں (کہ جمعیۃ العلماء اب آخر میں قائم ہوئی ہے اور اس سے قبل ہندوستان میں سیاسی تعلیمی وغیرہ بہت سی جمعیتیں موجود ہیں اور اس وجہ سے جمعیۃ العلماء کو کچھ فوقیت کا استحقاق نہیں) تو وہ خود بخود سمجھ لیں گے کہ مسلمانوں کی تمام جمعیتیں اور کانفرنسیں جمعیۃ العلماء کی محتاج ہیں کوئی جمعیۃ اس سے مستغنی نہیں ہے۔ وہ مسلمانوں کے نظم ملکی و ملی کی محور ہے بلکہ میں تو اس سے بھی ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ برما اور دیگر اسلامی غیر ممالک کے مسلمان بھی جمعیۃ علماء ہند سے مستغنی نہیں ہیں۔

حضرات علماء! آپ کی بروقت مستعدی سے جمعیۃ العلماء کا وجود تو قائم ہو گیا جس کی سخت ضرورت تھی اگر آپ ایسا نہ کرتے تو در حقیقت ایک بڑے اور اہم فرض سے غفلت کا الزام آپ پر آتا لیکن یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کی ذمہ داریاں بہ نسبت سابق بہت زیادہ بڑھ

گئی ہیں۔ اس وقت تک آپ حضرات جس قدر اسلامی خدمات ادا کرتے تھے وہ ایک حیثیت سے انفرادی تھیں اور اب جو کچھ کرنا ہے اجتماعی شان سے ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ حضرات علمار جزوی مناقشات اور باہمی اختلافات و منافرت کو نظر انداز کر کے اخلاص و یک جہتی کے ساتھ کلی معاملات کو سلجھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری تنگ دلی یا مناقشہ سے اصلی مقصد کو نقصان پہنچ جائے۔ یہ وقت ہے کہ ہم ایثار سے کام لیں۔ ترفع اور وجاہت سے دور رہیں معاملات شرعیہ میں مداہنت یا مدارات کو دخل نہ دیں۔ کلمہ حق کہنے میں لومۃ لائم کا خوف نہ کریں اور اصولِ شریعت و طریقِ سُنت کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھالیں۔

جمیعۃ العلماء کا نصب العین۔

ابھی ابھی بیان کیا گیا ہے کہ جمیعۃ العلمار کا مقصد اور نصب العین مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی تعلقات حدود ہندوستان سے متجاوز ہیں اُن پر خلافتِ اسلامیہ کی حمایت واجب۔ اس کے تحفظ کی تدابیر کرنا ضروری۔ مسلمانانِ عالم کے ساتھ ہمدردی لازم۔ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا یا اعدار اسلام کو اس قسم کی امداد دینا جس سے مسلمانوں کو یا خلافت کو نقصان پہنچے قطعاً حرام ہے۔

پس جمیعۃ العلمار کا نصب العین بھی دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ اندرونِ ملک میں مذہبی رہنمائی۔ بیرونِ ہندوستان کے مذہبی تعلقات کا تحفظ، اور چونکہ مسلمانانِ ہندوستان بغیر حصولِ آزادی نہ ہندوستان میں مذہبی احکام پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور نہ بیرونِ ہندوستان اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اسلامی تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں اس لئے ہمارے عملی نظام کا پہلا حصّہ حصولِ آزادی کی تدابیر کا اختیار کرنا ہے اور دوسرا حصّہ اندرونِ ملک میں نظام مذہب کے استحکام و بقار کی صورتیں اختیار کرنا اور چونکہ حصّہ دوئم کی تحصیل میں بھی پوری کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حصّہ اوّل میں ہماری مساعی کامیاب ہو جائے اس لئے نظام عمل کی ترتیب میں حصّہ اوّل ہی کو تقدم حاصل ہے اور یہی سخت اور کٹھن راستہ ہے میں چاہتا ہوں کہ نظامِ عمل کے دونوں حصوں کو جُدا جُدا بیان کر دوں۔

نظامِ عمل کا حصّۂ اوّل یعنی تدابیر حصولِ آزادی۔

یہ مقصد ہندوستان کے باشندوں کا مشترک مقصد ہے

اس لئے اشتراک فی العمل کی ضرورت ہے اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اولاً اقوام ہند کی متحد ہو جائیں اور ثانیاً تدابیر عمل بھی مشترک ہوں۔

اقوام ہند ۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا اتفاق

ہندو مسلمان باوجود اختلاف مذہب کے کسی مشترک مقصد کی تحصیل کے لئے متفق ہو سکتے ہیں۔ ایسا اتفاق شریعت کے کسی قاعدہ کے خلاف نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں کہ مسلمانوں کو اُن کے دینی مقاصد کی تحصیل میں تقویت حاصل ہوتی ہو یہ اتفاق ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ اتفاق و اتحاد سیاسی و تمدنی ہے اور ایک قوی اور مشترک دشمن کے مقابلہ میں ہے۔ نبیؐ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے یہود مدینہ کے ساتھ بمقابلہ مشرکین معاہدہ کیا۔ عہد نامہ لکھا گیا۔ صلح حدیبیہ میں مشرکین عرب کی بعض جماعتیں ازروئے معاہدہ مسلمانوں کے فریق میں داخل ہوئی تھیں۔

پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسے اتفاق کے جواز میں کلام کیا جائے۔ البتہ اگر اس اتحاد و اتفاق کا اثر مذہبی معاملات پر پڑتا ہو یا کوئی مذہبی حکم بدلتا ہو یا حدود مذہب کو نقصان پہنچتا ہو تو یقیناً ناجائز ہے۔

لیکن ہندو مسلمانوں کا اتفاق جس قدر ضروری ہے اسی قدر مشکل بھی ہے۔ اس اتفاق میں بڑی بڑی خلیجیں حائل ہیں جن کو صدیوں کی لگاتار کوشش سے وسیع کیا گیا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں نفاق و نزاع کے خوگر ہو چکے ہیں۔ بسا اوقات ایک حقیر معاملہ کو مذہبی رنگ چڑھا کر عداوت و خصومت کے انتہائی درجہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ ملک میں ہندو مسلمانوں کی نااتفاقی اور باہمی جنگ و جدل کے واقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کی ایک ہی صورت ہے کہ فریقین کے فہمیدہ، مدبر، وسیع النظر اشخاص کی ایک کمیٹی بنا دی جائے جو تعصب اور کسی ایک فریق کی حمایت سے علیحدہ ہو کر نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ اولاً یہ متعین کریں کہ ایسے مسائل (خواہ مذہبی ہوں یا ملکی) کتنے ہیں جن میں اختلاف و نزاع ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اس کے بعد اس امر کو صاف کریں کہ ان مسائل سے فریقین کا مذہبی مسئلہ کونسا ہے اور ہر فریق اس میں کس قدر مسامحت کر سکتا ہے۔ اس کی تنقیح کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ ایسے مسائل میں بغیر اس کے کہ کسی فریق کے مذہب میں مداخلت ہو فریقین کے اتحاد کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اگر اسی طرح ایک ایک مسئلہ

گویے کر اس کی تنقیح کر دی گئی اور صورت اتفاق نکال دی گئی تو میں یقین کرتا ہوں کہ بغیر کسی قسم کے مذہبی نقصان کے اتحاد ایک مضبوط بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے اور یہ اتحاد اصلی اتحاد ہوگا۔ اس میں دفع الوقتی اور خداع کا شائبہ نہ ہوگا لیکن ضرورت اس کی ہے کہ جس حد تک مذہب میں مداخلت نہ ہوتی ہو وسعتِ نظر اور رواداری سے کام لیا جائے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر ایسی مشترک کمیٹی بنا کر مسائل ما بہ النزاع کو منقح کر کے اتفاق کی صورتیں پیدا کرلی گئیں تو ہندو مسلمان اپنا مشترکہ مقصد حاصل کرلیں گے ورنہ اس طرح کہ زبان سے اتفاق اتفاق کی صدائیں بلند ہوتی رہیں اور نزاعات و اختلافات کا سدِّباب نہ ہوا تو کسی مقصد میں کامیابی کی توقع نہیں ہے۔

ترکِ موالات یا ترکِ تعاون

ترکِ موالات مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے اور اس کی تحقیق کماحقہٗ علمار کی جانب سے ہو چکی ہے۔ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں نے ایک مشترک مقصد کی تحصیل کے لئے مشترک راہ عمل اختیار کی یعنی گورنمنٹ سے ترکِ موالات لیکن فرق اتنا ہے کہ مسلمانوں نے باعتبار حکم مذہب و باعتبار تدبیر حصولِ آزادی اس کو اختیار کیا ہے اور مذہب کی رو سے وہ سیاسی تدابیر بھی مذہب ہی میں داخل ہیں جن سے مذہب کو تقویت پہنچتی ہے اور ہندوؤں نے محض تدبیر کے طور پر اس کو اختیار کیا ہے۔ ترکِ موالات اگرچہ مسلمانوں کا فرض مذہبی تھا مگر چونکہ فرض کے ادا کے لئے استطاعت شرط ہے اور یہ ناممکن تھا کہ تعلقات کے تمام شعبے یک لخت منقطع کر کے ہندوستان میں کوئی مفید مذہب قائم کیا جا سکتا اس لئے عمل کو ضرور حدود استطاعت میں تدریجی رفتار پر چلانے کے لئے چند ایسے شعبوں کا انتخاب کیا گیا جن پر عمل کرنا عقلاً مفید بھی تھا اور حد استطاعت میں بھی داخل تھا۔ منجملہ اُن کے گورنمنٹ کی کونسلوں سے ترک تعاون کا مسئلہ بھی ہے۔

کونسلوں سے ترکِ تعاون کا مسئلہ

کونسلوں سے ترکِ تعاون کے مسئلہ کو جمعیۃ علماء کے متفقہ فتویٰ میں بہت خوبی سے لکھا گیا ہے اور کونسلوں کے داخلہ کی حرمت کو قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے لیکن سول نافرمانی کمیٹی کی تحقیقاتی رپورٹ شائع ہونے کے بعد ملک میں افسوسناک اختلاف پیدا ہو گیا۔ ملک کے مقتدر رہنماؤں

میں دو فریق ہو گئے ایک تو اپنی اسی قدیم رائے پر قائم ہے اور کونسلوں کے داخلہ کا اسی طرح خلاف ہے۔ دوسرا فریق تخریب کی نیت سے داخلہ کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اس کو ضروری سمجھتا ہے یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ ذاتیات پر حملے شروع ہو گئے۔

داخلہ کونسل میں ملک کی مقتدر جماعتیں دس حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک جماعت وہ ہے جو اپنی قدیم رائے پر قائم اور مقاطعۂ کونسل کی اسی طرح حامی ہے جس طرح تھی۔

داخلہ کونسل کے حامیوں میں باعتبار نوعیت کے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو یہ کہتے ہیں کہ انتخاب کونسل کے لئے پوری جدوجہد کی جائے اور جب انتخاب ہو جائے اور حلف وفاداری کی نوبت آئے تو حلف سے انکار کر کے اپنی جگہ چھوڑ کر چلا آنا چاہیئے۔ باقی قسمیں ان لوگوں کی ہیں جو حلفِ وفاداری کے بعد داخلہ کونسل کی اجازت دیتے ہیں اُن میں بعض تو محض تخریب کے لئے داخل ہونا چاہتے ہیں اور بعض محض تعاون کے لئے اور بعض بین بین حالت میں ہیں یہ مسئلہ جمعیۃ العلماء کی مجلسِ عالیہ کے اجلاس منعقدہ ۱۱ نومبر ۱۹۲۲ء میں بھی پیش ہوا اور وہاں کثرت رائے سے ان الفاظ میں داخلہ کونسل کے متعلق تجویز پاس ہوئی:۔

جمعیۃ عاملہ کا یہ جلسہ اعلان کرتا ہے کہ جمعیۃ کے شائع کردہ متفقہ فتویٰ کے جمیع احکام ترک موالات پر اب بھی عمل لازم ہے اور ضروریات و حالات کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کی معاونت و شرکت نظام حکومت سے خواہ وہ شرکت و معاونت تعلیم گاہوں کی ہو یا کونسلوں کی مسلمان قطعاً محترز رہیں اور کوئی معاہدہ اور حلف اطاعت نہ دیں نہ شریک و معاون ہوں۔ اس اصول کے تسلیم کر لینے کے بعد جو صورتیں تخریب کونسل کی ہوں وہ جائز ہیں جن میں سے ایک شکل یہ بھی ہے کہ اُمیدوار صرف انتخاب کے لئے کھڑا ہو اور حلف وفاداری اُٹھانے سے انکار کرتے ہوئے بطور احتجاج اپنی جگہ چھوڑ دے۔

ہم نے حامیان مقاطعہ کونسل اور مجوزان داخلہ کونسل دونوں کے دلائل اخبارات میں دیکھے اور زبانی بھی سُنے اُن سب کو سُننے اور غور کرنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کے اجلاس ۱۱ نومبر ۱۹۲۲ء میں جو تجویز الفاظ مذکورہ بالا کے ساتھ منظور ہوئی ہے وہ متفقہ فتوے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ فتویٰ متفقہ کے دلائل کا تعلق صرف اس صورت سے ہے کہ کونسلوں میں شرکت کی جائے۔ یہ صورت جو ۱۱ نومبر کے اجلاس میں منظور کی گئی ہے

بالکل جداگانہ چیز ہے۔ دلائل مذکورہ فتویٰ میں سے کوئی ایک دلیل بھی اس کے متعلق نہیں ہے اور میرے خیال میں انتخاب کے لئے یہ جد وجہد جس نیت سے تجویز کی جاتی ہے اس کے لحاظ سے اُس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے۔

البتہ غور و تنقیح کی ضرورت دو امر میں ہے۔ اوّل یہ کہ انتخاب کے لئے اس قدر جد وجہد کرنا اور بعد انتخاب حلفِ وفاداری سے انکار کر دینا مفید بھی ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ حلفِ وفاداری کے بعد بہ نیت تخریب داخلۂ کونسل کے حامی ہیں اُن کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اور سیاسی حیثیت سے مفید ہے یا نہیں۔

میرا فرض تو فقط اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ میں شرعی حکم عرض کر دوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ شرعی حکم کے ساتھ دوسری حیثیت سے بھی اپنی رائے ظاہر کر دوں لیکن وہ محض میری شخصی رائے ہے۔

صورت مذکورہ کا شرعی حکم تو یہ ہے کہ جن احکام شرع کی بنا خاص حالات اور مصالح وقتی پر ہو وہ حالات و مصالح کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں کونسل کا داخلہ جن وجوہ کی بنا پر حرام ہے وہ اگر سب کے سب مرتفع ہو جائیں یا داخلہ بجائے مضر ہونے کے مفید ہو جائے تو ظاہر ہے کہ وہ حرام نہ رہے گا۔ داخلہ بہ نیت تخریب میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں ہے۔ حرمت کے جو دلائل بیان کئے گئے ہیں ان میں سے تین دلائل کا تعلق اس صورت سے نہیں لیکن حلف وفاداری کے جواز کی کوئی صورت خیال میں نہیں آتی اور داخلہ موقوف ہے حلف وفاداری پر اس لئے داخلہ کی کوئی صورت خواہ کسی نیت سے ہو جائز معلوم نہیں ہوتی۔

رہا یہ امر کہ جد وجہد انتخاب کے بعد حلفِ وفاداری سے انکار کر کے واپس چلا آنا یا بہ نیت تخریب داخل ہونا تحصیل مقاصد کے لئے مفید ہے یا نہیں۔ اس بارہ میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ سول نافرمانی کے لئے ابھی ملک تیار نہیں اور تخریبی پروگرام کو اکثر حصوں میں پوری کامیابی نہیں ہوئی تو اصل ذریعہ حصولِ مقاصد کا تعمیری پروگرام پر نہایت مستعدی و استقلال سے عمل کرنا ہے اور اس میں سے بھی اس جزو پر زور دینا ہے جس کے فوائد کو ملک سمجھ چکا ہے۔ اگر خیالات کو مجتمع کر کے ساری جماعت اس ایک نظام کی طرف متوجہ ہو جائے تو جو مقصود تخریب سے حاصل ہو سکتا تھا وہ تعمیر کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو گا۔

رہا یہ امر کہ فیصلہ بردولی کے بعد ملک میں سردی پیدا ہو گئی ہے اُس میں گرمی اور جوش کو پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور اس کا قوی اور مؤثر ذریعہ انتخاب کونسل کے لئے جد وجہد ہے۔ میں

مانتا ہوں کہ بیشک یہ ایک قوی ذریعہ ہے اور ایک دفعہ تو اس سے ملک میں جوش اور گرمی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ بھی چند روزہ ہے دائمی اور مستقل نہیں ہے۔ دائمی اور مستقل جوش وہی ہے جو تعمیری نظام عمل میں ہو۔

میرا خیال یہ ہے کہ حلف وفاداری اور داخلۂ کونسل کو تو بالکل اختیار نہ کیا جائے کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ تعاون کا راستہ نہ کھل جائے۔ البتہ ہر دو فریق باہم اتفاق کر کے ایک مدت معین کے لئے امتحاناً اس صورت کو جو جمعیۃ العلماء نے منظور کی ہے اختیار کرلیں تو مناسب ہے اگر اس امتحان میں کامیابی ہوئی اور ایک حد تک اُس کے فوائد ظاہر ہوئے تو اس کے دوسرے منازل عمل پر غور کیا جائے۔ یہ وہ صورت ہے جس کو حامیان تعاون کے سوا غالباً ساری جماعتیں قبول کرلیں گی ورنہ کم ازکم وہ جماعت جو صرف بہ نیت تخریب داخلہ کی حامی ہے ضرور منظور کرلے گی۔ اور اگر اس صورت پر اتفاق نہ کیا گیا تو اس قدر اختلافات پیدا ہو جائیں گے جن کی سنبھال مشکل ہو جائے گی۔

نظام العمل کا حصۂ دوم

اندرونِ ملک میں جمعیۃ العلماء کے نظام العمل کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ نہایت اہم اجزاء پر مشتمل ہے جمعیۃ العلماء کے مقاصد میں اکثر امور درج ہو چکے ہیں اُن کے علاوہ جو ضروری امور پیشِ نظر آتے جاتے ہیں بعد بحث و تنقیح ان کو نظام العمل میں داخل کرلیا جاتا ہے۔ اُن مقاصد کی نسبت کسی قسم کے بیان یا اظہار رائے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس قسم کے معاملات کا تصفیہ مجلس انتظامیہ میں ہوتا اور ان کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ تاہم چند ضروری اور نہایت اہم معاملات کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔

جمعیۃ العلماء کی توسیع

جمعیۃ العلماء کا سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ علماء کے وفود ملک میں دورہ کر کے جمعیۃ کی ضرورت اور اس کے مقاصد کو ذہن نشین فرمائیں اور ضلع وار جمعیۃ کی شاخیں قائم کریں اور اضلاع کی جمعیتوں کے تعلقات کا مکمل قانون بنایا جائے۔ یہ تجویز اگرچہ منظور ہو چکی ہے اور ایک حد تک اُس پر عمل بھی شروع ہوا ہے مگر اس سے بہت زیادہ اہتمام اور مستعدی کی ضرورت ہے۔ علماء کے بہت سے وفود تیار ہونے چاہئیں اور ان کو کافی وقت دیا جائے کہ وہ ہر مقام پر حسب ضرورت قیام کر کے جمعیۃ کی تنظیم کریں۔

قضاۃ و مفتیین یا امیر شریعت کا تقرر

ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیرِ حکومت ہیں اور نہ اُن کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے والی اور امیر مقرر کریں۔ دار القضاء قائم کرکے قضاۃ و مفتیین کا تقرر کریں۔ جمعیۃ العلماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے اور جمعیۃ العلماء کے اجلاس لاہور میں یہ طے ہوا تھا کہ ایک سب کمیٹی کا اجلاس بدایوں میں منعقد کیا جائے جس میں امیر شریعت کی شرائط و فرائض و اختیارات وغیرہ مسائل کو طے کر لیا جائے اور اس کے بعد انتخاب امیر کا مسئلہ پیش کیا جائے۔

اس قرارداد کے موافق[1] ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ [۹ دسمبر ۱۹۲۱ء] کو سب کمیٹی کا اجلاس ہوا اور مختلف مسودے پیش ہوئے مگر ابھی تک اُن کا نتیجہ مرتب ہو کر مجلس منتظمہ میں پیش نہیں ہوا۔ اُمید ہے کہ جلد از جلد اُس کے قواعد مرتب ہو کر انتخاب امیر کا وقت آجائے گا۔ یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ ہندوستان کے امیر شریعت کے تحت میں صوبہ وار امیر مقرر ہوں گے۔ میرے نزدیک مجلس منتظمہ کو اس امر کا فیصلہ بھی کر لینا چاہئے کہ ترتیب مناسب کیا ہے؟ آیا اول امیر عام کا انتخاب کیا جائے اور بعد از اں صوبجات کو یا صوبجات کے امراء منتخب ہو جانے کے بعد امیر الہند کا انتخاب کیا جائے۔ مسلمانوں کے تفرق و تشتت اور ضروریات دین سے غفلت و جمود کا خیال کرتے ہوئے میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اول صوبجات کے امراء کا انتخاب کیا جائے اور جب ہم کو صوبجات کی حالت سے اطمینان ہو جائے اس وقت امیر عام کا انتخاب ہونا چاہئے۔ اگر ہم کو صوبجات کے انتخاب میں کامیابی ہو گئی تو ہمارے لئے شاہراہ عمل کھل جائے گی۔ ایک صوبہ میں اگر خدانخواستہ ناکامی ہوئی تو دوسرے صوبہ میں عمل کیلئے موقع باقی رہے گا اور امیر الہند کے معاملہ میں ایک دفعہ ناکامی ہوئی تو ہمیشہ کے لئے اس تجویز کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ملک کے حالات سے واقف کار حضرات ناکامی کے خطرہ سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے۔ بہر حال اب اس تجویز کی تکمیل کی جلد از جلد ضرورت ہے۔

صوبہ بہار کا شکریہ

علماء و مشائخ اور رکبارِ صوبہ بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اپنے صوبہ میں امیر شریعت قائم کرکے مسلمانوں کے لئے ایک سڑک تیار کر دی ہے ہمیں یہ تسلیم کرنا اور دیکھ کر کہ صوبہ بہار میں جمعیۃ العلماء اور خلافت کمیٹی کا کام

---

[1] دیکھئے، کتاب ہٰذا ضمیمہ ب۔

باقاعدہ نظام کے ساتھ چل رہا ہے اور امیر شریعت کا محکمہ بہترین نظم سے کام کر رہا ہے اور صوبہ بھر میں اس کا اثر قائم ہے بہت ہی مسرت ہوتی ہے اور ہم ان حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبوں کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔

تبلیغ واشاعت۔ ہندوستان میں تبلیغ واشاعت کے باقاعدہ مکمل انتظام کی اشد ضرورت ہے۔ اگرچہ بہت سے علماء اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں مگر اُس کا کوئی ایک مرکز نہیں ہے اور جب کہ جمیعۃ العلماء ہندوستان کی مذہبی رہنما ہے اور مذہب کے تمام کلی معاملات کا رجوع اس کی طرف ہے تو تبلیغ واشاعت کے کام کو بھی جمیعۃ کے مقاصد مہمہ میں داخل کر کے اس کی عملی تدبیر اختیار کرنا لازمی ہے۔

ذکرِ خیر۔ حضرات علماء کرام واعیان اسلام! علماء کے اندر اس حرکت کے بانی مبانی قافلہ سالار علماء راسخین وسرخیل فقراء زاہدین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی ذات بابرکات تھی۔ ہندوستان میں جس قدر مذہبی سرگرمی ہے اس کے محرکِ اوّل حضرت مولانا علیہ الرحمۃ تھے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے مولانا کی تخم ریزی کے ثمرات ہیں اس کے علاوہ مولانا کے فیوض علمی وعملی سے دُنیا مالامال ہے۔ علماء کی کوئی مجلس ایسی نہیں جس میں حضرت مولانا کے تلامیذ ومستفیدین کی بڑی جماعت موجود نہ ہو۔ پس ہمارے اور آپ کے ذمہ ضروری ہے کہ ہم حضرت مولانا قدس سرہٗ کے ذکرِ خیر سے برکت حاصل کریں اور آپ کے لئے دُعا مغفرت وترقی درجات کریں رحمہ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً کاملۃً واسبغ علیہ شابیب رضوانہ۔

اور ساتھ ہی اُن فدا کارانِ اسلام وجانبازانِ ملّت کی یاد کو تازہ کریں جو مذہبی وملّی خدمات کی بدولت زندان فرنگ میں تکالیف جھیل رہے ہیں اور محض اس جرم میں کہ اسلامی مطالبات یا ملکی آزادی کے لئے زبان وقلم کو حرکت دی وہ اپنی آزادی سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ خداوند عالم اُن کی مساعی مذہبیہ وملّیہ کے ثمرات جن کی بدولت وہ آج اپنے اعزہ واقارب اہل وعیال کی مفارقت کی کلفتیں اُٹھا رہے ہیں جلد ظاہر فرمائے اور یہ فدایانِ دین وبزرگانِ ملّت بلامنت غیر آزادی کی دولت سے متمتع ہو کر اپنی مساعی کے نتائج خود مشاہدہ کریں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

حضرات علماء میں سمجھتا ہوں کہ میری اس بے ربط تقریر سے آپ کو کلفت ہوئی لیکن میں

اُتنا ہی کر سکتا تھا جس قدر میری استطاعت میں داخل ہے۔ میں غلطیوں اور لغزشوں سے چشم پوشی کی استدعا کرتا ہوا آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور اپنے اور آپ کے لئے دُعا پر سلسلۂ کلام کو ختم کرتا ہوں۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہٗ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہٖ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انتَ مولانا فانصرنا علی القوم الکٰفرین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

وانا العبد الضعیف الحقیر

حبیب الرحمٰن الدّیوبندی

عفی اللہ عنہ ووفقہ لمرضاتہٖ

۵ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ

یوم یکشنبہ

گیا

ماخذ: مولانا محمد حبیب الرحمٰن دیوبندی، خطبۂ صدارت، اجلاس چہارم جمعیت العلمائے ہند منعقدہ ۲۴۔۲۵۔۲۶ دسمبر ۱۹۲۲ء، بمقام گیا، دیوبند، ت ن، ۴۶ ص۔

۱۳

قرار دادیں ۔

قرار داد نمبر ۱ ۔

جمیعت العلماء ہند کونسل کے سوال پر فیصلہ دیتی ہے کہ اسلام نے الیکشن کے لیے کھڑے ہونے کو بُرائی قرار دیا ہے، چاہے کامیاب اُمید وار نہ ہی حلف اٹھائے اور نہ ہی کونسل میں بیٹھے ۔ یہ فیصلہ مولانا آزاد سُبحانی کے تجویز کرنے پر جنرل باڈی میٹنگ نے ۷ کے مقابلے میں ۴۸ ووٹ سے پاس کیا ۔

قرار داد نمبر ۲ ۔

جمیعت العلماء ہند نے مصطفےٰ کمال پاشا اور انگورہ نیشنل اسمبلی میں پورے یقین کا اظہار کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ وہ آئندہ بھی ترکی اسلام اور اسلامی قوموں کے تحفظ کے علاوہ خلیفہ کی قوت اور وقار کو شریعت کے مطابق قائم رکھیں گے ۔ (۲۶ دسمبر کو جمیعت کے افتتاحی اجلاس میں علماء کی جنرل باڈی میٹنگ نے ۶ قرار دادیں منظور کی تھیں جن میں سے سب سے زیادہ اہم قرار داد مندرجہ بالا تھی)

قرارداد نمبر ۳ ۔

کونسل میں داخلہ: اس قرارداد کی رو سے یہ طے پایا کہ آئندہ جنرل الیکشن میں کھڑا ہونا یا اس سلسلہ میں کوئی کوشش کرنا شریعت کے منافی ہے۔ چاہے امیدوار کا منشا حلف نہ اٹھانا یا کونسل کی کارروائی میں حصہ لینا نہ ہو۔ یہ قرارداد نومبر میں دہلی میں ہونے والی جمعیت کی ایگزیکٹو کمیٹی کی اس قرارداد سے مختلف تھی جس میں اس بات کی اجازت دے دی گئی تھی (بشرطیکہ امیدوار حلف نہ اٹھائے)

ان کے علاوہ درج ذیل قراردادیں بھی پاس ہوئیں۔

قرارداد نمبر ۴ ۔

جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس خاندانِ عثمانی کی اسلام کے لئے خدمات کے پیشِ نظر سلطان عبدالمجید کو خلیفہ تسلیم کرتا ہے۔ خلیفہ کا انتخاب اس لئے نہیں کیا گیا کہ سلطان عبدالمجید خاندانِ عثمانی میں سب سے بڑے ہیں بلکہ ان کا انتخاب انکی ذاتی استعداد اور شریعت کے اصولوں کو مدِنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

قرارداد نمبر ۵ ۔

جمعیت اس اجلاس میں طے کرتی ہے کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو کانگریس مسلم لیگ خلافت کانفرنس اور جمعیت العلمائے ہند کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ یہ کمیٹی اس مسئلہ پر غور کرے گی کہ اقلیتوں کے درمیان اور خاص طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان جو نااتفاقی اور ناچاقی ہے اس کی کیا وجوہات ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے اور مختلف طریقے تجویز کرے جن کے ذریعے یہ مسائل حل ہو سکیں تاکہ ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں اور ہندوؤں کی یکجہتی اور اتحاد قائم رہ سکے۔

قرارداد نمبر ۶ ۔

جمعیت العلماء کا یہ اجلاس کمال پاشا اور "کمالیوں" کو ان کی فتوحات پر مبارک باد پیش کرتا ہے اور مصطفیٰ کمال جسے وہ "THE GREAT CRUSADER" سمجھتے ہیں، اسے "مجددِ خلافت" کا خطاب دیتا ہے۔

قرارداد نمبر ۷ -

جمیعت العلماء ہند مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات کو جو انہوں نے اپنے عقیدے (مذہب اور ملک کے لئے کیں، انتہائی خوشی سے قبول کرتی ہے۔ مولانا آزاد، دوسرے علماء اور خلافت کے کارکنوں کو ان کی قید کے دوران صبر و استقلال پر مبارک باد پیش کرتی ہے۔ جمیعت مولانا ابوالکلام آزاد کے لکھے ہوئے بیان کو بنگال گورنمنٹ کے ضبط کرنے پر سخت اعتراض و احتجاج کرتی ہے اور اسے مذہب میں ایک نئی رکاوٹ قرار دیتی ہے۔

قرارداد نمبر ۸ -

وہ مراکش کے مراکشی بھائیوں کو مبارک باد دیتی ہے جو کہ اسپین کی حکومت کے خلاف اپنے سردار سید عبدالکریم کی سرکردگی میں لڑ رہے ہیں اور ہر خطرے کو صبر و استقلال سے برداشت کر رہے ہیں تاکہ مذہبی اور ملک کی آزادی حاصل کی جائے۔

قرارداد نمبر ۹ ۔

یہ اجلاس منظور کرتا ہے کہ جمیعت کا ایک غیر معمولی اجلاس دہلی میں بلایا جائے۔ تاکہ مجلس انتظامیہ کے لئے افسروں اور ممبروں کا انتخاب کیا جائے اور دوسرے اہم معاملات پر بحث کی جاسکے۔

قرارداد نمبر ۱۰ -

جمیعت العلماء ہند بیبا باغ ڈویژن ضلع سلہٹ و آسام کے گورکھوں کے قرآن پاک کے ساتھ وحشیانہ رویہ کو جس کا مرکزی خلافت کمیٹی کو انکوائری کمیشن کی رپورٹ پڑھنے کے بعد علم ہوا۔ جو کہ مذہب اسلام کی کھلم کھلا بے عزتی تھی، گورنمنٹ کی مسلسل کوشش یہی رہی کہ اس واقعہ کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھے، جمیعت اس واقعہ کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے اور حکومت کو تنبیہ کرتی ہے کہ اپنی جارحانہ پالیسی کو روکے جو کہ مذہب اسلام کی زبردست توہین ہے

قرارداد نمبر ۱۱ -

جمیعت ان تجاویز کو جو کہ برطانوی مال، کونسلوں، عدالتوں کے بائیکاٹ کے بارے میں ہیں گو شائع

کرکے تقسیم کرنے کو منظور کرتی ہے۔

قرار داد نمبر ۱۲ -

جمعیت کا یہ اجلاس جمعیت العلمار بہار کو اس کے امیر شریعت کی تقرری پر مبارک باد پیش کرتا ہے جو کہ دوسروں کے لئے ایک مثال ہے۔

قرار داد نمبر ۱۳ -

آخر میں جمعیت ایک قرار داد پاس کرتی ہے جس میں صدر اور تمام ان دوسرے حاضرین اجلاس کا شکریہ ادا کرتی ہے جن کے باعث کانفرنس اس قدر کامیاب رہی۔

ماخذ THE INDIAN ANNUAL REGISTER 1923, VOL.I, CALCUTTA, 1923, PP. 937-942.

باب پنجم

اجلاس پنجم، کوکناڈا، ۲۹؍دسمبر ۱۹۲۳ء

(۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ)

زیر صدارت

مولانا سید حسین احمد مدنی

۱۴

خطبۂ صدارت از مولانا حسین احمد مدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔ اما بعد

حضرات علمار کرام وبزرگان قوم وملت!

آج جبکہ دنیائے اسلام میں ہر طرح کی کش مکش جاری ہے۔ ہر طرف سے تیز و تند آندھیاں اُس کی فضا کو غبار آلود اور اس کی کشتِ زار کو خس وخاشاک بنارہی ہیں۔ دشمنوں کی عیارانہ چالوں کی گھنگور گھٹائیں اس کی روشنی کو مٹادینے اور اس کے چمکدار میدانوں کو تیرہ و تاریک کردینے میں نہائت کوشاں اور بزعم خود پوری کامیاب ہورہی ہیں۔ اندرونی اور بیرونی حملوں نے اس کی بنیان مرصوص اور بنیاد مستحکم کو اکھاڑ پھینکنے کی تیاری کرلی ہے۔ اعجاب کل ذی رائے برایہ کی بادِ صرصر اس کے سبزہ زاروں کو مرجھارہی ہے۔ شح مطاع اور ہوی متبع کے زہریلے میکروب اس کے صحیح و تندرست افراد پر وبائی اثر پھیلا رہے ہیں۔

حبِ دنیا اور کراہیتِ موت کے وہن نے اقوام دنیا کے بدترین اور کمزور افراد کو بھی دنیائے اسلام

ے نگل جانے اور باہم تقسیم کر لینے کی لالچ اور طمع دے دی ہے۔ خرمنِ اسلام کے جلا ڈالنے اور اس کے چمنستانوں کے برباد کر دینے پر ہر کہ ومہ اپنی نفسانی برق اور صاعقہ لئے ہوئے تیار نظر آرہا ہے۔ فتنۂ عیار کا وہ دور دورہ ہے کہ محق و مبطل اور طیب و خبیث کی تمیز سخت دشوار ہو رہی ہے۔ مخالف ارادہ کر رہا ہے کہ اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو اپنی خواہشات کے لائٹ سے بجھا دوں۔ موافق درپے ہے کہ میں اپنی خوابِ غفلت میں فقط خود ہی چکنا چور نہ رہوں، بلکہ ساری اسلامی دنیا کو سُلا دوں۔ دشمن اپنی قوت و تنومندی میں اگرچہ مست و سرشار ہے مگر اسلام کی بیخ کنی سے ایک لمحہ غفلت نہیں کرتا۔ دوست اپنے نہایت ضعف اور کمزوری کا اگرچہ احساس کرنے والا اور مقر ہے مگر تحفظ و تقویتِ ایمان کے لئے ایک لمحہ کو بیدار نہیں ہوتا۔ مصائب و آلام کی دھواں دھار بارش ہو رہی ہے۔ دوست نما دشمن اور گندم نما جو فروش عیار ٹڈی دل ہر طرف منڈلا رہے ہیں۔ خیانت اور اخلاقی کمزوریوں کا طوفان ہر جگہ بپا ہے۔ ہوا و ہوس پرستی اور روحانی امراض کا تیرہ و تاریک جال ہر شہ راہ پر بچھا ہوا ہے۔ ایسے پُر آشوب زمانہ میں ضرورت تھی کہ صدارت جمعیۃ علماء ہند کے لئے کوئی ایسا شخص منتخب کیا جاتا جو کہ ذہن وقاد اور طبع نقاد رکھتا ہو، اس کی قوتِ عاقلہ وہ تیز روشنی رکھتی ہو جو کہ آفتاب کی طرح جملہ شاہراہوں کو تاریکیوں سے پاک و صاف کر دے۔ اس کی قوتِ تجربہ نے وہ ملکہ راسخہ حاصل کر لیا ہو کہ ہر کھرے اور کھوٹے کو پرکھ کر قوم کے سامنے ظاہر و باہر کر دے۔ اس کی اخلاقی قوت کے ستاروں نے اس درجہ پر اوج حاصل کر لیا ہو کہ اس کی روشنی سے قوم کے ہر فرد کی پوری رہنمائی ہو سکے، اس کی روحانی سطوت نے وہ تسخیری سلطنت حاصل کر لی ہو کہ ہر کہ ومہ اس کے آگے سَر نگوں ہو سکے۔ اس کے اعجاز بیانی کی اگر تاثیر ساحرانہ ہو تو جواہر ارقام کی روشنی ماہتابانہ، اس کے چیدہ الفاظ اگر سحبان وائل کو بھلانے والے ہوں تو برگزیدہ معانی مقناطیسی قوت سے قلوب کو جذب کرنے والے بزرگانِ قوم! مجھ کو نہایت سخت تعجب ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت ہی زیادہ افسوس بھی ہے کہ آپ حضرات کی نظرِ انتخاب نے مجھ جیسے نالائق، کم عقل، کم سمجھ، کم تجربہ، کمزور جس کو نہ سیاسیات میں ملکہ ہے اور نہ مذہبیات میں رسوخ، نہ اخلاقیات میں کمال ہے نہ روحانیات میں مداخلت، کی طرف کیوں توجہ کی۔ غالباً بہت سے حضرات میرے ان الفاظ کو محض رسمی اور غیر واقعی انداز پر محمول فرمائیں گے اور کیوں نہ فرمائیں عادتِ زمانہ یہی ہے۔ خلافِ واقعہ اور خلافِ ضمیر کہنا زمانہ کی تہذیب میں داخل کر دیا گیا ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری یہ حالت واقعی اور اصلی ہے اور میرا یہ مقالہ حقیقی ہے رسمی نہیں۔ اسی امر نے مجھ کو مجبور کیا کہ مجلسِ انتظامیہ کے انتخاب میں ہر ممکن کوشش کو اس سے معافی کے لئے کام میں لاؤں مگر افسوس ہے کہ مجھ کو ہر دروازے پر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مجبوراً میں امتثالِ امر کو باعثِ شرف و افتخار

خیال کرتا ہوا عرض رسا ہوں کہ مجھ کو باوجود قلت فہم و تجربہ و خمود طبیعت و جمود قریحہ توالی اسفار اور ہجوم اشغال وافکار وغیرہ کی وجہ سے اس قدر فرصت نہ مل سکی کہ مسائل حاضرہ پر کماینبغی پورے طور پر روشنی ڈالتا اور ان کی پیچیدہ گتھیوں کو پوری طرح سلجھاتا۔ لہٰذا جو کچھ اس مقام پر آپ کے سامنے پیش کروں گا وہ اگر صریح قرآن و احادیث و اقوال ائمہ و اسلاف کے مفہوم سے کوئی زائد امر ہے تو اپنے مذہبی خیالات اور اسلامی آثار کا مجموعہ ہوگا جن کو میں نے اپنی سمجھ اور عقل کے موافق اصول شریعت اور وقائع ماضیہ و حاضرہ سے استنباط کیا ہوگا۔ کوئی وجہ نہیں کہ میری جملہ معروضات کو آپ دفاتر فتاویٰ میں درج فرمائیں یا گلدستۂ احکام قطعیہ میں سب کو داخل فرماتے ہوئے باعثِ زیب و زینت قرار دیں۔ میں یہ بھی گوش گذار کر دینا چاہتا ہوں کہ فصاحت و بلاغت کی پیچدار گھاٹیوں سے مجھ کو واقفیت نہیں اور نہ میں اس کٹھن میدان کا شہسوار ہوں۔ اس لئے میری عرائض عامیانہ اسلوب اور معمولی اُردو زبان میں ہوں گی۔ مجھ کو اُمید ہے کہ آپ اس دشوار طریقہ تحریر و تقریر سے معاف فرمائیں گے۔

یورپ اور انگلستان کا اسلام سے تعلق

مقدس حضرات! تواریخ ماضیہ ہمیشہ فقط رہنمائے استقبال ہی نہیں ہوتیں بلکہ وہ قومی اخلاق، ان کے جذبات، اعمال، ارادوں، روحانیت وغیرہ پر نہایت صاف اور تیز روشنی بھی ڈالتی ہیں جن سے علاوہ اطلاع احوال سابقہ کے واقفین کے لئے مختلف اقسام کی عبرتیں حاصل ہوتی ہیں اور ہزاروں قسم کے نتائج سے اہل فہم کو استفادہ ہوتا ہے۔ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں وقائع اُمم ماضیہ کے ذکر کرنے کے ضمن بالشان فوائد اور حکم میں سے یہ فائدہ اہم تر اور اوقع ہے جس کو لفظ فاعتبروا یا اولی الابصار (اے ارباب بصیرت (ان وقائع مذکورہ سے) عبرت حاصل کرو) سے بیان فرمایا گیا ہے۔

ہم جبکہ یورپ کے عموماً اور انگلستان کے خصوصاً ان تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں جو کہ اس کو عالم اسلامی اور مشرقی دنیا سے اس کے بزعم خود زمانہ وحشیت و بربریت کے بعد (صلیبی جنگوں اور ہسپانی دہشت ناک مظالم کے بعد کا دور) ظہور میں آئے ہیں تو ہم کو نہایت روشن طریقہ پر یہ دکھلائی دیتا ہے کہ ان کے جملہ تعلقات نہ فقط معاندانہ اور دشمنانہ ہی ہیں بلکہ مخالفت تہذیب و انسانیت کا بھی ہر قدم پر ثبوت اور ہر شاہراہ پر منار ملتا ہے وہ وہ وحشیت کے بدنما کارنامے دکھائی دیتے ہیں جن کی مثالیں قرون سابقہ میں بہت کم نظر آتی ہیں اور وہ وہ بربریت کے ذلیل و خوار شواہد رونما ہوتے ہیں کہ قوم بربر و تتار ان کے سامنے محض بے قصور و بے جرم دکھائی دیتے ہیں۔ اگر فرق ہے تو اتنا ہے کہ قرون سابقہ میں انسانیت کے دعویٰ کی خوش رنگ بو یہ نہ تھی، تہذیب و تمدن کے ادعا کا سہرا ورق نجس اعمال پر چسپاں نہ کیا گیا

تھا۔ جھوٹی اور دروغ حکایتوں سے تباہ کن واقعات اور درندگی کے کارناموں کو چھپا دینا نصیب نہ ہوا تھا۔ اغراض نفسانی و تسویلات شیطانی کے لئے بے قصوروں اور غیر مجرموں کو چار دانگ دنیا میں غلط طریقہ پر بدنام نہ کیا جاتا تھا۔ مظالم اور قبایح پر غیر واقعی رنگین نقاب اور خوبصورت پردہ نہ ڈالا جاتا تھا

وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے

ہم اگر کچھ اور بھی گہری نظر ڈالتے ہیں تو ان بُرے سے بُرے اور نجس سے نجس واقعات کا پتہ چلتا ہے جو کہ زمانہ وحشیت و بربریت کی درندگیوں کو اپنے سامنے ہبا ءً منثورا بنا لیتے ہیں۔ حضرات میں اپنے اس دعوے کیلئے محض سچی اور صحیح تاریخی روایات ہی کو مثبت اور برہان قرار نہیں دیتا بلکہ میں تو ان واقعات کو میدانِ اثبات میں لاکر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جو کہ کالشمس فی رابعۃ النہار اپنے وجود کے لئے اپنے ظہور ہی کو دلیل بیّن بتا رہے ہیں۔ ہاں میں اپنی اس مختصر تقریر میں اس پر تفصیلی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ اگر آپ کو تفصیلی کیفیت دریافت کرنی ہے تو مرحوم مصطفےٰ کامل مصری کی تصانیف خصوصاً مسئلہ شرقیہ اور آل عثمان کی تواریخ اور خود بعض منصف مورخین یورپ کی تالیفات کو ملاحظہ فرمائیں۔

میں اس وقت آپ کو صرف اُن وقائع قطعیہ کے بعض افراد کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن پر آپ اجمالاً واقف ہو کر ایک قوی اور روشن رائے قائم کر سکیں گے۔

۱۔ سلطان سلیمان قانونی اور سلطان سلیم یاوز (رحمہما اللہ تعالےٰ) کے بنائے ہوئے وہ جنگی بیڑے جو کہ اپنی کثرتِ تعداد، نظام، قوت، اسلحہ وغیرہ کی وجہ سے نہ صرف بحر اسود اور بحر ابیض کے جملہ سواحل اور جزائر کی جبرالٹر تک نگہبانی اور حفاظت ہی کرتے تھے بلکہ دریائی قزاقوں اور یورپ کے دول عظمیٰ کے قلوب کو کپکپاتے بھی رہتے تھے انہوں نے جس طرح بحر ابیض و اسود کے اطراف اربعہ کے سواحل و جزائر کو ہر طرح مامون و محفوظ بنا دیا تھا، اسی طرح وہ وہاں کی متعدی اور ظالم حکومتوں کو خلائق پر تعدی اور ظلم سے اپنے قاہرانہ سطوت کے ذریعے سے باز اور اپنے سامنے سرنگوں رکھتے تھے۔ تمام یورپ میں کوئی بحری جنگی طاقت اُن سے بڑھ کر تو درکنار ان کے برابر کی بھی نہ تھی۔ شہنشاہ ترک جس طرح خشکی کا شہنشاہ اعظم شمار ہوتا تھا اس سے زیادہ دریا کا امیر البحر اعظم تسلیم کیا جاتا تھا مگر وہ تمام بیڑے کن عیاریوں اور چال بازیوں سے وحشیانہ طریقوں پر دنیائے ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔

۲۔ دخانی کلوں کے ظہور و شیوع کے بعد ترکی اور مصر کے وہ جنگی بیڑے جن کا مجموعی قوت سے مقابلہ دول یورپ پر سخت دشوار بلکہ تقریباً ناممکن تھا بندرگاہ نادرین پر امیر البحر انگریزی مسٹر کوڈرنگٹن [MR. CODRINGTON] نے ۱۸۲۷ء میں نہایت نامردی اور بربریت کی داد دیتے ہوئے در

عہد و پیمان کے شریفانہ عمل کو پامال کرتے ہوئے اپنے متفقہ حلفاء کے بیڑوں کے ذریعے سے غفلت کی حالت میں بالکل غرق اور برباد کر دیا اور علاوہ گوناگوں مظالم وستم کے ۷ ہزار غیر مجرم انسانوں کے خون کا ناپاک دھبہ انگلستان اور تمام یورپ کے دامن کو ہمیشہ کے لئے لگا دیا اور پھر اس کے بعد شئون مصر اور ٹرکی میں اس طرح مداخلتیں کی گئیں کہ بحری اور بری قوتیں مصر سے تقریباً معدوم ہو گئیں۔ مصر ہضم کر جانے والے کے لئے تر نوالہ بن کر مدعی تہذیب، خادم انسانیت، خیر خواہ ضعفاء خلق و اُمم، ناشر آزادی امن و امان یعنی انگلستان کے لئے حلوائے بے دود بن گیا اور کچھ ہی عرصے میں دل فریب اور دل ربا دعووں اور نہایت ہی خوش آئند اور خوش کن وعدوں کے ذریعے سے تمام ملک مصر و سوڈان میں برٹش تسلط قائم ہو کر رفتہ رفتہ اسلامی اقتدار پا بہوا ہو گیا۔

۳۔ تقسیم بلادِ اسلامیہ جس کا اصلی اور صحیح راز اسلام کو دنیا کے وجود میں صرف مضمحل ہی کرنا نہ تھا بلکہ اس کو بالکل نیست و نابود بھی کر دینا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اُس نے طرح طرح کی پلٹیاں کھائیں اور نئے نئے رنگ بدلے۔ کہیں مسیحیت کی مدد اور اس کی آواز سے تمام یورپ کو جگایا گیا۔ پروپگنڈے پھیلائے گئے۔ پرکے کبوتر ہی نہیں بلکہ تنکے کو پہاڑ بنایا گیا اور اس کے لئے جن جن قطعات میں مسیحی آبادی زیادہ تھی ان میں مذہبی طریقہ پر طرح طرح کی سازشیں کی گئیں۔ ناروا اور خلافِ انسانیت مظالم کے پہاڑ وہاں کی مسلمان رعایا اور حکام پر ڈھوائے گئے۔ جرائد اور اخباروں کے ذریعے سے ظالموں کو اعلیٰ درجہ کا مظلوم اور مظلوموں کو انتہا درجہ کا ظالم دکھایا گیا۔ حکوماتِ اسلامیہ نے محاسن کے اگر پہاڑ میدان میں لا کر کھڑے کر دیئے تو ان کو تل بنا دیا گیا اور اگر کسی غیر ذمہ دار مسلمان یا معمولی جماعت مسلمین سے کوئی قبائح اور جفا کا تل ظہور میں آگیا تو وہ تمام مسلمانوں بلکہ حکومتِ اسلام کے قبائح اور جفا کا پہاڑ بنا دیا گیا۔ کہیں آزادی اقوام ضعیفہ کے خوشگوار راگ اور شریلی آوازوں سے تمام عالم کو خلاف اسلام برانگیختہ کر دیا گیا۔ اسلامی حکومتوں نے اگرچہ ان کو ان مدعیان تہذیب و مویدان حریت سے بدرجہا زیادہ آزادی دے کر ہر طرح سے امن و امان سے پرورش کر رکھا تھا مگر ان کے قلوب و دماغ میں غلامی کی بھیانک اور کریہ المنظر صورت کھینچ دی گئی اور ہر طرح سازشوں، قلق و اضطرابات، بدامنی و بد تہذیبی، وحشت و بربریت، بدعہدی و ستمگاری وغیرہ پر آمادہ کر دیا گیا۔ بیرونی طریقوں سے ان کو مادی اور فوجی مدد پہنچا کر اسلامی دنیا پر وہ مظالم کے پہاڑ توڑے گئے کہ الامان الحفیظ۔ نہ تاتاری مظالم اُن کے سامنے کچھ حقیقت رکھتے ہیں اور نہ صلیبی شنائع اُن کے آگے شنائع شمار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح پر یونان سے اسلامی اقتدار اٹھایا گیا۔ سرویا اور مانٹی نگرو سے اسلامی جھنڈا اکھاڑا گیا۔ رومانیہ اور بولونیا سے اسلامی اذانوں کی آوازیں بند کر دی گئیں۔ بغداد اور افلاق

میں محمدی روشنی بجھا دی گئی۔ بوسینا اور ہرزی گونیا سے احمدی پرچم کی چمک ٹھنڈی کر دی گئی۔ جبل اسود اور مجارستان سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کی صدائیں موقوف کر دی گئیں۔ بلگیریا اور البانیہ پر مسیحی جھنڈا لہرانے لگا۔ مقدونیا اور تراکیا میں مسجدیں گرجوں اور ہلال صلیبوں کی صورتوں میں ڈھال دیئے گئے۔ کریٹ اور جزائر مورہ وغیرہ میں روشنی توحید مبدل بہ ظلمت تثلیث کر دی گئی۔ کاکیشیا اور کریمیا وغیرہ سواحل بحر اسود میں مسیحی تاریکی چاروں طرف پھیلا دی گئی۔ پروٹسٹنٹ ارمنی اقوام کے ہاتھوں سے ہر شہر اور ہر دیہ و قصبہ میں سفاکانہ کارروائیاں اور درندگانہ مظالم و قتل دائمی طور پر جاری کرا دیئے گئے۔ اسلامی فرقوں اور اقوام کو باہم آپس میں لڑوا دیا گیا۔ ان میں نفاق و شقاق کا اس طرح بیج بویا گیا کہ ارنا ووط، ترک، عرب، کرد، ہر ایک دوسرے کی عزت، شوکت، جاہ، مال، سلطنت وغیرہ کو نہایت کراہت کی نظر سے دیکھنے لگا۔

اسی تقسیم بلاد نے جس کی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں اور آپس میں ہمیشہ گوناگوں معاہدات اور بوقلموں تجاویز کو کام میں لاتی رہی ہیں۔ افریقہ اسلامی کے حصوں کو دول اربعہ اسپین، فرانس، اٹلی، انگلستان پر اس طرح تقسیم کر دیا کہ اُس کا شمالی اور مغربی کنارہ جس میں مراکش، ریف وغیرہ داخل ہیں اسپین کو ٹونس، الجیریا، فاس اور اس کا تمام داخلی براعظم جس میں شنقیت، سینیگال، تکرور غربی، سوڈان وغیرہ کے وسیع علاقے سب داخل ہیں، فرانس کو، طرابلس، بنغازی، اور برقہ اور اس کے سامنے کا تمام صحرا لیبیا اٹلی کو، مصر، سعید، سوڈان، بربرہ شمالی لینڈ وغیرہ برطانیہ کو مل جائے۔ کسی ایک کو دوسرے کے حصہ میں دخل ہو نہ مزاحمت اور نہ کوئی یہاں کے مسلمانوں یا حکام کی کسی قسم کی مدد یا ہمدردی کرے۔ ان اقالیم کے سکان اور حکام پر خواہ کتنے ہی مظالم توڑے جائیں۔ تمام یورپ سے کسی قسم کی آواز نہ نکلے۔ کوئی شخص یا کوئی اسلامی حکومت خواہ کتنی ہی دردناک آواز سے پکارے یا انسانیت کے نام کی دوہائی دے تو کان میں تیل ڈال کر سو رہو اور یہی نہیں بلکہ ہر ایک پر لازم ہے کہ دوسرے کو ممکن سے ممکن طریقے پر مدد پہنچائے۔ چنانچہ ان جملہ مقامات پر ہر طرح کی نہایت وحشیانہ کارروائیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں مگر کسی کے بدن پر جوں تک نہیں رینگتی اور نہ رینگی۔ سوائے خدا کے کوئی مسلمانوں اور ان کے جان و مال، عزت، آبرو، ملک، متاع، مذہب، قوم کا والی وارث خبرگیراں نہیں ہوا۔ وہ نہایت بے رحمی سے بے کسی اور بے بسی کی حالت میں دلے گئے اور دلے جا رہے ہیں۔ مگر کسی مدعی تہذیب، ناصر انسانیت، حامی حریت، ناشر تمدن کو ادنیٰ درجہ کا بھی خیال اور ذرہ برابر بھی ہمدردی پیدا نہ ہوئی اور نہ ہوتی ہے اس طرف اغاثہ کی نظر اٹھانا گناہ کبیرہ خیال کیا گیا اور کیا جاتا ہے۔

اسلامی دنیا کو ظالم یورپین بھیڑیئے پھاڑے ڈالتے ہیں اور پھاڑتے رہے۔ مگر یہ بیکران تہذیب اُن انسانوں کو بچانا یا ان کی خبرگیری کرنا خلاف آدمیت ہی خیال کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ غلامی کی سخت سے سخت کڑیوں اور زنجیروں میں وہ جکڑے گئے اور جکڑے جا رہے ہیں، مگر کسی مہذب متمدن کے چھوٹے منہ سے نہیں نکلتا کہ غلام بنانا انسانیت پر نہایت شنیع ظلم ہے اس سے بچو اور غلاموں کی مدد کرو۔

۴۔ اسی تقسیم بلادِ اسلامیہ کی بنا پر انگلستان اور روس میں ایران کی نسبت سمجھوتہ ہوکر قرار پایا کہ شمالی ایران پر روس قابض و متصرف ہوکر اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کی رہی سہی روشنی کو وہاں سے بجا دے اور برطانیہ جنوبی ایران پر اپنا اقتدار جما کر اسلام کے پرچم کو اکھاڑ پھینکے۔ چنانچہ زار روس نے شمالی ایران پر حملہ کر دیا اور نہایت شرمناک سفاکی اور بربریت کو عمل میں لاتا ہوا شہر ہائے ایران اور طوسِ مقدس یعنی مشہد شریف وغیرہ کی توہین و تذلیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انواع و اقسام کے ناقابلِ ذکر جفا و جور کو کام میں لایا اور جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوگیا اُس وقت تک جملہ اسبابِ درندگی کو ناگزیر ہی سمجھتا رہا۔ گورنمنٹ ایران اور وہاں کی پبلک نے تمام دنیا سے شکائتیں کیں اُن کی توجہات اور انظار کی اُمیدواری ظاہر کی۔ ہندوستانی مسلمانوں سنی اور شیعہ نے پروٹسٹ کیا۔ برٹش گورنمنٹ کو توجہ دلائی، مگر جو کام ملی بھگت سے ظہور میں آیا ہو، اُس میں کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح برٹش نے بھی اپنی پولیٹیکل چالوں اور ڈپلومیسی سے جنوبی حصہ پر رفتہ رفتہ قبضہ جما لیا۔

۵۔ یہی وہ تقسیم بلادِ اسلامیہ اور ازالۂ شوکتِ اسلام ہے جس کے لئے زمانۂ دراز سے یورپ کے عموماً اور انگلستان کے خصوصاً پولیٹیکل اشخاص خلافت عثمانیہ کو مرکزِ ابحاث اور مدارِ انظار بناتے ہوئے مسئلۂ خلافتِ عربیہ کو زیرِ بحث لاتے رہے ہیں جن میں سے ایک بڑی جماعت برٹش اغراض کی خدمت کرنے کیلئے عربوں کو اُبھارتی اور ان کو استحقاقِ خلافت کے سبز باغ دکھاتی رہی۔ اُن کے لئے مختلف رسائل اور مضامین تصنیف کئے گئے۔ مختلف مراکز میں انجمنیں قائم کی گئیں۔ ہر طرف سازشیں پھیلائی گئیں۔ ہر جگہ نمائندے بھیجے گئے مالی اور فوجی امداد پہنچانے کی پختہ اور اٹل تحریریں دی گئیں۔ سلطنت اور استقلال و آزادی کی مزید چاشنی کی طمع دلائی گئی۔ خلافت کا چمکدار تاج مستقبل میں اُن کا ورثۂ آبائی بتایا گیا۔ غرضیکہ ہر طرح کے جادو اُن پر پھنکے گئے جن کی بنا پر وہ جاہل اور مفلس قوم من کل الوجوہ زیرِ اثر آکر بھیڑیوں اور بجوؤں کو اپنے سچے ہی خواہ اور خالص خیراندیش جاننے لگے۔

رسالہ مستقبل اسلام میں مسٹر بلانڈ [SIR JOHN BLAND] اور دیگر پولیٹیکل گرُو

اپنی اپنی تصانیف میں عرصہ دراز پہلے سے اِن اُمور کو واضح کرچکے تھے۔ مسٹر بلانٹ برٹش گورنمنٹ اور اپنی قوم کو توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے: "ضروری ہے کہ خلافت اسلامیہ کا مرکز مکہ معظمہ ہو۔ زمانہ مستقبل میں آنیوالے خلیفہ کی فقط مذہبی ریاست ہو۔ وہ دنیوی بادشاہ نہ ہونا چاہیئے چونکہ اس قسم کا خلیفہ فطرۃً ایک ایسے حلیف کا محتاج ہوگا جو اس کی ہمیشہ مدد اور تقویت کرتا ہے۔ اس لئے وہ حلیف فقط انگلستان ہوسکتا ہے۔" انہیں اُمور کو عمل میں لانے کی ہر وقت سعی بلیغ کی گئی تاکہ اسلام کی باقی ماندہ قوت بھی پاش پاش ہوجائے اور اسلامی دنیا چار دانگ عالم میں ہر طرح انگلستان کی غلام ہی نہیں بلکہ اُس کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنجائے عرب اور ترکوں میں جدائی اور سخت منافرت ظہور میں آجائے۔ اسلامی رہا سہا اقتدار مٹ جائے۔ نتیجہ عربیہ و ترکیہ سب کے سب مسیحی صلیب کے ظلمات میں آکر ہمیشہ کے لئے توحید کی روشنی سے محروم ہوجائیں۔ اسی بنا پر ادھر تو عربوں کو ایک طرف عرصہ سے تیار کیا جاتا تھا اور ان میں قسم قسم کے پروپگنڈے عرصہ دراز سے جاری تھے۔ دوسری طرف ترکوں سے لڑائی کا حیلہ ڈھونڈا جاتا تھا اور ان کو بات بات پر لڑنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ ہر ہر قدم پر جنگ کی دھمکی دی جاتی تھی۔ اتحاد ثلاثہ (انگلستان، فرانس، روس) اپنی تقسیمی سکیم کو عمل میں لانا چاہ رہے تھے جس کے منصوبے صدیوں پیشتر سے تحریری اور تقریری دنیا میں آچکے تھے۔ اتفاقات سے جنگ عمومی کا ظہور ہوا اور تقسیم کرنے والوں کے لئے منہ مانگی مراد کا زمانہ بہار رونما ہوگیا۔ اگرچہ بیچارے ترک، سلامت و امن کے مجسمے اسلام اور خلافت کے باقی ماندہ حمایت کرنے والے ہر طرح کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح اس آگ میں ان کو کودنا نہ پڑے اور وہ ہر طرح اس جنگ سے علیحدہ ہی رہیں۔ مگر ان سے ایسے معاملات کئے گئے جن کی بنا پر مجبور ہوکر وہ میدان میں آہی جائیں پھر تو کیا ہے چند بھیڑیں ہیں جن کو ہمارے تیز اور نکیلی کچلیاں چیر پھاڑ کر دم کے دم میں پھینک دیں گی۔ ٹرکی کا مشہور و معروف ذمہ دار وزیر خارجیہ اور صدر اعظم طلعت پاشا مرحوم اپنے مقالہ میں نہایت تفصیل سے ٹرکی کا جنگ سے گریز کرتے ہوئے غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرنا اور اتحادیوں کا اس پر اس کو قائم نہ رہنے دینا واضح طور پر دکھلاتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ابتدائی جنگ میں اس قسم کی اشاعتیں کثرت سے ہونے لگی تھیں کہ دول اتحاد انگلستان، فرانس وغیرہ نے ٹرکی سے متعدد بار استدعائیں کی ہیں کہ وہ ان کے ساتھ شریک ہوجائے لیکن اس قسم کی اشاعتیں بالکل حقیقت سے دور تھیں۔ جنگ عظیم کی ابتداء سے واقعہ بحر اسود تک دول اتحاد نے کوئی سرکاری تحریر ان کے پاس نہیں بھیجی۔ البتہ سفرائے دول کی مساعی صرف اس قدر تھی کہ وہ اس کو غیر جانبدار رہنے کا مشورہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تم غیر جانبدار رہے تو ہم عثمانی سلطنت کی حفاظت میں تمہاری مدد کریں گے اور یہی وہ وعدہ تھا جو پیرس کانفرنس ۱۸۵۶ء سے اُس کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

مگر وہ اس کو خوب طرح آزما چکا تھا اس لئے ٹرکی اس پر کسی طرح اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ مسلم گزٹ دہلی [MUSLIM GAZETTE, DELHI] مورخہ ۲۹ جولائی ۲۲ء نے "الہلال مصری" سے ترجمہ کرکے نہایت وضاحت سے اس کو نقل کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں اس کو بلفظہٖ نقل نہیں کر سکتا اور نہ تمام واقعات کو آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تحریر نے تمام غلط بیانیوں اور عیاریوں کی پوشیدہ حالت کو ظاہر و باہر کر دیا ہے (طلعت پاشا مرحوم نے برلن میں قبل از وفات اس کو لکھا ہے اور امریکہ کے مشہور رسالہ "تاریخ رواں" نے اس کو شائع کیا ہے)

ٹرکی اسی حالت میں تھا کہ انگلستان نے اس کے دو جہاز عثمان اول اور رشادیہ پر قبضہ کر لیا جو کہ انگلستان میں بن کر تیار ہو چکے تھے۔ اس حادثہ سے تمام مسلمانوں خصوصاً عثمانی پبلک کو یقین ہو گیا کہ انگریزوں نے یہ عمل اپنی اغراض قدیمہ اور بحیرہ ایجین میں یونانی بیڑے کو طاقتور بنانے کے لئے کیا ہے۔ الغرض اس قسم کے مختلف اُمور نے ٹرکی کو لڑائی میں داخل ہونے کے لئے مجبور کیا جس میں وہ ہر طرح معذور تھا۔ پھر کیا تھا یاروں کی مدتوں کی آرزوئیں بر آئیں۔ سالہاسال کے منصوبے پھل اور پھول لانے لگے۔ اُمیدوں کے کشتِ زار لہلہانے شروع ہو گئے۔ صدیوں کی تیار کردہ اسکیموں کے چلانے کا وقت آ گیا جو سازشیں مدت ہائے دراز سے تیار اور پختہ کی جا چکی تھیں اُن کے بار آور ہونے کا زمانہ آ گیا۔ ٹرکی نے تو فقط روس سے اس کی بحیرہ اسود میں ناروا اور وحشیانہ کارروائیوں کی وجہ سے الٹی میٹم دیا تھا۔ انگلستان اور فرانس نے اس کو اپنے حلیف کی اعانت کے بہانے سے صرف الٹی میٹم ہی نہیں دیا بلکہ بصرہ وغیرہ پر حملہ شروع کر دیا اور ہر طرح خفیہ کارروائیوں کے اظہار پر تل پڑے۔ جنگ کے واقعات اور اس کی تفصیلیں آپ کے سامنے دُہرانا تطویل لاطائل ہے۔ آپ حضرات سب کچھ سن چکے ہیں۔ ابھی ابھی سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے گذر چکا ہے جو جو وحشیانہ کارروائیاں اس میں واقع ہوئیں وہ کچھ نہ کچھ اگرچہ فی صدی دس ہی ہوں اخباروں میں آ چکی ہیں مگر میں اس نتیجہ کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں جس کا کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا۔

وہ عرب جن سے ہر قسم کی مدد لی گئی جن کو اُن کے خلاف دیانت و انسانیت بغاوت پر آمادہ کیا گیا جن کے ذریعہ سے خلافت اور اسلام کو پامال کیا گیا جن کی مدد اور اعانت سے مقاماتِ مقدسہ اور مرکزِ اسلام کو کچلا گیا جن کو طرح طرح سے سبز باغ دکھایا گیا، جن سے اٹل اور دائمی عہد نامے کئے گئے جن کو آزادی اور استقلال بلکہ خلافت کی خوشگوار چاشنی دی گئی جن کو بادشاہت اور حکومت کی لالچ دلائی گئی ان ہی کو غلامی کی سخت سے سخت کڑیوں میں قید کیا گیا۔ اُن کو تمام مخلوقات میں ذلیل تر

اور عاجز تر بنایا گیا۔ ان کو ہر طرح سے زیر و زبر کیا گیا۔ اُن میں ہر طرح سے پھوٹ ڈلوا کر ضعیف و ناتواں بنایا گیا۔ اُن کے عہود و پیمان کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک کر بوٹ سے مسل دیا گیا۔ سیریا (شام) میں فرانسیسی اقتدار نے اسلامی شعائر پر دھواں دھار تلخ اور زہر آلود بارش برسائی۔ فلسطین (بیت المقدس) وغیرہ میں یہودی قوت نے زیر اثر برٹش گورنمنٹ اسلامی جھنڈوں پر جلا دینے والی بجلیاں گرا دیں۔

ماسوپوٹامیہ (عراق) پر انگلستانی قوت نے اسلامی روشنیوں کو مسیحی اقتدار کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے مٹایا۔ حجاز اور فقط حجاز پر امیر حسین شریف مکہ کو اگرچہ قابض رکھا مگر اس کو اس طرح بے بس اور بے قابو کر دیا کہ وہ حسب تحریر مسٹر بلانٹ ہر چیز اور ہر حال میں برطانیہ کا سخت محتاج اور نہایت ہی زیادہ دست نگر ہے اور پھر اس پر ابن سعود وغیرہ اعراب کو مسلط کر کے اس کی رہی سہی قوت کو بھی برباد کر دیا جس کی وجہ سے وہ قالب بے جان اور سلطان بلا قوت ہے پادشاہ شطرنج یا کچھ پتلی کا راجہ اس کا مصداق ہے۔ سمرنا اور تھریس میں یونانی خونخوار درندوں کو گھسا کر اسلامی شہروں کو خراب آباد بنایا۔

درۂ دانیال چناق قلعہ اور شہر قسطنطنیہ وغیرہ پر متفقہ قبضہ جما کر برٹش سیادت کا جھنڈا چڑھایا، اسلامی قومی و احکام کی سخت سے سخت توہین کی گئی۔ خلیفہ کے اقتدارات اور اس کے شرف پر نہایت بدنما دھبہ لگایا۔ ترکی حکومت اور عثمانی پادشاہت کے خلاف وعدہائے قویہ کی ذلیل تر اہانت کی۔

نیز ایشیا (ایشیائے کوچک) صوبہ اناطولیا وغیرہ کو اٹالیا، فرانس اور انگلستان میں تقسیم کر دیا گیا۔ گویا بزعم خود اسلام کا جنازہ نہ صرف اٹھایا ہی نہیں گیا بلکہ اس کو زیر زمین دفن بھی کر دیا گیا معاہدہ سیورے [TREATY OF SEVRES] سے پہلے پہلے اور بعد بھی وہ وہ کارروائیاں کی گئیں اور وہ وہ جفا کاریاں ہر حصہ ترکی میں جائز رکھی گئیں جن کے سننے اور دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں غالباً آسمان نے اپنی آنکھوں سے ویسے ویسے دل خراش واقعات نہ دیکھے ہونگے زمین نے اپنی پشت پر ایسے دل سوز بے حیائی اور بے دردی کے اعمال نہ سنے ہوں گے۔ مشتے از خروارے آپ کے سامنے اخباروں میں آچکے ہیں۔

ترکی اقتدارات کو زائل کر دیا گیا۔ اُن کو اُن کے اصلی وطن سے جہاں اُن کی مردم شماری ۳/۴ اور ۴/۵ اور بعض جگہ اس سے بھی زیادہ ہے محروم کیا گیا۔ آرمینیوں کو استقلال دیا گیا۔ اُن کے حقوق کی محافظت کی گئی۔ اُن کو اسلامی زمینیں اور ترکی شہر اور ملک عطا کئے گئے۔ اسی قسم کے واقعات دوسرے قطعات میں بھی ظاہر ہوئے (خدا کا شکر ہے کہ اُس کے بعد اُس نے اپنے فضل و کرم سے مصطفےٰ کمال کے ذریعہ سے دشمنوں کی بہت سی آرزوئیں خاک میں ملا دیں۔)

۶۔ یہی تقسیم بلادِ اسلامیہ اور ازالہ شوکتِ اسلام ہے جس نے زار روس سے متفقہ سمجھوتہ وغیرہ کے بموجب سنٹرل ایشیا (وسط ایشیا) کی طرف حرکت کرائی۔ وہ اسلامی قوتوں کو برباد کرتا ہوا توحید کے جھنڈوں کو سرنگوں کرتا ہوا، ایمانی لالٹینوں کو بجھاتا ہوا، ریگستا ریگستا صدود ایران و افغانستان و چین تک جا پہنچا۔ ہر جگہ اُس نے مسلمانوں کے جان، مال، عزت، شوکت وغیرہ پر وحشیانہ آرے چلائے۔ درندگی کی نہایت بدنما اور نجس داد دی۔ امن و امان کا نام و نشان مٹا دیا۔ آزادی اور انسانیت کے سر اور بازو کو قلم کیا۔ مگر تہذیب کی دیویوں میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ تمدن کے دیوتاؤں نے منہ نہ کھولا۔ آزادی اور خدام انسانیت کے اوتاروں نے ذرا بھی قدم نہ اُٹھایا۔ امن و امان کے پھیلانے والے پوجاریوں نے اپنی پوجا کے لئے ذرا بھی ہاتھ نہ اُٹھایا۔

۷۔ اسی تقسیمِ بلادِ اسلامیہ اور ازالہ شوکت اسلام کی بنا پر ہالینڈ نے باہمی سمجھوتہ کر کے جزائر جاوا پر یکے بعد دیگرے دھاوے کئے اور اپنی بحری اور بری قوت سے اسلامی روشنی کو بالکل بجھا دیا مسلمانوں کے اقتدار کو زیر و زبر کر ڈالا۔ مگر کسی خادم آزادی اور معاونِ انسانیت کی پھوٹی زبان سے نہ نکلا کہ ان اقوام ضعیفہ کی آزادی غیر اقوام کیوں سلب کرتی ہیں۔ ان قوموں کو بھی مثل دیگر انسانوں کے اپنے حقوق زندگی حاصل ہیں۔ یہ بھی تو انسان ہیں ان کو کیوں کچلا جاتا ہے۔

حضرات یہ ہے ہمارے پیارے ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک اسلام اور مسلمانوں کی مختصر رام کہانی جس میں نہایت اختصار کے ساتھ واقعات کو آپ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ ان واقعات نے تمام اس سرزمین کا احاطہ کر لیا ہے جس پر اسلامی آفتاب کچھ ہی عرصہ پہلے اپنی نہایت تیز اور صاف روشنی کے ساتھ چمکتا تھا آج وہاں پر صلیبی ظلمتیں اور مسیحی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ دشمنوں کی نفسانی گھٹاؤں نے اس روشنی توحید پر فقط پردہ ہی نہیں ڈال دیا ہے بلکہ اس دھن میں ہیں کہ اس کا آفتاب ہمیشہ کے لئے کسوف میں آجائے۔ یہ واقعات تہذیب و تمدن کے پھیل جانے اور دول یورپ کے متمدن اور حامی امن و امان بن جانے کے بعد کے ہیں۔ ان جملہ واقعات میں تمام عالم سے زیادہ دعوئے تہذیب انسانیت کرنے والی برطانیہ عظمیٰ کا ہاتھ سب سے زیادہ اُونچا اور قدم سب کے آگے ہے۔ اکثر واقعات خصوصاً اخیرہ تو اسی کے ہاتھوں اور اسی کی زیر نظارت و سیادت واقع ہوئے ہیں اور بہت سے واقعات اس کی شرکت اور اعانت ظاہری یا پوشیدہ سے لباس وجود میں آئے ہیں جن سے صاف طور سے ادنیٰ درجہ کی فہم والا سمجھ سکتا ہے کہ دوسری یورپین دولتیں تو اسلام سے معاندانہ رویہ رکھتی ہی ہیں اور ہیں۔ مگر برطانیہ تو سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں سے عناد اور دشمنی کا رویہ رکھتا ہے اُس نے کبھی بھی کوئی کسر اسلام کے

برباد کرنے میں نہیں اٹھا رکھی اور آخر میں تو وہ بالکل ہی کھُل کھیلی جس کی بنا پر ان لوگوں کو بھی آج اس کا یقین ہو گیا جو کہ اپنے بھولے پن سے واقعات کو دیکھتے ہوئے برطانیہ کے چکنے چپڑے الفاظ کے دھوکے میں آ کر اس کے خیر خواہ اور دوست اسلام ہونے کا یقین کر لیتے تھے۔ برطانیہ نے اگر کبھی اسلام کی دوستی کا بھی معاملہ ظاہر کیا ہے تو اس میں بھی دشمنوں سے زیادہ ضرر پہنچایا ہے ؎

ہوئے تم دوست جس کے اُسکا دشمن آسماں کیوں ہو

ہماری یہ رائے آپ کے سامنے اگرچہ آج ان ظاہر و باہر آفتاب کی روشنیوں کے بعد آ رہی ہے مگر یاتدابیر اوراریخ و واقعاتِ عالم پر نظر ڈالنے والی ہستیوں نے تو بہت پہلے سے یہ حکم کر دیا تھا چنانچہ مصطفےٰ کامل مرحوم مصری نے نہایت واضح طریقہ پر برطانیہ کا سب سے زیادہ دشمنِ اسلام ہونا واقعات کے ذریعے آفتاب کی طرح ثابت کر دیا ہے جن کے پیش کرنے سے تطویلِ مقام مانع ہے۔ واقعاتِ اخیرہ نے اس امر کے یقین کرنے کے لئے اب اس امر کی ضرورت نہیں رکھی کہ ہم مسٹر گلیڈ سٹون [HERBERT GLADSTONE] کے مشہور مقالات اور وصایا کو یا ہربرٹ یا مسٹر اسکو [HERBERT HENRY ASQUITH] کے ایام بلقان کے الفاظ و اعمال یاد کریں یا لارڈ کچنر [HORATIO HERBERT KITCHNER] کے اعمال اور اس کے ان الفاظ سے حاضرین کے دل و دماغ کو مکدر کریں جو اس نے دربارہ حجاز اور روضۂ مطہرہ نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیہ کہے تھے جن کو البلاغ بیروت اور الہدایت استانبول نے میو نوزوں فرانسیسی رسالوں سے نقل کر کے شائع کیا تھا یا ان ذمہ داران برطانیہ کے اقوال سے آپ کی سمع خراشی کریں جو کہ ہمیشہ اسلام کے لئے زہر اگلتے ہوئے استعمال کرتے رہے ہیں۔

انگلستان کا ہندوستان کے ہندو مسلمانوں سے تعلق۔

مذکورۃ الصدر قوموں اور ملکوں سے جو یورپ بالخصوص انگلستان کا تعلق اور پالٹیکس معاندانہ اور دشمنانہ بلکہ مخالفِ انسانیت و تہذیب رہا ہے اس کے اصل سبب دو ہیں جن کا ہر مقام پر لحاظ کیا جاتا ہے اوّل اسلام، دوم مشرقیت، سببِ اول نظروں میں بہت ہی زیادہ کھٹکتا رہا بلکہ ہمیشہ خار ہو کر آنکھوں میں چبھتا رہا، کیونکہ اُس کے ساتھ واقعی تہذیب اور حقیقی قوت تھی۔ وہ ایک زمانے میں اپنا زریں آفتاب تمام دنیا کے آفاق پر نور افگن رکھتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں دل کنپا دینے والی تلوار تھی جس کی ہیبت سے مسیحی بھیڑیے کو ہساروں میں چھپے رہتے تھے۔ امر ثانی اگرچہ مفہوم میں اول سے علیٰحدہ ہے مگر چونکہ مصداق میں امر اول کے ساتھ بہت بڑے مجموعہ افراد میں اجتماع رکھتا ہے اس لئے اس کی طرف بالخصوص نظریں کم پڑیں۔ مگر جب کبھی غیر مسلم افراد پر توجہ کی گئی یا مفاہیم کی تفتیش کی نوبت آئی تو معلوم

ہوا کرو یورپین اقوام عموماً اور برٹش حکومت خصوصاً مشرق کی نہایت سخت دشمن ہیں نہ مشرقیوں کو انسان سمجھتی ہیں اور نہ اُن کے لئے انسانی اور ملکی حقوق کا استحقاق مانتی ہیں۔ وہ اُن کے نزدیک حیوانات یا اس سے بھی بدتر ہیں۔ ہندوستان جیسے براعظم پر انگلش قوم نے ۱۶۰۰ء کے ابتداء سے تعلق پیدا کیا اور عرصہ دراز تک تجارتی اشتغالات رکھتے ہوئے رفتہ رفتہ گھن کی طرح سیاسیات اور ہندوستان کی زندگی اور اس کی جملہ ضروریات اور محاصل میں مداخلت کی یہاں تک کہ ۱۷۵۷ء سے ملک گیری شروع کر دی ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کو ہر حیثیت سے ادھ موا کر کے باقاعدہ اپنی حکومت کی طرف سے ہندوستان کی حاکم بن گئی اور ۱۸۵۷ء سے برٹش گورنمنٹ نے ایک نہایت زریں اور خوبصورت اعلان کے ساتھ بادشاہت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ہم اس وقت نہ تفصیلی واقعات کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس کا موقعہ اور ضرورت ہے۔ فقط اتنا دکھلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں بھی اسلام کی بیخ کنی اور مشرقی اقوام کی توہین و تذلیل اور ان کے ضعیف و کمزور بنانے کے وہی وحشی اور غیر مہذب حربے استعمال کئے گئے جو کسی سچی تہذیب اور خادم انسانیت قوم و شخص کے لئے جائز نہیں۔ باہم حکام و رعایا اور اسی طرح باہم ہندوستان کی بسنے والی اقوام میں افتراق ڈلوایا گیا۔ ایک کو دوسرے پر مسلط کرا کر خانماں اور قوت و شوکت برباد کرائی گئی۔ اپنی جابرانہ حکومت اور سطوت جمائی گئی۔ طرح طرح کی بدعہدیاں عمل میں لائی گئیں۔ غیر واقعی سبز باغ دکھلائے گئے۔ ہندوستانیوں کو آپس میں لڑایا گیا۔ ہندوستانیوں کی تجارت اور صنعت کے بند کرنے کی طرح طرح کی کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ انہیں اغراض سے ان پر جابجا مالی اور جانی ناروا اور بیجا تشددات شنیعہ جاری کئے گئے۔ مختلف عیاریوں اور پالیسیوں سے اُنکی ملکی ترقی اور اسباب معیشت کو یکقلم برباد کر دیا گیا۔ اُنکے اموال و خزائن اور غلہ جات وغیرہ کو دوسرے ممالک کیطرف نقل کر دیا گیا۔ اُنپر طرح طرح کے وحشیانہ قوانین اور احکام نافذ کئے گئے۔ اُنکے اخلاق و عادات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا گیا۔ اُنکے قلوب اور دماغوں کو نہایت ناکارہ کر دیا گیا۔ اُنکو حقیقی تعلیم اور اصلی ترقی سے بالکل روک دیا گیا وہ تعلیم دی گئی جو کہ نہ اُن کو ترقی کے میدان میں بڑھنے دے اور نہ واقعی راستہ دکھلائے۔ ان میں جہالت اور اوہام پرستی کی روز افزوں ترقی کرائی گئی۔ اُن کو ہر قسم کے مادی کمالات سے محروم کر دیا گیا۔ اُن کی رفاہیت اور خوش وقتی مبدل بہ افلاس و تنگدستی کر دی گئی۔ اُن کی شجاعت اور بہادری مبدل بہ جبانت و نامردی کی گئی۔ اُن کی جفاکشی و بیدار مغزی مبدل بہ کاہلیت و تغافل بنا دی گئی۔ ان کے ہر فن اور ہر کمال کی تعالی مبدل بہ تسفل کر دی گئی۔ ان کی دیانتداری اور خدا پرستی مبدل بہ دہریت والحاد و زندقہ کی گئی۔ ان کی صداقت و حقانیت مبدل بہ دروغ گوئی و باطل پرستی

بنا دی گئی۔ اُن کے جذباتِ عالیہ اور ملکات فاضلہ سب کے سب انحطاط اور تنزل کے گڑھوں میں دفن کر دیئے گئے۔ اُن کی آزادیٔ افکار اور حریت اجسام و ارواح بدترین غلامی کی قبروں میں دفن کر دی گئیں۔ اُن کی روشن دماغی اور صفائی قلبی کج خیالی اور تنگدر باطن کی تاریکیوں میں مضمحل کر دی گئیں۔ وہ پالیسیاں اور ڈپلومیسیاں عمل میں لائی گئیں جن کی وجہ سے کبھی یہ ملک اور اس کے باشندے ترقی تو درکنار نفسی زندگی کے مستحق قرار نہیں دیئے جا سکتے تا نہ اُن کے انسانی حقوق کا تحفظ رہا نہ ملکی اور وطنی استحقاقات کی رعایت کی گئی نہ مذہبی اور روحانی اصولوں اور قواعد کا احترام کیا گیا۔ اس زمانہ میں جبکہ ہر قوم اور ہر آبادی ترقی کے افلاک پر درخشاں ہونے کی کوشش ہی نہیں بلکہ مسابقت بھی کر رہی ہے۔ ہندوستان ہر طرح دست و پا بریدہ نظر آتا ہے۔ وہ حسرت کی بھری ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہے مگر اپنی بے بسی اور ہاتھ پیر کی سخت بیڑیوں پر نظر ڈال کر خون کے آنسو بہاتا ہوا آہ سرد بھر کر سرنگوں ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر تو تہذیب و تمدن کی دیویاں اس کو اپنے پہلوئے عافیت اور گہوارہ تربیت میں پال رہی ہیں۔ آزادی اور انسانیت کی خدمت کرنے والے دیوتا اس کی گلہ بانی کر رہے ہیں۔ امن و امان کے پجاری اس کی نگہبانی اور حفاظت کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں تعلیم پھیلائی گئی مگر فقط الزام رفع کرنے کی غرض سے۔ اپنی زبان اور اپنی عادات و رسوم پھیلانے کی وجہ سے۔ اپنے لئے غلام اور آلۂ کار تیار کرنے کی بنا پر۔ ہندوستانیوں کے مذہبی تصلّب اور صداقت و حقانیت کے اٹھا دینے کے لئے۔ اُن کے اخلاق اور قلب و دماغ فاسد کر دینے کے مقصد سے۔ اُن کو اپنے اسلاف اور گزشتہ بادشاہوں اور راجاؤں سے بدظن بنانے کی علت سے۔ اُن میں آپس میں نفاق و شقاق و خونریزی پھیلانے کی منفعت سے۔ انگلستان کے سامنے سر عباوت خم کرنے کی غرض سے۔ یہ سب ہوا مگر اس پر بھی مردم شماری کے لحاظ سے تعلیم یافتہ طبقہ فی صدی دس بھی نہ ہوا۔ مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں فی صدی نوّے سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ اور جاہل ہیں اور دس سے کم تعلیم یافتہ۔ ہندوستان کے محاصل اور خزانہ میں سے بیسواں حصّہ بھی یہاں کی تعلیم پر خرچ نہیں کیا جاتا۔

ہندوستان میں سڑکیں نکالی گئیں۔ مگر اپنی حکومت اور قوت کو مضبوط کرنے کے لئے یورپین باشندوں اور حکام کی راحت و آرام کے لئے۔ ہندوستان میں ریل و تار جاری کئے گئے۔ مگر اپنی تجارت پھیلانے کے لئے ہر ہر منڈی اور ہر ہر قصبہ و بازار میں انگلش مال ٹھونسنے کے لئے ہر موضع اور دیہات وغیرہ سے غلّہ اور ضروریات زندگی چوسنے کے لئے ہر جگہ اپنی فوجی قوت بآسانی پہنچانے کے لئے حکومت کے خلاف ہر عمل اور اشتباہات آمیز کارروائیوں کے انسداد کے لئے ہندوستان کو نقل و حرکت آمد و رفت میں کاہل اور بودا بنانے کے لئے اُن کی مالی قوت کو جونک کی طرح کھینچ لینے کے لئے ہندوستان میں ڈاک کا انتظام کیا گیا۔ مگر برٹش رسوخ قائم اور مضبوط

کرنے کے لئے اپنی قوم کے لئے ہر قسم کی راحت رسانی کے لئے اپنی تجارت وغیرہ بڑھانے کے لئے ہندوستان میں کورٹ قائم کئے گئے مگر اپنی قوم کی ہندوستان کی مالیت سے پرورش کرنے کے لئے اپنی سطوت اور قوت و دبدبہ قائم ودائم رکھنے کے لئے ہندوستانیوں میں نفاق و بے آرامی اور دائمی عداوت پھیلانے کے لئے غیر شرعی اور مخالف عقل و وطن قوانین و احکام جاری کرنے کے لئے ہندوستان میں ہنریں جاری کی گئیں، مگر لگان و خراج کی زیادتی کے لئے۔

ہندوستان میں امن وامان قائم کیا گیا مگر اپنے مفادات متنوعہ کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستانی افراد کو اپنے اغراض کے لئے قربان کرنے کیلئے بیرونِ ہندوستان ہر ملک اور ہر قوم پر دھاوا کرنے اور غلام بنانے کے لئے برٹش مفادات پر کروڑوں جانوں کے نثار ہوجانے کے لئے ہندوستانی باشندوں اور خادمان قوم و وطن، خواہشمندانِ تہذیب و آزادی، محبانِ ترقی و امن کے برباد و ذلیل کرنے کے لئے ہندوستان میں فوجی تعلیم جاری کی گئی۔ مگر فقط برٹش افسروں کی زیر کمان ہر قسم کی تگ و دو جاری رکھنے کے لئے غلامی کی حرکات و سکنات سرانجام پانے کے لئے ہندوستان میں فوجی محکمہ کا انتظام کیا گیا مگر ہندوستان کی آمدنی کے بہت بڑے حصّہ کو اپنے مصارف میں لانے کے لئے ہر مقصد پر ہندوستان کو بھینٹ چڑھانے کے لئے ہندوستان کے مال سے ہر وقت فوجی قوت بمقابلہ ہر قوم و ملک تیار رکھنے کے لئے فوجی تعلیمات فقط اپنے لئے مخصوص کرلینے کے لئے ہندوستان میں مالی محکمے کا انتظام قائم کیا گیا، مگر انگلستان کا گھر پاٹنے کے لئے، انگلستان کی اولاد کی جیب بھرنے کے لئے، ہندوستان کی جملہ رگوں سے فصد دے کر خون نکالنے کے لئے ہندوستان کو مفلس و قلاش فاقہ مست بنانے کے لئے ہندوستان میں تجارتی انتظام کیا گیا مگر فقط انگلستان کی تجارت کی ترقی کے لئے ہندوستان کی تجارت و حرفت کو مٹا دینے کے لئے ہندوستان میں خفیہ پولیس کا انتظام کیا گیا۔ مگر پولیٹیکل، وطن پرور، حامیین تہذیب و تمدن، محبین وطن، حق کہنے اور چاہنے والے، آزادی قوم و وطن کے خواہشمندوں اور کوشش کرنے والوں کی تفتیش اور ان کو مقید اور بے بس کرنے کے لئے ہندوستان میں ظاہری پولیس کا انتظام کیا گیا۔ مگر جھوٹے مقدمات کے بنانے کے لئے، نزاع اور فساد پھیلانے کے لئے گورنمنٹ کی ناجائز خواہشوں کے پوری کرنے کے لئے خلق اللہ کی دل آزاری کے لئے ہندوستان میں قوانین بنائے گئے مگر محض ضعفاء اور ہندوستانی پبلک کے لئے، حکام اور گورنمنٹ کی خواہشوں کے پورے ہونے کے لئے، مقدس حضرات میں کہاں تک آپ کو حقائق اور واقعات کی طرف توجہ دلاؤں اور کب تک اشارات اور کنایات سے آپ کی سمع خراشی کروں۔ یہاں تو خلاف انسانیت و تہذیب کے وہ بے نہایت واقعات موجود ہیں جن کے لئے دفاتر کافی نہیں، خود انگلستان کے منصف اشخاص اس کے مقر ہیں، وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) ایسٹ انڈیا کا معروف و مشہور جرنیل کہتا ہے۔ انگریز ہندوستان میں آکر ایک

نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کا اس کو اپنے ملک میں خطرہ بھی نہ گزرتا تھا اُن کے ارتکاب کے لئے اس کو یہاں نقطۂ انگریز کا نام کافی ہوتا ہے" اس قسم کے کلمات دوسرے منصف اور تجربہ کار انگریزوں کے موجود ہیں اب آپ ان کلمات سے خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت اور اُس کی پالیسی کیسی ہے اور ہوگی۔

بہرحال حکومت موجودہ انگلستان کی حکومت کی ایک ایجنٹ ہے جو کہ حکومت انگلستان کے لئے ہندوستان کے ہر مفاد کو قربان کرتی رہتی ہے اس کے بعد اس کے پیش نظر تمام انگلستان کی پبلک اور وہاں کی اقوام ہیں، ہندوستان کی ہر مصلحت اُن کے لئے بھی بھینٹ چڑھنی ضروری ہے اس کے بعد اس کا نقطۂ نظر ہندوستان کے انگریز باشندے یعنی انگلو انڈین اور یوریشین اشخاص ہیں۔ ہندوستان کو اُن کے آگے بھی سجدہ کرنا فرض ہے۔ اس کے بعد ہندوستانی پبلک کا مفاد خیال کیا جاتا ہے جس طرح گورنمنٹ انگریزی نے ہندوستان کے عام اقطاع و اقطار سے اسلامی اقتدار کو مختلف چالوں اور ڈپلومیسیوں سے نیست و نابود کر کے اپنا اقتدار اور مسیحیت کی سلطنت پھیلائی ہے اور جس طرح اس نے اسلامی جھنڈے کو یہاں سرنگوں کر کے صلیب کے پرچم کو لہرایا ہے، اسلام کی روشن لائٹ کو بجھا کر تثلیث کی تاریکیاں ہندوستان کے ہر گوشہ میں پھیلا دی ہیں۔ اسی طرح شعائر دینیہ کو ہمیشہ سرنگوں اور برباد کرتی رہی۔ جو شخص حقائق پر پوری گہری نظر ڈالتا ہے۔ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ آزادی مذہب کا خوشگوار راگ محض ایک لفظ بلا معنے ہے، جس کے وجود اور تحقیق کی کوئی واقعیت نہیں اور اگر ہے تو برائے نام حسب مثل مشہور ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور، الفاظی حالت دوسری ہے اور عملی حالت دوسری نہ خراج و لگان حسب مذہب اسلام ہے، نہ حدود و تعزیرات نہ قضا و احکام شرعی ہیں نہ معاملات و اقتصادیات نہ قوانین و شرائع اسلامی ہیں نہ تعلیمات و تجارات، نہ اختیارات و نفوذات ایمانی ہیں نہ مقاصد و حرکات، نہ تجنید، جنود قرآنی ہے نہ رزق ولاۃ و مصارف خراجات، نہ مساجد کا احترام ہے، نہ مقابر کا پاس، کون نہیں جانتا کہ شراب کا پینا اور فروخت کرنا اس کا ٹھیکہ لینا اور دینا، اس کا بنانا اور تجارت کرنا وغیرہ قانوناً جرم ہونا تو درکنار گورنمنٹ کے ذرائع آمدنی اور ضروریات میں سے ہے جس کے لئے گورنمنٹ خود ہر طرح کوشش کرتی اور پھیلانا چاہتی ہے اور تقریباً بائیس کروڑ روپیہ اس کے ذریعہ سے سالانہ حاصل کرتی ہے۔ اس کے منع کرنے والے مجرم قرار دیئے جاتے ہیں، یہی حال تمام مسکرات اور منشیات کا ہے، گانجا، بھنگ، چرس، افیون وغیرہ وغیرہ ان جملہ مخرب اخلاق و عادات و محرمات شرعیہ امور کی آزادی دینا گورنمنٹ کی نقطۂ میں عین تہذیب ہے، علانیہ طور پر یہ امور جاری ہیں جن کی وجہ سے اسلام پر ایک بہت بڑا بدنما دھبہ لگتا ہے

کس کو خبر نہیں ہے کہ زنا بخوشی طرفین قوانین گورنمنٹ میں کوئی جرم نہیں۔ فاحشہ عورتیں بر سر بازار علانیہ طور پر بیٹھی ہوتی ہیں۔ چکلے بھرے ہوئے ہیں۔ کسی کی لڑکی یا بہن یا عزیزہ قریبہ اپنی خوشی سے چکلہ

میں چلی جائے یا کسی کے ساتھ خلاف مرضی اقارب بھاگ جائے اس کو کوئی روک نہیں سکتا ۔ اور نہ اس کو کسی قسم کا خوف حکومت کے پکڑ دھکڑ کا ہو سکتا ہے ۔ ؎۴۸ کون انکار کر سکتا ہے کہ ارتداد عن الاسلام قانونی حیثیت سے بالکل مباح قرار دیا گیا ہے باپ کو اپنے بالغ بیٹے پر اور بھائی کو اپنے بالغ بھائی پر ارتداد سے روکنے کا حق حاصل نہیں ۔ اور یہی حال جملہ اعزہ و اقرباء کا ہے ۔ ؎۴۹ کس کو تامل ہو سکتا ہے کہ لہو و لعب اور فسق و فجور اور دیگر مخرب اخلاق اور منافی شرافت اعمال جیسے تھیٹر سینما ، فوٹوگراف ، ناچ ، رنگ ، گانا بجانا اور اس قسم کے دیگر تماشے اور لہویات قانونی اجازت سے ہوتے رہتے ہیں ، بلکہ بعض امور میں گورنمنٹ خود مالی فائدہ حاصل کرتی ہے ، ان کی اشاعت سے اسلامی شعائر اور عقائد اخلاق پر کس قدر برا بدنما دھبہ پڑ رہا ہے ۔ ؎۵۰ کیا کوئی تامل کر سکتا ہے کہ قمار اور سٹہ ہر قسم کا زیر تجویزات قانونیہ ہو کر بہت سی جگہوں میں گورنمنٹی آمدنیوں کا مکمل ذریعہ ہے ، جس کی بنا پر اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ پر باوجود مخالفت احکام اسلامیہ نہایت سخت صلیبیں لگتی ہے ۔

؎۵۱ کس کو خبر نہیں کہ قوانین تعزیرات ہند اور قوانین مال وغیرہ عموماً خلاف ما انزل اللہ ہیں اور کچہریوں میں حکام انہیں قانونوں کی تابعداری کرتے ہوئے خلاف خدا اور رسول علیہ السلام حکم کرتے ہیں ، ہندوستانیوں کو اپنے مقدمات مجبور ہو کر وہاں لے جانا پڑتا ہے ۔ قانونی سیکڑوں مکر و جال و فریب کرنے پڑتے ہیں ۔ شہادتیں دروغ بہم پہنچائی جاتی ہیں ۔ ان کو قانونی اور مفید مطلب الفاظ سکھائے جاتے ہیں ، بیرسٹر اور وکلاء ہر قسم کی بے ایمانیاں اور دروغ گوئیاں " وہ حیلے " مکر و فریب ، ابطال حق ، احقاق باطل ، عمل میں لاتے ہیں ۔ رشوت ستانی ، علانیہ ہوتی ہے ، بغیر ان امور کی مطلب براری کسی کو ممکن ہی نہیں ہے ۔ عام طور سے مقدمات لے جانے والے حسب تصریح ما آیت ، فلا وربک لا یؤمنون حتے یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں اور معاملات میں تم کو (آنحضرت علیہ السلام اور آپ کے بتائے ہوئے قوانین کو اپنا قاضی اور جج نہ بنا لیں اور پھر اپنے دل میں کوئی تنگی آپ کے فیصلہ پر نہ پائیں ، اور پوری طرح تسلیم نہ کر لیں) اپنے اپنے ایمانوں کو نہایت سخت خطرہ میں ڈال رہے ہیں ۔ سودوں کی ڈگریاں دی جاتی ہیں ۔ مالی جرمانے وصول کئے جاتے ہیں ۔ جو کہ خود گورنمنٹ کے خزانے کی تعمیر کے باعث ہوتے ہیں ۔ ناحق حبس دوام اور پھانسی کی سزائیں عائد کی جاتی ہیں ، طرح طرح کے ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں ۔ مختلف قسم کے چندے دباؤ ڈال کر لئے جاتے ہیں ۔ ہزاروں امور خلاف ایمان و اسلام اکراھاً کرائے جاتے ہیں ۔

یہی حال عام طور سے قوانین و قواعد کا ہے متعلقہ ملازمات ہوں یا صیغہ کاشتکاری خواہ وہ زمینداری سے تعلق رکھتے ہوں یا تجارت و صنعت سے خواہ وہ انتظام آبادی اور شہروں کے لئے بنائے گئے ہوں یا نظام جیل وغیرہ کے

خلاصہ یہ کہ ہر ہر قدم پر گورنمنٹی احکام وقوانین اسلامی شرائع کے ساتھ تصادم کر رہے ہیں، جن امور میں آزادی دی گئی ہے وہ بھی کسی نہ کسی مصلحت کی بناء پر ہے، جب کبھی کوئی دوسری مصلحت اس کے معارض ہو جاتی ہے تو وہ آزادی رفوچکر کردی جاتی ہے۔ کراچی کا مقدمہ شاہد عدل ہے۔

ان جملہ امور اور کیفیات پر نظر ڈالنے سے بخوبی ظاہر اور متحقق ہو رہا ہے کہ اب تک کی برٹش سیاست اور انگریزی پالیسی یہی رہی ہے کہ وہ اسلام کی دنیا میں

ان امور کا سبب

اور اس کا علاج۔

سب سے بڑی دشمن اور بیخ کن ہے مع ہذا وہ مشرقی اقوام کے انسانی اور ملکی حقوق کی نہایت زبردست مخالف اور عدو بھی ہے، اس کے وعدے اور عہود مکڑی کے جالے کی بھی پائداری نہیں رکھتے اور وہ اپنی سلطنت اور قوم کے لئے تمام دنیا کو قربان کر دینا ضروری سمجھتی ہے۔ وہ دیگر قوموں کو ساتھ لے کر اسلام اور مسلمانوں بلکہ تمام مشرق کو نگل جانا چاہتی ہے، یہی وہ امر ہے جس کی خبر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ان مقدس الفاظ سے دے رہے ہیں :

یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الأکلة الی قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن الله من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن فی قلوبهم الوهن قال یارسول الله وما الوهن قال حب الدنیا و کراهیة الموت :- (رواه ابو داود البیهقی)

عنقریب قومیں تم پر قابو اور تم کو تقسیم کرنے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جس طرح کھانے والے کھانے کے طباق پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کہ کیا یہ امر ہماری کمی کی وجہ سے ہوگا فرمایا کہ نہیں تم اس وقت بہت ہوگے مگر دریا کی باڑھ کے کوڑے کرکٹ کے مثل تمہارا وجود ہوگا (تم میں گرانباری اور استقلال و ہمت نہ ہوگی) خداوند کریم تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال ڈالے گا اور تمہارے دلوں میں دھن (ضعف) کو ڈال دیگا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ اس ضعف کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ یہ حدیث جس طرح استقبالی وقائع کو جن کا ظہور مدتوں سے ہو رہا ہے بتلا رہی ہے اسی طرح وہ ان کے علاج اور طریق عمل وفلاح کو بھی بتلا رہی ہے یعنی ذریعہ علاج یہ ہے کہ ہم کو ایسے اعمال کی ضرورت ہے جن سے دشمنوں کے دلوں میں ہیبت اور رعب قائم ودائم رہے اور اپنے اندر سے ضعف اور دھن معدوم اور مفقود ہو جائے اور ان دونوں کے لئے اصلی سبب راحت پسندی، جاہ ومال سے قلبی تعلق دنیاوی لذات سے لو لگانا تکالیف سے گھبرانا موت سے ڈرنا ہے۔ اگر ہم استقلال اور ہمت کے ساتھ ہر زحمت کے برداشت کرنے کے لئے اور ہر قسم کی قربانیوں کو دینے کے لئے تیار ہو جائیں اپنے اندر ہر قسم کی وہ قوت پیدا کرلیں جس سے دشمن کا کلیجہ لرزنے لگے

تو بے شک ہم ہر طرح کامیاب ہو سکتے ہیں، اور پھر کوئی ہم پر آنکھ نہیں اُٹھا سکتا۔

مسلمانانِ ہندوستان کے ضروری فرائض میں گورنمنٹ سے مقابلہ سب سے اہم اقدام ہے۔

اس لیے سب سے بڑا اور اہم واجب اور ضروری فرض یہ ہے کہ ہم نہایت شدومد سے پورے استقلال و عزم کو کام میں لاتے ہوئے اس ناپاک پالیسی کا مقابلہ کریں، خصوصاً جبکہ تمام قانونی کارروائیاں بے سود ثابت ہو چکی ہیں۔ اور نہایت زیادہ لازم ہے کہ گورنمنٹ کو مجبور کرتے ہوئے اس کے پرانے انسانیت سوز عجیب رویہ کو چھڑوائیں اسی کے ساتھ مقابلہ کرنا اپنا حقیقی نصب العین سمجھیں اور جب تک مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو نہ خود چین سے بیٹھیں اور نہ گورنمنٹ کو چین سے بیٹھنے دیں۔ جس طرح طبیب حاذق پر لازم ہے کہ اگر ایک مریض میں مختلف امراض کا اجتماع ہو جائے اور ان میں بعض امراض ایسے ہوں جو کہ زندگی اور سارے جسم کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں اور بقیہ دوسرے امراض ایسے نہ ہوں بلکہ ان کی وجہ سے کسی خاص عضو پر خطرہ ہے، یا راحت و آرام میں کمی ہے تو طبیب کا فرض ہوگا کہ سب سے اول اور زیادہ اس مرض کی طرف التفات کرے جس سے تمام جسم اور زندگی معرضِ خطر میں ہے۔ باقی ماندہ امراض کو یا تو بعد کے لئے چھوڑ دے، یا اس پر معمولی التفات رکھے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کسی مریض میں چند امراض ایسے مجتمع ہوں کہ ایک مرض تمام دیگر امراض کا منشا اور سبب ہے اور اس کا خطرہ بھی بہت زیادہ ہے تو طبیب حاذق کا فرض ہوگا کہ اس منشاءِ امراض پر پوری توجہ کو صرف کر دے اس کے زائل ہو جانے کے بعد یہ دوسرے امراض یا تو خود ہی زائل ہو جائیں گے یا نہایت آسانی کے ساتھ ان کا ازالہ ہو سکے گا مگر اس کے خلاف کرنا اور فروعاتی مداوات کو اصل اور مادہ پر مقدم کرنا نہایت بے عقلی ہوگی۔ اسی طرح ہر عقلمند پر لازم ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی آج تک کی پالیسی جو تمام اسلام اور جملہ مشرق کے لئے نہایت مہلک اور خطرناک ہے اس کا مقابلہ نہایت ہی شدت اور استقلال کے ساتھ جاری رکھیں اس میں سرِمو تکاسل کو راہ نہ دیں۔

دیگر نوزائیدہ دشمن اور ملکی معاندوں سے مقابلے:۔

اس دوران میں اگر دوسری پالیسیاں سدِ راہ ہوں یا اور کوئی دوسری قوت عناد و دشمنی کی زہریلی وبا پھیلائے تو نہایت عقلمندی اور غور و فکر کو کام میں لائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نوزائیدہ دشمن اسی اصلی اور بڑے سخت پیمانہ پر ہلاک کرنے والی پالیسی کے جراثیم ہوں، یا کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہم اس وطنی دشمنی سے لڑ بھڑ کر ہندوستانی قومیت کو اور زیادہ ضعیف کر دیں اور رہی سہی قوت کو تہ و بالا کرتے ہوئے اس مہلک دشمن کو اور بھی قوی کر دیں اس کے زہریلے پنجے اور زیادہ پہنچ جائیں اس لیے حتی الوسع صلح و آشتی اور صبر و عفو اور درگزر سے کام لیا جائے اگر یہ ناممکن ہو جائے تو محض ضرورت کے موافق مقابلہ کیا جائے اور

گردوپیش کو ہر طرح محفوظ رکھا جاتے۔ چند مخصوص افراد کی مفسدہ پردازی کا اثر تمام ملک و قوم پر عائد نہ کیا جائے یہ امر تو عقل و دور اندیشی کے مطابق ہے اور نہ وقتی احوال اس کے اجازت دینے والے ہیں اور نہ مذہب اس کو جائز رکھتا ہے۔

آزادی جزیرۃ العرب و مقامات مقدسہ مسلمانان ہندوستان کا دوسرا واجب اور اس کی صورت۔

ہم مسلمانوں کے نہایت مقدس مقامات اور مذہبی مراکز اسی ناپاک پالیسی کے شکار ہو گئے ہیں جن کا پہلے تذکرہ آچکا ہے۔ اولاً برطانیہ نے اپنے مختلف عہدو پیمانوں کو اس پالیسی کے بھینٹ چڑھا کر برٹش گورنمنٹ بلکہ اپنی تمام قوم و ملک کی بہت ہی زیادہ توہین و تذلیل کی ہے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو نہایت سخت صدمہ پہنچایا ہے، جملہ مسلمانان عالم کا عموماً اور مسلمانان ہند کا خصوصاً اہم فریضہ ہے کہ ان کی آزادی جزیرۃ العرب سے غیر مسلم اقتدار اٹھانے کے لئے ہر ممکن عمل اور کوشش کو کام میں لائیں۔ اس کی شرعی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جزیرۃ العرب کی نسبت آنحضرت علیہ السلام کا آخری وقت میں نہایت تاکیدی حکم صادر فرمانا جس کا صریح مفاد یہ تھا کہ غیر مسلم اقتدار وہاں باقی نہ رکھا جائے۔

۲۔ ممالک اسلامیہ پر جب غیر مسلم ہجوم کر کے قابض ہو تو اس کی مدافعت کرنی تدریجاً تمام مسلمانان عالم پر واجب ہو جاتی ہے۔ کتب فقہ میں نہایت وضاحت سے یہ مسئلہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۳۔ یہ مقامات مرکز اسلام ہیں۔ یہاں پر انبیاء کرام اور صحابہ عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بکثرت نشو و نما پائی ہے، جابجا ان کے مقابر ہیں۔ خود آنحضرت علیہ السلام کا مولد و مدفن اور بود و باش وغیرہ کی وجہ سے یہ مقامات نہایت اعلیٰ درجہ کا پایہ رکھتے ہیں۔ مسجد حرام اور قبلہ مطہرہ یہاں ہی واقع ہیں۔ غرضکہ بے نہایت وجوہ ان مقامات کے احترام کی اسلامی نقطہ نظر سے موجود ہیں۔ اس لئے جملہ اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ ان امکنہ اور تمام جزیرۃ العرب کے احترام و تطہیر عن ایدی الکفرۃ میں پوری کوشش کریں۔

چونکہ حدود جزیرۃ العرب میں حجاز، یمن، تہامہ، عمان، حضرموت، نجد، عراق، شام، فلسطین، عنیزہ وغیرہ، سب داخل ہیں۔ اس لئے شہر عدن، پیرم، باب المندب، جدہ وغیرہ سب اس حکم میں داخل ہوں گے۔ اور سبھوں کے لئے کوشش کرنا ضروری ہوگا کہ غیر مسلم اقتدار وہاں باقی نہ رہے۔

آزادی ہندوستان مسلمانان ہندوستان کا تیسرا اہم فریضہ۔

مسلمانان ہندوستان کا شرعی اور سیاسی وجوہ سے اہم فریضہ سوئی یہ ہے کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرائیں۔ وجوہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ خلافت اور بلاد اسلامیہ ترکیہ کی آئندہ حفاظت اور

استقبالی خطرات سے محفوظیت اسی پر موقوف ہے کہ ہندوستان آزاد ہو یہاں کی فوجیں اور جملہ مالی اور
جنگی امدادیں ہندوستانی پبلک کے قبضہ میں ہوں ورنہ مثل سابق بلا رضا و رغبت ان سب کو وہاں لے جاکر بیجا ظلم
کیا جائے گا جو اب تک کیا گیا ہے۔

۲:۔ جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کی مذبوحیت تحفظ ہند کے لئے عمل میں آئی ہے جس کو خود برٹش
سیاسی تسلیم کر رہا ہے ہر عالم جغرافیہ اور تھوڑی سی سیاست کا جاننے والا بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اس لئے
ہندوستان کا آزاد ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ جزیرۃ العرب اور الامکنۃ مقدسہ کے ذبح کرنے کی ضرورت ہی
نہ رہے، اور ان الامکنۃ مقدسہ کا آزاد ہو جانا نہایت آسان اور محقق ہو جائے۔

۳:۔ اقطار و اکناف عالم کے مسلمانوں کا خون اُن کی جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ کا اہم ذریعہ ہندوستان
کا آزاد ہونا ہے برٹش کی وہی ناپاک پالیسی ہمیشہ اپنے نجس مقاصد کے لئے ان پر چیرہ دستی کرتی رہی اور ہندوستان
کی فوجوں سے اُن پر ہر طرح کا ظلم و ستم روا رکھتی ہے۔

۴:۔ بیرونی ممالک اسلامیہ یا وہاں کے مسلمانوں یا خلافت یا مقامات مقدسہ وغیرہ پر اگر کوئی ظلم و ستم
ہو تو ہندوستان اور وہاں کے مسلمان باشندوں کی صدائے احتجاج اور پروٹسٹ جب ہی قابل تاثیر ہو سکتی ہے،
کہ وہ آزاد اور خود مختار ہوں اُسی وقت میں وہ ان کو اس سے نفع پہنچا سکتے اور ظالموں کو روک سکتے ہیں۔
خصوصاً اس وجہ سے کہ ہندوستان ایک اکیلا ایسا ملک ہے جس سے تمام دول تعلق رکھنے پر مجبور ہیں اور
ہوں گی، اس لئے اس کی آواز ضرور موثر ہوگی مگر جب تک وہ غلام ہے اس وقت تک اس کی کوئی آواز
قابلِ وقعت نہیں ہو سکتی۔

۵:۔ ہندوستان کے مسلمان باشندے اپنے بیرونی بھائیوں کو مالی یا فوجی یا اسلحہ اور ہتھیاروں وغیرہ سے
مدد پہنچانا چاہیں تو اُسی وقت میں اس واجب کو کما حقہ ادا کر سکتے ہیں جبکہ وہ آزاد ہوں ورنہ بحالتِ غلامی
مثل زمانۂ جنگ عمومی ہلالِ احمر کو بھی ادنےٰ درجہ کی مدد نہیں پہنچا سکتے۔

۶:۔ برٹش کی ناپاک پالیسی ہندوستانی فوجوں سے اپنی اغراض کے لئے مسلمان قوموں اور اُن کے دار و
دیار، مال و منال عزت و آبرو پر ہتھیار اُٹھواتی ہے اُن کو قتل کرواتی ہے اُن کو ہر طرح پامال کراتی ہے اگر
کوئی فوجی اس امر کو حلال جان کر کرے گا تو حسب احکام شرعیہ کافر ہو جائے گا اور اگر حرام جانتا ہوا خوف یا
طمع دنیاوی کی وجہ سے اس کا مرتکب ہوا ہے تو سخت گنہگار اور فاسق ہو جائے گا وہ استحقاق اس کا رکھتا ہے
کہ نہ اس کی توبہ قبول ہو اور نہ اُس کو کبھی دوزخ سے نکالا جائے چنانچہ متعدد آیات اور بے شمار حدیثیں اور
فقہاء کرام کے اقوال موجود ہیں۔ مگر چونکہ حاجات معاشیہ ہندوستانی نادار مسلمانوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ نوکر

میں بھرتی ہو کر ان گناہوں میں مبتلا ہوں اس لئے ان کے اور پولیس وغیرہ کے ایمان اور دین کی سلامتی فقط اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔

۷:۔ چونکہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں کے برباد کرنے کے لئے یہ ناپاک پالیسی ہندوستان کے باشندوں سے مالی استعانت اور چندے وغیرہ طلب کرتی رہتی ہے اور شرعی حیثیت سے اس قسم کی اعانت بھی کافروں کی مسلمانوں پر حرام ہے اس لئے اعانت کرنے والے سخت گنہگار ہوتے ہیں۔ بلکہ حلال جاننے والوں کا ایمان خطرہ میں ہو جاتا ہے اس سے نجات فقط ہندوستان کی مستقل آزادی میں ہو سکتی ہے۔

۸:۔ ہندوستان میں حکومت موجودہ کی موجودہ پالیسی بہت سی وجوہ سے اسلامی احکام و شعائر کو پامال کر رہی ہے جن کی قدرے تفصیل گزر چکی ہے اس لئے ان منکرات و شنائع کے زائل کرنے کے لئے فقط ایک ہی طریقہ ہے یعنی آزادی ملک جمہوری حکومت میں اگرچہ پوری طرح اسلامی احکام کی پابندی کی امید نہیں کی جا سکتی مگر یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ بہ نسبت حالت موجودہ کے اس میں بہت سے شنائع اور قبائح سے نجات ہو نی ضرور ہے اس لئے اہون الضررین کے لئے کوشش کرنی ضروری بات ہے۔

۹:۔ حسب تصریح آیت سورۂ بقر وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم الایہ (جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں ان سے خدا کے دین کے لئے جنگ کرو) اور حسب تصریح آیت سورۂ توبہ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (جس طرح مشرک تو میں جمع ہو کر تم سے جنگ کرتی ہیں تم بھی جمع ہو کر ان سے جنگ کرو) اور نیز حسب تصریح آیت ثانیہ سورۂ توبہ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ (تم اپنے سے نزدیک ہونے والے دشمنان کفار سے جنگ کرو اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت اور قوت کا احساس کریں) ضروری اور فرض ہے کہ بوجہ پالیسی مذکورہ اس گورنمنٹ سے مقابلہ کیا جائے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی عزت و شوکت کو کم اور اس کی قوت کو فنا کر دیا جائے۔ اس کے عزم و ارادوں میں گھن لگا کر کھوکھلا کر دیا جائے۔ چونکہ برٹش گورنمنٹ کے جملہ لاف و گزاف اور نخوت و سطوت تعاظم و تکبر قوت و دبدبہ وغیرہ کا بڑا مدار ہندوستان کا غلام ہونا ہے اس لئے اس باعث جبر و نخوت کو توڑ دینا ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہوگا۔ اور یہی اعلیٰ درجہ کی جنگ اس گورنمنٹ کے ساتھ ہوگی۔ یہی بات اس کے گھٹنے لگا دے گی۔ ہندوستان کی مکمل آزادی اور اس کا سوراج انگلستان کی موت کا مرادف ہے۔

۱۰:۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) نہایت کثرت اور وضاحت سے بتلا رہی ہیں۔ کہ اسلام ہر جگہ اور ہر ملک میں فقط عالی اور بلند ہو کر رہ سکتا ہے زیر اثر غیرے اور کفر کا محکوم ہو کر نہیں رہ سکتا یہی اصلی تعلیم اسلام کی ہے اور یہی شارع علیہ السلام کا اصلی منشاء ہے اسی وجہ سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آزادی کی کوشش کرے، دوسرے مذہب کے زیر اثر ہونے سے اپنے شعائر کو بچائے۔ ہندوستان کی

آزادی اور سوراج ہی کی صورت میں یہ امر ممکن ہے، دوسری صورت اس کی متشکل نہیں ہو سکتی۔

۱۱:۔ حقوق تمدن و معاشرت اور حقوق زندگانی و انسانیت چونکہ مذہبی زندگانی اور اس کی آزادی کے موقوف علیہ ہیں۔ اس لئے جس طرح وضو اور دیگر نماز کے مقدمات عبادت میں داخل اور مامور بہا اور ضروری ہیں اسی طرح ان جملہ حقوق کی محافظت اور تحصیل بھی امور مذہبیہ اسلامیہ میں سے ہوں گی۔ اسی بناء پر اس قسم کے ہزارہا احکام قرآن و حدیث و کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ان حقوق کا حاصل کرنا فقط سوراج اور ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے اس لئے مسلمانوں پر مذہباً فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے پوری کوشش کریں۔

۱۲:۔ ہندوستان کی موجودہ پالیسی ہندوستان سے نہایت زیادہ مقدار پر لگان اور ٹیکس وغیرہ حاصل کرتی ہوئی یورپ کو پاٹ رہی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کی عام پبلک خصوصاً مسلمان نہایت حاجت مند اور مفلس ہو گئے، اور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور دوسری قوموں اور مہاجنوں کے قرضدار اور دست نگر ہو چکے ہیں اپنی مجبوریوں کی بناء پر وہ روزانہ تبدیل مذہب کرتے ہوئے عیسائی آریہ ہندو ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کاد الفقران یکون کفراً (قریب ہے کہ فقر و افلاس کفر تک پہنچا دے) اس لئے مذہبی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ ضروری ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرا کر عام پبلک کو خوشحال کیا جائے تا کہ وہ اپنے سچے مذہب پر قائم رہ سکیں۔ دوسری قومیں اُن پر مالی دباؤ نہ ڈال سکیں۔

ان وجوہ کے علاوہ اور بھی وجوہ شرعی ہیں جن کی بناء پر مذہبی حیثیت سے سوراج کا حاصل کرنا مسلمانوں کو فرض ہے۔ ہم بوجہ طوالت اس مقام پر اُن کے ذکر کرنے سے معذور ہیں۔

چونکہ ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ سوراج فقط سیاسی مسئلہ ہے۔ اس کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بہت سے لوگوں سے سنا گیا ہے کہ سوراج محض ہندوؤں کا مقصد ہے مسلمانوں کو اس سے کیا سروکار اس لئے ہم نے اس امر پہ متنبہ کر دینا ضروری سمجھا۔

مسلمانانِ ہند پر سیاسی حیثیت سے سوراج کا ضروری ہونا۔

جبکہ ہندوستان مسلمانوں کا دوسری قوموں کی طرح وطن ہے، یہاں ہی ان کو رہنا اور بسنا ہے اور یہاں ہی جینا اور مرنا۔ یہاں ہی ان کو بود و باش اختیار کرنا ہے اور یہاں ہی توالد و تناسل کے ثمرات کو پھیلانا۔ یہاں ہی ان کو کھانا پینا ہے اور یہاں ہی اسباب زندگانی کو پیدا کرنا اور اُن کے حصول کی صورتیں عمل میں لانا، یہاں ہی ان کو خدا کی عبادت کرنا ہے اور یہاں ہی ہر قسم کی مادی اور روحانی ترقیاں کرنا۔ پھر کیونکر احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کو ایک لمحہ اور ایک ساعت کے لئے ہندوستان کی بہبودی اور اس کے قیود شاقہ سے آزاد ہونے سے غفلت کرنا اور سستی برتنا درست

ہو سکتا ہے، اس غلامی سے جو جو نقصانات مالی اور ملکی اقتصادی اور معاشرتی وغیرہ وغیرہ ہندوستان کے
دوسرے باشندوں کو پہنچ رہے ہیں، وہی یا اس سے زائد مسلمانوں کو بھی پہنچ رہے ہیں، اس لئے سیاسی اور
پولیٹکل حیثیت سے جس طرح اور قوموں کا فرض ہے کہ بلطائف الحیل جلد غلامی کے جوؤں کو اپنے کندھوں سے اتار کر ڈال
دیں، اسی طرح مسلمانوں کا بھی یہی فرض ہے، موجودہ حکومت نہ ہندوستانیوں کے انسانی حقوق کی محافظ ہے، نہ
ملکی اور وطنی ضروریات کی متکفل، نہ مذہب کا احترام کرتی ہے نہ اُن کی قومیت کا، نہ بیرونِ ہند ہندوستانیوں
کی کوئی وقعت شمار کی جاتی ہے نہ اندرونِ ہند، نہ دیگر قومیں اور دوسری حکومتیں ہندوستانیوں کو ان کی غلامی
کی وجہ سے کوئی حقوق دیتی ہیں، نہ برٹش گورنمنٹ ہندوستان کی تجارت کی خیرخواہ ہے نہ تعلیم کی نہ ان
کی صنعت و حرفت کی پاسدار ہے، نہ ان کے فقر و افلاس کی، نہ اُن کی ترقی کی کوئی فکر ہے نہ اُن کی زندگانی
کی۔ ان وجوہ اور دیگر ضروریات سیاسیہ کی بناء پر جن کا تذکرہ پہلے اشارۃً اور صراحتاً ہو چکا ہے ضروری ہے اگر
ہندوستان کے رہنے والے مسلمان ہندوستان کی آزادی کی کوشش میں کسی طرح دریغ کو روا نہ رکھیں، دوسری
قوموں کے دوش بدوش ہی نہیں بلکہ ان سے آگے قدم زن ہوں اور ہر طریقِ عمل میں نہایت پختگی سے کام کریں۔
ہندوستان کی آزادی کے لئے جن اعمال کی ضرورت ہے ان میں سے سب سے

اتحادِ ہندو مسلم۔ زیادہ اہم اور ارفع اور مفید تر ہندو مسلم اتحاد یعنی ہندوستانی آبادی کا اشتراکِ عمل
ہے چونکہ اس امر میں بہت زیادہ غلط فہمیاں لوگوں کو پیش آ گئی ہیں اور اس وقت
بھی بہت سی بے چینیاں رونما ہو رہی ہیں، اس لئے باوجود قلتِ وقت قدرے روشنی ڈالنا ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ گزشتہ سوالات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی فرائض میں سے ہے کہ
ہندوستان کی آزادی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور گورنمنٹ کا جب تک کہ وہ اپنے مقاصد نہ سوائیں
مقابلہ کرتے رہیں۔ یہ فرض ان پر ہر حال میں ہے خواہ وہ تنہا ہوں یا ان کے ساتھ کوئی دوسرا فریق بھی ہو۔
البتہ ہر دو حالت میں طریقِ کار میں فرق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک کام کو اگر دس آدمی مل کر انجام دیں گے تو اس
کی اور صورت ہو سکتی ہے اور اگر ایک آدمی انجام دیگا تو اس کا طریق دوسرا ہوگا۔ ساڑھے بتیس کروڑ کا طریق
مقابلہ دوسرا ہو سکتا ہے اور سات کروڑ کا دوسرا۔ جناب باری عز و جل کا فرمان ہے:۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی اللّٰه — اگر غیر مسلم قومیں صلح اور آشتی کی طرف مائل ہوں اور ہاتھ بڑھائیں
وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک — تو تم بھی اسکی طرف ہاتھ بڑھاؤ اور خدا پر اعتماد رکھو اور اگر وہ اس
اللّٰه ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین — صلح و آشتی سے تم کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو اسکا خیال نہ کرو
الآیۃ۔ سورہ انفال — کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو کافی ہے اسی نے تمہاری تائید اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعے کی ہے آخر تک

آیت مذکورہ صاف طور سے جواز صلح و آشتی پر دلالت کرتی ہوئی بتلا رہی ہے کہ جب کوئی دوسری قوم اس طرف مائل ہو تو ہم کو بھی مائل ہونا چاہیئے بلکہ اس وقت میں مسلمانوں کا اس طرف میلان کرنا نہایت موکد طریقہ پر اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔ بلکہ حسب تصریح آیت یہ بات بھی ضروری ہے کہ اعتماد فقط خداوند کریم اور اُس کی مدد پر ہونا چاہیئے۔ ان غیر مسلم قوموں یعنی مصالحین اور رفقاء طریق یا ان کی کثرت یا دیگر مادی قوتوں پر نہ ہونا چاہیئے۔ اسی آیت نے یہ بھی بتلا دیا کہ شبہ مخادعت اور دھوکہ بازی اس میں حارج نہیں ہو سکتا خداوند کریم کافی ہے جس طرح اس نے ابتداء میں اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تائید کی اور ان میں نہایت قوی ایسا رشتہ اتحاد پیدا کر دیا جس کو کوئی طاقت مادی پیدا نہ کر سکتی تھی۔ اسی طرح ان لوگوں کے دھوکہ دینے اور علیحدہ ہو جانے یا برسر مقابلہ آجانے پر بھی مدد دیگا۔ کیونکہ وہ سب پر غالب اور سب سے زیادہ قوی اور صاحب حکمت ہے، اسی طرح آیت دیگر:۔ (دشمنان اسلام کے لئے جس قدر بھی قوت اور

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم الآیۃ

سواریاں گھوڑوں وغیرہ کی ہو سکے تیار کر لو تاکہ اس کے ذریعہ سے تم خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو)

سورہ انفال۔

صاف بتلا رہی ہے کہ مسلمانان اہل ہند کے لئے یہ اتحاد ضروری ہے کیونکہ وہ قوت جس کے ذریعہ سے ہم دشمن کو ڈرا سکتے اور اُس کے پتھریلے دل و دماغ کو پگھلا سکتے ہیں۔ وہ اہل ہند کے لئے ظاہری حیثیت سے اتحاد ہندو مسلم اور صرف اتحاد ہندو مسلم ہے اس لئے یہ اتحاد مذہبی حیثیت سے فقط جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزاعہ سے حلف کرنا اور شروط حلف میں ایک کا دوسرے کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑنا اور اسی حلف اور صلح کی بناء پر قریش پر بوجہ عہد شکنی دھاوا کر کے فتح مکہ کا ظہور میں آنا کتب حدیث میں مسطور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غزوہ حنین میں صفوان بن اُمیہ سے زرہوں کو عاریۃً مانگنا اور لینا اور صفوان کو جنگ میں شریک کرنا صحاح میں وارد ہے حالانکہ خزاعہ بھی اس وقت بت پرست مشرک تھے اور صفوان بن اُمیہ بھی۔ مدینہ منورہ میں قبائل یہود بنی نضیر اور بنی قریظہ سے بڑے مقابلہ قریش اتحاد و اتفاق کرنا اور حسب معاہدہ قوانین صلح کی پابندی کرانا اور خود پابندی کرنا کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ پھر جبکہ یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر نے عہد شکنی کی تو فقط اُنہیں سے جنگ کی گئی۔ اُنہیں سے علیحدگی اور دشمنی کی کارروائیاں عمل میں آئیں۔ اس کا اثر دوسری تک متعدی نہیں ہوا۔ بنی قریظہ کے ساتھ معاملہ سابقہ صلح اور آشتی کا چلتا رہا مگر جبکہ غزوہ احزاب میں انہوں نے بھی عہد شکنی کی تو ان سے بھی جنگ کی نوبت آئی۔ پھر اس کے بعد جبکہ خیبر فتح ہوا تو پھر وہاں کے یہودیوں سے صلح کی گئی۔ یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ تمہارا اعتبار نہیں۔ تمہاری فلاں جماعت

نے خلاف وقت میں عہد شکنی کی تھی، غرضیکہ مجرم جماعت کا جرم اسی کے ساتھ مخصوص رکھا گیا۔ قوم کے تمام قبائل اور اہلِ مذہب پر اس کا اثر نہیں ڈالا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کے مصالحانے غیر مسلموں کے ساتھ منقول ہیں جن میں اُن کے مسلمانوں کے ہمراہ ہو کر دشمنوں سے لڑنے کی شرط بھی مذکور ہے اور اسی بنا پر اُن سے جزیہ کا سقوط بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہاں اس مقام پر یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ کہیں نیکی برباد گنہ لازم کا معاملہ نہ ہو جائے۔ اُن سے اتحاد اور اشتراکِ عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب اور اس کی ضروریات کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اپنے حقوق کا خیال دامنگیر رہنا چاہیئے۔ اتحاد اور اتفاق کے لئے ضروری ہے کہ مقصود کے لئے جو جو طریق کار ہیں اُن میں جملہ متحدین اور متفقین برابر کوشش کرتے ہوئے گامزن ہوں اُن کے مفید مقصد کاموں میں اسی طرح اشتراک رکھتے ہوئے سعی کو کام میں لائیں جس طرح مختلف المذاہب اشخاص سے ترکیب پانے والی پلٹن میدان جنگ میں جنگی کاروائی کو برابر اور متفق ہو کر حسب اشارۂ کمانڈر عمل میں لاتی ہے۔ اس اتحاد کو مذہبی تغیرات سے کوئی تعرض نہیں۔ اور نہ اُس کو مستلزم ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستانی باشندوں کا ایسا اتحاد محض غرض پر مبنی ہو سکتا ہے اس لئے اس کو کوئی دیرپائی اور دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے چونکہ یہ اتفاق ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مفاد اور مصالح کی غرض اور اُن کے مذہبی اور سیاسی حقوق کی محافظت کے سبب سے ہے تو وہ کسی معین مدت تک محدود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تک ہندوستان اور اس کے باشندے روئے زمین پر موجود ہیں۔ اور جب تک ان کے مذہبی اور انسانی و ملکی حقوق کی بقا ہے جب تک یہ اتحاد اور اشتراک ضروری ہوگا۔

ہندوستانیوں کے لئے رواداری کا لحاظ۔

چونکہ ہندوستان مختلف المذاہب قوموں کا مسکن ہے۔ اس لئے یہاں کے باشندوں کے لئے خواہ وہ ترقی کے میدان میں گامزن ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ وہ آزادی اور سوراج کیلئے کوشاں ہوں یا نہ ہوں۔ محض بود و باش اور امن و امان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حسنِ معاشرت اور اخلاقِ حسنہ کو کام میں لائیں۔ عالی حوصلگی اور رواداری کے قانون کو پوری طرح ملحوظ رکھیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات قرآنی اس امر کے نہایت تاکیدی احکام بتلا رہے ہیں جن میں تمام دنیائے انسان کے ساتھ بلا تمیز مذاہب حسن اخلاق اور مکارم اعمال کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق نہایت شد و مد سے ذکر کئے گئے ہیں جفاؤں پر صبر کرنا۔ مظالم پر عفو کرنا۔ قاطعین رحم سے صلہ رحمی کرنا۔ تمام مخلوقات خداوندی پر رحم کرنا۔ تمام مخلوقات سے اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کو دور کرنا۔ ہر ہر فردِ انسانی کے ساتھ عدل اور انصاف اور

بھلائی کا معاملہ کرنا۔ کسی پر دست درازی اور ظلم نہ کرنا۔ سب کی خیر خواہی کرنا۔ سب سے حسنِ خلق سے ملنا۔ ان کو محبت اور آشتی سے اپنا دوست بنا لینا۔ پڑوسیوں کی عزت و آبرو مال و منال کا لحاظ رکھنا۔ ایثارِ نفس اور جود و کرم کو عمل میں لانا وغیرہ وغیرہ مکارمِ اعمال و اخلاق کی نہایت تاکیدی الفاظ میں تعلیم دی گئی ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے موافق اپنی زندگی سے متمتع ہوتا ہوا دوسروں کو اس کی تعلیم و تلقین کرے۔ یقیناً ان تعلیمات پر عمل کا نتیجہ بہت سی برائیوں اور نااتفاقیوں کی جڑ کھود ڈالے گا۔ آپس میں بھی اتفاق اور محبت پیدا کر دیگا۔ اور دیگر قوموں سے بھی رشتۂ الفت جوڑتا ہوا منافرت کی تاریکی کو دور کر دیگا۔

شدھی اور اس کے نتائج۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کی بدقسمتی سے ان ایام میں جبکہ اس کی اولاد کو نہایت سخت ضرورت تھی کہ رشتۂ اتحاد و اشتراکِ عمل کو جوڑتے اور مضبوط کرتے ہوئے آزادی کی سڑکوں میں قدم بڑھائیں بعض زعماءِ قوم اور اُن کے ہوا خواہوں سے ایسے اعمال سرزد ہوئے جن سے اولادِ ہند کے دل پاش پاش ہو گئے۔ آپس کا باہمی اعتماد جاتا رہا۔ نفرت کا منحوس اُلّو محبت کے محلوں پر بولنے لگا۔ عداوت اور دشمنی کی آگ دوستی کے جھونپڑوں پر وار کرنے لگی۔ شدھی اور اشدہ کی ناپاک آواز کانوں میں بھنبھنانے لگی۔ ارتداد کے تاریک اور دل سوز دھوئیں نے فضائے ملک کو تاریک و خراب کر دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ اعمال اُن کی نادانی سے واقع ہوئے ہیں۔ یا دیدہ دانستہ انہوں نے ملک کی بہی خواہی کے لئے اس پر اقدام کیا ہے یا وہ اس طرزِ عمل میں ملک کے بدخواہ اور خائن ہیں یا وہ اس تیسری قوت کی ہمدردی اور خدمت کر رہے ہیں جس کا اصلی منشاء ہے کہ ہندوستانیوں میں اتفاق ہرگز نہ ہو تاکہ میرے اغراض و مقاصد حاصل ہوں۔ جو کچھ بھی ہو وہ جانیں اور ان کا کام مگر یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ کام شروع کیا گیا ہے اور جو جو طرزِ عمل اس میں اختیار کیا گیا ہے کوئی عقلمند وطن پرست، حقانی، صداقت کا پھیلانے والا، قوم کا بہی خواہ اس کو نہیں کر سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ شدھی کا عمل آریہ مذہب نے آج سے نہیں پھیلایا ہے بلکہ پنڈت دیانند سرستی کے زمانہ سے اس پر عمل درآمد جاری ہے ہزاروں ہندو سناتن دھرم مسلمان، عیسائی، آریہ بنائے گئے مگر کبھی اس کا ایسا زہریلا اثر عام باشندگانِ ہند میں نہیں پھیلا جیسا کہ اب ظہور میں آیا جس کے ذمہ دار فقط یہی اشخاص اور اُن کے معاونین ہو سکتے ہیں۔ اور یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ بھارت ماتا کے سخت دشمن ہیں۔ بیشک جبکہ اسلام اپنے سوا کسی مذہب کو حق نہیں کہتا اور نجات فقط اپنے ہی اندر منحصر کرتا ہے تو کسی مسلمان خدا اور رسول کے ماننے والے کو اسلامی حیثیت سے ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مسلمان کے مرتد ہو جانے کی اجازت دے یا مرتد بنانا اور کرنا جائز و روا سمجھے۔ بجز جبکہ زمانہ حاضرہ میں موجودہ قوانین ایک ملحد دہریہ کو جو کہ نہ خدا کا قائل ہے

اور نہ کسی پیغمبر اور اوتار وغیرہ کا ماننے والا۔ نہ آسمانی کتابوں کو تسلیم کرتا ہے نہ روحانی قوانین کو، وہی حق لیتے
ہیں جو ایک سچے خدا پرست زاہد دنیا روحانی شخص کو اس لئے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی عمل بغیر بدنیتی اور
شرارت کے سچائی اور حقانیت کے ساتھ جائز طریقوں پر کیا جائے تو کسی کو بھی موقع شکایت یا محل نفرت و
عداوت ہاتھ لگے، مگر یہاں تو صورتِ حال ہی دوسری ہے نہ تحریروں اور تقریروں کا لہجہ صداقت و حقانیت
کو ظاہر کرتا ہے۔ نہ عملی میدان کی کارروائیاں رواداری اور انصاف پرستی پر حاوی ہیں۔ نہ شب و روز کے
اعمال اخلاص اور مذہب پرستی پر دلالت کرنے والے ہیں، ہم جبکہ گردوپیش کے جملہ احوال پر غائرانہ نظر ڈالتے
ہیں، تو ہم کو اس نتیجہ پر پہنچنے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ اس امر کے زعماء کا تصد فقط حاکمہ قوت کی
خدمت گزاری اور اسکی مقصد بر آری ہے کوئی دوسرا امر نہیں۔ البتہ دوسرے نادان لوگ اس کو مذہبی کام سمجھ کر
شریکِ حال ہو گئے ہیں۔ بہرحال جو کچھ ہو اس کے ذمہ دار فقط معدودے اشخاص ہو سکتے ہیں جن کے زہریلے اثر کا
دفع کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے تاکہ ان کا کوئی بھائی نادانستگی سے دوزخ میں نہ گر جائے۔

تبلیغ اور اس کی ضرورت و نوعیت

بے سوچے سمجھے توحید کی روشنی سے نکل کر بت پرستی اور کفر کے تاریک گڑھوں
کا شکار نہ ہو جائے۔ اس لئے تبلیغ کا وہ ضروری فرض جس کو قرآن اور حدیث نہایت
زور کے الفاظ سے بتلا رہے ہیں۔ اس کا جاری کرنا اور اس کی مدد اور کوشش
کرنا ضروری اور واجب ہے مگر بوقت تبلیغ اُن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن کو ایک سچا اور حقانی مذہب
اپنے اصلی اصول اور بنیادی اساس قرار دیتا ہے۔

جو واقعات اپنے یا کسی دوسرے مذہب کے دکھلائے جائیں وہ صحیح اور واقعی ہوں۔ کسی مذہب
کے پیشوا اور بانی کی نسبت ناشائستہ اور خلاف شان الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ قرآن اور حدیث
اس کو سختی سے منع کرتے ہیں۔ کسی پر اکراہ و اجبار کو کام میں نہ لایا جائے۔ کسی قسم کے مادی مطامع کو مقصد
علیہ نہ بنایا جائے، کسی قسم کے دباؤ اور قوت کو نہ برتا جائے۔ سختی لہجہ اور درشتی اخلاق سے پرہیز
کیا جائے۔ نہایت واضح طریقہ پر ناصحانہ سمجھایا جائے۔ پھر جس کا جی چاہے دین حق پر قائم رہے اور جس
کا جی چاہے اپنے آپ کو ہلاک کرے۔ وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا
اعتدنا للظالمین نارا۔

ابتدائی تعلیم کی ضرورت

مسلمانوں پر نہایت زیادہ ضروری اور فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہر دیہات و
قصبات بلکہ محلوں میں ابتدائی مکاتب کھولدیں اور بچوں کی ابتدائی تعلیم اور تصحیح اعمال
و عقائد تکمیل اخلاق وغیرہ کی پوری طرح کوشش کریں تاکہ آئندہ وہ ہمیشہ کے لئے ضرر د

سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات سے مستفید ہوں۔ یہ کام نہایت ہی اہم اور بہت ہی ضروری ہے۔ اس کی طرف بہت ہی زیادہ توجہ ہونی چاہیے۔

سنگھٹن اور اس کے مضار۔

دوسرا امر جو کہ بدقسمتی سے ہندوستان کی فضا کو مکدر کرتا ہوا قومی تحریک کے لئے نہایت ضرر رساں ثابت ہوا ہے سنگھٹن کا شعبہ ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ ہندوستان کے باشندے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سکھ ہوں یا پارسی عیسائی ہوں یا بودھ مذہب، ہر جماعت اور ہر قوم غیر منظم ہے اُن کے اندرونی احوال بہت سی اصلاحوں کے خواستگار ہیں۔ بخصوصاً ہندوؤں اور مسلمانوں کے داخلی امور میں تو بہت ہی زیادہ خلل موجود ہے جن کی اصلاحات ہر دو فریق پر لازم و ضروری ہے مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بانیین سنگھٹن کی تقریریں اور تحریریں اس طرح پر ہوئی ہوئیں کہ جن کی بنا پر عام غلط فہمی کے وبائی جراثیم تمام ہندوستان خصوصاً پنجاب اور یوپی میں پھیل گئے اور اس کی وجہ سے نہایت ناگفتہ بہ چل پھول ظاہر ہوئے اور ہمیشہ کے لئے دونوں قوموں میں بے اعتمادی کا کانٹے دار بیج بویا گیا۔ بلکہ منافرت کے ناخوشگوار ہنگامے شہروں اور قصبات سے تجاوز کر کے دیہات تک پہنچ گئے اور طرح طرح کی ناگفتہ بہ باتوں کا روزانہ ظہور ہونے لگا جو کہ آئندہ نہ فقط آزادی اور ترقی ملک کے لئے مضر ہیں۔ بلکہ فریقین کی بود و باش میں بھی ہمیشہ سدِ راہ اور زہریلے آثار پیدا کریں گی۔

کانگریسی لیڈران کا فرض۔

چونکہ ان دونوں امور کی وجہ سے عام پبلک کے قلوب میں بے اعتمادی اور نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ اس لئے ہندوستان کی مشترکہ جماعت کانگریس کے لیڈران اور ممبران کا فرض ہے کہ وہ ہر اس عمل سے جو کہ باعث منافرت اور ازالہ کنندہ اتحاد و اتفاق ہے پرہیز کرتے رہیں۔ اور پھر دونوں فریقوں ہندو مسلمانوں کے ممتاز اور مشہور لیڈروں کو لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے اس امر کو ضروری سمجھیں کہ مواقع نزاعات و اختلافات میں بہت جلد پہنچ کر غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے ازالہ کی صورتیں اور تقریریں عمل میں لائیں خصوصاً ہندو لیڈروں کا فریضہ اس امر میں بہت زیادہ اہم ہے۔ اگر اتفاق و اشتراک عمل ضروری ہے اور بے شک ضروری ہے تو ہر فریق کو کوشش کرنا اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک فریق تو نعرہ دیتا رہے اور اپنی جماعت کو مجبور کرنے کی کوشش عمل میں لائے اور دوسرا فریق اپنے نفرت آمیز عمل پر اصرار کرتا رہے۔ یہ فریق اتحاد و اتفاق چاہے اور دوسرا نفاق و خلاف کا خواہشمند ہو۔ ایک پاس آنا چاہے اور دوسرا بھاگتا جائے۔ اس مقام میں صرف ایک دو شخص فریقین کے کافی نہیں ہو سکتے بلکہ ایک معتد بہ جماعت ہر ایک میں سے ایسی ہونی چاہیے جس کا اثر عام پبلک پر ہو۔ جو حضرات اشتعال انگیز تحریر یا تقریر یا اعمال کے مرتکب ہوں ان کو کانگریس سے علیحدہ کر

دینا بھی ضروری ہے۔

مسلمانوں پر اندرونی تنظیم کا فرض۔ چونکہ مسلمانوں کی جماعت ہر طرح سے بہت ہی زیادہ گری ہوئی ہے کسی قسم کا ان میں انتظام ہی نہیں ہے نہ اقتصادیات کا باقاعدہ کوئی نظام ہے نہ تعلیمات کا۔ نہ معاشرت اور تجارت کے قوانین کی پابندی ہے نہ دیانت اور زراعت کی نہ اخلاقی کمزوریوں کی درستی کا انتظام ہے۔ نہ مادی نقصانات کے ازالہ کا نہ جسمانی قوای کا کوئی خیال ہے نہ روحانی اخلاق کا۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنی جملہ ضرورتوں کے لئے باقاعدہ انتظامات کریں۔ ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی اور ہر قسم کے لوازمات ترقی میں حصہ لیں اور اپنے مالی اور جسمانی حالات کو سدھاریں مگر اس سے یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ ہم اپنی ہمسایہ قوموں پر فوقیت لے جائیں یا ان کو زک دیں۔ اور نہ ایسا کوئی بھی رویہ اور طرزِ عمل اختیار کیا جائے جس سے ایسا شبہ پیدا ہو سکے بلکہ اس نظام سے محض اپنی اصلاح اور اپنی ضرورتوں اور حوائج کا رفع کرنا مقصود ہو اس لئے خواہ جمعیتہ العلماء یا خلافت یا کانگریس اس تنظیم کی طرف بہت جلد متوجہ ہو کر اپنے جگر پاروں کو ہاتھ میں لے اور ملک کو فلاکت و ادبار کی گھٹاؤں سے بچانے کی تدبیر کرے۔

ٹرکی خلافت اور جمہوریت انگورہ۔ اس وقت عام مسلمانوں میں خلافت اور جمہوریت انگورہ کے متعلق بہت سی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اخباروں میں مختلف قسم کے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ مسئلہ خلافت اور خلیفہ کے اقتدار کی نسبت گذشتہ سال میں صدر اجلاس جمعیتہ حضرت فخر العلماء امام الاذکیا مقدام الادباء تاج الفقہاء مولانا و استاذنا حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نائب ناظم دار العلوم دیوبند شرعی حیثیت سے پوری روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس لئے کوئی ضرورت اس کے اعادہ کی معلوم نہیں ہوتی۔ شخصی حیثیت سے معاملہ حکومت موجودہ انگورہ اور حقوق خلیفہ وقت کی پوری کیفیت کسی یقینی خبر سے اب تک معلوم نہیں ہوئی۔ اور نہ کوئی فیصلہ حکومت مذکورہ کا باقاعدہ اب تک شائع ہوا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق بحث و ابحاث کا دروازہ کھولنا ایک لاطائل اور غیر ضروری امر معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ بارہا یہ شائع ہو چکا ہے کہ اس امر کو نمائندگانِ عالم اسلامی کے اجتماع پر موقوف کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں وقت ضائع کرنا محض لغو اور قبل از وقت معلوم ہوتا ہے۔

فتویٰ جمعیتہ العلماء۔ فتویٰ جمعیتہ العلماء دربارۂ ترک موالات کی نسبت بارہا مختلف رائیں شائع ہو چکی ہیں اور ابحاث متنوعہ درمیان میں آ چکی ہیں۔ اس لئے اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ فتویٰ اس قسم کی راؤں کا مجموعہ نہیں ہے جن کو آج کل کے پولیٹیکل حضرات زمانہ حاضرہ کی پالٹیکس کے لئے مفید اور ضروری سمجھ کر قائم کرتے ہوئے

تجاویز کی صورت میں پاس کر لیا کرتے ہیں۔ جن کا دار و مدار محض پولیٹیکل خیالات پر ہوتا رہتا ہے۔ اُن میں ہر وقت تبدیلی ہو سکتی ہے، مگر امور مذکورہ فتویٰ وہ مسائل شرعیہ ہیں جن کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال فقہاء و علماء سلف ہے۔ اس لئے تا قیام اسباب و علل اُن میں تغیر و تبدیل کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ ان جملہ امور میں ماسوائے تحریک سودیشی علاوہ موالات اعداء دوسرے بھی اسباب تحریم و ممانعت موجود ہیں جن کو خود فتوے میں تصریح کر دیا گیا ہے اور وہ جملہ اسباب اب تک بجا لہا باقی ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اُن میں تغیر و تبدیل جاری کی جا سکے۔ پھر کیا تعجب نہیں ہے کہ باوجودیکہ موالاۃ کی ممانعت اب بھی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسباب ترک موالاۃ کا قائم ہونا بھی تسلیم کیا جا رہا ہے مگر فتوے کے تغیر کا مطالبہ ہو رہا ہے ان امور کی ممانعت علماء نے کانگریس کے پروگرام کی بناء پر نہیں کی تھی جیسا کہ بعض دریدہ دہن کہا کرتے ہیں کہ جس چیز کو گاندھی جی فرماتے ہیں علماء اس کو شرعی فتویٰ بنا دیتے ہیں بلکہ یہ جملہ امور ہمیشہ سے اسی طور پر بحکم شرعی محکوم بہ چلے آتے ہیں۔ جن کو علماء اسلام ہمیشہ اپنے فتاوے میں ذکر کرتے رہے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب، حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مقدس اکابر کے فتاوے ایسے ہی موجود ہیں مگر فرق یہ ہوا کہ اُن کو ایک جگہ جمع کر کے انفرادی طور پر شائع کر دیا گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ کانگریس اگر اپنے پروگرام سابق کو دفن کر دے یا اس میں کوئی تغیر و تبدیل جائز رکھے تو اس کو اختیار ہے مگر شرعی فتویٰ متغیر نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمل کرے یا نہ کرے ہاں اگر اضطرار یا عدم استطاعت کا ثبوت کسی کی نسبت محقق ہو جائے گا تو اس کے لئے حسب مجبوریت علیحدہ حکم کیا جائے گا۔

داخلۂ کونسل - داخلہ کونسل کی نسبت فتویٰ لینے کے لئے بہت سی پلٹیاں کھائی گئیں۔ کبھی تو یہ ظاہر کیا گیا کہ فقط جگہ گھیرنا مقصود ہے قسم کا وقت آنے سے پیشتر منتخب حضرات لوٹ آئیں گے کبھی یہ کہا گیا کہ مقصد وہاں جا کر خلاف کرنا ہے اور جب مخالفت موثر نہ ہو تو کونسل چھوڑ کر چلے آنا مطلوب ہے۔ غرضیکہ کونسل چلانا مقصود نہیں بلکہ اس کے خلاف کرنا مقصود ہے تاکہ گورنمنٹ کو یہ افتخار کرنے کا موقع نہ ہو کہ ہم ہندوستانیوں کے اتفاق اور اُن کی رائے سے حکومت کرتے ہیں۔ مگر اب ظاہر ہو گیا کہ جملہ امور بناوٹی تھے، مقصد اصلی کونسل کو چلانا اور اپنے اپنے فرقہ وارانہ حقوق کے لئے کوشش کرنا ہے چنانچہ اس کا اعلان بھی بارہا شائع ہو چکا ہے اور زبانوں پر بھی اسی طرح آ رہا ہے۔ بہر حال ہر چہ بادا باد شرعی نقطۂ نظر سے یہ بھی ماذون نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس میں اگر اپنے اپنے فرقہ وارانہ حقوق کا حاصل کرنا اور کونسل کو چلانا مد نظر ہے تب تو علاوہ تکثیر جماعت دشمن اسلام

اور یمین وعہد وفاداری حکومت ظالمہ، اعانت ظالم اور تائید ظلم واثم لازم آتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)

صحیح اور معتبر روایتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:-

اعاذك الله من امارة السفهاء قال وما امارة السفهاء قال امراء يكونون من بعدی لا يهتدون بهدی ولا يستنون بسنتی فمن صدقهم بكذبهم واعانهم علی ظلمهم فاولئك ليسوا منی ولست منهم ولا يردون علی حوضی ومن لم يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم علی ظلمهم فاولئك منی وانا منهم وسيردون علی حوضی، الحديث. رواه احمد والبزار وابن حبان فی صحيحه والترمذی وصححه۔

تم کو خداوند کریم بیوقوفوں کی پادشاہت سے پناہ میں رکھے، انہوں نے عرض کیا کہ بیوقوفوں کی پادشاہت کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ پادشاہ اور حکام ایسے ہوں گے، جو کہ میرے طریقہ پر نہ چلیں گے، اور نہ میری سنتوں کی تابعداری کریں گے تو جو شخص ان کے جھوٹ کو سچا کرے گا اور ان کے ظلم کی مدد کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں (مجھ میں اور اس میں کوئی تعلق نہیں) اور نہ یہ لوگ میرے حوض پر وارد ہوں گے۔ اور جس شخص نے ان کے جھوٹ کو سچا نہ کیا اور ان کے ظلم کی اعانت نہ کی تو ایسے لوگ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں اور عنقریب میرے حوض پر وارد ہونگے۔ غرضیکہ اسی قسم کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ اور اگر کونسل کو چلانا منظور نہیں تو عہد وپیمان وفاداری حکومت ظالمہ وکافرہ موجود ہوتے ہوئے عہد شکنی کا ارتکاب لازم آتا ہے جو کہ شرعی نقطۂ نظر سے نہایت زیادہ قبیح ہے قرآن شریف میں بار بار اس کی ممانعت نہایت سخت کلمات کے ساتھ کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ نحل سورۂ اسرٰی سورۂ انعام کی آیتیں اس پر نہایت تاکیدی الفاظ اور قوی تر احکام کو دکھلا رہی ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ فتوٰی اس کے جواز کا دیا جائے۔ وما علینا الا البلاغ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

ایھا العلماء الکرام والقادۃ الفخام حیث ان اللہ عزّ وجل خصکم بمزایا تمیزون دون آنحائھا ایدی العباد العظام وفضائل تحیا سائر العقول والاذھان فقال سبحانہ وتعالی ولم یزل قائلا کوبیا موفقا للحسنات یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت وقال سبحانہ وتعالی ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ۔ وقال عزّ من قائل۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء فحصر الخشیۃ التی ھی مدار التقرب والاصطفاء فی جماعۃ العلماء خاصۃ دون سائر اھل الفضل والنھی

وقال سید الرسل والانبیاء الکرام - علیہ وعلیہم الف الف تحیۃ وسلام ان العالم لیستغفر لہ من فی السموات ومن فی الارض حتی الحیتان فی الماء - وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما - انما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم وان اللہ وملائکتہ واھل السموات والارض حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر۔

فیالھا من مزیۃ تلتموھا من المفضل المنعام - ویالھا من محامد تقلدتم بھا علی خواص عبادہ والانام فعلیکم بالتشمیر عن ساق الجد فی اقامتہ وظائف من ورثتموہ ونشر ما بلغکم من اللہ عزوجل تفقھتموہ غیر مبالین فی اللہ لومۃ لائم - ولا خائفین فی سبیلہ معاتبۃ ظالم - فقد قال عزوجل - ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون - وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام بلغوا عنی ولو اٰیۃ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام فلیبلغ الشاھد الغائب وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس فانی مقبوض وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر - وروی عنہ علیہ السلام انہ قال الساکت عن الحق شیطان اخرس - وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ھل تدرون من اجود جودا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال اللہ تعالیٰ اجود جودا ثم انا اجود بنی ادم واجودھم من بعدی رجل علم علما فنشرہ یاتی یوم القیمۃ امیرا وحدہ او قال امۃ واحدۃ وعلیکم یا سادتی الکرام - بالاخلاص فی القول والعمل ناصحین الخلائق بلا فتور ولا کسل - وایاکم وایاکم والمراء والجدل - ومفارقۃ جماعۃ الاسلام والفشل فقد قال سبحانہ وتعالیٰ فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین وقال تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ثلث لا یغل علیھن قلب مسلم اخلاص العمل للہ والنصیحۃ للمسلمین ولزوم جماعتھم فان دعوتھم تحیط من ورائھم وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفھاء او لیصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار - وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمہ یعنی ریحھا - وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من فارق الدنیا علی الاخلاص للہ وحدہ لا شریک لہ واقام الصلوٰۃ واٰتی

الذکرۃ فارقتها و الله عنه راض ۔ وقال سبحانه وتعالیٰ ۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لا شریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین ۔ وقال علیه الصلوٰۃ والسلام انما ینصر الله هذه الامة بضعیفها بدعوتهم وصلاتهم واخلاصهم وعن ابی امامة رضی الله عنه قال جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ارأیت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر ماله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا شیٔ له ثم قال ان الله عز وجل لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصًا وابتغی به وجهه وقال علیه الصلوٰۃ والسلام علماء هذه الامة رجلان رجل اٰتاه الله علما فبذله للناس ۔ ولم یاخذ علیه طمعا ولم یشتر به ثمنا فذلك تستغفر له حیتان البحر ودواب البر والطیر فی جو السماء ۔ ورجل اٰتاه الله علما فبخل به عن عباد الله واخذ علیه طمعًا وشری به ثمنا فذلك یلجم یوم القیمة بلجام من نار وینادی مناد هذا الذی اٰتاه الله علما فبخل به عن عباد الله واخذ علیه طمعا واشتری به ثمنا وکذلك حتی یفرغ الحساب ۔ وقال الحسن رحمه الله تعالیٰ العلم علمان فعلم فی القلب فذلك العلم النافع وعلم علی اللسان فذلك حجة الله عز وجل علی ابن اٰدم وقال علیه الصلوٰۃ والسلام ید الله علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار ۔ وقال علیه السلام من فارق الجماعة شبرًا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه ۔

فیا سادتی الکرام سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنة عرضها کعرض السماء والارض ۔ وجاهدوا فی الله حق جهاده ۔ والنشر وادین الله عز وجل فی طول البسیطة والعرض ولا یقلقنکم کثرۃ الاعداء وقوتهم ولا یؤیسنکم افتراق الاحبة وحبها لهم فان الله عز وجل قال والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان الله لمع المحسنین وجعل القنوط من رحمته کفرًا وسمی الاٰیسین من روحه کفرین ۔ بارك الله لنا ولکم ولسائر الامة المحمدیه فی اتباع سید الانبیاء والمرسلین ۔ ونفعنا وایاکم وسائر المسلمین ۔ ونفعنا وایاکم وسائر المسلمین بالاٰیات والاحادیث کما نفع الاسلاف من المخلصین وحشرنا وایاکم فی زمرۃ احباب من بعث رحمة للعٰلمین علیه افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات الی یوم الدین وعلی اٰله وصحبه ومن تبعهم من السابقین الی رضوان اکرم الاکرمین اٰمین ۔

حاضرین مجلس! میں نے آپ حضرات کی بہت زیادہ سمع خراشی کی۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ حضرات نظر عفو وکرم کو متوجہ فرماتے ہوئے میری بے ربط وپریشان تقریر کی غلطیوں سے درگزر فرمائیں گے۔ میں ایک معمولی درجہ کی لیاقت کا طالب علم ہوں

میں تقریر و تحریر کا کمال رکھنے والا مشہور عالم یا متکلم نہیں ہوں۔ اس لئے میری عرائض میں ضرور بضرور بہت سی فروگزاشتیں ہوں گی۔ علاوہ ازیں چونکہ بدقسمتی سے اس خطبہ کے تیار کرنے میں مجھ کو محض تین چار ہی دن ملے۔ اس لئے پوری طرح سے تدبر و امعان کی نوبت بھی نہ آسکی حسب قول مشہور ایک تو کریلا کڑوا دوسرے نیم چڑھا۔ اول تو فہم و علم تحریر و تقریر کی کمی تھی ہی اس پر طرہ یہ ہوا کہ وقت نہایت ہی کم تھا۔ جس میں تمام ضروریات کا انجام مشکل ہو سکا۔ میں آپ حضرات کی عنایات و توجہات کا شکریہ بیخ دل و زبان تقریر و تحریر سے نہیں ادا کر سکتا۔ خداوند کریم آپ کو دارین میں جزاء خیر عطا فرمائے اور وہ دن جلد لائے کہ اسلام اور مسلمانوں سے مصائب کی کالی گھٹائیں چھٹ جائیں، آفتاب اسلام سے کسوف کی بیماری دور ہو جائے، دشمنوں کو ہر جگہ ذلت و رسوائی نصیب ہو، دوستوں پر ہر وقت فضل و کرم انعام و احسان بے نہایت اور بے حد و د ہو، وطن و قوم کا بول بالا ہو، مخالف اور دشمن کا منہ کالا ہو۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین۔ اٰمین ؁

حسین احمد غفرلہٗ

ماخذ : مولانا حسین احمد مدنی: خطبہ صدارت، جمعیت العلماء ہند کا سالانہ اجلاس پنجم منعقدہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۲۳ء بمقام کوکناڈا، دہلی، ۔۔ بن، ۲۶ ص۔

۱۵

تجاویز

تجویز نمبر ۱ :- جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب و مولانا نثار احمد صاحب و مولانا پیر غلام مجدد صاحب و مولانا شوکت علی صاحب و مولانا محمد علی صاحب و ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو مجاہدین کراچی کی خدماتِ ملیہ وطنیہ کا اعتراف کرتا ہے اور ان کے ثبات و استقلال اور کامیاب رہائی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۲ :- جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس جناب جبلِ استقامت مولانا سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی کے اس بے نظیر تحمل و استقلال و استقامت پر جو انہوں نے اپنے غیر متزلزل عزم و عمل سے ظاہر فرمایا ہے صدقِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور گورنمنٹ بمبئی کے اس ظالمانہ رویہ پہ جو یرودا جیل میں مولانا کے ساتھ دورانِ اسیری میں برتا گیا ہے، اپنے سخت غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے

تجویز نمبر ۳ :- ترور اور پوتنور کے درمیان موپلہ اسیروں کو نہایت وحشیانہ طریقہ پر لے جانا اور ریل گاڑیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح بند کر کے نہایت سخت تشنگی اور گرمی میں ہوا پانی نہ دینا اور ستر (۷۰) موپلہ اسیروں کا نہایت مظلومانہ بےکسی کی حالت میں شہید ہو جانا دورِ حاضر کی تاریخ کا ایک نہایت سیاہ ورق ہے۔ جس کی یادگار قائم رہنا نہایت ضروری ہے۔

اس لئے جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ان موپلہ شہیدوں کی مظلومانہ شہادت کی یادگار شرعی طور پر قائم کی جائے اور اس کی لوح عمارت پر مظلوم موپلہ شہیدوں کے نام کی فہرست

اور مختصر واقعہ شہادت مع تاریخ شہادت کندہ کرا دیا جائے۔ اس کے لئے حسبِ ذیل کمیٹی منتخب کی جاتی ہے۔ کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ وہ مقامِ یادگار تجویز کرے، نوعیتِ یادگار معین کرے اور مصارف وغیرہ کا انتظام کرے اور یادگار تعمیر کرے۔

مولانا عبدالمجید صاحب شرر، سیٹھ یعقوب حسن صاحب سی عبدالحکیم صاحب۔ مولوی حکیم فضل الرحمٰن صاحب۔ مولوی سید مرتضیٰ صاحب۔ صدر و ناظم جمعیۃ العلماء ہند۔ اس کمیٹی کے ناظم مولوی سید مرتضیٰ صاحب و خازن سی عبدالحکیم صاحب ہوں گے۔

تجویز نمبر ۴:۔ اس زمانہ میں جب کہ فرزندانِ اسلام پر دنیا کے ہر گوشہ سے طرح طرح کے مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، حکومت ملیہ انگورہ نے قوم و ملت کی وہ شاندار خدمات انجام دی ہیں اور اس بہادری و استقلال کے ساتھ وقارِ ملت کو قائم رکھا ہے جو تاریخِ اسلام میں ایک بے نظیر اعجازی کارنامہ ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت خلافتِ اسلامیہ کے اختیارات اور حاکمیہ ملیہ کے اقتدار کی علیحدگی کے متعلق اخباری طبقہ میں مختلف مضامین شائع ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک غلط فہمی اور اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس حکومت ملیہ انگورہ پر کامل اعتقاد رکھتا ہے اور بتا دینا چاہتا ہے کہ کوئی ملی و انسانی، انفرادی و اجتماعی ضرورت ایسی نہیں ہے جس کا حکم اور حل مقدس اسلامی تعلیم میں موجود نہ ہو۔

خلافتِ اسلامیہ کے اقتدار و اختیارات پر مذہبی طریقہ سے کافی روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس بحث کو اعدائے اسلام نے مسلمانوں میں ہلچل ڈالنے کے ارادے سے نہایت بے وقت بعض مسلمانوں کو آلۂ کار بنا کر اٹھایا اور ناموقع شناس مخلصین بھی اپنی سادگی سے اس کا شکار ہو کر اس میں مبتلا ہو گئے، جمعیۃ العلماء کو یقین ہے کہ حکومتِ ملیہ اس اہم ترین مسئلہ کو طے کرنے کے لئے ایک ایسی جامع کانفرنس منعقد کرے گی جس میں تمام عالمِ اسلامی کے علماء اور رہنما شریک ہوں گے۔ اس لئے مسلمانوں کو بعض کے مخالفانہ پروپیگنڈا سے مضطرب اور پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

تجویز نمبر ۵:۔ یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور غلامی اقوامِ ہند کے باہمی اتفاق و اختلاف کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر محبِ وطن آزادی طلب انسان کا خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان یا کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اہم فرض ہے کہ وہ اقوامِ ہند کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے اور اسبابِ اختلاف کو دور کرنے کے لئے امکانی جدوجہد کرے جس طرح کہ آزادی

طلب مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ وہ برادران کے ساتھ متفق ہو کر آزادی کے لئے کوشش کریں اسی طرح آزادی طلب ہندوؤں کی ضرورت ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اتفاق پیدا کر کے سوراج حاصل کرنے کی فضا پیدا کریں۔ اس لئے جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس ہر ایسی کارروائی کو جو ملکی اتفاق و اتحاد کی بنیادیں کمزور کرے نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جو متحدہ قومیت ہند کو نقصان پہنچائیں اور تنزل کریں نہ صرف وطن بلکہ قوم و ملت کا دشمن سمجھتا ہے۔

تجویز نمبر ۶:- اسپیشل کانگریس دہلی کی تجویز کے ماتحت میثاق ملی ہند کا مسودہ جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری و لالہ لاجپت رائے کے دستخطوں سے شائع ہوا۔ مگر مسودہ پر غور کرنے والی کمیٹی کے پاس جس کے تقریباً ایسے اصحاب اسی ارکان نامزد کئے گئے تھے بہت دیر سے پہنچا اور اس وجہ سے معدودے چند رائیں وصول ہو سکیں، ایک دوسرا مسودہ پراونشل کانگریس کمیٹی کا مسودہ انصاف سے قریب اور اصل مقصد حصول سوراج کے لئے زیادہ بہتر اور مفید فضا پیدا کرنے والا ہے۔ چونکہ میثاق ملی کا معاملہ اہم ترین ذمہ داری کا معاملہ ہے اور اس کو سرسری طور پر طے کر دینا سخت غلطی ہوگی۔ اس لئے جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے، اگر میثاق ملی کے دونوں مسودوں پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مرتب کی جائے۔ جو انصاف و رواداری و حفاظتِ حقوق اور مذہبی آزادی کے مستحکم اصول کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی رائے مرتب کرے اور جمعیۃ کی منتظمہ کمیٹی کے اجلاس میں پیش اور منظور ہونے کے بعد کانگریس کی سب کمیٹی میں بھیج دیا جائے۔

نیز جمعیۃ العلماء ہند کی رائے ہے کہ ملک کی تمام ذمہ دار جماعتوں اور مذہبی و سیاسی رہنماؤں کی رائے حاصل کرنے کے بعد اسپیشل کانگریس کی مقرر کردہ کمیٹی مسودہ تیار کرے۔ کیونکہ جب تک عام رائے کا لحاظ نہ کیا جائے گا نیشنل پیکٹ قابل اعتماد نہ ہوگا۔

جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس کو اس امر کا افسوس ہے کہ بنگال پراونشل کانگریس کمیٹی کے مسودہ پر جن لوگوں نے تنگ دلی کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے قومیت متحدہ کے اصول و باہمی اتفاق جیسی ضروری چیز کو نظر انداز کر دیا۔ میثاق ملی کے مسودہ تیار کرنے والی جماعت کے حسب ذیل ارکان منتخب کئے گئے۔

۱:- مولانا حسین احمد صاحب ۲:- مولانا شبیر احمد صاحب
۳:- مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ۴:- مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی
۵:- مولانا ثناء اللہ صاحب ۶:- مولانا عبد القدیر صاحب
۷:- صدر جمعیۃ العلماء ہند ۸:- ناظم جمعیۃ العلماء ہند
۹:- حکیم محمد اجمل خاں۔

اس کمیٹی کا کورم تین ہوگا اور صدر و ناظم جمعیت اس کے صدر و ناظم ہوں گے۔

یہ کمیٹی مسودہ تیار کرکے ملک کے تمام حلقوں کے علماء و مشائخ و عمائد کے پاس ۱۵ رفروری تک بھیج دے اور ان سے درخواست کرے کہ وہ آخر فروری تک اپنی اپنی رائیں کمیٹی کے پاس بھیج دیں۔ اس کے بعد مارچ میں جمعیۃ منتظمہ اپنے خاص یا مشترکہ اجلاس میں آخری مسودہ پاس کرائے اور ۳۱ رمارچ سے پہلے کانگریس کی سب کمیٹی کے پاس روانہ کردے۔

تجویز نمبر ۷ :۔ جزیرۃ العرب کا جس میں عدن بھی شامل ہے۔ غیر مسلم اقتدار تسلط و اثر سے پاک رہنا، اسلام کا ضروری مسئلہ ہے، اور حضرت رسالت پناہ تاجدار مدینہ کی آخری وصیت کی تعمیل کے لئے مسلمانوں کا مقدس مذہبی فرض ہے۔ نیز جزیرۃ العرب کی آزادی نہ صرف ہندوستان کی آزادی کا اصلی دروازہ ہے بلکہ مشرق کی نجات کا ضروری مقدمہ یہی ہے۔

اس لئے مسلمانوں کا مذہبی مقدس فرض ہونے کے علاوہ تمام مشرقی اقوام کا بھی لازمی فریضہ ہے کہ وہ اس ایشیائی اہم مقام کی آزادی کے لئے جد و جہد کے تمام ممکن ذرائع استعمال کرکے اسے آزاد کرائیں۔ جزیرۃ العرب کی نام نہاد عربی حکومتوں اور گورنمنٹ برطانیہ کے معاہدے نہ صرف ناقابل تسلیم ہیں بلکہ جزیرۃ العرب اور اسلامی احکام کے لئے موجب توہین بھی ہیں۔ اس لئے مسلمان انہیں ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرسکتے۔

تجویز نمبر ۸ :۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس ناگپور، جھانسی وغیرہ کے ان واقعات پر جو بعض ناعاقبت اندیش برادران وطن کی جانب سے مسلمانوں اور شعائر اسلام پر طرح طرح کی زیادتیوں کی صورت میں پیش آتے ہیں۔ افسوس ظاہر کرتا ہے اور ان مقاموں کے مسلمانوں کے نہایت تحمل اور صبر و استقلال و رواداری پر ان کی خدمت میں ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۹ :۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ معلیٰ پر گولیوں کی بارش کو صریح طور پر درگاہ معلیٰ کی توہین اور علماء و عمائد اجمیر کی گرفتاریوں کو اسی معاملہ کی صدائے بازگشت سمجھتا ہے اور تمام مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ ذمہ دار حکام پر اس غلط کاری کے خلاف دلی غم و غصہ کا اظہار کریں اور ہر ممکن جد و جہد اور مظلومین اجمیر کی اعانت کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک اس کی کافی تلافی نہ ہو جائے۔

تجویز نمبر ۱۰ :۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اکالی بھائیوں کی اس سرفروشانہ جد و جہد کو جو وہ اپنے

مذہب و قومیت کی حفاظت کے لئے کر رہے ہیں، اِن کا فطری حق سمجھتا ہے، اور گورنمنٹ کا شرومنی، گوردوارہ پربندھک کمیٹی کو خلافِ قانون جماعت قرار دینے کو صریح مذہبی مداخلت اور فطری آزادی کے منافی خیال کرتا ہے اور اکالی بھائیوں کو اپنی ہمدردی کا یقین دِلاتا ہے اور ان کی مظلومانہ گرفتاری اور اسیری پر مبارکباد دیتا ہے۔

تجویز نمبر ۱۱: "جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس گورنمنٹ کی اس کارروائی کو جو صوبہ سرحد میں جزیرۃ العرب کی آزادی کے لئے مظاہرہ کرنے والوں کی گرفتاری کے متعلق کی گئی ہے سخت ترین مذہبی مداخلت یقین کرتا ہے" اور ان حضرات کو جو اس مظاہرے میں گرفتار ہوئے ہیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

ناظم جمعیت العلماء ہند دہلی۔

ماخذ: محمد میاں "جمعیت العلماء کیا ہے"، حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶، ۳۵، ۶۷-۷۲۔

باب ششم

اجلاسِ خصوصی ششم، مرادآباد، ۱۱ تا ۱۳ جنوری ۱۹۲۵ء

(۱۵ تا ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۴۳ھ)

زیرِ صدارت

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نقشبندی۔

۱۶

خُطبۂ استقبالیہ از مولانا عبدالحفیظ۔

[خُطبۂ استقبالیہ کا اصل متن اُردو میں ہے۔ اِس کا انگریزی ترجمہ انڈین اینول رجسٹر (INDIAN ANNUAL REGISTER) میں دیا گیا ہے۔ چونکہ اصل اُردو متن دستیاب نہیں ہو سکا۔ اِس لئے میں نے مذکورہ بالا رجسٹر کے انگریزی ترجمہ کو پھر اُردو میں منتقل کیا ہے۔ ترجمہ لفظی نہیں ہے۔ تاہم انگریزی عبارت کے صحیح مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ــــــ مُرتّبہ]

مولانا عبدالحفیظ، صدر مجلسِ استقبالیہ، نے خطبہ اُردو میں پڑھا۔ نمائندوں کو خوش آمدید کہنے کے بعد آپ نے حافظ محمد اسماعیل جو صدرِ مجلسِ استقبالیہ منتخب ہوئے تھے، اور بی اماں جن کی جگہ سیاسی دُنیا میں کوئی اور خاتون نہیں لے سکتی، کی وفات پر اظہارِ رنج وغم فرمایا۔ آپ نے جمعیت کے نقش پر اہلِ علم کی ایک جماعت کی ضرورت پر زور دیا جو اِن مسائل پر توجہ دے سکے جن کی نشاندہی حضرت شیخ الہند نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمائی تھی اور ساتھ ہی ساتھ نے مسائل مثلاً ادھر کونسل، شدھی، سنگٹھن اور ارتداد، کا بھی حل تلاش کرے آپ نے تنظیم کی تحریک کی خدمات کو سراہا۔ آپ

نے زور دیا کہ جمعیت کو چاہیئے کہ مسلم اوقاف کو اپنی نگرانی میں لے اور اس سے جمع شدہ سرمایہ مذہبی تعلیم اور مشرقی علوم کی ترویج پر صرف کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک جامع منصوبہ بنائے اور ایک مالیاتی بورڈ مقرر کرے۔

مولانا عبدالحفیظ نے مصر سے متعلق حکومتِ برطانیہ کی پالیسی کی مذمت کی اور فرمایا کہ یہ پالیسی سراسر ناانصافی اور حکومتِ برطانیہ کی طرف سے کئے گئے وعدوں کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔ آپ نے حکومتِ برطانیہ کی حجاز اور عراق کے بارے میں پالیسی کی بھی مخالفت کی اور مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کے معاملات میں غیر مسلموں کی بے جا مداخلت پر سخت تنقید کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسئلہ خلافت تسلی بخش طور پر حل ہو گیا ہے۔ آپ نے شاہ حسین کی جلاوطنی پر اظہارِ اطمینان فرمایا اور ابنِ سعود کے موتمر عالم اسلامی منعقد کرنے کے اقدام کو سراہا۔

ہندو مسلم اتحاد کے سوال پر مولانا عبدالحفیظ نے فرمایا کہ اس بارے میں ہونے والی کانفرنس کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ ہندو مسلم تعلقات کہاں تک بحال کر سکتی ہے۔ تیس کروڑ افراد کی آبادی والے ملک میں اختلاف رائے ایک قدرتی امر ہے، لیکن قتل و غارت اور لوٹ مار کو مذہبی جنون پیش کرنا جہالت کی دلیل ہے اور ایسے اقدامات کو کسی طور پر بھی مذہب کا رنگ نہیں دیا جا سکتا۔ ماتم کی رسومات، مساجد کے سامنے باجا بجانا اور گاؤکشی کا بالجبر انسداد محض خود غرضی کی علامات ہیں۔ نوکریوں کی تلاش (Place Hunting) اور ذاتی عناد کو چند خود غرض عناصر نے مذہبی رنگ دے دیا اور یہ امر ہندو مسلم اختلافات کا باعث بنا۔ آپ نے حکومت کی طرف سے نمک پر ڈیوٹی بڑھانے، لی کمیشن (Lee Commission) کے تقرر اور لیجسلیٹو اسمبلی کی پاس کردہ قراردادوں کو رد کرنے کے اقدامات پر اور اس آرڈیننس پر جو وائسرائے نے پاس کیا تھا، سخت رنجیدگی کا اظہار کیا۔

آخر میں آپ نے سوراج پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہماری قوم کی بقا کی اساس ہے اور آپ نے اس امر پر زور دیتے ہوئے مزید فرمایا کہ قومی معاہدے جیسا کہ ڈاکٹر انصاری اور لالہ لاجپت رائے یا مسٹر سی آر داس نے کئے تھے، انتہائی ضروری تھے۔

ماخذ: THE INDIAN QUARTERLY REGISTER, JULY-DECEMBER 1924, VOL. II, NOS. III & IV, CALCUTTA, PP. 509-510.

۱۷

خطبۂ صدارت از مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

الحمد للہ الذی لہ ما فی السموات وما فی الارض ولہ الحمد فی الآخرۃ وھو الحکیم
الخبیر (سبا) اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل
من بعد قوت ضعفا وشیبۃ یخلق ما یشاء وھو العلیم القدیر (روم) ولہ الکبریاء
فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم (جاثیہ) تکاد السموات یتفطرن من فوقھن
والملئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغرون لمن فی الارض الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم
(شوری) وینجی اللہ الذین اتقوا بمفازتھم لا یمسھم السوء ولا ھم یحزنون (زمر)
ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین لیحق الحق ویبطل الباطل
ولو کرہ المجرمون (انفال) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ
علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (صف) یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن
الاعز منھا الاذل وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون
ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور وکان بالمومنین
رحیما ہ تحیتھم یوم یلقونہ سلام واعد لھم اجرا کریما ہ الذین یبلغون
رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ وکفی باللہ حسیبا

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥

اَللّٰهُمَّ لبیك و سعدیك - اللهم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آل سیدنا و مولانا محمد صلوٰۃ تنجینا بہا من جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا بہا جمیع الحاجات و تبلغنا بہا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیات وبعد الممات وعلیٰ جمیع الصحابۃ رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین:-

اما بعد! حضرات علماء کرام و اعیان ملت و دیگر حاضرین!

مجھ جیسے کم علم، بے بضاعت، قلیل الفہم شخص کا جمیعت علماء ہند کے ایک عظیم الشان اجلاس کی صدارت کے لئے منتخب ہونا ہمارے لئے اگر ایک طرف باعث مسرت و سعادت ہے تو دوسری طرف باعث حسرت و افسوس۔

لیکن مسرت کا پہلو چونکہ صرف شخصی نقطۂ نظر سے ہے اس لئے وہ اگرچہ قابل التفات نہیں ہے مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو بھی ظاہر کر دوں۔

وہ یہ ہے کہ خدا کے فضل و عنایت سے علوم دینیہ و علوم رسمیہ کی تحصیل اور اس کی خدمت کا کچھ حصہ اگرچہ ہمارے نصیب میں بھی آیا اور باوجود اس کے کہ عمر کا اکثر حصہ علم ہی کی بادیہ پیمائی میں گزرا پھر بھی آپ حضرات یقین فرمائیں اور بلا تصنع میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایک طالب علم ہوں اور رسمی و عرفی طور پر اگرچہ علمائے کرام کی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت مل گئی ہے مگر میں علمائے کرام و فضلائے عظام کے پائین میں بھی بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ کیونکہ ایک عالم دین کو علمی و عملی حیثیت سے کم از کم جس درجہ پر ہونا چاہیئے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اب تک میں وہاں تک نہیں پہنچا اور ہنوز ہر حیثیت سے ناقص ہوں۔ ونعم ما قیل،

وَاِنِّیْ نَاقِصٌ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ
وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ الْکَامِلِیْنَا،

اور اس دور حوادث و پریشان زندگی کے اندر ہمارے جیسے شخص کے لئے علم و عمل میں کمال حاصل ہونا تو ایک نہایت ہی مشکل امر ہے۔ شاید اس زندگی سے چند گونہ نا آسودہ زندگی بھی اگر مجھ کو میسر آئے تو بھی مجھے یقین نہیں کہ علمائے ربانیین کے ادنیٰ مرتبہ تک پہنچ سکوں۔ اس لئے ایک طرح بحصول کمال سے مایوس ہو کر صرف خدمت علم و علماء کی بنا پر یہ بھی دعا کرتا رہا ہوں کہ جس طرح

اس ناچیز کے دل میں علمائے کرام وفضلائے عظام کی محبت والفت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بھی شفقت ڈال دے تاکہ ان کی توجہ ونظر عنایت اور فیض صحبت سے ہمارے علم وعمل کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے جو ہمارے لئے رضائے حق کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ ہے چنانچہ اب میں دیکھتا ہوں کہ اللہ پاک تفضلاً وکرماً علمائے کرام وفضلائے عظام کی نظروں کو ہماری طرف منعطف فرما رہا ہے۔ جس کو میں اپنے لئے نہ صرف باعث فخر وعزت ہی تصور کرتا ہوں بلکہ ذریعہ نجات بھی سمجھتا ہوں۔ ؎

مورے ہوسے داشت کہ کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد وناگاہ رسید

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اور میں سمجھتا ہوں کہ محض علمائے کرام کی شفقت وعنایت ہی کا نتیجہ ہے کہ مجھ جیسے کم علم اور بے زبان شخص کو آج جمعیت علمائے ہند کے عظیم الشان اجلاس کی صدارت کے لئے پیش کیا گیا ہے اور ایک ایسے کمزور وناتوان شخص کے کاندھوں پر صدارت کا بار گراں ڈالا گیا ہے جو یقیناً اس کی تمام ذمہ داریوں کے اٹھانے کا متحمل نہیں ہے۔ ولنعم ما قیل :-

رَاَيْتُ العِزَّ فِي اَدَبٍ وَعَقْلٍ — وَفِي الجَهْلِ المَذَلَّةَ وَالهَوَانْ
كَفٰى بِالمَرْءِ عَيْبًا اَنْ تَرَاهُ — لَهُ وَجْهٌ وَلَيْسَ لَهُ لِسَانْ

یہی وجہ ہے کہ جب گزشتہ سالوں میں جمعیت علمائے بنگالہ کے سالانہ اجلاس چاٹگام کی صدارت کے لئے اس ناچیز کو منتخب کیا گیا تو میں نے نہایت عاجزی ومنت وسماجت کر کے بمشکل اس بار کے اٹھانے سے معافی چاہی۔ کیونکہ نہ میں اس میدان کا شہسوار ہوں اور نہ اس ذوق سے آشنا۔ الغرض بہ ہزار دقت گلو خلاصی ہوئی لیکن ہمارے انکار کی ضد سے بعض احباب اور بعض بزرگوں کو رنج پہنچا جس کو میں نے مابعد میں محسوس کیا اور آخر میں پھر مجھ کو بھی ان کی اس تکلیف پر افسوس ہوا، مگر جبکہ آج یہ اجلاس کسی ایک صوبہ کا نہیں ہے بلکہ تمام صوبجات ہند کے علمائے کرام کا عظیم الشان اجتماع ہے، اور پھر ایک عظیم الشان اہتمام وانتظام کے ساتھ یہ اجلاس منعقد کیا جا رہا ہے تو ایسے عظیم الشان اجلاس کی صدارت کے لئے میں کب موزوں ہو سکتا ہوں اور ایک لمحہ کے لئے بھی میرا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ ایک ایسے عظیم الشان اجلاس کی جس میں تمام اکابر علمائے ہند رونق افروز ہوں، صدارت کی عزت وشرف کا تاج اس ناچیز کے سر پہ رکھا جاتے مگر اکثر اصحاب احباب

کے اصرار اور پھر آخر میں بعض اکابر کے حکم نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں حضرات علمائے کرام کی اس عزت افزائی کو قبول کروں۔ چنانچہ محض امتثالاً للامر میں نے اس منصب جلیل کے خلعت کو سر اور آنکھوں پر رکھا، اور اس کے باعث میں جتنی مشکلات میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ ان سے عہدہ برآ ہونا ہمارے لئے نہایت مشکل ہے اور اس حیثیت سے میں ندامت و شرمندگی کے دریا میں غوطے کھا رہا ہوں مگر باوجود اس کے چونکہ حضرات علمائے کرام کی یہ عزت افزائی و ذرہ نوازی ان کی محبت کی ایک روشن دلیل ہے اور ہماری عاقبت کے محمود ہونے کے لئے اس کے اندر ایک روشنی و جھلک ہے اس لئے میں اپنی اس خوش نصیبی پر مسرور و خوش ہوں، اور اس اعتبار سے میں تمام حضرات علمائے کرام و دیگر اکابرین قوم کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے محض ایثار و قربانی کر کے اپنے ایک ادنیٰ خادم کو آج وہ عزت دی ہے جس کا وہ یقیناً مستحق نہ تھا۔ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ شِیَمِ الْکِرَام۔

لیکن اس کے ساتھ مجھے نہایت افسوس و رنج بھی ہے، اور یہ رنج و افسوس ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ قومی اور جمہوری حیثیت سے ہے، اور اس لئے اس رنج و قلق کے سامنے ہماری تمام ذاتی مسرتیں بالکل افسردگی سے بدل جاتی ہیں، اور پھر اس کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ شادمانی کا کوئی اثر بھی میں محسوس نہیں کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ جب میں غور کرتا ہوں کہ جمعیت مرکزیہ علمائے ہند نے مجھ جیسے ناکارہ شخص کو صدارت کے لئے کیوں منتخب کیا اور اس کی نگاہ ایک ایسے شخص کی طرف کیوں مبذول ہوئی جس کے اندر کوئی خصوصیت علم و عمل اور تدبر و تفکر کے اعتبار سے نہیں ہے، تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ روز بروز ہندوستان کے اندر حقیقی علم و عمل کی روشنی دھیمی ہوتی جاتی ہے۔ کیونکہ علمائے ربانی میں سے جو حضرات ملاءِ اعلیٰ میں تشریف لے جاتے ہیں ان کی نظیر پھر نہیں ملتی ہے اور بقیہ لوگوں میں جو لوگ صاحب علم و عمل ہیں اور یقیناً ہر طرح پر لائق و فائق ہیں، انھوں نے تقاعد یا تکاسل اختیار کر لیا ہے اور اجتماعی زندگی کے میدان میں تگ و پو کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے عزلت نشین ہو گئے ہیں۔ یا جمعیت علمائے ہند کے اغراض و مقاصد اور اس کے اجتماع و احتفال سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس کو مسلمانان ہند کے لئے اول بدبختی اور سب سے بڑی بدنصیبی سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔ بس علمائے اکابر کے فقدان یا ان کے تقاعد و تکاسل نے اب یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ مجھ جیسے ذرہ بے مقدار کے کاندھوں پر وہ بار دیا جاتا ہے۔ جو ہمارے اکابر و عظما ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ آج میرا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ کَبَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ اَوْ تَقَاعُدُھُمْ اور جس قدر ان دردانگیز حالات پر افسوس و غم کیا جائے کم ہے۔

حضرات! علمائے کرام واشراف ملت!

آپ حضرات نے جو عزت و شرف اس ناچیز کو ایثار و قربانی کر کے بخشی ہے۔ اگرچہ میں کو میں نے بادل ناخواستہ اپنے لئے ایک دلیل خیر و ذریعۂ نجات سمجھ کر قبول کر لیا ہے لیکن آپ حضرات مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں کوئی نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دوں گا جو تمام لوگوں کو محو حیرت یا مسحور بنا دے گا اور تمام مسائل جو اس وقت درپیش ہیں ان کے تمام پہلوؤں پر میں بحث و تحقیق کر کے نہایت کافی روشنی ڈالوں گا جس سے تمام ظلمات کی ردائیں چاک ہو جائیں گی اور پھر تمام مسائل کے ابواب و فصول میں ایک قطعی فیصلہ کن رائے پیش کروں گا اور اس وقت جتنی گتھیاں الجھی ہوئی ہیں میں ان سب کو نہایت بہتر طور پر سلجھا دوں گا جس سے موجودہ دور کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی، یا کوئی ایسا لائحہ عمل پیش کروں گا جو اب تک آپ کے سامنے نہیں آیا ہے حاشا و کلا ... اس قسم کی تمام توقعات سے آپ کو مایوس ہو جانا چاہئیے۔ کیونکہ میری کم مائیگی اور بے بضاعتی آپ کو معلوم ہے اور میں پہلے ہی سے اپنے قصور علم اور نقصان تدبر و تفکر کا اعتراف کر چکا ہوں لیکن علماء کرام اور اساتذہ عظام کی کفش برداری۔ بزرگوں کی فیض صحبت اور آپ حضرات کے عنایات و توجہات سے شریعت غرّہ کے اصول و فروع کو جس قدر میں سمجھ سکا ہوں اور کتاب و سنت اور اقوال ائمہ و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جتنی روشنی مجھ کو بخشی ہے اور حالات و واقعات اور حوادث دنیائے اسلام کے اندر غور و اعتبار سے جو کچھ میں نے نتائج اخذ کئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کی روشنی میں مقاصد جمعیت علمائے ہند کو پیش نظر رکھ کر مجھے چند ضروری معروضات پیش کرنی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ میں اپنی جمود طبیعت و جمود قریحہ اور پراگندگی طبع و انتشار فکر کے باعث ایک نہایت مسلسل اور مرتب عنوان اور شائستہ اور مرتّب و مہذب بیان کے ساتھ عرض کرنے سے قاصر ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارے بھدّے الفاظ اور غیر متناسق جملے آپ حضرات کے لئے باعث تکلیف ہوں اور مضامین کے اندر بھی کوئی چیز آپ کے ذوق کے مناسب نہ ہو۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات ان تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے ہماری قابل عفو خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔

فَاِنَّ الْعَفْوَ مِنْ عَادَاتِ الْکِرَام ،

اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگرچہ جو کچھ میں عرض کروں گا وہ کتاب و سنت اور اقوال الائمہ اور فقہائے کرام سے ماخوذ ہوں گے۔ مگر چونکہ اس بیان میں ہماری فکر و اعتبار کو بھی یقیناً دخل ہے۔ اس لئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ بیان حکم اور مسائل میں جہاں جہاں مجھ سے غلطی

بیماری کی اصلاح کر دی جائے ۔ اور مجھ کو پورا وثوق و اطمینان ہے کہ ہمارے علمائے ربانی غلطی کو اس خطرناک ضلالت و گمراہی سے مجھ کو بچائیں گے ۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ القَائِلِ :-

وَحِيْنَ تَمَلَّتْ هٰذِهِ الْاَصْبَاحُ بِيْلَ
اَلْعَجَمِيُّ العَالِمُوْنَ عَنِ الضِّيَاءِ

نزولِ مصائب اور جمعیت علمائے ہند کا قیام ۔

حضرات :- سادات الکرام و زعمائے ملت ۔ یوں تو مسلمانوں کے ادبار و تنزل و ہلاکت کا دور تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت سے برابر مسلمانوں پر پیہم مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں جس سے تمام تاریخ کے صفحات لبریز ہیں اور گزشتہ چند سالوں میں ایک سے زائد مرتبہ اس کا اعادہ بھی بڑھ گیا ۔ کیونکہ موجودہ مسلمانوں کے تازہ زخموں کو ہرا کرنے کے لئے پرانے نمکدانوں سے بھی نمک پاشی کی ضرورت تھی ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے اندر ایسے ایسے مہالک اور خطرات سامنے آئے کہ جن کی نظیر تاریخ کے صفحات میں ملنی مشکل ہے ۔ اور یہ مہالک غافل سے غافل مسلمانوں کو متنبہ و ہوشیار کرنے کے لئے کافی ہیں ۔ جن کو قیامت تک فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ اس قسم کے تمام واقعات آپ حضرات کو معلوم ہیں کہ مسلمانوں پر کیسی کس قسم کے مظالم ڈھائے گئے ۔

تِلْكَ الْمُصِيْبَةُ الْسَنَتْ مَا لَقَدْ مِهَا ✗ وَمَا لَهَا مِنْ طَوَالِ الدَّهْرِ نِسْيَانُ ،

یہی وجہ ہے کہ اس مصیبت کبریٰ و داہیۂ عظمیٰ کے بھونچالوں نے اکثر عزلت گزینوں زاویہ نشینوں تک کو سحر الندو بنا دیا ۔ اور وہ مجنون وار واویلا کرتے ہوئے گلی کوچوں میں پھرنے لگے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس طائر کبریٰ سے دنیائے اسلام کا ہر گوشہ ماتم کدہ بن گیا ۔ اور ہر صغیر و کبیر چیخ اٹھا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ :-

اس کے تمام تفصیلی واقعات و حالات آپ کو معلوم ہیں ۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

ایسی سراسیمگی و پریشانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آخر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی کہ وہ غور و فکر کریں کہ ان پر یہ مصیبتیں کیوں نازل ہو رہی ہیں ۔ ہلاکت و بربادی کے اسباب و علل کیا ہیں کیونکہ قانونِ الٰہی یہ ہے ۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (تغابن)

جو کچھ مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے (اور اس کے حکم و مصالح و اسباب و علل کو کوئی نہیں جانتا لیکن) جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان

رکھتے ہیں ان کے قلوب کو اللہ پاک ہدایت کرتا ہے۔
(وہ سمجھتے ہیں کہ مصیبتیں کیوں آئیں اور ان سے نجات
کا کیا طریقہ ہے اور یوں تو مدعیان ہدایت بہت سے پیدا
ہو سکتے ہیں لیکن) اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے اور
اس کو خوب معلوم ہے کہ کون قلب راہ یافتہ ہے

چنانچہ اسی قانون کے ماتحت اکثر مسلمانانِ ہند اور علمائے ہند کی معتد بہ جماعت نے ان حقائق اور واقعات پر غور و خوض کیا اور اس کے علل و اسباب کے ساتھ اس کے دفاع کی تدبیریں بھی سوچنے لگے۔ آخر اللہ پاک نے ان حضرات کی رہنمائی فرمائی اور حکمائے امت کو ان امراض مہلکہ کی تشخیص کی توفیق عطا فرمائی۔ اور پھر فوری طور پر اس ہلاکت کے ہیجان و سوران کو توڑنے کے لئے جو کچھ تدبیریں ہو سکتی تھیں کی گئیں۔ انھیں تدابیر میں سے ایک اہم تدبیر جمعیت علمائے ہند کا قیام تھا۔ تاکہ علمائے کرام جو حقیقتاً حکمائے امت ہیں، امت کو مہالک سے نجات دینے کے لئے بہتر سے بہتر نسخے تجویز کریں اور دوسروں کے نسخے جات کو شریعت کے اصولِ حکمیہ سے جانچ کر امت کے استعمال کے لئے پیش کریں۔ پھر جمعیت علماء ہی کے ذریعے ان نسخوں میں قوت تاثیر و نفوذ پیدا کی جاتے۔ چنانچہ گزشتہ چند سالوں میں جو کچھ ہوا اور جمعیت علماء کی تاثیر و نفوذ نے جو انقلاب پیدا کیا وہ سب آپ حضرات پر واضح ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ آج تک جب اس کا نقشہ تصور میں آتا ہے۔ تو تھوڑی دیر تک محو حیرت بنا دیتا ہے۔

لیکن افسوس کہ وہ دلِ خوش کن منظر جس کے ساتھ ہزاروں آرزوئیں و تمنائیں وابستہ تھیں آج ایک دم خواب۔ خیال ہو گیا اور اگرچہ اس حالت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن منزلِ مقصود ہنوز بہت دور ہے۔ ولنعم ما قیل :-

[illegible] اعرفت فی الھوا مقدارھا * رحلت ویالا سف المیح عوکمنت
کیف السبیل الیٰ اعادۃ مثلہا وھی التی بالبعد قلبی امو تنت

الغرض جمعیت علمائے ہند اگرچہ ایک سخت ہیجان و تلاطم و طوفان کے زمانہ میں قائم ہوئی، اور ابھی تک جو کام مناسب احوال ہوا اس کے ذریعہ انجام پایا لیکن چونکہ اس کی بنیاد نہایت ٹھوس و مضبوط زمین پر رکھی گئی تھی اور ابتدا ہی سے اس کے بانیین (کثر اللہ امثالہم) نے نہایت دور اندیشی کے ساتھ مسلمانوں کی دائمی نجات اور فلاح کے لئے ان مقاصدِ مہمہ کو پیش نظر رکھا تھا کہ جن کے بغیر مسلمانوں کے دین و دنیا کی زندگی محض عبث اور بیکار ہے اس لئے آج جبکہ حالات نے پلٹا کھایا ہے

اور بہت سی دوسری مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اور نئے نئے خطرات سامنے آ رہے ہیں۔ تو جمعیت علمائے ہند کی پہلے سے بھی بدرجہا زائد ضرورت ہے۔ اور جمعیت کو نہایت مضبوطی کے ساتھ ان تمام مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

جمعیت علمائے ہند سے غفلت

لیکن کچھ عرصہ سے میں دیکھ رہا ہوں کہ اب مسلمانان ہند کو جمعیت علمائے ہند کی بقا اور استحکام کی فکر نہیں ہے اور میری یہ شکایت کچھ صرف عوام الناس اور زعمائے قوم ہی سے نہیں بلکہ اپنے گروہ محترم علمائے کرام سے بھی مجھ کو مؤدبانہ شکایت ہے کہ یہ حضرات بھی جمعیت علمائے ہند کے معاملہ میں ایک طرح پر عارضانہ غفلت برت رہے ہیں۔

شاید یہ خیال کیا جاتا ہو کہ چونکہ تمام وہ مقاصد پورے ہو گئے جن کے حصول کے لئے جمعیت علماء قائم کی گئی تھی اور اسلام اور اہلِ اسلام بالخصوص مسلمانوں کے لئے اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تمام مفاسد کے ابواب ہمیشہ کے لئے مسدود ہو گئے۔ اس لئے اب جمعیت علمائے کی ضرورت نہیں۔

آہ! کاشکہ ایسا ہی ہوتا۔ مگر کامل غور و خوض کے بعد میں نہایت وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ دنیائے اسلام کے حالات اور خود ہندوستان کے واقعات جو ہمارے اور آپ کے سامنے پیش آ رہے ہیں۔ ان کے اسباب وعلل اور ان کے نتائج وعواقب مسلمانوں کے لئے ایک ہلکہ عظیمہ کی خبر دے رہے ہیں۔ اگر ہم نے جلد از جلد اسلام اور مسلمانوں کی فکر نہ کی تو یقین مانیئے کہ تمام بطالت پرستیاں اسلام اور مسلمانوں کے بیخ و بن کو اکھاڑ کر رکھ دیں گی اور اس کے ساتھ یہ بھی مجھے یقین ہے کہ ان تمام مہالک سے محفوظ رکھنے کی اگر کوئی طاقت اس وقت ہندوستان میں موجود ہے تو وہ صرف جمعیت علماء ہے کیونکہ جتنے مصائب مسلمانوں پر آ رہے ہیں۔ وہ صرف ترک شریعت کے باعث۔ اس لئے اگر اس کا دفاع بھی ممکن ہے تو صرف اعتصام بالشریعت کے ذریعہ۔

لیکن یہ معلوم ہے کہ سوائے علمائے ماہرین کے اور کون ہے جو اس کی طرف رہنمائی کرے سے

ہر کسے از سرِ او آگاہ نیست　　تا لگہ اینجا ہر کسے را رہ نیست

اس لئے سب سے پہلے تمام قوم اور بالخصوص علمائے کرام سے ہماری پر زور درخواست ہے کہ خدارا غفلت کو دور کیجیے اور جمعیت علمائے ہند کو مستحکم اور مضبوط بنایئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری لاپرواہیوں اور غفلت کی بدولت (خدانخواستہ) یہ تباہ اور برباد ہو جائے۔ خوب یقین کر لیجیے کہ اس وقت جمعیت علماء

کے ساتھ غفلت کرنا بھی اپنی خودکشی کے مترادف ہے۔

شرم بادت کہ ندیدانی و آگاہ نئی — کہ ترا در رہ این بادیہ چندیں خطرست

بہرحال جمعیت علماء کے ساتھ جو قوم اور بہت سے ارباب علم کا رویہ ہے اس کے متعلق ہمارے قلب میں ایک درد تھا جو میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آپ کے تیقظ اور علم و فضل سے میں امید کرتا ہوں کہ اس کے مداوات کی فکر کریں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جو کچھ میں عرض کروں گا اس سے بھی آپ کو جمعیت علماء کی بقاء اور استحکام کی ضرورت محسوس ہوگی۔

جمعیت علمائے ہند کے مقاصد اور مسائل مہمّہ

معاشر العلماء الکرام و زعمائے ملت!

اس وقت جو منصب آپ حضرات نے اس ناچیز کو عطا فرمایا ہے اس کی ذمہ داریوں کا ادا کرتے ہوئے میرا فرض یہ ہے کہ میں جمعیت علماء ہند کے مقاصد پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے ان مسائل پر بحث کروں جو جمعیت علماء ہند کے مقاصد کے ماتحت ملک کے سامنے ہیں۔ مگر آپ حضرات کو معلوم ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے مقاصد صرف سرزمین ہندوستان ہی کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں بلکہ اس کا دائرہ بیرون ہند تک وسیع ہے۔ اس لحاظ سے ہندوستان اور بیرون ہند تمام دنیائے اسلام کے سامنے جو مسائل مہمہ ہیں، سب کے سب اس کے حدود میں داخل ہیں۔ گزشتہ ایام میں جتنے مسائل تھے ان میں چند دیگر مسائل کا اضافہ ہو گیا اور اس کثرت کے ساتھ ان مسائل مشکلہ کا اجتماع ہو گیا ہے جن پر غور کرنا جمعیت علماء کا فرض ہو گیا ہے اب میں حیران ہوں کہ میں کن کن مسائل کے متعلق اپنے ناچیز خیالات کو آپ حضرات کے سامنے بحث و تحقیق و غور و فکر کے لئے پیش کروں۔

تکاثرت الظباء علی خراش — فما یدری خراش ما یصید

اس لئے میں نہایت افسوس کے ساتھ آپ حضرات کی خدمت میں بکمال ادب یہ عرض کرتا ہوں کہ اس تھوڑے وقت میں صرف چند امور پر نہایت اختصار کے ساتھ میں بحث کروں گا جو میرے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ اوّل تو مجھ کو ان مسائل پر غور و فکر کر کے اپنے خیالات کے قلمبند کرنے کا وقت نہایت کم ملا۔

دوم یہ کہ اجلاس کے ایک محدود وقت میں تمام مسائل کا استقصاء کر کے ہر ایک پر مفصل گفتگو کرنا بھی ناممکن ہے اس لئے مسائل کے اخذ و ترک اور اختصار میں ہماری معذوریوں پر نگاہ کرتے ہوئے امید

بھی درگزر فرمایا جائے۔

مسئلہ خلافتِ اسلامیہ۔

حضرات! ترتیبِ طبعی کے لحاظ سے مناسب تو یہ تھا کہ پہلے میں اندرونِ ہند کے مسائل کا تذکرہ کرتا مگر اہمیت و ترتیبِ وضعی کو پیشِ نظر رکھ کر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض بیرونی مسائل کا تذکرہ کروں۔ اس وقت بیرونِ ہند کے بہت سے مسائل ہیں جو آپ کی توجہ کے محتاج ہیں۔ اگر ایک طرف مراکش اور مجاہدین رِیف کے احوال آپ کو اپنی طرف منعطف کر رہے ہیں۔ تو دوسری طرف مصر و سوڈان کا مسئلہ ہے پھر تیسری طرف حجاز و جزیرۃ العرب کا قضیہ ہے چوتھی طرف ایران کے اندر اغیار کی ریشہ دوانیوں سے اندرونی پریشانیاں ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر مسئلۂ خلافت اہم المسائل ہے جو ہنوز لاینحل ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں کے اعتبار سے خلافتِ اسلامیہ کا مسئلہ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پہلے صرف اعداءِ دین اس کے تباہ و برباد کرنے کی فکر میں تھے، اور اس کے نام و نشان کو تمام دنیا سے مٹا دینا چاہتے تھے۔

لیکن اب یہ حال ہے کہ خود مسلمانوں ہی نے اپنے ہاتھوں تختِ خلافت کو الٹ دیا اور آج دنیائے اسلام اس وقت بلا خلیفہ کے زندگی بسر کر رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لیکن واقف کار حضرات کو معلوم ہے کہ دنیائے اسلام کا ایک معتدبہ زمانہ تک بلا خلیفہ رہنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وان ھذا لیس اول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔ آج سے تقریباً پونے سات سو سال پہلے بھی ایسا زمانہ گزرا ہے جس میں تقریباً ساڑھے تین سال تک تمام دنیائے اسلام کے اندر، خلافتِ اسلامیہ کا نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔

کیونکہ سنہ ۱۰۳۰ھ میں اندلس سے خلافتِ بنو امیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اس کے بعد دو جگہ خلافت اسماً و رسماً تھی۔ ایک مصر میں خلافتِ فاطمیہ اور دوسرے بغداد میں خلافتِ عباسیہ کا کسی قدر نام و نشان تھا لیکن سنہ ۵۶۷ھ میں جبکہ مجاہدِ اعظم سلطان صلاح الدین نے مصر سے فرنگیوں کو مار بھگایا تو نور الدین الشہید کے حکم سے عاضد باللہ ابو محمد عبداللہ آخری خلیفہ فاطمی کا نام بہ حیثیت خلیفہ کے نکال دیا گیا۔ اور مصر و قاہرہ کے خطبات میں بھی خلیفہ عباسی المستضیٔ باللہ کا نام پڑھا جانے لگا چنانچہ اسی صدمہ سے دسویں محرم سنہ ۵۶۷ھ [۱۳ ستمبر ۱۱۷۱ء] کو عاضد باللہ نے الماس کا نگینہ کھا کر خودکشی کر لی اور اسی دن سے خلافتِ فاطمیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد تمام دنیا میں صرف ایک بغداد کے اندر خلافتِ عباسیہ کا نام و نشان باقی رہا مگر اس کے بعد فتنۂ تتار برپا ہو گیا اور آخر محرم ۶۵۶ھ [فروری ۱۲۵۸ء]

میں ہلاکو خاں نے مدینۃ الاسلام بغداد کو تاراج کیا اور قتل و غارت کر کے بتاریخ ۳۰ محرم ۶۵۶ھ [۶ فروری ۱۲۵۸ء] میں المستعصم باللہ خلیفہ عباسی کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے بغداد کی خلافت عباسیہ کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ اس وقت سے ۶۵۹ھ [۱۲۶۱ء] تک دنیائے اسلام کے کسی حصہ میں بھی خلافت کا وجود نہیں رہا۔ آخر جب مصر پر سلطان نور الدین الملقب بالظاہر قابض ہو گیا تو اس نے سلطان العلماء شیخ الاسلام علامہ عز الدین ابن عبد السلام کے مشورہ کے بعد احمد بن الخلیفۃ الظاہر باللہ کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بتاریخ نویں رجب ۶۵۹ھ [۹ جون ۱۲۶۱ء] بیعت خلافت ہوئی اور اس دن تمام دنیائے اسلام کو ایام جاہلیت اور فوضیت سے ایک طرح کی نجات ملی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تقریباً ساڑھے تین سال تک یعنی ۳۰ محرم ۶۵۶ھ [۶ فروری ۱۲۵۸ء] سے لے کر ۱۰ رجب ۶۵۹ھ [۱۰ جون ۱۲۶۱ء] تک اسلامی دنیا بلا خلافت رہی۔ پس آج اگر دنیائے اسلام بلا خلیفہ ہے تو اس پر حیرت و تعجب کا مقام کیا ہے؟ ہاں اگر تعجب اور حیرت ہے تو صرف اس وجہ سے کہ پہلے ہلاکو خاں جیسے لعین شخص نے خلافت کا خاتمہ کر کے دنیائے اسلام کو مبتلائے مصیبت کیا تھا۔ اور آج خود ہمارے بھائیوں نے ہم کو اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا کر دیا ہے کہ آج تمام دنیائے اسلام کی زندگی ایک طرح پر جاہلیت کی زندگی ہے۔ اور فوضویت تامہ کا دور دورہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اگرچہ الغائے خلافت سے پہلے خلیفہ عبد المجید کی خلافت بھی محض اسمی و رسمی تھی۔ کیونکہ ان کو کوئی اختیار نہ تھا تاہم رسماً آخری خلفائے عباسیہ کی طرح خلافت تھی اور امید کی جاتی تھی کہ باہر کے قضیوں سے فراغت کے بعد انتظام خلافت شرعی طریق پر ہوگا مگر افسوس

من درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

آخر جو کچھ ہوا وہ تمام دنیا کو معلوم ہے۔

احرار ترک کے اعذار اور اہل علم کی مسامحت۔

خیر یہ واقعہ تھا جو ہو چکا جس کے اسباب و علل پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن میں ابتداء معاملہ سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ ترکوں کے اس رویہ اور الغائے خلافت پر اگرچہ ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا مگر اس کے ساتھ ان کے اعذار باردہ کو بھی قابلِ سماعت قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان غریبوں کے عذرات بھی قابلِ لحاظ ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق بھی چند کلمے عرض کردوں عوام الناس سے تو ہمیں اس معاملہ میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو مہبط احکام

کی اطلاع نہیں ہے مگر وہ حضرات جو صاحب علم ہیں ا ن کی مسامحت پر البتہ مجھے افسوس ہے۔ اس لئے کہ ناقابلِ التفات اور اعذارِ باردہ کو قابل سماعت قرار دے کر قوم کی ہلاکت کا ایک باب مفتوح کیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ:۔

لن یہلک الناس حتی یعذروا او یعذروا من انفسھم (ابو داؤد شریف کتاب الملاحم)	لوگ ہلاکت میں مبتلا نہیں ہونگے مگر اس وقت جب وہ اپنی غلط کاریوں کے متعلق اعذار باردہ اور تاویلات فاسدہ کرنے لگیں گے،

اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ پہلے ا ن اعذار کو جو سنجیدگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور جس کی وجہ سے ا ن کو اس رویّہ کے اختیار کرنے میں مجبور سمجھا گیا ہے بیان کر کے اس کی حقیقت عرض کروں گا۔ پھر جو روح اندرونی طور پر کام کر رہی ہے ا س کے متعلق بھی چند معروضات پیش کروں گا۔

خود ترکوں نے یا ا ن کی طرف سے جو عذرات پیش کئے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

نمبر ۱:۔ خلافت اسلامیہ تمام دنیائے اسلام سے متعلق ہے اس لئے صرف ترکوں کے کاندھوں پر اس کا بار نہیں ہونا چاہیئے۔

نمبر ۲:۔ چونکہ ترک خلافت کے علمبردار ہیں اس لئے تمام یورپین اقوام ہمیشہ ترکوں کو تباہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور آج تک جتنی مصیبتیں ترکوں پر آئیں وہ سب صرف اس علمبرداری خلافت کے باعث۔

نمبر ۳:۔ تمام دنیائے اسلام کی مرکزیت اور اتحاد عالم اسلام ایک خیالی اور وہمی چیز ہے جو نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ اس لئے خلافتِ اسلامیہ کو مرکزیت اہل اسلام تصور کرنا غلط ہے ہاں تمام دنیا کے مسلمانوں میں باہمی ارتباط اور تعلقات کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔ بفحوائے انما المومنون اخوۃ۔

نمبر ۴:۔ چونکہ ترک اپنے خلفاء کے استبداد کے باعث ہمیشہ مبتلائے محن رہے اور بعض خلفاء دشمنوں کی ریشہ دوانیوں میں پھنس کر ملک کی تباہی کے باعث ہوئے۔ اس لئے خلیفہ کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔

نمبر ۵:۔ خلافت اسلامیہ کے معنی حکومت اسلامیہ کے ہیں اس لئے حکومت ملّیہ (یعنی جمہوری حکومت) موجود ہے اس لئے خلافت بھی معناً موجود ہے۔

آپ حضرات پہلے عذر کو بغور ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر غلط ہے۔ اولاً اس لئے کہ خلافتِ اسلامیہ کا قائم کرنا اگرچہ تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں پر واجب ہے مگر واجب کفایہ ہے۔ اِذا قام بہا البعض سقطا عن الباقین۔

اگر ترکوں نے بار خلافت کو پہلے اٹھایا تو جس طرح دنیائے اسلام ا ن کے اس بار کے اٹھانے کی وجہ

سے ترک واجب کی معصیت سے محفوظ رہی آخر خود بھی تو اس معصیت سے محفوظ رہے اور ثواب کے مستحق ہوتے اور اگر آج انھوں نے اس بار کو اتار پھینکا تو جس طرح تا قیام خلافت دوسرے مسلمان گنہگار ہیں وہ خود بھی مجرم ہیں۔ پس اگر کوئی شخص ایک خیر میں حصہ لیتا ہے تو اس سے یک بیک لازم آتا ہے کہ اس سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنے مجرم بننے کے ساتھ دوسروں کو بھی مجرم بنالیں۔

دوم یہ کہ اگرچہ خلافتِ اسلامیہ کا تعلق تمام دنیائے اسلام سے ہونا چاہیے مگر اس کی حفاظت و نگرانی اور اعانت و امداد کا بار اولاً اسی بلد اور ملک پر ہوگا جہاں پایہ تخت خلافت ہوگا۔ لیکن اگر بیت المال میں کمی ہو اور اخراجات خلافت زیادہ ہوں۔ تو پھر خلیفہ اور ارباب شوریٰ خلافت کا فرض ہے کہ وہ اس کی فکر کریں اور تمام دنیائے اسلام سے مطالبہ کریں۔ کیونکہ فکر توسیع آمدنی اما دامت پر فرض نہیں ہے بلکہ خلیفہ اس کے مشیروں پر۔

سوم یہ کہ اگر یہی عذر تھا کہ اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے صرف ترکوں ہی کے ملک پر بار تھا تو پہلے دنیائے اسلام کے سامنے اس کا اعلان کرنا چاہیے تھا کہ تمام دنیا کے مسلمان خلافت کے استحکام کی طرف توجہ کریں یا تخت خلافت کو یہاں سے کسی دوسری مرکزی اور بہتر مقام پر منتقل کردیں۔ ترک بھی خلیفہ کی اطاعت کے اندر رہیں گے۔ پایہ تخت جہاں کہیں بھی ہو۔ اگر اس اعلان کے بعد دنیائے اسلام توجہ نہ کرتی تو پھر خلیفہ بسبب عدمِ قیام امور خلافت اپنے کو خود معزول کردیتے۔ الغرض اس عذر کی لغویت میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔

دوسرا عذر بھی نہایت غلط ہے کیونکہ یورپین اقوام اور کفار کو اسلامی حکومتوں کے تباہ و برباد کرنے کی فکر اوس وقت سے ہے جبکہ خلافت ترکوں کو حاصل نہ تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ یورپین اقوام کو دشمنی ہر اسلامی طاقت اور مشرقی اقوام سے ہے۔ عام ازیں کہ وہاں خلافت ہو یا نہ ہو۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ چونکہ ترک حامل خلافت ہیں اس لئے یورپین اقوام ہمارے آزار کے درپے ہیں غلط ہے۔ آج جبکہ ترکوں نے خلافت کو زائل کردیا تو پھر کیوں قضیۂ موصل درپیش ہے اور کیوں نہیں زوالِ خلافت کے بعد ترکوں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ ایران کو جو انگریز اور روس ہمیشہ تباہ اور تقسیم کرنے کی فکر میں رہے۔ کیا وہاں بھی پایۂ تخت خلافت تھا اور وہ بھی علمبرداران خلافت تھے۔ الغرض یہ خیال بھی محض لغو ہے۔ میں تو کہتا ہوں اگر واقعی ایسا ہی ہوتا تو پھر بھی ازالۂ خلافت کے لئے یہ وجہ نہیں ہو سکتی اور صریحاً یہ عذر ناقابلِ سماعت تھا۔

علیٰ ہذا القیاس یہ کہنا کہ اتحاد اسلام اور مرکزیت اسلام کا تخیل ایک وہمی چیز ہے اس قدر غلط ہے اس سے بڑھکر دنیا میں کوئی چیز غلط نہیں ہو سکتی۔ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اس کے معنی ہوئے

اس کے اور کیا ہیں کہ اسلام نے اتحاد اسلام اور مرکزیت کی جو تعلیم دی ہے اور خلافت کی نعمت کی جو بشارت دی ہے یہ سب چیزیں وہمی ہیں اور خلافت اسلامیہ کے قیام کا اصول ایک ناقابل عمل اصول ہے۔ اس عذر سے بدتر اور کیا عذر ہو سکتا ہے کسی اصول پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرنا اور عمل نہ کرنا اور چیز ہے اور ناقابل عمل ہونا، دوسری چیز۔ اگر ناقابل عمل ہوتا تو اسکی تعلیم ہی نہ ہوتی۔

اسی طرح چوتھا عذر بھی الغائے خلافت کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے اگر خلفاء اصول اسلام کے مطابق کام نہ کریں اور ضرر اور فساد کے باعث ہوں تو ارباب حل و عقد اس کو معزول کر سکتے ہیں اور اسکی جگہ پر دوسرے لائق شخص کو منتخب کر سکتے ہیں کسی شے کے اندر کوئی نقص پیدا ہو گیا ہو تو اس کا علاج کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کو سرے سے معدوم کر دینا چاہیے۔ کسی مریض کے علاج کے بجائے اس کا قتل کر ڈالنا کون سی دانائی ہے۔

آخر ترک اس واقعہ سے پہلے بھی تو خلفاء کو معزول کرتے رہے۔ (عام ازیں کہ شرعاً مقتضیات عزل موجود ہوں یا نہ ہوں)

اسی طرح بصورت خوف و فساد ہمیشہ معزول کر سکتے تھے بلکہ ایک مرتبہ متنبہ کر دیتے کہ جو خلیفہ اصول شرع کے مطابق کام نہیں کریگا تو معزول کیا جاتے گا اور اسی اصول پر کسی کو معزول کر دیتے تو آئندہ پھر غالباً کسی خلیفہ کو خلاف اصول کام کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔

پانچواں عذر بھی عجیب و غریب ہے ایک طرف اتحاد اسلام اور مرکزیت اسلامیہ کو وہمی قرار دیکر ناقابل عمل قرار دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خلافت کے اصل و اصول کا قیام و بقا ناممکن ہے اور اس طرح پر خلافت سے انکار ہے۔

دوسری طرف یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ حکومت ملیہ حکومت اسلامیہ ہے اس لئے خلافت اسلامیہ موجود ہے۔

یہی وہ بیان ہے جس سے ہندوستان کے بہت سے لوگ سخت مغالطہ میں پڑ گئے ہیں۔ اس لئے اُن سے خواہش کی جاتی ہے۔ کہ حکومت ملیہ کے صدر کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دو اور یہ اصول تسلیم کرو کہ جو صدر ہوگا وہی خلیفہ ہوگا۔

حالانکہ ترکوں نے محض عوام کے جذبات کو دبانے کے لئے یہ عذر کیا ہے اور جب اس پر یہ اعتراض ہونے لگے کہ جو کام اسلامی اصول سے خلافت کے ماتحت ہوتے تھے۔ وہ اب کیونکر انجام پائیں گے تو اس کے لئے یہ جواب دیا گیا ورنہ یہ ہرگز مقصد نہیں تھا۔ اور نہ اب تک ہے کہ حکومت ملیہ ہی خلافت اسلامیہ ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ بھی وہی حکومت ملیہ اتحاد اسلام کے وہمی خیال کی فرد ان کے نقطۂ نظر سے ہو جاتی ہے۔

اگر بالفرض انکی مراد یہی ہے کہ حکومت ملیہ عین خلافت اسلامیہ ہے اور صدر کو وہ خلیفہ کا لقب بھی دیدیں (جیسا اُن سے خواہش کی جاتی ہے) تو بھی علماء کے لئے قابلِ غور ہے کہ اس میں کہاں تک اصلیت ہے اور کیا یہ چیز اصولِ شریعت کے مطابق ہوگی۔

الغاء کا اصلی سبب۔

علمائے کرام و عزمائے عظام!:- بہت ممکن ہے کہ بہت سے حضرات کے خیال کو ہمارے خیال سے اتفاق نہ ہوگا۔ مگر مجھے اجازت دیجئے کہ میں نہایت صفائی کے ساتھ اس اصل مرض کو بیان کردوں جس میں آج اکثر بلادِ اسلامیہ کے مسلمان مبتلا ہو رہے ہیں اور اسی وجہ سے علماء اسلام کے ابتلاء اور آزمائش کا یہ نہایت سخت وقت ہے۔

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلعم روحی فداہ نے مسلمانوں کو اس مرض کے پیدا ہونے کی اطلاع پہلے ہی دیدی تھی تاکہ مسلمان ہوشیار رہیں اور اس سے حفاظت کی فکر کریں اور اس سے فتح یاب ہونے کی تدبیر کریں۔ مگر افسوس کہ ہماری قوم اس میں مبتلا ہو رہی ہے اور ہم خاموش بیٹھے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من قبلکم باعاً بباع وذراعاً بذراع وشبراً بشبر حتی لو دخلوا فی حجر ضب لدخلتم فیہ قالوا یا رسول اللہ الیھود النصاری فمن اذا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم لوگ گزشتہ اقوام کی پوری طور پر اتباع کروگے حتی کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہونگے تو تم بھی اس میں داخل ہو جاؤگے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہود و نصاریٰ کی اتباع مراد ہے تو حضرت نے فرمایا تو پھر اور کس کی۔

پس اس مرض کا حدوث آج نہیں ہوا ہے۔ بلکہ آج سے بہت پہلے شروع ہوگیا ہے کہ پہلے عقاید دیگر اعمال میں اتباع شروع ہوئی جس پر ہمیشہ علمائے حقانی انکار کرتے رہے اور آج سے پچاس سال قبل تمدن و معاشرت کی انفرادی انفرادی زندگی میں اتباع شروع ہوئی اور مطلق پروا نہ کی گئی کہ شریعت اسلامیہ اسکی اجازت دیتی ہے یا نہیں۔ بعدہٗ اجتماعی زندگی کے اندر تتبع کی فکر ہوئی اور آج اسی تتبع کا نتیجہ الغائے خلافت ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ترکوں اور اکثر بلاد اسلامیہ میں دو وبا بہت زیادہ پھیل رہی ہیں اور یہی وہ دونوں امراض ہیں کہ جس سے نہ صرف مسلمانوں کو دینی نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ دین و دنیا دونوں

تباہ ہو رہے ہیں۔

اگر نہایت زور و شور اور شد و مد کے ساتھ روک تھام نہیں کی گئی تو (خدانخواستہ) وہ دن قریب ہے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے۔

اوّل یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو حرّیت و آزادی کی جو تعلیم دی ہے اور اسلام کے اندر حرّیت و آزادی کے جو معنیٰ ہیں یورپ نے اس لفظ کو لیکر اس کو دوسرے معنیٰ پہناتے اور ایسے معنیٰ اس لفظ کے اندر داخل کئے جو قطعاً اسلام کے اندر مراد نہیں ہیں: اور نہ ہو سکتے ہیں مگر نوجوانان اسلام مغربی تعلیم یافتہ کے کانوں میں جب حرّیت کی آواز پہنچی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حُر اور حرّیت کے الفاظ اسلام میں بھی ہیں تو انھوں نے اس لفظ کے اندر وہی معنیٰ پہنائے جو مغربی تعلیموں کی صحبت سے انھوں نے اخذ کئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق کسی شخص واحد کے حکم کی اتباع کو بھی مخلوق کی غلامی سمجھا جانے لگا۔ حالانکہ اس میں خدا کی غلامی ہے جس سے کوئی مسلم ایک لمحہ کے لئے بھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس حریت کو یہاں تک وسعت دی گئی۔ کہ ہر شخص اپنے تمام خیالات اور تمام افعال میں بالکل آزاد ہے۔ اپنی ذمہ داری پر وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہاں زاید سے زاید یہ ہو سکتا ہے کہ چند انسان مجتمع ہو کر قیام امن اور حفاظت اقوام و افراد کے لئے جو اصول بنا دیں بس اس کی اتباع کی جائے تاکہ اجتماعی تمدن خراب نہ ہو۔ اس کے بعد قوم کے تمام افراد کے عقائد، اعمال، اخلاق، اگر خراب و برباد ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

کیونکہ ذاتی افعال و اعمال پر قیود عائد کرنا اور اس کی اتباع کرنا غلامی ہے۔ حالانکہ یہ حرّیت نہیں ہے بلکہ نفسی غلامی اور دماغی و عملی انتشار اور انارکی ہے جس کا حرّیت محمودہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے جس حرّیت کی تعلیم دی ہے حاشا و کلا یہ حریت نہیں ہے جس کو آج کل حرّیت سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ اس سے کہیں بلند تر ہے۔

اللہ پاک نے امت محمدیہ کو امت وسط اور عدل فرمایا ہے اس لئے اس کی حریت ہوا پرستی اعتدائی اور عملی انتشار اور انسانی غلامی الغرض تمام عیوب سے پاک ہے۔ وہ تو صرف قانون الٰہی کی اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ عقائد و اعمال میں قانون الٰہی کے آگے سر جھکا دو اور کسی انسان کی اتباع کا بھی حکم دیتا ہے۔ تو نہ اس جہت سے کہ وہ ایک انسان ہے بلکہ اس جہت سے کہ وہ منجانب اللہ خدا کے حکم کا جاری کرنے والا اور اوامر و نواہی سے مطلع کرنے والا ہے۔

اسلامی حرّیت یہ ہے کہ بڑے سے بڑا شخص بھی حتیٰ کہ خلیفۂ وقت بھی اگر خلاف شریعت حکم دے تو فوراً اس کو ٹھکرا دینا چاہئیے۔ یہ کیوں یہ صرف اس لئے کہ اس صورت میں خدا کی غلامی نہ ہوگی، بلکہ ایک

انسان کی غلامی ہوگی۔ نیز اگر نفس کسی ایسے امر کی خواہش کرے جو خلافِ منشاءِ اسلام ہو تو فوراً ٹھکرا دینا چاہیے کیونکہ یہ صرف اس لیئے کہ اس میں نفسِ انسانی اور ہوائے شیطانی کی غلامی ہوگی۔ اسی طرح ایک انسان نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں کی کونسل نے اگر کسی ایسے قانون کا اجراء کیا جو حکمِ خداوندی کے خلاف ہو تو اس کو بھی ٹھکرا دو کیونکہ پھر انسانوں کی غلامی نہ ہو۔

پس اسلام نے اگر دنیا کو حریت کی دعوت دی ہے اور غلامی کی مذمت کی ہے تو اس حریت کی جو موجود ہو اور انسانوں کو انسان کامل بناتی ہو اور اس کی صورت یہی ہے کہ صرف قوانینِ الٰہیہ کی اتباع کی جائے اور تمام انسانوں کی اس خواہش کو جو اسلام کے منشاء کے خلاف ہوں ان کو ایک ایک کرکے اٹھا کر پھینک دیا جائے۔

چنانچہ اسلام نے حریتِ انسانی کی تعلیم کو صرف ایک بلیغ جملہ میں یوں بیان کر دیا ہے کہ لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق۔ فی معصیة الخالق کی قید نے بتا دیا کہ اس کے سوا جتنے امور میں ان کی اتباع کی جائیگی اور یہ اتباع بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہوگی۔ اس لئے انسانی غلامی نہ ہوگی بلکہ اللہ کی غلامی ہوگی۔

الغرض اسلامی حریت، حریت مطلقہ نہیں ہے بلکہ مقیدہ ہے اور حریت مفرطہ نہیں بلکہ حریت عادلہ معتدلہ ہے اور مسلمان انسانوں کی غلامی سے بالکلیہ آزاد ہونے کے باوجود سر سے پاؤں تک اس دنیا میں قوانین الٰہی کی زنجیروں میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ ان زنجیروں کو توڑ کر وہ آزاد نہیں ہو سکتا ہے بلکہ انھیں زنجیروں میں جکڑ بند رہنے کے ساتھ تمام خود ساختہ پرداختہ انسانی غلامی سے آزاد ہے اور بالکل آزاد ہے۔

انھیں الٰہی پابندیوں اور جکڑ بندیوں کو رسول اللہ صلعم نے نہایت لطیف پیرایہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ الدُّنیا سِجنُ المؤمِنِ وَجَنّةُ الکافِر یعنی دنیا مسلمانوں کے لئے قیدخانہ ہے اور حدودِ الٰہی اور احکام الٰہیہ کی چہار دیواریوں کے احاطہ میں اسکی تمام زندگی محبوس و محدود ہے۔ پس کوئی کام اس زندگی میں خلاف منشاءِ قانونِ الٰہی اس کو نہیں کرنا چاہیئے جس طرح ایک قیدی کو قانون جیل کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا پڑتا ہے۔

بخلاف کفار کے چونکہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا اس لئے ایمان قبول کرنے سے پہلے احکام الٰہیہ کی اتباع کرنے کی اس پر کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ بالکل آزاد ہے۔ جس طرح عالم آخرت اور جنت میں مسلمان تمام احکام تکلیفیہ سے آزاد ہوں گے۔ بہرحال حریت کا غلط تخیل مسلمانوں میں پیدا ہوا جاہلول درجہ کا مہلک ہے۔

دوسرا نہایت سخت مرض جمہوریت فاسدہ کا طاعون ہے اسکا منشاء بھی وہی ہے کہ اسلامی جمہوریت اور اسلامی شورائی کو مغربی ڈھانچہ میں خواہ مخواہ ڈھالا گیا اور یقین کیا گیا کہ اسلامی جمہوریت اور اسلامی

شوریٰ کی وہی صورت متشکل ہے جس کو مغربی اقوام میں سب سے پہلے فرانسیسیوں نے اختیار کیا اس کے بعد دیگر اقوام اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

حالانکہ موجودہ جمہوریت کے تخیل کو کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ موجودہ اور مروجہ جمہوریت و شوریٰ اسلامی جمہوریت اور شوریٰ سے نہایت کمتر اور ناقص ہے۔ تم شوریٰ کو چند افراد میں محدود کر دیتے ہو۔ بہت ممکن ہے کہ بہت سے ایسے افراد ملک کے اندر ہوں جو عقل و فہم و فراست کے اعتبار سے ان افراد سے زیادہ ہوں، جو تمہارے منتخب کردہ ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے منتخب کردہ اشخاص میں ایسے لوگ آ گئے ہوں جو صرف جاہ پسند ہوں اور معلومات و فراست میں کم درجہ رکھتے ہوں یا عقل و دانش بھی رکھتے ہوں لیکن قوم کی حقیقی بہی خواہی کا جذبہ ان میں موجود نہ ہو۔

پھر چند نفوس مل کر جو قوانین بناتے ہوں اسکی اتباع پر۔ احترام جمہوریت کے نام قوم کو مجبور کرتے ہو اور جب تک اس مقننہ جماعت کے خلاف سخت شورش (ایجی ٹیشن) کر کے ان قوانین کو جو واقع میں مضر ہیں۔ تبدیل نہ کر دیا جائے۔ یا شورش یا جدید انتخاب کے ذریعہ اس جماعت کا تختہ نہ الٹ دیا جائے اس وقت تک ان قوانین پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے اور کسی فرد کی یہ مجال نہیں ہے کہ تمہارے صدر جمہوریت کا ہاتھ پکڑ کر تم یہ حکم خلاف حق کیوں دے رہے ہو۔ کیونکہ تمہارا صدر جمہوریت بلا تکلف کہے گا کہ قانون جمہوریت یہی ہے اب بتاؤ کیا یہ سب جمہوریت ہے یا چند انسانوں کی غلامی ہے۔

بخلاف اسلامی جمہوریت کے کہ اصحاب شوریٰ معین اور محدود نہیں ہیں۔ بلکہ ملک کا ہر اہل الرائے والعلم صاحب شوریٰ ہے اور ہر ایک کے مشورہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ غریب سے غریب آدمی جس میں دنیاوی حیثیت کی کوئی وجاہت نہیں مگر اہل العلم والرائے ہے وہ ہر وقت مشورے دے سکتا ہے اور اس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ اور اگر بعد مشورہ کوئی حکم ایسا نافذ کیا جائے جو خلاف حق ہے تو امت محمدیہ کے ایک ادنیٰ فرد کو جو احکام شرعیہ سے واقف ہے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑے اسلامی حاکم کا ہاتھ پکڑ لے اور سختی سے زجر کر سکتا ہے۔ آپ حضرات کے سامنے خلفائے راشدین کے واقعات موجود ہیں ان سے اسلامی جمہوریت کی پوری شان عملی صورت میں نظر آتی ہے ان پر غور کیجئے اور مروجہ جمہوریت کو سامنے رکھیئے۔ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ مروجہ جمہوریت اسلامی جمہوریت کو مردہ کر دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہزاروں دیگر مفاسد کو فتح باب کرتی ہے موقع نہیں ہے کہ اس پر مفصل گفتگو کی جائے۔

تیسرا نہایت مہلک مرض جو اب چند سالوں سے پیدا ہو رہا ہے وہ مسلمانوں کی وطنی قومیت ہے یعنی قومیت کی تعمیر اپنی وطنیت کی زمین پر کی جائے۔ کیونکہ:—

حُبّ الوطن از ملکِ سلیماں خوشتر ؛ ۔

حالانکہ اسلامی قومیت کی تعمیر صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اصولِ اسلام کی تسلیم اور انقیاد پر ہے۔ اور یہی اسلامی قومیت حدود جغرافیہ سے بالا تر ہے۔

وطنیت کے جذبہ کا یقیناً آخری یہی اثر و نتیجہ ہوگا کہ مختلف ممالک کے مسلمان ایک دوسرے سے بے نیاز ہوکر اس وطن پرستی میں مشغول ہوجائیں گے۔ جو یقیناً اتحاد عالم اور اسلامی مرکزیت کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دیگا۔ اس کے بعد مغربی گرگے ایک ایک کر کے ہر ایک کو نگلنا شروع کر دیں گے۔

چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بطل الاسلام مجاہد فی سبیل اللہ امیر عبدالکریم ہسپانی کافروں سے جہاد کر رہا ہے اور تمام دنیائے اسلام سے امداد کی اپیل کر رہا ہے مگر جتنے ممالک اسلامی آزاد یا نیم آزاد ہیں وہ سب ان سے بے نیاز ہو کر اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ کافروں کے غلام مسلمانوں سے سوائے چند روپیوں کے اور کس چیز کی اُمید تھی، مگر افسوس کہ اس غریب کے لئے اس طرح پر بھی اب تک کچھ نہ ہو سکا۔

الغرض یہ تین قسم کے زہریلے جراثیم ہیں جو یورپ سے تمام ایشیا میں پھیلائے جا رہے تھے۔ ترک چونکہ یورپ سے بہت زیادہ متصل تھے۔ اس لئے وہ جلد اس سے متاثر ہوئے چنانچہ جس وقت انجمن اتحاد ترقی قائم ہوئی اس وقت تین قسم کے اشخاص موجود تھے، ایک تو وہ تھے جو خلافتِ اسلامیہ کو خاندانی وراثت کے اصول سے چلانا چاہتے تھے جیسا کہ صدیوں سے ہوتا آرہا تھا۔ اس میں ذرّہ برابر تغیر کو پسند نہیں کرتے تھے۔

دوسری جماعت وہ تھی جو خلافتِ اسلامیہ کو اصول اسلامیہ کے مطابق بنانا چاہتی تھی اور تمام موجودہ خرابیوں کو جو ترکِ اصولِ شرعیہ سے پیدا ہو گئی تھیں ان سب کی اصلاح چاہتی تھی۔

تیسری جماعت وہ تھی جو خلافتِ اسلامیہ کو محض دنیاوی نقطۂ نظر سے دیکھتی تھی اور فرانس کی جمہوریت کو پیش نظر رکھ کر اسی اصول پر حکومت کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ خلافت کی حکومت میں استبدادیت اور غلامی ہے جو خلاف حریت مروّجہ ہے، اور نیز یہ کہ شخصی حکومت ہے جو خلاف جمہوریت مروّجہ ہے۔ نیز دنیائے اسلام کے ہر گوشہ تک دائرہ خلافت کو وسیع کرنے کا خیال رکھنا وطنیت کے خلاف ہے۔ آخر الذکر دو جماعتیں مصلحین کی جماعتیں تھیں مقصد اصلاح میں اتفاق کی بنا پر دونوں جماعتیں متحد ہو گئیں۔ اور انجمن ترقی اتحاد کی بنیاد پڑی لیکن دوسری جماعت طاقت ور تھی اور اس کے افراد زیادہ با اثر تھے۔ اس لئے تیسری جماعت نے نہایت صبر سے کام لیا۔ اور پہلا قدم انقلاب یا اصلاح کا خلیفہ عبدالحمید خاں مرحوم کی معزولی کی صورت میں نمودار ہوا۔

اس کے بعد پھر طرابلس اور بلقان کی جنگ کی مصیبت عظمیٰ نے بہت سے تخیلات پر پانی پھیر دیئے۔ جنگ بلقان ختم ہوتے ہی گزشتہ محاربہ عظیمہ سے آفت کبریٰ نازل ہو گئی لیکن اس مصیبت سے جانبر ہونے کے بعد یا ایکا یکی

کہ تمام احرارِ ترکوں کو تنبیہ ہو گئی ہو گی کہ تمام مصیبتوں کی بنیاد ترکِ اصولِ شریعت ہے اس لئے وہ اب خلافتِ اسلامیہ کو اس کی اصلی شکل پر لائیں گے اور تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو مرکزِ اسلام سے وابستہ رکھنے کی سعی بلیغ کریں گے۔ اسلامی احکام جس قدر کہ گزشتہ دورِ خلافت میں مغربی اقوام کے ناجائز دباؤ سے متروک ہو گئے ہیں، سب رفتہ رفتہ جاری ہو جائیں گے۔

اور یہ امید کوئی بیجا توقع نہ تھی کیونکہ غازی مصطفٰے کمال پاشا اور دوسرے اکابر کے اخباری اعلانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مغربی عفریتوں کی سحر طرازیوں سے نالاں ہو کر نہایت سادے اور خدا ترس مسلمانوں کی صورت میں جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ مگر یہ کیا معلوم تھا کہ محاربہ عظیمہ نے جہاں اور بہت سی بربادیاں مسلمانوں کے سروں پر ڈال دی ہیں وہاں آئندہ کی بربادی کے لئے ایک عظیم سبب بھی پیدا کر دیا ہے۔ یعنی اصلی مصلحین کی گردن اپنے رفقاء کے انتشار اور بااثر اشخاص کی سیادت سے نہایت کمزور ہو گئی ہے۔ اور وہ گروہ بحیثیت گروہ باقی نہیں ہے اور تیسری جماعت جو متجاوز عن الحدود تھی غالب اور بااثر ہو گئی ہے اور اب تک اس گروہ کے سابق خیالات بدستور قائم ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ جب واقعات سطح پر آئے تو حقیقت منکشف ہو گئی کہ مصطفٰے کمال زعیم جماعت متجاوزہ مع اپنی جماعت کے اب تک قدیم خیالات پر قائم ہیں۔ اور ان کی جماعت بااثر و غالب ہو گئی ہے۔ اور واقعات کے بے نقاب ہونے کے بعد یہ بات معلوم ہو گئی کہ الغائے خلافت کے اصلی وجوہ وہ قدیمی جراثیم ہیں نہ وہ اعذار جو اب تک ان کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار ۔۔۔ افرس تحت رجلک ام حمار

مذکورالصدر جراثیم کے شیوع کے وجوہ

سادات الکرام! ان امراض کے طریقۂ علاج اور اسلوب امامت خلافت پر گفتگو کرنے سے پہلے مجھے ایک اور امر کے عرض کرنے کی اجازت دیجئے اور سمع خراشی کی تکلیف گوارہ کرتے ہوئے ان معروضات پر غور فرمائیے اگر حق ہوں ان پر عمل کی سعی کی جائے۔ ورنہ بلا تکلف رد کر دیا جائے۔

حضرات:۔ احرار ترک و دیگر بلاد اسلامیہ کے بہت سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے اندر جو جراثیم تلاشہ تثلیثی حکومت کے دار و دورہ میں پھیلتے اور بڑھتے گئے جن سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ ماہرین علوم عصریہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، جس کا آخری انجام آج یہ ہوا کہ الغائے خلافت عمل میں آیا اور خلافت کے اصل اصول کو غلط سمجھا جانے لگا۔ اور اب یا مر بھی غیر متوقع نہیں ہے، کہ جس قدر طوائف الملوکی آج ہے اس سے بہت

زائد طوائف الملوک کی ازمنۂ قریبہ میں رونما ہو جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دیگر مذہبی فسادات کے علاوہ ایک عظیم فساد یہ ہوگا کہ خلافت اسلامیہ اور مرکزیت اہل اسلام سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

ان تمام امور کی اصلی وجوہ کیا ہیں جہاں تک میں حالات اور واقعات اور اسلامی سوانح پر غور کرتا ہوں تو سب سے بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ علمائے ربانیین اور علوم شرعیہ کے ماہرین نے اگرچہ اپنے نفس کی اصلاح اور علوم شرعیہ و حکمیہ کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ اور انفرادی زندگی کی اصلاح میں اپنی عمریں گزاریں مگر مجھے معاف فرمایا جائے۔ ایک بہت بڑی کوتاہی یہ ہوئی ہے کہ اجتماعی زندگی اور حکومت اور سیاست مدن کے متعلق جو اس کے فرائض تھے، ان سے کسی نہ کسی وجہ سے چشم پوشی کی گئی اور کما حقہ فرض ادا نہیں کیا۔

میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میدانِ سیاست میں ان حضرات نے کبھی قدم نہیں رکھا اور اجتماعی زندگی کے کارزار میں انھوں نے کبھی بادیہ پیمائی نہیں کی حاشا و کلا۔ اگر خدانخواستہ یہ حضرات ان ابواب میں کچھ بھی نہ کرتے تو مسلمان جس حالت میں بھی اس وقت موجود ہیں غالباً یہ بھی نہ ہوتا۔ بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ جس قدر ہونا چاہیے تھا وہ قرونِ اولیٰ کے بعد سے نہ ہوا۔ اور ان میدانوں میں ہمیشہ علمائے ربانیین کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوتی رہی۔ اگر علمائے کرام کی معتد بہ جماعت علمی اور عملی حیثیت سے ان میدانوں میں پیش پیش رہتی تو غالباً معاملہ اس حد تک نہیں پہنچتا۔

سیاسیات سے علمی بے اعتنائی

حضرات علمائے کرام! یہ صحیح ہے کہ سیاست مدن کے متعلق بہت سے اصولی اور فروعی احکام کو علماء کرام و فقہائے عظام نے آداب قضا اور کتاب السیر اور کتاب البیوع وغیرہ میں جمع کر دیئے ہیں اور علم الکلام کے فصل امامت میں بھی کسی قدر اصولی بحث کی گئی ہے۔ مگر کیا میری شکایت غلط ہے کہ جس طرح کتاب الطہارۃ کتاب الصلوٰۃ اور نکاح و طلاق کے ابواب میں بال کی کھال نکالی گئی ہے۔ نظام الاسلام کے اصول و فروع میں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔

یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ تمام مسائل پر تو مستقلاً متعدد تصانیف موجود ہیں لیکن کیا نظام الاسلام پر بھی کوئی کامل و مکمل تالیف موجود ہے۔ حالانکہ نظام الاسلام تمام دنیا کے نجات کا باعث اور تمام مخلوق الٰہی کے لئے ارحمت ہے اور نظام اسلام ہی کے استوار و مستحکم ہونے سے تمام ان احکام پر بہتر طریقہ پر عمل ہو سکتا ہے جو انفرادی و اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود سے متعلق ہے۔ صرف آیت تمکین اس مقصد پر کافی روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز الذین ان مکنٰھم فی الارض ، اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (پ ع غ)

اور اللہ پاک ان لوگوں کی ضرور مدد کریگا۔ جو اس کے دین کی مدد کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے اور وہ لوگ جن کی مدد اللہ کریگا اگر ہم ان کو زمین پر قابض بنادیں تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے۔ اور بری باتوں سے منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام و مآل اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ (ھذا المحصول قولہ تعالیٰ)

دیکھیے آیت اقامت صلوٰۃ ، ایتاء زکوٰۃ ۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر کو تمکین فی الارض کا نتیجہ و ثمرہ ظاہر کررہی ہے۔ یہ ہیں وہ بنیادی مقاصد شریعت میں اور اسی کے لئے ہمارے علمائے کرام کی زندگیاں وقف ہیں مگر تمکین فی الارض کی نسبت شریعت اسلامیہ نے جو رہنمائی کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوۂ حسنہ نے ان ابواب میں ہمارے لئے جو نہایت وافر ذخیرہ جمع کردیا ہے ان کی طرف اعتناء کامل نہیں کیا گیا۔ کتب حکمیہ کے تقاسیم علوم کے تحت میں سیاست مدن کی نسبت یہ تو کہدیا جاتا ہے کہ قد قضت الشریعۃ الوطر منھا لیکن شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی ان تعلیمات کے تمام جواہر کو ایک باضابطہ ترتیب و تنسیق کے ساتھ یکجا نہیں کیا جاتا۔

اس کے ثبوت کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ اگرچہ بعض حکمائے اسلام نے چند چھوٹے چھوٹے رسالے سیاسیات میں لکھے اور بعض متاخرین نے بھی تمدنی و سیاسی مسائل کے بعض مسئلے کے متعلق کتابیں لکھیں مگر یہ تمام کتابیں نظام اسلام کے اصول و فروعات پر محیط نہیں ہیں اور ان سے نظام اسلام پر ہرگز روشنی نہیں پڑتی ہے۔

جہاں تک ہمارے معلومات ہیں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ قاضی القضاۃ علامہ ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۰ھ [۱۰۵۸ء] اول وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پورے نظام اسلام کو کسی قدر بسط و تفصیل کے ساتھ یکجا کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے جزاہ اللہ عنی و عن جمیع المسلمین ۔ اس کے بعد علامہ رشید رضا مدیر المنار ، مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں اس کے متعلق المنار کے صفحات میں مضامین لکھتے رہے اور آخر میں اپنے تمام مضامین کو ایک مرتب شکل میں جمع کرکے کتابی صورت میں منتقل کردیا۔ جو الخلافت کے نام سے گزشتہ سال شائع ہوچکی ہے۔ شکر اللہ سعیہ۔

مگر میں نے جہاں تک غور کیا ہے یہ دونوں کتابیں بھی ناکافی ہیں۔ بلکہ کسی قدر قابل تنقید بھی ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دیگر فضلائے مصر نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مگر ان تالیفات کے اندر بھی اثرات خارجیہ کا اثر بہت نمایاں ہے۔

ضرورت ہے کہ اس سے زیادہ بسط و تفصیل سے کام لیا جائے۔ بلکہ تمام احکام کے ماخذ و مدارک بیان کرتے ہوئے ان کے حکم کو بھی بتایا جائے۔

اصول نظام اسلام کے علاوہ اب اس کی بھی ضرورت ہے کہ نظام اسلام اور مروجہ نظامہائے جمہوریت دنیا کے مابین مابہ الافتراق امور کو نہایت وضاحت سے ظاہر کیا جائے اور پھر نظام اسلام کے تفوق کو نمایاں طور پر واضح کر دیا جائے۔ اگر سیاست مدن اجتماعی زندگی اصولی نظام پر ابس بسط و تفصیل کے ساتھ کتابیں ہوتیں جن کا میں تذکرہ ابھی کر چکا ہوں اور ان کے نشر و اشاعت کی کوشش کی جاتی بلکہ انکی تعلیم پر بھی خصوصیت کے ساتھ قوت صرف کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ تثلیثی حکومتوں کے مذکورۃ الصدر جراثیم ثلاثہ ہمارے نوجوانوں کے دماغ و قلب کے اندر اس قدر نفوذ نہیں کرتے۔

اور خود اسلامی حکومتوں نے غیر اسلامی اصول کو اختیار کر کے ازمنۂ ماضیہ اور حال میں جتنے مفاسد برپا کئے ہیں غالباً ان سب کا اگر سد باب نہ ہوتا تو کم از کم کمی ضرور ہوتی۔

سیاسیات میں عملی غفلت

علمائے ملت ! جس طرح سیاست مدن اور اجتماعی زندگی کے ابواب میں علمی بے اعتنائی کی گئی ہے۔ اسی طرح میں بلا کسی جھجک کے یہ عرض کرنے کو تیار ہوں کہ علمائے ربانیین اور فضلائے عظام ماہرین شریعت نے عملی حیثیت سے اتنا حصہ نہیں لیا جتنی کہ ضرورت تھی اگر یہ حضرات عملاً حصہ لیتے رہتے اور اپنے اوقات کا معتدبہ حصہ اس پرخار وادی میں گزارتے تو امید تھی کہ اتنے مفاسد پیدا نہیں ہوتے اور شریعت اسلامیہ کے اصول و فروع کی اتنی بے حرمتی نہ ہوتی اور مسلمانوں کی بے عزتی جو دور میں آئی ہے نہ ہوتی جس کے تصور سے آج بدن پر لرزے آتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں۔

صبت علیّ مصائب لو انہا   صبت علیّ الایام صرن لیالیا

واقعہ یہ ہے کہ علمائے کرام اور فضلائے عظام کے سیاست مدن سے عملی دلچسپی کی کمی کوئی آج کی بات نہیں ہے بلکہ میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد سے اس باب میں کمی شروع ہوئی ہے اور رفتہ رفتہ اس کمی میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔

سیاسیات میں علماء کا دخل۔

اسی عملی دلچسپی کی کمی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج علمائے اسلام کے متعلق بہت سے خیالات فاسدہ پیدا ہو

گئے اور علماء کے توغل فی السیاستہ کو ایک بیجا مداخلت تصور کیا جانے لگا بلکہ مجھے اگر معاف کیا جائے تو میں یہ بھی کہوں گا کہ خود ہمارے بعض علماء بھی اشتغال فی السیاستہ کو منصب علماء کے منافی سمجھنے لگے اسی وجہ سے میری خواہش تھی کہ دونوں مذکورۃ الصدر خیالات کی اصلاح کے لئے اس پر مفصل گفتگو کروں مگر افسوس وقت کی تنگی موقع کی نزاکت اجازت نہیں دیتی اس لئے صرف چند اشارات کرنا چاہتا ہوں۔ علمائے کرام اس حقیقت سے میری نسبت زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔

ایک طرف حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث سامنے رکھئے جس میں فرماتے ہیں کہ:۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل کانت تسوسھم الانبیاء الحدیث (رواہ ابن ماجہ)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرام کے ہاتھ میں تھی۔

اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مخاطبت اور مطالبہ کو بھی پیش نظر رکھئے جس کو قرآن حکیم نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے۔

ادوا الی عباد اللہ انی رسول امین

اے فرعون اور فرعونی حکومت کے ارباب حل و عقد خدا کے بندوں کو ہمارے سپرد کر دو۔ کیونکہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور میں ہی اُن خدا کے بندوں کا امین ہوں۔ اُن کی نگرانی کا میں مستحق ہوں۔

اس کے بعد آپ رسول اللہ صلعم کے ان ارشادات گرامی کو بغور ملاحظہ فرمائیں جس سے نہ صرف اُن کا منصب معلوم ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سے علماء کے فرائض پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل،

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہماری اُمت کے علماءٔ انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلماء مصابیح الارض وخلفاء الانبیاء وورثتی وورثۃ الانبیاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء روئے زمین کے روشن چراغ ہیں اور انبیاء کے قائم مقام ہیں اور ہمارے اور تمام انبیاء کے وارث ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلماء امناء امتی وفی روایۃ العلماء امناء اللہ علی خلقہ،۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری امت کے امانتدار علماء ہیں اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کی طرف سے خدا کی مخلوق کے امین علماء ہیں۔

اب آپ ان تمام باتوں کو ملا کر غور فرمائیے کہ آپ کا منصب کیا ہے۔ خدا کی مخلوق کی نگہبانی اور حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں خیال فرمائیے کہ آپ کا اہم منصب سیاست ہے کیونکہ آپ کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ انبیاء بنی اسرائیل کا کیا فرض تھا تسوسھم میں ان کی نگرانی اور حفاظت اُن کے تمام کاموں کی ذمہ داری اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو اُمت کا امین قرار دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی اپنے وصف امانت کا اعلان کیا مگر کس وقت۔ اس مطالبہ کے وقت کہ خدا کے بندوں کو ہمارے سپرد کر دو۔ تم انسانی غلامی سے ان کو نجات دو اور آزاد کر دو۔ اور اپنے اس مطالبہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ انی امین میں ان کا امانت دار منجانب اللہ ہوں۔

کیا ان شواہد کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء کو سیاست میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں یا گمان کیا جا سکتا ہے کہ سیاسیات میں اشتغال علماء کے منصب کے منافی ہے۔

سیاست عین دین ہے

حضرات علماء کرام! سیاست دنیا مذمومہ سے نہیں ہے جو اس پر لعنت کی جائے یا اس سے کنارہ کشی کی جائے اگر سیاست منافی دین ہوتی اور دنیا مذمومہ ہوتی تو ایسا ارشاد نہ ہوتا صفت تسوسھم الانبیاء اور پھر علماء محمدیہ کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دیکر ان کے سیاست میں قدم ڈالنے کی ترغیب نہ دی جاتی۔ کلام میں طوالت ہوتی جاتی ہے مگر ضرورت مجھے مجبور کرتی ہے کہ چند لفظوں میں سیاست کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالوں تاکہ اس فیصلہ میں سہولت ہو کہ سیاست عین دین ہے۔ سیاست کے معنی اہل لغت نے لکھے ہیں "نگاہ داشتن رعیت داری کردن"۔ علامہ مقریزی خطط میں لکھتے ہیں۔ یقال ساس الامر سیاسۃ بمعنی قام بہ۔ وھو سائس من قولھم ساسہ وسیوسہ القوم جعلوہ یسوسھم پھر معانی لغویہ کی تشریح کے بعد اصطلاحی معنی اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

ثم رسمت بانھا القانون الموضوع لرعایۃ الآداب والمصالح وانتظام الاموال

سیاست کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ سیاست وہ قانون ہے جو رعایت و نگرانی آداب و مصالح و انتظام اموال کے لئے وضع کئے گئے ہوں۔

ہمارے فقہاء نے ذرا اور وضاحت کے ساتھ سیاست کی تعریف کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

فالسیاسۃ استصلاح الخلق بارشادھم الی الطریق المنجی فی الدنیا والآخرۃ

یعنی سیاست کیا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دنیا و آخرت میں تمام مہالک سے نجات پانے کی راہ بتا کر انکی اصلاح کی سعی کرنا۔

پھر انہیں فقہاء کرام نے تعریف سیاست کے بعد اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم بھی بتاتے ہیں۔ چنانچہ صاحب بحر لکھتے ہیں کہ:-

والسیاسة نوعان۔ سیاسة عادلة تخرج الحق من الظالم الفاجر فهی من الشریعة علمها من علمها وجهلها من جهلها۔ والنوع الاخر سیاسة ظالمة فالشریعة یحرمها (بحر الرائق ج ۵ ص۱۱)

اور سیاست کی دو قسمیں ہیں سیاست عادلہ جو حق کو ظالم فاجر کے ہاتھ سے چھڑائے پس وہ شریعت کے اندر داخل ہے۔ اور وہی اس کا ماخذ ہے۔ جس خوش نصیب کے حصہ میں یہ علم ہے اس نے جانا اور اچھا جانا اور جس کے نصیب میں اس سے جہل تھا، اس سے جاہل رہا اور وہ سخت جاہل رہا اور دوسری قسم سیاست کی سیاست ظالمہ ہے۔ پس اسی سیاست کو شریعت نے حرام بتایا ہے۔

اور صاحب نہایہ حدیث مذکور الصدر تسوسهم الانبیاء کی شرح میں اس لفظ کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں۔

قوله تسوسهم الانبیاء۔ ای یتولی امورهم کالامراء والولاة بالرعیة والسیاسة القیام علی الشیٔ بما یصلحه

یعنی بنی اسرائیل کی انبیاء کرام سیاست کرتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ بنی اسرائیل کے تمام اہم امور کی ولایت انبیاء بنی اسرائیل کے ہاتھ میں تھی جس طرح مدبر امراء اور ولاۃ امور کے ہاتھ میں رعیت کی باگ ہوتی ہے اور سیاست کے معنی یہ ہیں کہ کسی شئے کے مصالح کو خیال کرنا اور اس کو پوری مستعدی سے انجام دینا۔

اسی قبیل کی اور بھی عبارات ہیں مگر اعتبار کے لئے اسی قدر کافی ہیں۔

مگر یہ تو وہ تعریفات ہیں جو ہمارے علمائے ملت نے بیان کی ہیں۔ اس کے بعد مغربی حکماء نے اس مسئلہ پر خوب موشگافیاں کی ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ باوجود سخت قیل و قال کے سیاست کی حقیقت پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ اگرچہ عبارات مختلف ہیں تعریفات میں مبادی۔ مدارک کو شامل کر لیا گیا ہے اور آخر میں جو تعریف کہ سب سے بہتر کہی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقوام و حکومتوں کے اندرونی احوال اور باہمی تعلقات کے اسلوب اور مصالح کا علم اور ان کی نگہداشت کا نام سیاست ہے۔ مغربی حکماء کے ان تمام مباحث کو نفلائے مصر نے عربی تراجم کے ذریعہ ہم تک پہنچایا ہے جو مبادی علم السیاسۃ کے نام سے موسوم ہے لیکن آپ غور فرمائیں کہ ہمارے علماء کرام نے ایک جملہ میں سیاست کی ایسی مکمل تعریف کر دی ہے کہ سیاست کلی و جزئی سیاست شخصی سیاست بلدی و ملکی۔ الغرض تمام اقسام سیاست اسکی تحت میں داخل ہیں۔ ایسی جامع تعریف اب تک مغربی حکماء کے ان

اقوال میں مجھ کو نہیں ملی جو ہم تک پہنچے ہیں۔

بہر حال اب آپ غور فرمائیں کہ سیاست کے اندر کون سی چیز ایسی ہے جو شریعت کے منافی ہے اور اس کو دنیا مذمومہ کہا جائے۔ اگر تمکین فی الارض کی سعی مسلمانوں کے لئے غیر محمود ہے تو پھر آیت تمکین اور آیت استخلاف کا کیا منشاء ہے۔

علماء سلف کا سیاست میں اشتغال

میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کا کما حقہ واقفیت رکھنے والا یہ جرأت نہیں کر سکتا ہے کہ سیاست کو خارج از دین کہے، بلکہ سیاست حقہ تو در حقیقت شریعت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور وہ عین دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کرام جو بہترین علمائے امت تھے سب نے سیاست میں بہترین حصہ لیا اور ہمارے لئے اپنے اسوۂ حسنہ کے اندر کافی ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

خلفائے راشدین تو خود سادات العلماء تھے انکے علاوہ جن صحابہ کا علم وسیع تھا وہ بھی سیاسیات میں کام کرتے تھے، خلفاء کرام کے مجلس شوریٰ میں شریک ہوتے تھے، اور رائے دیتے تھے۔

ہماری خوش قسمتی سے ہمارے سامنے ایسے آثار بھی موجود ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت میں ایسے لوگ تھے کہ جن کو علماء سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ خلفاء کرام کی مجلس مشاورت میں حصہ لیا کرتے تھے اور اس موقع پر دارمی کی ایک روایت کا آخری حصہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق حکم اور فیصلہ کو بیان کرتے ہوئے میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ:۔

وان اعیاہ ذٰلک دعا رؤس المسلمین وعلمائھم فاستشارھم فاذا اجتمع رأیھم علی الامر قضی بہ و عن عمر بن الخطاب کان یفعل ذٰلک فان اعیاہ ان لم یجد فی القرآن او السنۃ نظر ھل کان لابی بکر فیہ قضاء فان وجد ابابکر قد قضی فیہ بقضاءٍ قضی بہ والا دعا رؤس المسلمین وعلمائھم و استشارھم فاذا اجتمعوا علی امر قضی بینھم ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی معاملہ میں خود فیصلہ کرنے میں دقت محسوس فرماتے تو مسلمانوں کے رئیسوں اور ان کے علماء کو بلاتے پھر ان سے مشورہ کرتے پس جب انکی رائے کسی امر پر متفق ہو جاتی تو اس امر کا فیصلہ کرتے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب ایسا ہی کیا کرتے تھے، پس ان کو بھی اگر ایسی ہی دقت محسوس ہوتی کہ کتاب اللہ یا سنت رسول صلعم سے صریح حکم نہ معلوم ہوتا ہو تو پھر یہ دیکھتے تھے آیا ابو بکر صدیق نے ایسے معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ اگر انکا فیصلہ مل جاتا تو پھر وہ بھی ایسا ہی فیصلہ کرتے اور اگر صدیق کا فیصلہ نہیں ملتا تو پھر وہ بھی مسلمانوں کے روساء اور

ان کے علماء کو طلب فرماتے اور ان سے مشورہ لیتے جب دونوں
جماعتیں کسی امر پر متفق ہو جاتیں تو پھر حکم نافذ کرتے ۔

اس حدیث کو پڑھنے کے بعد علمائے کرام کے سیاست میں حصّہ لینے کی نسبت تمام خیالاتِ فاسدہ دور ہو جانے چاہئیں اور اب کسی مزید بیان کی ضرورت نہیں ہے ۔ مگر محض ازدیادِ اطمینان کے لئے میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ علمائے اُمّت محمدیہ کا سیاست میں توغل صرف قرونِ اولیٰ تک محدود نہیں ہے بلکہ اُن کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا چنانچہ دورِ اول کے بعد بھی بڑے بڑے علماء نے سیاست میں حصّہ لیا اگرچہ حصّہ لینے والوں کی تعداد میں کمی ہوتی گئی یہ وقت نہیں ہے کہ میں علماءِ سلف کے سیاسی مسائل پر تفصیلی بحث کروں ۔ لیکن چند اکابر علماء اور محدثین اور فقہاء کے اسماءِ گرامی کو اس لئے پیش کرتا ہوں کہ ہماری بزدلی اور پست ہمتی کو کچھ ندامت ہو ۔ اور ہم میں اولوالعزمی پیدا ہو اور ہم عزیمت کی راہ اختیار کریں ۔
ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے علماء ایک طرف علم و عمل و زہد و تقویٰ کے علمبردار ہیں تو دوسری طرف وزارتِ خارجہ اور داخلیہ اور وزارتِ مالیہ کے قلمدان کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں ۔ اگر ایک وقت فقاہت کی مسند پر جلوہ گر ہیں تو دوسرے وقت میں بین السلاطین سفارت کی خدمت انجام دے رہے ہیں ۔ تیسرے وقت دشمنانِ اسلام سے جہاد بالسیف بھی کر رہے ہیں ۔

۱ علامہ محمود بن المظفر المروزی جنہوں نے علم الفقہ کی تعلیم علامہ ابوالمظفر بن السمعانی سے پائی تھی اور پھر علماء اور المشاہیرِ ماوراءالنہر سے تلمیذی کا بھی شرف حاصل تھا ۔ ایک طرف اُن کے تبحرِ علمی و تزہد فی الدین کا یہ عالم ہے کہ مورخین فرماتے ہیں کہ باوجود کثرتِ صلوٰۃ اور جواد و سخی ہونے اور حضورِ جمعہ اور جماعات اور شرکتِ مجالسِ ذکر کے وہ بہت بڑے مناظر تھے ، مدقق ، فقیہ تھے ۔ علوم اوائل کا انھوں نے بنظرِ تعمق مطالعہ کیا تھا ۔ دوسری طرف قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہیں ۔ اور الوزیر الکبیر کا لقب پاتے ہیں اور وزارت کے وقت بھی علمی و تبلیغی مشاغل کو نہیں چھوڑتے ۔

ان کے احوال میں سبکی کا بیان ہے کہ تولّت حالہ الی الوزارۃ وھو مع النظر فی الوزارۃ یناظر الخصوم و یظھر الملامۃ علیھم لدقۃ نظرہ ۔

۲ اسی طرح علامہ عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ الھکاری جو فقیہ محقق کے عظیم بالشان لقب سے ممتاز ہیں جو امام ابوالقاسم بن البرزی کے تلامذہ سے ہیں ۔ مگر باوجود اپنے اس تبحرِ علمی کے سلطان اسد الدین کے وقت میں عہدہ امارت کو قبول کرتے ہیں ۔ اور ان ہی کی وجہ سے سلطان صلاح الدین کو اپنے قیامِ حکومت میں بہت بڑی مدد ملتی ہے اسی وجہ سے سلطان صلاح الدین اُنکی صلاحیت و خدمت کا لحاظ کرتے ہوئے امیر الامیر بناتا ہے یہاں تک کہ وہ دولتِ صالحیہ میں اکبرالامراء ہوتے ہیں اور آخر بمقام مخیہ عیسائیوں کے مقابلہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید

ہوتے ہیں۔

۳۔ اسی طرح قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالوہاب العلائی کو دیکھئے کہ ایک وقت مدرسہ تشریعیہ میں درس دیتے ہیں تو دوسری طرف دارالقضاۃ کی ادارت کو سنبھالتے ہوئے وزارت کا بھی بار اٹھاتے ہیں۔

۴۔ اور علامہ محمد بن الحسین الانصاری کو دیکھئے کہ صرف عالم فقیہ ہی نہ تھے بلکہ زاہد متقی صوفی صاحب کرامات بھی تھے، اصول اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے، تقویٰ و زہد کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی نذرانہ پیش کرتا تھا تو اس کو قبول نہیں کرتے تھے، مگر دیکھتے ہیں کہ جب ملک کامل سلطان مصر اور اس کا بھائی والی دمشق موسیٰ الاشرف میں مخاصمت ہوتی ہے تو دونوں کے درمیان میں معاملات کے سلجھانے کے لئے علامہ موصوف مصر سے منجانب ملک کامل سفارت کی خدمت انجام دینے کے لئے دمشق پہنچتے ہیں۔

۵۔ اسی طرح قاضی القضاۃ علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن خلف جو حافظ زکی الدین کے تلامذہ سے ہیں۔ فاضل اجل تھے، یہ مشہور ہے کہ یہ نہایت ذکی الفطرۃ اور حادۃ القریحۃ تھے علوم میں ید طولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ معاملات میں صائب الرائے بھی تھے غالباً انھیں وجہ سے سلاطین وقت کی نظروں میں انکی بڑی وقعت تھی چنانچہ عہدۂ خطابت اور وزارت ونظارت کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے۔

یہ ہیں چند علماء کرام جنھوں نے تفقہ وتبحر علمی اور زہد وتقویٰ کے ساتھ سیاسیات میں بھی عملاً کام کیا مگر یہ امر انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تاریخ کے صفحات اور تذکروں میں سینکڑوں علماء کرام کی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ رحمہم اللّٰہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ۔

حضرات! میں اپنے مقصود سے بہت دور جا پڑا اور اب اصل مقصد کی طرف لوٹنا چاہتا تھا۔ کہ اسی سلسلہ میں ایک نہایت ضروری بات یاد آگئی۔

وہ ایک سخت غلط فہمی کا ازالہ ہے، ہمارے بعض علمائے کرام نے سیاست کے مدارج کو اس طرح تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ:۔

فھی (ای السیاسۃ) من الانبیاء علی الخاصۃ والعامۃ فی ظاھرھم وباطنھم۔ ومن

ترجمہ۔ انبیاء کی سیاست خواص اور عوام سب پر ہوتی ہے ان کے ظاہری اعمال پر بھی اور ان کے

السلاطین والملوک علی کل منہم فی ظاہرہم باطنی اخلاق پر بھی اور سلاطین اور ملوک کی سیاست
لاغیر ومن العلماء ورثۃ الانبیاء علی الخاصۃ کل لوگوں کے ظاہر پر ہوتی ہے نہ کہ باطن پر اور علماء جو
فی باطنہم لاغیر۔ الانبیاء کی سیاست خواص کے باطن پر ہوتی ہے نہ کہ ظاہر پر

اس سے شاید یہ شبہ ہو کہ علماء کی سیاست خواص کی ذات تک محدود ہے اور وہ بھی صرف باطن پر ان کے ظاہر اعمال و احوال کی نگہداشت ان کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے۔ مگر یہ شبہ اس غلط فہمی اور اصطلاح کی عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ العلماء سے مطلق اہل علم و حاملین علوم شریعت کا مخصوص طبقہ یعنی وہ اہل علم جنھوں نے علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد صرف تعلیم و علم کی خدمت و نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ پھر یہ بسبب اشتغال فی العلم کے ان کا لقب صرف علماء تک محدود رہا۔

کیونکہ یہی دستور ہے کہ جب کوئی کسی عمل مخصوص میں متوغل ہوتا ہے تو اسی کے ساتھ موصوف و مشہور ہوتا ہے۔ جیسے جب کوئی عالم بعد تحصیل علم تزکیۂ قلب اور تصوف میں منہمک ہو جائے تو وہ صوفی مشہور ہوتا ہے اور صوفیائے کرام کے زمرہ میں محسوب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علمائے شریعت کے زمرہ سے خارج ہو گیا۔ اسی طرح جب کوئی عالم علوم دینیہ میں سے صرف علم فقہ کی خدمت میں منہمک ہو گیا اور باوجود دوسرے علوم کی واقفیت کے اس پر علم فقہ کا غلبہ ہو گیا تو اس کو فقیہ کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی عالم دین وزارت و امارت کے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ تو بسبب توغل فی الوزارۃ والامارۃ وزیر و امیر سے معروف ہوتا ہے۔ پس اسی طرح عرفاً علماء ان کو کہتے ہیں۔ جو صرف تعلیم و علم کی خدمت میں منہمک ہوں اور اسکی توجہ دوسری طرف نہ ہو۔

ایسے علماء یعنی عرفی علماء کا یقیناً یہ فرض ہوگا کہ خواص یعنی اپنے تلامذہ اور حلقۂ درس کے لوگوں کے خیالات و اعتقادات کی اصلاح کریں۔ بایں معنیٰ ان کی سیاست اس خواص کے صرف باطن پر ہوگی اور یہ مطلب نہیں ہے کہ عام علماء جس کو شریعت علماء کہتی ہے، یا جس کو ہم ہندوستانی علماء سمجھتے ہیں یعنی حاملین علوم شرعیہ۔ انکی سیاست صرف خواص کی اصلاح باطن تک محدود ہے۔ حاشا و کلا۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ اصولاً یہ امر مسلم اور متفق علیہ ہے کہ سلطان اور خلیفہ کو بھی عالم اور مجتہد ہونا چاہیے الا ضرورتاً و اضطراراً غیر عالم بھی ہو سکتا ہے۔

مگر ان کی سیاست ہر خاص و عام پر تسلیم کی جاتی ہے لیکن صرف ان کے ظاہر پر باطن پر نہیں۔ یہ کیوں۔ اس اعتبار سے کہ بسبب توغل انتظام مملکت کے وہ خود مستقل تعلیم و نشر و اشاعت و تبلیغ کی خدمت انجام نہیں دے سکتا اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ ظاہر کی اصلاح کرے اور باطن کی اصلاح علماء معین کے سپرد کرے

حالانکہ وہ خود عالم ہے لیکن اس کو توغل سلطنت کے باعث سلطان سے تعبیر کیا گیا اور عرفی علماء یعنی سلیس کے فرائض سے اس کو سبکدوش بنایا گیا۔

پس عبارت مذکورہ سے کسی کو یہ دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ علمائے حقیقی کو سیاست عامہ میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے اور اسی طرح ابن خلدون کے قول ان العلماء من بین البشر ابعد من السیاسۃ و مذاھبھا۔ کیونکہ ابن خلدون کے کلام میں لفظ علماء سے علماء اسلام حاملین شریعت مراد نہیں ہیں بلکہ انہوں نے علماء کا لفظ عامی کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے اور یہ امر انکے بیان تقریر سے واضح ہے۔ انکی مراد علماء سے ہر وہ تعلیم یافتہ شخص ہے۔ جس نے علوم عقلیہ اور حکمیہ کو حاصل کیا اور منطق و فلسفہ وغیرہ میں اس کا توغل رہا اور وہ افکار ذہنیہ کا عادی ہو گیا۔ تو وہ سیاست سے بہت بعید ہے اور ان کے کلام میں سیاست بھی عام ہے جو عادلہ اور ظالمہ دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے ابن خلدون کی عبارت ہمارے مقصد کے لئے کسی طرح مضر نہیں ہے۔

حضرات! اس سلسلہ میں ابھی بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جن کا بیان کرنا بھی ضروری تھا۔ مگر افسوس کہ بخوف طوالت اور تنگی وقت عرض کرنے سے معذور ہوں۔ مثلاً علمائے کرام کو قرون اولی کے بعد کن امور نے اقدام فی السیاسۃ سے روکا اور کیا اس تاخیر میں صرف حوادث اور واقعات کا ہاتھ ہے یا ان احادیث و اخبار کا اثر ہے جن میں ان امور پر اقدام اور دخول کے شدائد و مہالک بیان کئے گئے ہیں جن سے مقصود یہ تھا کہ نہایت حزم و احتیاط و تدبر و تفکر کے ساتھ کام کیا جائے نہ کہ سرے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ یا اخبار فتن کو تاثیر ہے جس سے مقصود یہ تھا کہ امت محمدیہ ہر وقت ہوشیار رہے اور نہایت صبر و ہمت کے ساتھ عزیمت کی راہ اختیار کر کے فتن کے سد باب کی فکر کرے۔ نہ یہ کہ عزلت نشینی اختیار کر کے ابواب فتن کو وسیع تر ہونے کے لئے چھوڑ دے۔ یا مسائل رخصت و عزیمت کے غلط طریقہ استعمال کو دخل ہے یعنی رخصت کو اس قدر عمومیت و کلیت کا مرتبہ دیا گیا کہ عزیمت کا وجود صرف کتابوں کے اوراق میں رہ گیا۔ آپ حضرات میری نسبت زیادہ واقف کار ہیں۔ اس لئے ان تمام امور کے ذکر سے معافی چاہتا ہوا اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اقامت خلافت کے باب میں علمائے ہند و زعمائے ہند کے فرائض۔

سادات الکرام و زعمائے ملت! الکلم الکلام یجر الی الکلام۔ میں مسئلہ خلافت کی بحث میں اصل مقصود سے بہت دور چلا گیا۔ حالانکہ مجھے اقامت خلافت کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنا چاہیے۔ اس لئے اب میں اس کے متعلق اپنے ناقص خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

حضرات! چونکہ اقامت خلافت کے باب میں اس کی ضرورت اور اس کی اہمیت اور وجوب اور

دیگر احکام کو جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے جمعیت علمائے ہند کے اجلاس گیا کے خطبۂ صدارت میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے ۔ وہ بالکل حق ہے اور پھر علاوہ وجوب اور ضرورت خلافت کے اس کے حکم و مصالح پر علامہ تمقام جناب مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے رسالہ جزیرۃ العرب میں بہت کافی روشنی ڈالی ہے ۔ اس لئے مجھے اب ان مسائل کی بابت ایک حرف لکھنے کی حاجت نہیں ہے ۔ خصوصاً ان حالات میں کہ گزشتہ چھ سالوں کے اندر ان مسائل کا ہزاروں مرتبہ سرزمین ہند سے اتنے زوروں کے ساتھ اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام دنیا کے کانوں میں اب تک اسکی صدائیں گونج رہی ہیں ۔

اسی وجہ سے ان مسائل حقہ پر ایمان و اعتقاد کا اظہار کرتے ہوئے اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگر اقامت خلافت کے وجوب پر ہمارا ایمان ہے تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی اقامت کی فکر سے غافل نہیں ہونا چاہیئے اور جس طرح ممکن ہو بحسن تدبیر و خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو قائم کرنے کی سعی کرنی چاہیئے ۔

اور اس راہ میں جتنی رکاوٹیں ہیں ان کو نہایت جرأت کے ساتھ دور کرنا چاہیئے ۔ اب یہ ایک سوال ہے کہ ان تمام امور کا حاصل کیا ہے اور ہم مسلمانان ہند کیا تدابیر اختیار کریں ، مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات ان تمام امور کا حل مجھ سے بہتر جانتے ہیں پھر بھی نہایت اختصار کے ساتھ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں ۔

حضرات ! احکام شرعی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک اقامت خلافت کے لئے دو طریقے ہیں ۔ اول راہ عزیمت ہے جو نہایت پرخطر ہے لیکن کامیابی کی منزل تک جلد پہنچانے والی ہے ۔ مگر یہ راہ تو ان کے لئے مخصوص ہے جو ارباب عزائم ہوں ۔ ہم ہندوستانی جیسے ضعفاء کو اس راہ سے کیا نسبت جن کی تمام عمریں صرف رخصت پر عمل کرنے میں گزری ہیں اور اس سات کروڑ سے زائد کی آبادی میں شاید اس وقت دس بیس بھی بمشکل ایسے ملیں گے جن کے اندر عزیمت کاملہ کا پورا جذبہ موجود ہو ۔ بلکہ میرا یہ کہنا بھی شاید بالکل حق ہوگا کہ تمام دنیائے اسلام میں ارباب عزائم کا فقدان ہے اور چالیس کروڑ کی مخلوق میں شاید دس بیس لاکھ صاحب عزیمت آج موجود ہوں ۔ لہٰذا اس راہ پر گفتگو اس وقت عبث ہے ۔

اس لئے بحالت موجودہ اب صرف دوسری ہی راہ ہے کہ جس کو اختیار کرکے مسلمانان ہند اقامت خلافت کی سعی میں کافی حصہ لے کر کسی حد تک اپنے فرائض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں ۔

حضرات ! الغائے خلافت اور سقوط خلافت کے علل و اسباب آپ کو معلوم ہیں ۔ اور میں بھی پہلے عرض کر چکا ہوں ۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ کے چھوٹے بڑے ولاۃ امور اپنے حدود میں جدید دنیت کے سحر سے مسحور ہو رہے ہیں اور بہت سے ولاۃ امور مسئلہ خلافت کی ضرورت و حقانیت پر یقین رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ کے اس زریں اصول پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں کہ :-

المؤمنون هینون لینون کالجمل الانف ان قید انقاد و ان انیخ علی صخرۃ استناخ ۔

مسلمانوں کی صفت یہ ہونی چاہیئے کہ وہ باہم ظاہراً و باطناً نہایت نرم و ملائم ہوں جس طرح ناتھا ہوا اونٹ کہ اگر کہیں لے جایا جاتا ہے تو اسی طرف جاتا ہے اور اگر کہیں پتھر پر بٹھایا جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے ۔

ان حالات کی بنا پر میرے نزدیک مسلمانان ہند کا اولین فرض یہ ہے کہ :-

نمبر ۱ :- سب سے پہلے نظام اسلام کے تمام اصول و قواعد کو نہایت ترتیب و تہذیب کے ساتھ مرتب کیا جائے اور اس کی ترتیب میں حسب ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے ۔

(ا) شرعی اصول سے تمام دنیائے اسلام میں اقتدار خلافت کے قیام کے لئے جن جن امور کی ضرورت ہے، سب کو نہایت تفصیل کے ساتھ اس میں داخل کیا جائے ۔ اور ان امور ضروریہ کے اندراج میں کسی خوف و ملامت کی پرواہ نہ کی جائے ۔

(ب) رخصت کے اصول کی رعایت اسی حد تک کی جائے جس سے کسی بنیادی اصول کے اندر خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو ۔

(ج) نظام اسلام کی ترتیب میں اولیت اور سابقیت کا مرتبہ حالت اختیار کے اصول کو دیا جائے اور بعدہ بدرجۂ مجبوری حالت صبر کی صورتوں میں درج کیا جائے ۔

(د) تمام اصول و نظام کی ترتیب میں صرف اقوال فقہائے کرام اور محدثین و متکلمین کو سامنے نہ رکھا جائے بلکہ ہر ایک اصول کے مدارک کو معلوم کر کے اور اصول استصلاح کا لحاظ کر کے مرتب کیا جائے ۔

نمبر ۲ :- نظام اسلام جو مذکورۃ الصدر طریقہ پر تیار کیا جائے اس کی ایک شرح مبسوط لکھی جائے ۔ جس میں ہر ہر دفعات کے ماخذ و مدارک شرعیہ کو واضح کیا جائے اور ہر دفعہ کے اخذ و ترجیح کو بیان کرتے ہوئے اس کے ترک یا اس کی مخالف صورت کی مضرتوں کو بھی ظاہر کیا جائے ۔

نمبر ۳ :- اصل نظام اسلام اور اس کی شرح کو عربی، اردو، انگریزی میں بکثرت شائع کیا جائے ۔ اور تمام اہل اسلام کو اس پر غور کر کے عمل کرنے کی دعوت دی جائے ۔

نمبر ۴ :- اس کے علاوہ جن جراثیم کا میں نے قبل میں تذکرہ کیا ہے ان کے اندفاع کے لئے وطنیت کا اصل مفہوم اور اس کے حدود پر شرعی نقطۂ نظر سے تبصرہ کیا جائے ۔ اور عقلی دلائل سے بھی اس پر روشنی ڈالی جائے اور ان الفاظ کے ان حقائق کے غلط ہونے پر زوردار دلائل سے ثابت کیا جائے جو عموماً ان دنوں لئے جاتے ہیں ۔ اور ان تمام رسائل کو اردو، عربی، انگریزی میں شائع کیا جائے تاکہ تمام دنیا کے اہل اسلام کے ہاتھوں

میں یہ رسائل پہنچیں۔ اور دنیائے اسلام کے ہر طبقہ کے تعلیم یافتہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

نمبر ۵:۔ ایک مستقل رسالہ مسئلہ استصلاح پر لکھا جائے جس میں بتایا جائے کہ مصلحت کی حقیقت کیا ہے اور اس کے کتنے معانی ہیں۔ شریعت اسلامیہ مصلحت کے کس معنی کو اختیار کرتی ہے اور پھر مصلحت کے کتنے مدارج ہیں۔ اور با اعتبار مدارج مصالح کسی مصلحت کی رعایت کا کیا حکم ہے۔ اس رسالہ سے یہ مقصود ہے کہ رعایت مصلحت کے باب میں جتنی غلط فہمیاں ہیں دور ہو جائیں گی اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کے عدم انکشاف کے باعث علماء اور جدید تعلیم یافتوں کا ایک مرکز پر پورے اخلاص کے ساتھ اجتماع نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ ہر روز بروز دونوں کے درمیان تفریق کی خلیج وسیع ہو رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس رسالہ کو بھی تینوں زبانوں میں شایع کیا جائے جس سے نظام خلافت کے سمجھنے اور اس کی مقبولیت میں بڑی مدد پہنچے گی۔

نمبر ۶:۔ نظام اسلام مع اسکی شرح کو لے کر تمام ممالک اسلامیہ بالخصوص خود مختار و آزاد ممالک میں وفود روانہ کئے جائیں تاکہ گفتگو اور مکالمہ کے بعد اس نظام پر عمل درآمد کے لئے ان سے مخلصانہ عہد و پیمان حاصل کریں اور اصول نظام کی صحت پر وثوق حاصل ہونے کے بعد پھر آخری مشورہ اس اسلوب پر کریں جس طرح پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت راشدہ ثالثہ کے قیام کے وقت اصحاب ۔۔۔۔ سے کیا تھا۔ بعدہٗ موتمر اسلامی کر کے خلافت اسلامیہ کی بنیاد ایک مستحکم نظام پر قائم کر کے تمام دنیائے اسلام کو ایک مسلک میں منسلک کر دیا جائے۔

نمبر ۷:۔ ان تمام رسائل کو مدارس و اسکول و کالج میں حسب مدارج نصاب تعلیم میں لازم قرار دیا جائے اور کوشش کی جائے کہ تمام ممالک اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں یہ سب رسالے لازم قرار دیئے جائیں۔ تاکہ یہ جراثیم فساد پھر ہمارے نوجوانوں میں نہ پیدا ہونے پائیں اور نظام اسلام کی تعلیم سے ان کا دماغ ہمیشہ تر و تازہ رہے۔

حضرات۔ ان چیزوں کی ضرورت آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے تھی۔ چنانچہ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس گیا میں میں نے ان سات دفعات میں سے ابتدائی دفعہ کو ایک تجویز کی صورت میں پیش کرنا چاہا تھا، اور اس وقت یہ بھی مدنظر تھا کہ یہ نظام اسلام یا نظام نامہ خلافت ان وفود کے ہمراہ جائیں جو ممالک اسلامیہ اور بالخصوص حکومت انقرہ کے پاس جانے والے تھے۔

کیونکہ مصیبت ہی کے وقت اصلاح کی امید ہوتی ہے۔ اور نفس پرستی و جاہ پرستی کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے اور زندگی کے ادنیٰ سہارے کو بھی نعمت غیر مترقبہ خیال کیا جاتا ہے۔ الغریق یتشبث بکل حشیش۔

مگر اس وقت ترکوں کے مشکلات میں گھرے رہنے کے باعث قبل از وقت بتا کر بعض بزرگوں نے پیش

رنے سے مجھے منع کردیا اور میں نے نہ پیش کیا، مگر اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی یا ترکوں کے مشکلات میں مبتلا رہنے کے خوف سے میں مرعوب ہو گیا حاشا و کلا۔

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ترکوں کے صحیح راہ عمل اختیار کرنے کا وہی وقت تھا، کیونکہ فطرت انسانیہ کا یہی مقتضا ہے

کما قال اللہ تعالیٰ

ان الانسان خلق ھلوعا۔ اذا مسہ الشر بیشک انسان کی خلقی عادت یہ ہے کہ وہ بے صبرے جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا۔ جب وہ مصیبت اور شر کی گرفت میں آتا ہے جزع و فزع کرتا ہے اور جب اس کو بھلائی اور نیکی پہنچتی ہے تو مانع للخیر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس کا تجربہ سب لوگوں کو ہے اور الغائے خلافت نے مزید بصیرت پیدا کر دی ہے۔ لیکن میں نے اس وقت خاموشی اختیار کی۔ اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ یہ کام صرف جمعیت علماء سے انجام نہیں پا سکتا ہے کیونکہ اس میں صرف کثیر کی ضرورت ہے اور اس کے پاس روپے نہیں ہیں۔ پھر جمعیت علماء سے اس تجویز کے منظور کرانے کا کیا فائدہ اور آج میں یہی کہتا ہوں کہ جمعیت علماء کے خزانہ میں روپیہ نہیں ہے۔ اس لئے ان امور کے متعلق کوئی تجویز منظور کرنا بے فائدہ ہے۔ ان کاموں کی انجام دہی کی طرف ہماری مرکزی خلافت کمیٹی کو توجہ کرنی چاہیے۔ اگر مرکزی خلافت کمیٹی مصارف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر جمعیت علماء کو تمام چیزوں کی تالیفات کی تیاری میں سرگرمی سے حصہ لینا چاہیے۔

اگر مرکزی خلافت کمیٹی اس کے لئے تیار نہ ہو تو پھر جمعیت علماء کو ان امور کی انجام دہی کے لئے قوم سے اپیل کر کے روپیہ فراہم کرنا چاہیے اور خدا کا نام لے کر کام شروع کر دینا چاہیے۔

حضرات:۔ اقامت خلافت کے باب میں جس طریقہ کے اختیار کرنے کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے مجھے یقین ہے کہ اکثر جذبات کو اس سے ٹھیس لگے گی اور وہ یہی کہیں گے کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شدہ۔ مگر اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے واقعات و حالات و جذبات و خیالات کو تدبر اور شریعت کی روشنی میں دیکھا جائیگا تو خلافت اسلامیہ کو صحیح اصول پر انشراح و اختیار کے ساتھ قائم کرنے کی کوئی تدبیر اس کے سوا ظاہر نہ ہوگی۔

ولکن القلوب لہا انقلاب
وحالات ابن آدم تستحیل

اس لئے ممکن ہے کہ پردۂ غیب سے تائید الٰہی کا ظہور ہو جس سے تمام یا اکثر مسلمانوں کو یہ کشف ہو جائے کہ دین اللہ کے اس طریقہ پر چلنے کے لئے آمادہ ہو جائیں جس کی بابت ارشاد ہے کہ ترکتکم علی البیضاء

لیلہا کنہارھا وذلک علی اللہ یسیر۔
سادتی الکرام! خلافتِ اسلامیہ کی آمامت کی بابت جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ہے
کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام اور اسکی بقا واستحکام کے لئے یہ طرق استعمال کئے جا سکتے ہیں اور مجھے امید ہے
کہ تمام اہلِ اسلام ہمہ دم اور ہر لحظہ ان طریقوں کو کامیاب بنانے کے کاموں میں مشغول رہے تو ترک وجوب کی معصیت
کا کفارہ سعی فی تحقیق الوجوب سے ہو جائے گا۔
اور اگر ابتداء ہی سے استحکام کا خیال نہ کیا جائے اور تمام دنیائے اسلام یا اکثر دنیائے اسلام پر ابتدائے
انعقادِ خلافت کے وقت سے اقتدار قائم کر لینے کا تصور سر دست ملتوی کر دیا جائے لیکن اصلاح اور استحکام وتوسیع
اقتدار کی سعی برابر جاری رکھنے کا پورا اہتمام کر لیا جائے تو اس صورت میں جب آزاد مملکت کے اربابِ حل وعقد انشراحِ قلب و
اخلاص کے ساتھ خلافتِ اسلامیہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کو تیار ہوں وہاں فوراً خلافت کی بنیاد قائم کر دی جائے اگرچہ
اس کے پاس کوئی بڑی مادی طاقت موجود نہ ہو مگر وہاں مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہو۔ اور صمیمِ قلب کے ساتھ ایسی
بیعت کریں جس طرح صحابۂ کرام کی بیعتِ خلافت کی تھی، اور وفائے بیعت کے لئے اسی طرح آمادہ ہوں جس طرح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت سعد بن انصاریین نے آمادگی ظاہر کی تھی تو پھر زائد انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ یہ معاملہ
جلد ختم ہو سکتا ہے۔
لیکن میرے نزدیک اس اصول سے بھی قیامِ خلافت کے لئے اربابِ عزیمت کی ضرورت ہے جس کے فقدان
پر میں پہلے بھی افسوس ظاہر کر چکا ہوں، اس کے متعلق میں زیادہ وضاحت کو مناسب نہیں سمجھتا۔
اب آپ حضرات اس پر غور فرمائیں کہ ان تمام طرق میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور اب میں
قیامِ خلافت کے مسئلہ کو اسی مقام پر ختم کرتا ہوں۔
اور مسلمانانِ ہند کے دیگر مسائل جو قیام واستحکامِ خلافت یا کم از کم دشمنانِ اسلام سے ممالکِ اسلامیہ کی
حفاظت کے باب میں مفید ہیں۔ ان کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی تھوڑی دیر میں آئے گا۔

معاملۂ حجاز وجزیرۃ العرب۔

سادتی الکرام۔ بیرونی مسائل میں ہمارے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے
ہمیشہ کے لئے مامون ومحفوظ بنا دیا جائے کہ جس میں دنیائے اسلام کا واحد قبلہ اور ہزاروں اسلامی مشاہد اور مقدس مقامات
واقع ہیں جن کی تفصیلات ایک سے زائد مرتبہ خلافت کانفرنسوں اور جمعیت علماء کے اجلاسوں میں بیان کی گئی ہیں۔
وہ نیز اسکو غیر مسلم اثرات سے پاک رکھنے پر حکم ومصالح بھی بتائے جا چکے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حکم شرعی اس

آخری وصیت پر مبنی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان لفظوں میں فرمائی تھی۔ کہ: ہر اخرجوا الیہود والنصاریٰ عن جزیرۃ العرب وفی روایۃ، اخرجوا المشرکین عن جزیرۃ العرب۔ جو نہایت معروف و مشہور ہے۔

اور خدا کا شکر ہے کہ آج اس حدیث اور اس کے مفہوم سے غالباً ہندوستان کے عورت و مرد اور بوڑھے جوان، بلکہ بچے تک واقف ہیں۔ فللہ الحمد۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس حکم پر عمل کر کے اس مقدس سرزمین کو مشرکین اور دیگر کفار کی نجاستوں سے ہمیشہ کے لئے پاک وصاف کر دیا تھا۔ لہم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ

لیکن شریف حسین کی غداریوں نے اسلام اور مسلمانوں پر وہ مصائب کبریٰ نازل کئے جس سے زمین و آسمان حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً چیخ اٹھے۔ بلکہ تمام دنیائے اسلام لرز اٹھی۔ اور پھر انہوں نے انگریزوں کے اشارہ اور امداد کے بھروسہ پر وہ فتنے برپا کئے جس کو سن کر دنیائے اسلام حیرت زدہ و مبہوت ہو گئی۔

اذا ما الدهر جر على اناس
كلاكله اناخ باخرينا

اور اس کے بعد جیسے مظالم اور حیا سوز و شرم انگیز حرکات شریف حسین سے انگریزوں کی غلامی میں سرزد ہوتے رہے۔ اس میں سے اکثر بے نقاب ہو چکے ہیں۔ اور شاید ابھی تک بہت سے مظالم پردۂ خفا میں ہیں، جو آئندہ اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔ جبکہ شریف حسین کی تمام سیہ کاریوں کی جمع و ترتیب پر کوئی واقف کار مورخ قلم اٹھائیگا۔

بہرحال شریف حسین نے غداری کی اور بغاوت کر کے انگریزوں کی فوجوں کو حرمین شریفین میں خونریزی و قتل و غارت کے لئے دعوت دیدی جو تاریخ اسلام کے اندر اس قسم کا پہلا واقعہ ہے۔

وہ وقت ہماری غیرتوں کے امتحان کا آیا تھا۔ کہ حرمین شریفین کے احترام کی حفاظت کے لئے آخری قطرۂ خون سے بھی دریغ نہ کرتے اگر وہاں تک پہنچنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا تو کم از کم انگریزی حکومت کو اس قدر مجبور کر دیتے کہ انگریزی فوج وہاں تک نہ جاسکے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم لوگوں سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا۔

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

عرب کی دوسری ریاستیں بھی اس وقت جیسی وہ بیں بیٹھیں، مگر کچھ نہ کر سکیں۔ اس نے شریف حسین کی جراتیں بڑھتی گئیں۔ ایک طرف برطانیہ سے ذلت اور توہین آمیز معاہدہ کیا کہ جس کا نتیجہ خدانخواستہ یہی ہونے

والا تھا کہ ایک روز برطانیہ اپنی قدیم حکمت عملیوں کے اصول کی بنا پر حجاز پر قابض ہو جائے جس سے نہ صرف یہ ہوتا کہ دنیائے اسلام کا مرکز اور مقدس و متبرک مقام کافروں کے قبضہ میں چلا جاتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کی سخت پامالی ہوتی اور ارض حجاز کافروں کا گہوارہ ہو جاتا جس کے حرام ہونے میں جملہ ائمہ کا اتفاق ہے،

دوسری طرف وہ ساکنان حرمین شریفین پر روز بروز نئے مظالم کرنے لگا اور حجاج و زائرین مدینۂ منورہ کے مالوں کو مختلف عنوانوں سے لوٹنا شروع کیا۔ کیونکہ اسکا سرکار برطانیہ نے وظیفہ بند کر دیا۔ اسی اثناء میں خلیفۃ المسلمین بننے کے لئے بہت سی چالیں چلتا رہا۔ کیونکہ ابتداء ہی سے اسکو یہ ہوس تھی لیکن ؎

یریدالمرء ان یعطی مناہ ویابی اللہ الا ما ارادا ،

کے مصداق کے مطابق اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور آخر میں اسکی شقاوت قلبی کا یہ عالم ہوا کہ گزشتہ حج کے موقع پر حاجیوں کے لئے مکۂ معظمہ اور منیٰ کو میدانِ کربلا بنا دیا۔ یہاں تک کہ ہزاروں حاجی پیاسے مر گئے اور ہزاروں کے قتل کے ذرائع مہیا کر دیئے۔

اس شخص کے اس آخری مظالم نے تمام دنیائے اسلام کے زخموں کو ہرا کر دیا اور ہندوستانی مسلمان ابھی تک اس معاملہ میں غور و فکر ہی کر رہے تھے کہ حرمین شریفین میں امن و امان قائم کرنے اور دفع مظالم کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔

جس کے لئے غالباً گزشتہ دسمبر کا موقع آخری تجویز کے لئے رکھا گیا تھا۔ مگر اسی اثنا میں امہال طویل کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک محکم اصول اور مستحکم قانون نے مسلمانوں کی طرف سے دفاع کیا اور شریف حسین کو خیانت اور ناشکری کی سزا مل گئی کما قال اللہ تعالیٰ :-

ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا ، ان اللہ لایحب کل خوان کفور (ج ۔ ۵) — بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے (ان کے دشمنوں کو) دفع کرتا ہے کیونکہ اللہ پاک کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

چنانچہ آپ حضرات نے سنا کہ امیر نجد نے طائف اور مکہ پر قبضہ کر لیا اور شریف حسین صاحب نے حلیف قدیم و دشمن اسلام کی حمایت و صیانت میں بصرہ پہنچے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے قتل و غارت نے ان کی چین و آرام کی زندگی کو کرب و بے چینی سے بدل دیا نیند حرام ہو گئی ہے۔ الا من بیتری سهرا بنوم کی صدا آج ان کے کانوں میں گونج رہی ہوگی۔

لیکن ان کی جگہ ان کے صاحبزادہ علی نے اپنے سر پر ملک الحجاز کا تاج پہنا اور اپنی بادشاہت کے تخت کو مکہ معظمہ سے جدہ منتقل کیا اور آج تک وہ جدہ میں ملک الحجاز بننے کی سعی میں مصروف ہیں۔

حضرات ! اگرچہ اس انقلاب کے وقت بھی طائف کے اندر کچھ نہ کچھ خونریزیاں ضرور ہوئیں اور کہا جاتا ہے کہ امیر نجد کی فوجوں نے بہت سی زیادتیاں بھی کیں۔ اور بعض قابل احترام مقامات کی بے حرمتیاں بھی وقوع میں آئیں اور آخری دو امور میں روایات مختلف ہیں :-

پورے طور پر وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کس قسم کے مظالم وقوع میں آئے اور کم از کم مجھ کو تو اس وقت تک ان اخباری اشتہاری خبروں پر قطعاً وثوق نہیں ہے۔ جو نجدیوں کے قبضۂ طائف کے وقت بیان کئے جاتے ہیں۔

کیونکہ ایک مکی عرب جو شریف حسین کے ہوا خواہوں میں ہے اور جنگ طائف کے وقت وہ خود طائف میں موجود تھا اور وہ خود بھی زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک عزیز کے نام جو کچھ عرصہ سے ہمارے صوبہ میں مقیم ہیں ایک مفصل خط جدہ سے لکھا ہے جس کو میں نے خود ایک ایک حرف کر کے پڑھا ہے۔ اس خط میں نجدیوں کے دخول طائف۔ علی کے دفاع کا نظم۔ پھر علی کا مع اپنی فوج کے طائف کی طرف بڑھنا۔ علی کے ساتھیوں کا قتل میں اقدام کرنا بعدہ نجدیوں کا حملۂ علی کو قتل و حبس کرنا مفصل لکھا ہے۔ بہت سے لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جو شہید یا مجروح یا محبوس ہوئے اور آخر علی کے جدہ آکر پناہ گزیں ہونے کی داستان ہے۔ اس پورے خط میں میں نے نہایت بیتابی کے ساتھ ان امور کو تلاش کیا جو نجدیوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کا ہدم اور اس قسم کے دیگر واقعات مگر مجھ کو ناکامی ہوئی اور ایک حرف بھی ان امور کے متعلق نہیں ملا حالانکہ اس خط کا کاتب جذبۂ عصبیت سے خالی نہیں ہے۔ اس کو اخفاء کی حاجت نہیں تھی۔

ہمارے انہی دوست نے ایک دوسرا خط ایک دوسرے عرب کا دکھایا اس کو بھی میں نے پڑھا اس میں بھی یہ باتیں نہ تھیں۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ طوالت مضمون کے باعث ان حوادث کا ذکر کرنا بھول گئے ہوں۔ اس لئے میں خونریزی اور بعض اشراف کے حبس کے سوا اور کسی قسم کے دوسرے مظالم پر ابھی یقین نہیں رکھتا اور نہ میں نجدیوں کی براءت کرتا ہوں۔

ہندوستانی وفد خلافت وہاں گیا ہے اس کے ذریعہ انشاء اللہ تعالیٰ پوری تصدیق ہو جائے گی کہ اصلی واقعات کیا ہیں۔

تاہم جتنے مسلمانوں کا خون بہا اور جتنی جانیں ضائع گئیں، وہی ہمارے لئے کیا کم قابل افسوس ہیں اور اس خونریزی سے ہم کو کب مسرت ہو سکتی ہے لیکن اسی کے ساتھ جب ہم اللہ پاک کے اس ارشاد پر غور کرتے ہیں کہ :-

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو انکی

فان بغت احدٰہما علی الاخریٰ فقاتلو االتی — آپس میں صلح کرادو۔ پھر اگران دونوں گروہوں میں سے
تبغی حتیٰ تفئی الی امر اللہ (حجرات ع ۱ پ ۲۶) — ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے
گروہ سے تم سب قتال کرو یہاں تک کہ زیادتی کرنے والا اگر
وہ خدا کے حکم کے آگے سر جھکادے۔

تو ہم کو صاف پتہ چلتا ہے۔

کہ جبکہ شریف حسین نے ترکوں سے قتال کیا۔ خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کی۔ سمجھانے والوں نے ان کو سمجھایا۔ مسلمانانِ عالم نے ان کو اس بغاوت پر ملامت کی مگر انکو ندامت نہ ہوئی بلکہ ترکوں کے قتال کے بعد بھی ان کے ظلم میں کمی نہ ہوئی۔ اہلِ مدینہ اور مکہ کے علاوہ دنیائے اسلام کے حاجیوں بالخصوص نجد کے حاجیوں پر زیادتی کرتے رہے ایسی حالت میں بفحوائے آیت مذکورہ دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ شریف حسین اور اس کے گروہ سے قتال کرے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کے آگے سر جھکادیں۔ لہٰذا ان سے قتال تو بدرجۂ آخر ایک لازمی امر تھا اور ظاہر ہے کہ جب کسی مسلمان سے زیادتی وظلم کے دفع کے لئے قتال کیا جائے گا تو خونریزی ہوگی۔ اس سے تو کوئی چارہ کار نہیں گروہ عند اللہ قابلِ معاف ہے اور قابلِ مواخذہ نہیں ہے پس اگر شریف حسین کے مظالم سے دنیائے اسلام کو نجات دلانے کیلئے اور انکی زیادتیوں کے سدِّباب کے لئے ترکوں نے قتال نہیں کیا۔ افغانیوں نے قتال نہیں کیا اور ہم ہندوستانی بدقسمتی بھی رفع ظلم وتعدی کے لئے اپنے گھر سے نہ نکلے اور شریف حسین کو برا بھلا کہنے کے سوا کچھ نہ کرسکے تو مسلمانوں کی ایک دوسری جماعت جو آیت مذکورہ کو اسی طرح واجب التعمیل سمجھتی ہے جس طرح دنیائے اسلام کی جملہ جماعت وہ اٹھتی ہے اور شریف کے مظالم سے دنیا کو نجات دلاتی ہے اور اس نجات دلانے میں خونریزیاں ہوتی ہیں تو اس پر جزع وفزع بیکار ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے خود اس قتال کا حکم دیا ہے لہٰذا نجدیوں پر اس معاملہ میں کسی مسلمان کو غصہ وخفا ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ میرے نزدیک تو غصہ اور خفگی نہ صرف غیر مناسب بلکہ ناجائز بھی ہے۔

حضرات! ایک طرف تو ابھی علی ابن شریف حجاز کی بادشاہت کی فکر میں جدہ کے اندر بیٹھا ہوا دشمنانِ اسلام اور بالخصوص برطانیہ کی امداد کے بھروسہ پر ارض مقدس میں قتل وغارت کا سامان مہیا کر رہا ہے۔ ساکنانِ حرم کو بھوکا مارنے کے لئے ان پر غلہ کی درآمد کو بند کر رہا ہے اور برطانیہ کی غیر جانبداری کے اعلان کے باوجود اس کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچ رہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ نے اس مرتبہ بھی غیر جانبداری کا وعدہ ویسا ہی کیا ہے جس طرح پر اسلامی مقامات کے متعلق اس نے پہلے کیا تھا۔

اگرچہ یہ راز اب تک پردہ خفا میں ہے کہ برطانیہ اندرونی طور پر علی کو کیا کیا مدد دے رہی ہے لیکن بعض اخبارات اور خود واقعات کے قرائن سے یہ امر ظاہر ہے کہ برطانیہ اپنی سابق اسکیم سے سبکدوش نہیں ہوئی ہے۔

دوسری طرف ہم ہندوستانی ہیں کہ حنفیت اور وہابیت کی جنگ میں مصروف ہیں۔ کیا ہماری اس باہمی جنگ سے برطانیہ کا ہاتھ قوی نہ ہوگا اور کیا یہ بعید از قیاس ہے کہ برطانیہ ہماری جنگ سے فائدہ اٹھا کر ارض مقدس کی بے حرمتی اور وہاں کے امن و امان کو خطرہ میں ڈال کر اپنا اقتدار جمانے کے لئے اقدام نہ کرے گی بخصوص جبکہ برطانیہ کی تمام تاریخ اسلام اور اہل اسلام کے مقابلہ میں سیہ کاریوں سے لبریز ہے۔

اس لئے تمام ہندوستانی مسلمانوں کا فرض ہے کہ عقل و دانش سے کام لیں اور قدیمی دشمن اسلام برطانیہ کو اس کا موقع نہ دیں کہ وہ پھر حرمین شریفین کی بے حرمتی کرے۔

ابھی تک پورے جزیرۃ العرب کو عیسائیوں سے بچانے اور محفوظ کر لینے کا مسئلہ اپنی شکل میں ویسا ہی موجود ہے جس طرح آج سے آٹھ نو سال پہلے تھا۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ سب سے پہلے جزیرۃ العرب کی ایک ایک انچ زمین سے دشمنانِ اسلام کے اقتدار کو زائل کر دیں اور اس طرح مضبوط کر دیں کہ پھر کسی کافر کو اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔

حرمین شریفین اور حجاز کا نظم۔

باقی رہا یہ امر کہ شریف حسین کے اخراج کے بعد حجاز اور حرمین شریفین کا نظم کس طرح پر ہو تو جہاں تک اصولِ شرعیہ کی رو سے کہا جا سکتا ہے وہ موجودہ صورت حال میں یہ ہے کہ حرمین شریفین و دیگر بلاد حجاز کے ارباب حل و عقد جس شخص کو اکثریت کے ساتھ منتخب کریں اُس کے ہاتھ میں نظم رہے جس کے مشورہ میں دیگر بلاد کے مسلمان بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

میں خوش ہوں کہ اسی مقصد کی غرض سے ایک موتمر منعقد ہو رہی ہے اور اللہ پاک سے دعا کرتا ہوں کہ تمام شرکاء موتمر کو ایسی توفیق دے کہ وہ ایسے شخص کو منتخب کریں جو نہایت صالح ہو جس کے دل میں خوفِ خدا غالب ہو۔ شریعت کا ایک ایک حکم اُس کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ عزیز ہو نفس پرستی اور ہوا پرستی، باہمی حسد و کینہ سے اس کا سینہ صاف ہو۔ پھر اُس کے ساتھ مدبر ہو۔ دشمنانِ اسلام پر پہاڑ سے زیادہ بھاری ہو اور مسلمانوں کے لئے آیت رحمت ہو۔

اگر خدانخواستہ اس کے خلاف ہوا اور ایسے شخص کا انتخاب ہوا جس کے دل میں خوف ذرا نہ ہو بلکہ نفس پرست ہوا پرست ہو اور مسلمانوں کی بے عزتی کرنے والا ہو۔ محترم مقامات کی حرمت کا خیال نہ رکھتا ہو اور کافروں سے ساز باز

کرکے حجاز کو اُن کے اقتدار میں دینے والا ہو۔ قیامِ خلافت میں حارج ہو۔ تو مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ہندوستانی غلاموں اور کم ہمتوں کو سبقت الی الخیرات کی نعمت نہ ملی۔ تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے گروہ کو اسکی توفیق دیگا۔ اور پھر اس آیت ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا ان اللہ لا یحب کل خوان کفور۔ کی صداقت جلوہ گر ہوگی۔ اس لئے میں پھر مکرر عرض کرتا ہوں کہ خدا کیلئے اس وقت وہابیت و حنفیت کی جنگ نہ چھیڑیئے، ورنہ دنیائے اسلام پر ایک عظیم مصیبت نازل ہوگی کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے؟ کہ عبدالوہاب نجدی کے وجود سے پہلے بھی دنیائے اسلام حنفیت و شافعیت کے محاربہ برپا تم کر چکی ہے۔ جس سے ہزاروں علماء کے پاک خون سے عراق و شام کی زمین رنگی ہوئی ہے۔ ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الالباب باہمی سب و شتم کو بند کیجیے۔ مسائل میں اختلاف ہوں تو نہایت زوردار لفظوں کیساتھ علمی اصول سے بحث کیجئے۔ جو علماء کے شایانِ شان ہے۔ بلکہ یہ اُن کا فریضہ ہے۔ میں خود حنفی بلکہ نہایت کٹر حنفی ہوں اور ہندوستان کے اہلِ حدیث جماعت کے خیالات و مسائل سے مجھ کو بھی اختلاف ہے اور سخت اختلاف۔ اس لئے ان کے ساتھ گفتگو اور بحث کی نوبت آئی۔ مگر الحمد للہ آج تک جنگ و جدال اور سب و شتم کی نوبت نہیں آئی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اہلحدیث احباب بھی اسی اصول کے پابند ہیں۔ قرآن کریم کی بھی یہی تعلیم ہے کہ:۔

فان عصوک فقل انی بریٓء مما تعملون (شعراء ع ۱ پ ۱۹) پس اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔

پس اگر کوئی شخص ہمارا ہم خیال نہیں ہے اور ہمارا ہم مشرب نہیں ہے تو ہم اس سنّت نبویہ کی اتباع میں اُس کے عمل سے تو بیزاری کر سکتے ہیں لیکن جنگ و جدال کرکے فتنہ برپا کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے غور فرمایئے عمل سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔ ذات سے نہیں، اس کے علاوہ "سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" و "لا تحاسدوا ولا تباغضوا"۔ وغیرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود ہیں۔ ان سب کے ہوتے ہوئے مسلمان اور وہ بھی اہلِ علم مسلمان سے واہیات خرافات اور شنیع حرکات کا ظہور سخت قابلِ افسوس ہے۔

کفار و مشرکین کے سامنے اس وقت کے مُسلمان اسلامی تعلیمات کو اپنی بداعمالیوں سے بدنام کر رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واحکام سے چشم پوشی کرتے ہوئے لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض کی خلاف ورزی کو احیاءِ ملّت اور اشاعت دین سمجھتے ہیں اور اسکو طغرائے امتیاز گردانتے ہیں۔ جو نہایت قابلِ شرم امر ہے۔ صدق اللہ مولٰنا الکریم۔ یقلب اللہ اللیل والنہار ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الالباب۔

مسائلِ اندرونِ ہند

سادتی الکرام، وزعمائے ملّت۔ مجھے سب سے زیادہ اندرونِ ہند کے مسائل اور ضروریات ہند کے متعلق کہنا

چاہیے تھا۔ کیونکہ جب ہم ہندوستانی ہندوستان میں ایک باعزت اور طاقتور زندگی بسر کریں تو بیرون ہند کے اسلامی ممالک کی بھی خدمت کر سکتے ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ آج یہاں کے احوال اور ماحول کا استقصاء کر کے نہایت وضاحت کیساتھ اندرونی مشکلات اور اُن کے حل کو اپنی سمجھ کے مطابق میں عرض کرتا۔ لیکن افسوس ہے کہ غیر متوقع طور پر بیرونی مسائل کے ضمن میں شاخ در شاخ دوسری باتیں پیدا ہوگئیں اور کلام طویل ہوگیا اس لئے میں اب بیرونی باقی معاملات کو چھوڑتا ہوں اور نہایت اختصار کیساتھ اندرونی معاملات کے متعلق اپنے ناقص خیالات پیش کرتا ہوں۔

حضرات! میں جب ہندوستان کے اندرونی حالات کا مطالعہ کرتا ہوں۔ تو یہاں بیرون ہند سے بھی زائد زلازل و مہالک فتن و مصائب مجھ کو نظر آرہے ہیں۔ اور بحرِ ظلمات کے تموج کی طرح ہندوستان کے بر اعظم میں موجیں اُٹھ رہی ہیں جس سے تمام ہندوستانی بالخصوص مسلمان تباہ و ہلاک ہو رہے ہیں۔

ان الدواھی فی الآفات تہترس،

اس لئے میں حیران ہوں کہ آپ کے سامنے ان تمام فتن اور ان کے اسباب و علل بیان کر کے طریق علاج بیان کروں۔ یا جتنے مسائل متدائرہ ہیں۔ ان پر اپنے ناقص خیال کا اظہار کروں۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ تمام باتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے اب یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف مسائل متدائرہ اور ضروری امور پر اپنے خیالات سادہ لفظوں میں ظاہر کر دوں تاکہ علمائے کرام اس پر غور فرمائیں اور ہندوستان کی فلاح و بہبود اور ہندوستانی مسلمانوں کی حیات و بقا کے لئے اگر مناسب سمجھیں۔ تو بحث و تمحیص کر کے اس پر عمل کی کوشش فرمائیں۔

ترک موالات کا لائحہ عمل

اور

جمعیت علمائے ہند کا فتوٰی۔

سادتی الکرام! آپ حضرات کو معلوم ہے کہ کن حالات میں ہندوستان کے اندر اسلامی اصول کا نہایت قدیمی مسئلہ ترک موالات عن المحاربین عملاً نفاذ کے لئے سامنے آیا۔ اور کن وجوہ کی بنا پر محض شرعی مقاصد کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے احکام ترک موالات پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہندوستان کی دیگر اقوام نے محض ہندوستان کی فلاح و بہبود کی غرض سے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں تک کہ ترک موالات ہندوستان کا ایک مشترکہ لائحہ عمل ہو گیا۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہندوستان کی اس نشاۃ اولیٰ کی زندگی اور عروج میں جمعیت علمائے ہند کے متفقہ فتوٰی نے کیا تاثیر پیدا کی۔ اور میرا یہ کہنا بالکل حق ہے کہ اگر کارکنوں اور ذمہ دار کارکنوں سے بعض سخت ترین غلطیاں نہ ہوتیں۔ تو

شاید تمام ہندوستان کے بہت سے مقاصد پورے ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے اسلامی اغراض و مقاصد اندرون ہند و بیرون ہند بھی پورے ہوجاتے ولکن اللّٰہ یفعل ما یرید۔

اس لئے جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے اور اس کے اسباب بھی ظاہر ہیں اور اس کے بعد جو دور فتن شروع ہوا۔ اُن کی تمام تفصیلات اور اسباب بالکل سطح پر آگئے ہیں۔ اور ہر شخص کو معلوم ہوگئے ہیں۔ اور انھیں فتن کا ثمرہ یہ ہے کہ کانگریس جس کو ہندوستان کی مشترکہ اور متحدہ مجلس ہونے کا فخر حاصل ہے اُس نے اس سال ترک موالات کے لائحہ عمل سے اکثر اجزاء کو ایک سال تک کے لئے ملتوی کر دیا ہے اور چونکہ جمعیت علمائے ہند کے متفقہ فتوٰی کی اکثر چیزیں ایسی ہیں جو کانگریس کے لائحہ عمل میں داخل ہیں۔ اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ آج ترک موالات اور جمعیت علمائے ہند کے متعلق چند ضروری امور عرض کردوں۔ تاکہ کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

حضرات! ترک موالات کے متعلق جمعیت علمائے ہند نے جو متفقہ فتوٰی شائع کیا ہے، وہ فتوٰی موجودہ دور کے عُلماء کا نہیں ہے بلکہ دراصل جناب مولٰینا سید شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوٰی ہے۔ چنانچہ اس فتوٰی میں جناب شاہ صاحب قدس سرہٗ کی اصل عبارت بھی پہلے درج کر دی گئی ہے اور پھر اردو میں اُنہیں کے فتوٰی کی بنا پر ہر امر کے متعلق تفصیل کر دی گئی ہے اور انکے فتوٰی کے منشاء کے مطابق ہر امر کا حکم مع انکی دلیل کے بیان کر دیا گیا ہے۔

الغرض متفقہ فتوٰی میں جو لکھا گیا ہے، وہ جناب شاہ صاحب کے فتوٰی میں سب درج ہے۔ بجز تین امور کے ایک ہندو مسلم اتحاد، دوم انگریزی مالوں کی خریداری کی حرمت۔ سوم جواز مشاورت عن المشرکین۔ یہ تین امور ایسے ہیں جو شاہ صاحب قدس سرہٗ کے فتاوٰی میں مذکور نہیں ہیں اور انگریزی مالوں کی حرمت کا فتوٰی میں ہونا بین ثبوت ہے۔ کہ لائحہ کانگریس کی اتباع میں فتوٰی نہیں دیا گیا تھا کیونکہ یہ کانگریس کے لائحہ عمل میں داخل تھا۔

فتوٰی کی تفصیلات دیکھئے اور شاہ صاحب قدس سرہٗ کی اصل عبارت کو بغور پڑھئے سوائے ان تین امور کے شاہ صاحب کے فتوٰی میں سب اُمور تین نہیں گے۔ لہٰذا آج تک جو انگریزی ہوا خواہ یہ کہتے آئے ہیں کہ موجودہ دور نے یہ جدید فتوٰی گھڑا ہے۔ یا اُنھوں نے فتوٰی کو بغور نہیں پڑھا یا دیدہ و دانستہ انگریزوں کی غلامی کے جذبہ سے متاثر ہو کر ایسا کہتے آئے ہیں اور اس لئے انکے حق میں دعا کرنی چاہیئے، کہ اللہ پاک اُن کے دِلوں سے انگریزوں کی غلامی کی محبت کو دور کر دے۔

اب رہا یہ امر کہ جمعیت علمائے ہند نے اس ہیجان کے وقت میں اس فتوٰی کو نہایت اہمیت و زور شور کے ساتھ کیوں شائع کیا اور یہ کہ کانگریس کے لائحہ عمل میں داخل کرنے کے بعد کیوں شائع کیا۔ اس کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ اس ہیجان سے پہلے علمائے ہند نے اجتماعی حیثیت سے اسلامی اجتماعی زندگی کی سنگلاخ زمین پر قدم نہیں رکھا اور اگر کسی نے کچھ سعی کرنا چاہا تو سخت مبتلائے مصیبت ہوئے۔ والقصۃ لطولہا۔

اس لئے علماء کی اس طرح متحدہ طاقت کبھی مجتمع ہی نہیں ہوئی کہ کوئی متفقہ فتویٰ شائع کیا جاتا۔ علماء کی زندگی انفرادی تھی، لہٰذا انفرادی فتاویٰ شائع ہوتے رہے۔

مگر اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور اس نے مسلمانانِ ہند بلکہ مسلمانانِ عالم کی بھلائی کے لئے کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے علمائے کرام نے اجتماعی زندگی کے میدانوں میں قدم بڑھایا۔

بنگالہ میں عیسائی مشنریوں کے حملہ نے علمائے بنگالہ کو متنبہ کیا کہ وہ جمعیت علمائے بنگالہ قائم کریں اور پھر اس کے بعد اندرونِ ہند و بیرونِ ہند کے محاربہ عظیمہ کو دیکھتے ہوئے علمائے بہار کو شبہہ ہوا۔ لہٰذا انھوں نے ۱۳۳۵ھ میں انتظامی زندگی کے تمام مقاصد کو پیش نظر رکھ کر جمعیت علمائے بہار قائم کی۔ آخر جب دنیائے اسلام میں انتہائی درد انگیز واقعات رونما ہوئے تو اس کے بعد ۱۹۱۸ء میں مرکزی جمعیت۔ جمعیت علمائے ہند قائم ہوئی اور ۱۹۲۰ء میں اس کا دستور العمل مرتب ہوا۔ اور مستعدی کے ساتھ کام شروع ہوا۔ پس یہ کہنا کہ جمعیت علمائے نے متفقہ فتویٰ پہلے کیوں نہیں شائع کیا تھا۔ نہایت غلط ہے جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ ترک موالات کے متفقہ لائحہ بنانے کی حاجت نے جمعیت علماء کے قیام کی ضرورت پیدا کر دی ہے یہ تمام باتیں احوال اور تاریخ و واقعات کی عدم واقفیت یا تجاہل عارفانہ پر مبنی ہیں۔

جواب دوم یہ ہے کہ علمائے کرام حکمائے امت ہیں جس طرح کوئی حکیم یہ محسوس کرے کہ اس وقت مریض کی طبیعت دوا قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس وقت اس حکیم پر فرض ہے کہ کوئی مجرب دوا مریض کو دیدے ورنہ سخت مجرم ہے۔ اس لئے جب حوادث دنیا نے مسلمانوں کے دلوں میں میلان الی الشریعت اور اتباع احکام شرعیہ کا مادہ پیدا کر دیا۔ تو تمام علماء کا فرض ہو گیا کہ وہ قوم کے لئے ان دواؤں کو پیش کریں جو کہ ازالہ مرض کے لئے اکسیر ہیں اور اتنی مقدار میں دیں جس قدر کہ طبیعت متحمل ہو سکے اور پھر ان دواؤں کو اتنی طاقت ور بنائیں۔ جو مرض کی شدت کو توڑ سکے۔ اس لئے اس قدیم انفرادی فتویٰ کو متفقہ طاقت کے ساتھ زور دار بنا دیا گیا۔

چنانچہ بحمد اللہ جن لوگوں کی طبائع میں اللہ پاک کی توفیق سے قبول کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی انہوں نے قبول کیا اور جن کے اندر صلاحیت نہ تھی انھوں نے قبول نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر وقت اور ہر موقع پر بلحاظ حالات اور واقعات امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم یکطرفہ نہیں ہے۔ اگرچہ شریعت کی دعوت عام ہر لحظہ اور ہر آن ایک ہے۔

پس اگر ہندوستان کے بہت سے مسلمانوں نے اس فتویٰ پر عمل نہیں کیا۔ اور عمل نہ کرنے والوں کی کثرت سے انگریزوں کے خوش کرنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کی بے وقعتی اسی امر سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اور جنھوں نے پہلا فتویٰ لکھا تھا۔ وہ آج خود اس کے حکم کے خلاف کر رہے ہیں

تو ان ہوشمند مسلمانوں کو چاہیئے کہ غور کریں کہ اگر یہ منطق صحیح ہے، تو تم دشمنانِ اسلام کے سامنے اپنی زبان اور اپنی عقل سے تو جمعیت علماء کی ہی توہین اور بے وقعتی نہیں کر رہے ہو۔ بلکہ اس امر کا بھی تم اقرار کر رہے ہو، کہ خدانخواستہ اسلام کی بھی کوئی وقعت تمہارے دلوں میں باقی نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام نے تمام دنیا کے انسانوں کو دعوت دی ہے، اور سب کے لئے اسلام پیش کیا ہے اور سخت وعیدوں کیساتھ قبول اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ مگر آج تمام دنیا کی آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی چوتھائی آبادی بھی پابندِ احکام اسلامیہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی کہہ دو کہ قرآن پاک نے ہر مسلمان بالغ اور مرد و عورت کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر آج صرف ہندوستان کی آبادی میں ننانوے فیصدی مسلمان بھی نمازی نہیں ہیں۔ جن پر نماز فرض ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ خدانخواستہ قرآن بے وقعت ہے یا ان مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کی وقعت نہیں ہے۔ اِن ہی جوابوں سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ کانگریس کے ترک موالات کو اپنے لائحہ عمل میں داخل کرنے کے بعد اس قدیم فتویٰ کو کن حکم و مصالح کی بناء پر شائع کیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات صداقت اور نیک نیتی پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ محض انگریزوں کے خوش کرنے کے لئے اس لئے وہ قابلِ التفات بھی نہیں۔ مگر خوشامد پسند اصحاب اور خوشامدی اخبارات اس قسم کی باتوں سے عوام الناس کو گمراہ کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے اس کا ذکر کیا۔ ورنہ اربابِ حکومت ایسے احمق نہیں ہیں۔ جو ان خوشامدانہ باتوں سے اپنے دل میں خوش ہوتے ہوں۔ بلکہ یقیناً وہ بھی انکو اس لغو بیانی پر نہایت لغو گو سمجھتے ہونگے۔ مگر ان کی ہمت افزائی صرف اس لئے کرتے ہیں۔ تا کہ ان کے ذریعہ عوام الناس کو حکومت کی غلامی کیطرف مائل کیا جائے۔ مگر ہندوستانی اپنی نافہمی سے اس کو نہیں سمجھتے۔

ترک مُوالات کا حُکم۔

فتویٰ کی نوعیت بتانے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ ترک موالات کے معنی اور اس کے اقسام کو بھی آج مختصراً عرض کردوں اور اس کے احکام عمومی اور جزئی کو بھی بیان کردوں اور اس کی بعض دفعات کے متعلق بھی تشریح کردوں۔ تا کہ جو لوگ پختہ ایمان والے ہیں اور خدا اور رسُول کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں اور جمعیت علماء کے فتویٰ پر نہایت انشراحِ قلب کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہوئے عمل کرتے ہیں۔

مگر اندرونی حالات کے بدلے اور ابنائے وطن کی بیوفائیوں سے تنگ آکر کبھی کبھی بعض امور میں اپنے کو وہ مجبور پاتے ہیں کہ اپنی حفاظت کے لئے حکومت کے ساتھ کسی حد تک بعض معاملات میں اشتراکِ عمل پیدا کریں۔ لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ متفقہ فتویٰ اس راہ میں حائل ہے۔ لہٰذا بشرطِ امکان رخصت شرعی فتویٰ کی تبدیلی کی خواہش ظاہر کرتے ہیں تا کہ بحیثیت تارک موالات ان کے لئے مزید مضرت پیدا نہ ہو۔

تو ہر مسلم کو جاننا چاہیئے کہ موالات کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی محبت اور مروّت ہے اور پھر محبت کی

دو قسمیں ہیں۔ ایک دینی و مذہبی، دوسرا دنیاوی اور محبت دنیاوی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اختیاری و اضطراری الغرض کافر کے ساتھ محبت کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل دینی محبت من جہۃ الدین یعنی کسی کافر کی دوستی اس طرح پر ہو کہ اس کے دین و مذہب کو پسند کیا جائے۔ تو وہ عین کفر ہے۔ دوم محبت من جہۃ الدنیا ہو اور اختیاراً ہو یعنی کسی کافر کے ساتھ دلی محبت ہو مگر نہ اس جہت سے کہ اس کے دین کو اچھا سمجھتا ہو، بلکہ کسی دنیاوی وجہ سے محبت ہو، مگر یہ دنیاوی اختیار کی ہوئی محبت یعنی اپنی خواہش و اختیار سے کسی کافر سے کوئی دنیاوی مقصد اور غرض کے حصول کے لئے محبت کرتا ہو اور فطری اسباب اس محبت کے پیدا ہونے کے لئے موجود نہ ہوں تو یہ محبت بھی حرام ہے۔ مگر کفر نہیں ہے۔ سوم محبت من جہۃ الدنیا ہو مگر اضطراراً ہو اور اس محبت کا سبب غیر اختیاری ہو۔ جیسے کسی مسلمان کا باپ یا بھائی کافر ہو اور بسبب رشتہ داری اور قرابت کے مسلمان کے دل میں کافر باپ یا کافر بھائی کی محبت ہو۔ تو یہ محبت جائز ہے، بشرطیکہ اس دلی محبت کا اثر مسلمان کے ایمان پر نہیں پڑے۔

محبت کی پہلی صورت یعنی محبت من جہۃ الدین اور دوسری صورت یعنی محبت من جہۃ الدنیا۔ اختیاراً کا حکم بیان کیا گیا وہ ہر کافر کے ساتھ یکساں و برابر ہے۔ عام ازیں کہ کافر محارب ہو یا غیر محارب دونوں کے ساتھ ان دونوں قسموں کی محبت کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی اوّل کفر ہے۔ دوم حرام بغیر کفر اور یہ حکم دوامی اور بہر حال ہے۔

لیکن محبت کی تیسری قسم یعنی محبت من جہۃ الدنیا اضطراراً اس میں محارب اور غیر محارب میں فرق ہے۔ یہ کہ غیر محارب کے ساتھ تو یہ محبت جائز ہے لیکن محارب کے ساتھ یہ محبت بھی حرام ہے۔ بقولہ تعالیٰ:-

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم (۲۸ مجادلہ پ)

تم ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی ایسا نہ پاؤگے کہ وہ اس شخص سے محبت کریں جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کریں۔ اگرچہ وہ انکے باپ یا انکے بیٹے یا اُنکے بھائی یا ان کے عزیز اور رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔

پس موالات بمعنی محبت کے احکام تو سب کو معلوم ہی ہیں اور متفقہ فتویٰ میں بھی مذکور ہے اور موالات کے دوسرے معنی نصرت اور مدد کے ہیں جس کو تعلق افعال و جوارح سے ہے۔ دل سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے کافروں کے ساتھ موالات کرنے کے متعلق شرعی احکام مختلف احوال اور مختلف اسباب اور مختلف مقتضیات کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔

بعض حالتوں اور بعض اسباب کی موجودگی میں کافروں سے موالات یعنی نصرت و معاملہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اور بعض حالتوں اور بعض دوسرے اسباب کی موجودگی کی وجہ سے موالات یعنی نصرت حرام نہیں ہوتا ہے۔ جس کی تشریح و توضیح آگے آتی ہے۔

تبدل احکامِ شرعی کی حقیقت۔

مگر یہاں پر ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اختلاف احوال سے بعض احکام بدلتے ہیں۔ تو اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ در حقیقت حکم شرعی بدلتا ہے تاکہ اس سے یہ بدگمانی ہو کہ حکم شرعی تو ہمیشہ کے لئے ہے اس میں ردو بدل کے کیا معنی۔

بلکہ واقعہ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ حکم شرعی کا محل بدل جاتا ہے اور جب وہ محل نہیں رہا تو اس کا جو حکم تھا وہ بھی نہیں رہا۔

اسکی مثال یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک کپڑا ہے جو دھوبی کے یہاں سے دھل کر آیا۔ اس میں کوئی نجاست نہیں لگی ہے، تو اس کپڑے پر حکم شرعی یہ ہوا کہ یہ کپڑا طاہر ہے اور جب اسی کپڑے میں نجاست لگ گئی تو حکم شرعی یہ ہوا کہ یہ کپڑا نجس ہے۔ اور طہارت کا حکم شرعی جو اس کپڑے پر تھا بدل گیا مگر حقیقۃً حکم شرعی نہیں بدلا ہے۔ بلکہ وہ چیز بدل گئی ہے جس پر حکم طہارت تھا جب وہ چیز ہی نہیں ہے۔ تو پھر وہ حکم کیونکر رہ سکتا ہے اور اگر پھر اس کپڑے سے نجاست دور کر دی جائے تو پھر چونکہ محل حکم بدل گیا یعنی کپڑے کی حالت بدل گئی۔ اس لئے پھر حکم دیا جائے گا کہ کپڑا طاہر ہے۔

پس حکم شرعی در حقیقت جس حال اور جس محل کے لئے مخصوص ہے وہ اس حال اور اس محل مخصوص کے لئے یکساں رہتا ہے۔ حکم شرعی میں حقیقۃً کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

جس طرح کپڑا مع نجاست پر ہمیشہ حکم نجاست کا رہیگا جب تک کہ کپڑا اسی حال پر رہے، اسی طرح یہ بھی ہر مسلمان کو جاننا چاہئے کہ احوال کے تبدل سے ہر حکم نہیں بدلتا ہے بلکہ بعض احکام، مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ کسی بے جرم اور معصوم الدم کو مار ڈالنا حرام ہے، لیکن اگر دوسری صورت پیدا ہو۔ اور اکراہ کی حالت ہو اس طرح پر کہ ایک ظالم شخص ایک انسان کو سامنے کر دے اور یہ کہے کہ تو اس انسان کو مار ڈال ورنہ میں تم کو بھی قتل کرتا ہوں اور تلوار بھی سونت لے یہاں تک کہ گردن پر تلوار رکھدے اور اس کو یقین کامل بھی ہو جائے کہ اگر میں اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا ہوں تو میری جان جاتی ہے۔ تو ایسی حالت میں بھی حکم شرعی یہی ہے کہ ہرگز قتل نہیں کرے اگرچہ وہ ظالم اس کو مار ڈالے۔ خلاصہ یہ کہ خود مرجائے مگر ایک دوسرے بے قصور شخص کو جس کا خون معصوم ہے ہرگز نہ مارے جیسا کہ اسکے پہلے غیر اکراہ کی حالت میں مارنا حرام تھا اس سے معلوم ہوا کہ حالات کے بدلنے سے ہر حکم نہیں بدلتا ہے۔

پس عوام الناس کو ان دونوں باتوں کو ہمیشہ کے لئے خوب ذہن نشین رکھنا چاہئے۔ ان دو باتوں کو میں نے اتنی تفصیل سے اس لئے عرض کیا کہ بعض اخبارات و رسائل نے جب کبھی یہ لکھا کہ احوال کے بدلنے سے احکام بھی بدلتے ہیں تو عوام الناس کو سخت بدگمانیاں ہوئیں۔ بعض نے تو یہ خیال کیا کہ شریعت کیا ہے کھیل ہے۔ جب چاہا بدل دیا۔ انہوں نے

پہلی حقیقت کو نہیں سمجھا اور بعض نے یہ گمان کیا کہ احوال کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے اور پھر وہ از خود ہر حکم میں اس قاعدہ کو جاری کرنے لگے اور اس میں تو غالباً بہت سے تعلیم یافتہ بھی مبتلا ہیں۔ ان لوگوں نے دوسری بات کو نہیں سمجھا۔

اس تبدل حکم کا بتانا بھی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ بہرحال میں نے اس سے پہلے عرض کیا ہے کہ موالات از کفار بمعنی نصرت کی بابت احکام شرعی مختلف احوال میں مختلف ہوتے ہیں۔

اور یہ امر خود متفقہ فتوٰی میں مذکور ہے، کہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کی فارسی عبارت جو متفقہ فتوٰی میں درج ہے اس کو غور سے پڑھنا چاہیئے۔

اگر میں اس وقت اقسام کفار اور ان کے تعلقات اور مختلف عوارض و احوال اور پھر نصرت اور مدد کے مراتب کی تفاصیل کی صورتوں کو لے کر ہر ایک کے متعلق احکام شرعی بیان کروں تو یہ میرے لئے نہایت مشکل ہے اور زیادہ طوالت ہو گی اور وقت کی تنگی اسکی اجازت نہیں دیتی۔

اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ ... امور میں ترک موالات کا حکم فتوٰی میں دیا گیا ہے تو فتوٰی میں صرف اس طرح درج نہیں ہے کہ فلاں کام نہ کرو وہ حرام ہے بلکہ اس کے علل و اسباب و دلائل بھی درج ہیں جس سے کشف احوال اور محل حکم پورے طور پر معلوم ہوتے ہیں پھر ان کا حکم بھی دلائل شرعیہ کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے۔

پس کیا آج وہ اسباب و علل اور تمام قباحتیں و شنائع جو کام کے ضمن میں درج کئے گئے ہیں رفع ہو گئے اور وہ تمام مفاسد اور محذورات جو بتائے گئے ہیں، انکا ارتکاب نہیں ہوگا۔

اگر ایسا ہے تو فتوٰی میں جن چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے وہ چیز ہی نہیں ہے تو اسکی بابت فتوٰی بھی نہیں ہے پھر فتوٰی کی تبدیل کی خواہش عبث ہے۔

مثلاً جیسے کسی کو یہ مسئلہ اس وضاحت سے بتایا جائے کہ تو اس کپڑے کیساتھ نماز نہ پڑھ کیونکہ اس میں نجاست لگی ہوئی ہے اس لئے نماز اس کپڑے میں ناجائز ہے تو اگر وہ نجاست زائل کرے تو پھر اس کو یہ کہنے کی ضرورت ہے؟ کہ جناب اب حکم بتایئے کہ آیا اس میں نماز جائز ہے یا نہیں۔

اور اگر وہ تمام مفاسد اور وجوہ جو فتوٰی و تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ کل کے کل یا اس کے بعض اسباب اور وجوہ موجود ہیں تو اس صورت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حکم کا سبب باقی ہے تو حکم بھی باقی ہے پس معلوم ہوا کہ فتوٰی جن علل و اسباب پر مبنی ہے اور ہر طرح پر تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے اسکے رد و بدل کی کوئی حاجت نہیں۔

اس مقام پر ایک اصول شرعی کو اور بھی سمجھ لینا چاہیئے، وہ یہ ہے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ جب مسلمان دو بلادوں

ہیں اور دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے تو پھر اس صورت میں یہ کرنا چاہئے کہ جو آسان اور سہل ہے اس کو اختیار کرے۔

مثلاً شریعت کے مقاصد کی رو سے جان کی حفاظت بھی ضروری ہے اور اپنے نفس کا اہلاک حرام ہے دوسری طرف شراب پینا بھی حرام ہے۔ اب کسی شخص کا کسی مقام پر شدت پیاس سے یہ عالم ہو کہ جان جانے کا ظن غالب ہو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص شراب لا کر دے کہ جس سے اسکی پیاس رفع ہو سکتی ہے اور جان بچ سکتی ہے تو گرچہ شراب کا استعمال حرام ہے لیکن ایسی صورت میں شریعت اس کو اجازت دیتی ہے کہ صیانت اور حفاظت جان کے لئے اس قدر شراب پی لے کہ پیاس رفع ہو جائے اور جان محفوظ رہے مگر یہ ظاہر ہے کہ یہ عموماً انفرادی احکام ہوتے ہیں اور پھر اس اصول پر عمل کرنے میں شخص مبتلا یہ اور مصیبت زدہ کے صحیح اندازہ اور اسکے صحیح ادراک پر رخصت کا دار و مدار ہے۔ لہٰذا حکم کلی تمام افراد کے لئے یکساں طور پر غیر مبتلی بہ کا دینا غیر ممکن ہے۔

اس لئے اس اصول کو بھی غلط طور پر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ اصول بھی متفقہ فتویٰ میں مندرج ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ متفقہ فتویٰ بالکل کامل اور مکمل ہے۔ اس میں تبدیل اور عدم تبدیل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔

التواء ترک موالات۔

حضرات! ترک موالات کے معنی اور اسکے مدارج اور احکام جان لینے کے بعد ترک موالات کے التواء یا عدم التواء کا مسئلہ محض مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے، بلحاظ ترتب احکام آخرت یعنی گناہ اور معصیت کے ایک بے معنی نقطہ ہے۔

اگر ترک موالات کو آج ایک سال کے لئے کانگریس نے ملتوی کر دیا ہے۔ تو وہ کیا قابلِ ملامت ہو سکتی ہے۔ جبکہ وہ ایک محض سیاست دنیاوی کی مجلس ہے جس کے سامنے آخرت کا مسئلہ درپیش نہیں ہے مسلمانانِ ہند کے اکثر افراد نے تو ایک سال نہیں بلکہ سَو سال سے زائد دنوں تک اس کو ملتوی رکھا اور جن کو خدا نے توفیق دی وہ ہمیشہ انگریزوں سے ترک موالات کرتے رہے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ العزیز نے ۱۲۳۹ھ سے پہلے ہی ترک موالات کا فتویٰ دیا تھا۔ مگر دیکھنا چاہئے کہ کانگریس جس کا نقطۂ نظر صرف معالج اور مصالح دنیا ہے اور دنیاوی ترتب آثار اسکے پیش نظر ہے۔ اسکا ایسا کرنا حق بجانب ہے یا نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ کانگریس نے ترک موالات کو اس لئے اختیار کیا تھا کہ اسکے ذریعے حکومت کو مفلوج کر دیا جائے اور حکومت مفلوج ہو کر ہندوستانیوں کے قدموں پر سر رکھ دے۔

لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ اس مقصد کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے کہ جملہ ہندوستانی اقوام متحد ہو کر ترک موالات پر عمل کریں۔ اور ہندوستانیوں کے دلوں میں صادق جذبہ آزادی کے ولولے ہوں اور خود غرضانہ اور خوشامدانہ خیالات

سے انکے دماغ پاک ہوں۔

کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ایک معتدبہ جماعت حکومت سے ہمیشہ بے تعلق رہی اور تمام عمر انہوں نے انگریزوں کا چہرہ تک نہیں دیکھا اور نہ اسکے کارخانہ غلامی کی طرف مزدوری کے لئے کبھی نظر اُٹھا کر دیکھا۔ مگر یہ وہ جماعت تھی جن کی نظر میں ایمان واخلاق کی دولت کی حفاظت آخرت کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز تھی۔ پس کانگریس کے نقطۂ نظر سے جب ترک موالات کے مقصد کا حصول ہندوستان کی متحدہ طاقت پر موقوف تھا اور وہ ہندوستان کی بدقسمتی سے ۱۹۲۱ء کے بعد سے قریب قریب فنا ہو چکی ہے۔ خواہ اس کے اسباب کچھ ہی ہوں اور ذمہ داری کسی پر ہو۔ مگر یہ واقعہ ہے جو موجود ہے۔ تو ایسی حالت میں ترک موالات کا لائحہ عمل جاری رکھنا کانگریس کے لئے ایک احمقانہ فعل کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اسکے مقصد میں آخرت کی نجات کی فکر مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ صرف دنیاوی زندگی کی بھلائی، بخلاف مسلمانوں کے کہ انکے سامنے آخرت کی نجات اہم واقدم ہے اسی کے ساتھ دنیاوی زندگی کی بھلائی بھی، مگر وہ بھی اس طریقہ پر کہ آخرت کے معاملہ میں ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ دنیا کا سرسبز بنانا اور دنیا میں مال و دولت اور حکومت حاصل کرنا بھی آخرت ہی کی دولت کے لئے ہے۔

پس جب کانگریس کے مقصد اور مسلمانوں کے مقصد میں یہ تفاوت موجود ہے تو ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ کانگریس کا ہر فیصلہ مسلمانوں کے لئے قابل عمل بھی ہو۔ ہاں جو امر مسلمانوں کے لئے مفید ہو اور اس کا کوئی اثر مسلمانوں کے دنیا و آخرت کے معاملہ میں مضر نہ ہو تو وہ یقیناً ایسا ہے کہ اس پر مسلمان بھی عمل کر سکتے ہیں اور جو امر دنیا یا آخرت میں مسلمانوں کے لئے مضر ہے وہ مسلمانوں کے لئے قابل عمل نہیں ہے۔ لہٰذا کانگریس کا التوام ترک موالات مسلمانوں کے حق میں کوئی جدید اثر نہیں پیدا کر سکتا۔

ترک موالات سے مسلمانوں کے مقاصد

ترک موالات سے مسلمانوں کے چند مقاصد وابستہ تھے، اور ہیں بعض مقاصد تو وہ تھے جن کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے کہ متحدہ طور پر جملہ اقوام ہند اس پر عمل کریں تو وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ اور بعض مقاصد ایسے ہیں کہ جملہ اقوام عمل کریں یا نہ کریں لیکن اگر مسلمان ہی اس پر عمل کریں تو بھی اُنکا وہ مقصد پورا ہو سکتا ہے، ان سب کا خلاصہ یہ ہے۔

ا:۔ ایک مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور مسلمان کسی کافر کے محکوم ہو کر نہ رہیں اس کے وجوہ اور اسباب جناب مولٰنا حسین احمد صاحب نے جمعیت علماء کے اجلاس کوکناڈا میں تفصیل سے بتلائے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ یہ آزادی علاوہ اس کے کہ دنیاوی زندگی کی بہتری کے لئے ضروری ہے، آخرت کی نجات کے لئے بھی ضروری ہے۔

۲:۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ کم از کم برطانیہ اتنا مفلوج اور اتنا کمزور ہو جائے کہ بیرونِ ہند کے ممالک اسلامیہ پر دست درازی نہ کرسکے۔

۳:۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد و اعمال و اخلاق پر موجودہ حکومت کی غلامی اور اس کے ساتھ اشتراک عمل اور خلط ملط سے جو بُرا اثر پڑتا ہے اور جس سے اسلامی روح مردہ ہو جاتی ہے، یا بعض غلامی کی ضرورتوں میں دائمی جہنمی ہونے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس سے محفوظ رہیں۔ اب غور فرمائیں کہ تین مقاصد میں سے پہلے دو مقاصد یقیناً ایسے ہیں کہ جب تک ترک موالات پر متحدہ طور پر عمل نہ کیا جائے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور بیشک ان دو مقاصد کو پیش نظر رکھ کر صرف مسلمانوں کا ترک موالات محض بیکار ہوگا کیونکہ مقصد پورا نہیں ہوگا۔ والشئی اذا خلی عن المقصد تلغا۔

لیکن تیسرا مقصد ایسا ہے کہ وہ اس پر موقوف نہیں ہے۔ کہ جب تک دیگر اقوام نہ عمل کریں مسلمانوں کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس مقصد سے اپنے ایمان کی دولت کی حفاظت مقصود ہے۔ وہ ترک موالات سے پورا ہو جائے گا اور مغربی ڈاکو جو اختلاط اور خلط ملط اور نوکر رکھ کر مسلمانوں کے ایمان و عمل اور اخلاق کے قلعہ میں نقب لگاتے ہیں۔ اس سے حفاظت ہو جائیگی۔ پس یہ بات واضح ہو گئی کہ کانگریس کے التوا ترک موالات سے خاص مسلمانوں کے حق میں کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ سوا اس کے دو مقصد ان کے معرض خطر میں رہیں گے۔ لیکن تیسرا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

التواء ترک موالات اور مسلمانوں کے لئے طریقِ نجات

حضرات! تیسرے مقصد کے لحاظ سے مسلمانوں کے حق میں التوا ترک موالات کا کوئی اثر نہیں ہے جو حکم پہلے تھا وہی اس کے بعد بھی موجود ہے۔ لیکن ایک صورت ایسی ہے کہ بعض مخصوص مسلمان صورۃً ترک موالات کو اپنے حق میں اغراضِ نجیبہ اور جمہوریہ کو مدنظر رکھ کر ملتوی کر سکتا ہے اور بظاہر موالات کر سکتا ہے اور وہ صورت مخادعت ہے یعنی حکومت سے دشمنی ہونے کے باوجود کوئی شخص اس سے موالات یعنی نصرت کرے اور موالات کرنے کے ساتھ اپنی ایمانی قوت میں اس قدر مضبوط اور پختہ ہو کہ جتنے مفاسد اختلاط اور خلط ملط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان تمام مفاسد سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے اور کسی حرام فعل کا ارتکاب نہ کرے بلکہ نہایت جرأت اور اپنی حکمت عملی سے فعل حرام سے اجتناب کرتا رہے۔ وفاداری کے اظہار میں تعریض و توریہ سے کام لے۔ الغرض اگر تمام منہیات سے اپنے کو بچانے پر قادر ہو تو موالات کی نجاست کے پاس بیٹھے مگر ایسی تیقظ اور بیداری کے ساتھ کہ نجاست سے خود آلودہ نہ ہو اور ان مشکلات میں اپنے کو ڈالنے کا مقصد یہ ہو کہ اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائے۔

یا قوم کو فائدہ پہنچائے یا کم از کم اپنی جان اور عزت کی حفاظت کرے، بہرحال اتنی قیود کے ساتھ جبکہ مسلمانوں کے لئے بھی صورۃً موالات جائز ہوگی۔

مثلاً کوئی مسلمان فوج میں بھرتی ہو اور اتنا قوی الایمان ہو کہ اگر اس کو کسی بے جرم شخص یا کسی مسلمان پر گولی چلانے کا حکم دیا جائے تو وہ قطعاً اس کی خلاف ورزی کرے اور اس کا مقصد اس محکمہ میں پڑنے سے یہ ہو کہ جب ضرورت اور موقع ہو تو اس کے ہتھیار کو دشمن پر استعمال کرے اور مسلمانوں کی حفاظت کرے تو اس کے لئے یہ ملازمت جائز ہوگی اسی طرح کونسل میں جاکر اگر مسلمانوں کی حفاظت کی صورت ہو اور اُسی کے ساتھ اُن سب مفاسد سے جو فتویٰ میں مذکور ہیں بچنے پر کوئی شخص قادر ہو اور وفاداری کے حلف کی معصیت سے بھی بذریعہ توریہ و تعریض کے نجات مل سکتی ہو تو اس مخصوص شخص کے لئے کونسل میں جانا جائز ہوگا۔ اسی طرح یوں سمجھئے کہ کوئی شخص حکومت کے محکمہ میں اس لئے داخل ہوتا ہے اور نوکری کرتا ہے کہ اپنی قوم کی قومی و مذہبی ذمہ دار کارکن کو حکومت کی ریشہ دوانیوں سے قبل از وقت مطلع کرے اور اس کے ساتھ اپنے ایمان و اخلاق کو حکومت کے نجس اثرات سے پاک رکھے تو یقیناً اس کے لئے جائز ہوگا۔ مگر حضرات کو معلوم ہے کہ کروڑوں مسلمان میں چند ہی نفوس ایسے ہوں گے کہ تمام قیود و شروط کو ملحوظ رکھتے ہوئے صورۃً موالات پر صحیح طور سے عمل کر سکتے ہوں۔ ایسی صورت میں کیا یہ ممکن ہے کہ ایک عام فتویٰ موالات صوری کا دیا جائے۔ میں نے شریعت کے اصول اور فروع پر جہاں تک غور کیا ہے، یہ سمجھا ہے کہ عمومی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے کیونکہ ظاہر ہے بجائے اس فتویٰ کے اندر جواز کے لئے جیسے شروط و قیود ہوں گے اس سے بالکل قطع نظر کیا جائے گا۔ اور ہر شخص موالات صوری کرنے کے لئے اس کو ذریعہ بنائے گا کہ جمعیت علمائے ہند نے موالات کا فتویٰ دیا۔ کلمۃ حق ارید بہا الباطل کے عجیب و غریب منظر سامنے آئیں گے اور وہ اصحاب جو تمام منہیات و منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسی فتویٰ کو بہانہ بناکر خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس کے علاوہ عوام الناس جو دقائق و حقائق کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ مطلق موالات بہرحال جائز ہے جس سے ہزاروں مفاسد پیدا ہوں گے۔ اس لئے میں پھر مکرر عرض کرتا ہوں کہ موالات صوری جن قیود و شروط کے ساتھ جائز ہوتی ہے اس کا بھی عمومی فتویٰ نہ دیا جائے تاکہ اکابر علمائے کرام کی جیسی رائے ہو اس پر عمل کیا جائے۔

عدم تبدیل فتویٰ وسعت نظری ہے۔

جو سیاسی حضرات علماء کے متفقہ فتویٰ میں تبدیلی نہ پیدا کرنے کو تنگ نظری پر محمول کرتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ ان تمام تفصیلات کے بعد جو میں نے عرض کیا ہے۔ اب غور کریں کہ عدم تبدیل فتویٰ تنگ نظری پر مبنی ہے یا وسعت نظر پر، اور جو دقتیں آپ کو محسوس ہو رہی ہیں وہ آپ کے خود ساختہ حالات اور آپ کی کمزوریوں کا نتیجہ ہے

ہیں یا علماء کی تنگ نظری اور عدم تدبر کی وجہ سے ۔ خدارا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور انصاف سے فیصلہ کیجئے ۔ اگر آج قوم کے اکثر افراد تعلیم یافتہ ہوں اور شریعت کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے پورے طور پر اسکے احترام کا اپنے عمل سے ثبوت دیں ۔ پھر دیکھئے کہ قوم کے لئے کوئی دقت ہے یا نہیں ۔ علماء ربانی آپ کو ہر میدان میں مختلف اصولوں سے مقابلہ کی اجازت دیتے ہیں ۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ آپ اپنے عمل سے اپنے کو اس کا اہل ثابت نہیں کرتے مجھے معاف فرمایا جائے جو شخص بغیر پوری قوت ایمانی اور عمل کے یہ خواہش کرتا ہے کہ اس کو حکومت سے موالات صوری کی اجازت شرعاً دی جائے تو اسکی مثال یہ ہے کہ کسی کمزور اور نا سمجھ بچے کے ہاتھ ایک تیغ براں دے دی جائے کہ وہ چلائے جس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ خود اپنے جسم کو اپنے ہاتھ سے گھائل کر دے گا ۔

پس میں اپنے اُن محترم سیاسی حضرات سے جن کے جوش اور جذبۂ خدمت کی ہمارے دل میں بڑی وقعت ہے' یہی کہوں گا کہ علماء پر تنگ نظری کا الزام عائد کرنے سے پہلے خود ذرا نظر کو وسیع فرمائیے ورنہ موجودہ حالت میں صرف یہی کہوں گا کہ ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ اگر آپ حضرات کی بعض رایوں سے حضرات علمائے کرام اتفاق نہ کریں اور آپکی منشا کے مطابق رائے نہ دیں ۔ تو یہ خیال نہ فرمائیے کہ حضرات علماء آپ کو مشکلات میں ڈالتے ہیں ۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر حضرات علماء آپ کی ہر رایوں میں موافقت کیا کریں ۔ تو بہت ممکن ہے کہ باعتبار مآل اور انجام آخری کے خود آپ کے لئے سخت مضر ہو ۔ اگرچہ بظاہر دنیا میں کچھ نفع محسوس ہو ۔ اور اگرچہ علماء رسول نہیں ہیں جس طرح آپ صحابہ نہیں ہیں لیکن اگر علماء ربانیین نائب رسول ہیں اور باعتبار ادائے فرض وہ قائم مقام رسول ہیں ۔ تو غیر علماء ربانیین قائم مقام صحابہ ہیں ۔ اس لئے بے موقع نہیں ہوگا ۔ اگر اس مقام پر اس آیت کو تلاوت کردوں ۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمہاری بہت سی باتوں میں رسول اطاعت کیا کریں تو تم مشکلات میں پڑ جاؤ ۔ (حجرات پ۲۶) جس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کی خواہشوں کے مطابق بہت سی باتوں میں رسول اللہ صلعم حکم نہیں دیتے تھے جس سے صحابہ کرام کو بھی کچھ تکلیف محسوس ہوتی تھی ۔ اس لئے اللہ پاک نے انکی تعلیم و تسکین کے لئے یہ آیت نازل فرمائی پس آپ حضرات کو بھی اسی طرح تسکین حاصل کرنی چاہئے اور باہمی رنج و غصہ کر کے علماء اور غیر علماء میں نفرت پیدا نہ ہونی چاہئے ۔

ہندو مسلم اتحاد ۔

سادتی الکرام ! ترک موالات کے سلسلہ میں بعض گوشے اور بھی رہ گئے ہیں جن کو میں عرض نہیں کر سکا اس لئے معافی چاہتا ہوا اب ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر میں اپنے خیالات مختصراً عرض کرتا ہوں ۔ کیونکہ اس کے متعلق بھی جمعیت علماء ہند کا متفقہ فتویٰ ہے اور اسکے علاوہ جمعیت علماء نے اسکی بابت بارہا تجویزیں منظور کی ہیں ۔ اور اس اتحاد کے لئے

کوشش بھی کرتی ہے۔
لیکن اُس کے جواز کے دلائل شرعیہ اور قرونِ اولیٰ کے واقعات بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے دلائل شرعیہ کچھ فتویٰ میں بھی مذکور ہیں اور جمعیت علماء ہند کے سنین ماضیہ کے خطبہ صدارت میں اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اسکی ضرورت کو بھی شرعی طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ اسکی نوعیت بھی بتائی گئی ہے اور اس راہ میں جو مشکلات حائل ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے ازالہ کی تدبیر کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے۔
اس لئے ان تمام امور کے متعلق اب مجھ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمام مقاصد قومی وملی اور گزشتہ واقعات اور حالات کی روشنی میں مجھے صرف چند باتیں اس سلسلہ میں عرض کرنی ہیں۔
حضرات! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کسی سے جنگ کی جائے، وہ تو تمام دنیا کے لئے پیام امن لے کر آیا ہے اور تمام مخلوقات اللہ کی خدمت مسلمانوں کے سپرد کی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ:۔
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ الخ (آل عمران ع ۱۱) جو امتیں لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ان سب میں تم بہتر امت ہو کیونکہ تم دنیا میں امر بالمعروف یعنی ہر نیک اور بھلے کاموں کی اشاعت کرتے ہو۔ اور نہی عن المنکر یعنی بُرے کاموں سے لوگوں کو منع کرتے ہو۔
پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جن اقوام کی خدمت اسلام نے مسلمانوں کے سپرد کی ہو۔ ان سے جنگ کرنے کی تعلیم دے، ہاں البتہ خود انسانی مخلوق کی حفاظت کے لئے بعض حالات میں جنگ کی اجازت ہے بلکہ فرض ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ تمام انسانی ہستی کو بمنزلہ ایک انسان واحد کے خیال کیا جائے اور مختلف ٹولیاں اور آبادیاں اس کے مختلف اعضاء قرار دے جائیں، اور یہ صورت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ جب کسی عضو میں ایسی سخت سمیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ان کو کاٹ نہ دیا جائے تو بقیہ اعضاء بھی اسکی مضرت سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تو اس کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب کوئی فسادی گروہ انسانی ہستی کے لئے زہر خوردہ ہو جاتا ہے تو پھر اس سے قتال کا حکم اسلام دیتا ہے اس لئے جس طرح اسلام میں انتہائی صلح و امن کی تعلیم ہے۔ ٹھیک اسی طرح اجتماع مواد فاسدہ کی صورت میں اسی قوت کیسا تھ جہاد و قتال کی بھی تعلیم ہے اور انسانی زندگی اور انسان کی خدمت کے لئے ان دونوں تعلیموں کا ہونا لازم ہے۔
پس اسلام کی تعلیمات کو محض محاربانہ کہنا اسی طرح نادانی ہے جس طرح اسکی تعلیم کو بہر حال مسالمانہ اور عاجزانہ مسالمات کہنا غلط ہے۔ لیکن ان تعلیمات کا یہ منشاء نہیں ہے کہ کسی دوسری قوم اور دوسری جماعت کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ امن کی زندگی کی تعلیم اسلام میں نہیں ہے اور مسلمانان اس تعلیم کے خوگر نہیں ہیں۔ یہ کہنا ظلم اور سراسر ظلم ہے۔ اگر اسلام کی تعلیم مصالحانہ اور مسالمانہ نہ ہوتی تو علماء ہند ہندو مسلم اتحاد کے لئے فتویٰ کیوں دیتے اور آج تک

اس پر زور کیوں دیا جاتا۔

مگر آپ نے دیکھا کہ ۱۹۲۲ء سے اس وقت تک اس کا کیا حشر ہوا اور بجائے اتفاق کے نفاق بڑھتا گیا اور جتنی تدبیریں کی گئیں سب بیکار ثابت ہوئیں۔

آج سے پہلے نفاق پیدا کرانے کا الزام محض ارباب حکومت کے سر تھوپا جاتا تھا مگر اب یہ تمام باتیں سطح پر آ گئیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ خدا جزائے خیر دے۔ محترم ظفر علی خان اور محترم سیف الدین کچلو کو کہ ان صاحبان نے نہایت صاف گوئی سے کام لیا، اور پردہ چاک کر دیا اور اگر وقت ہوتا تو مزید اندرونی انکشافات کے لئے میں بھی چند واقعات کا اور اضافہ کرتا، مگر اب ضرورت نہیں ہے۔

ہاں اگر ضرورت ہے تو صرف اس امر کی کہ ان تجربات کے بعد ہم غور کریں کہ مسلمانوں کی روش کیا ہونی چاہئے۔

حضرات! مجھے معاف فرمایا جائے اگر میں نہایت صفائی کے ساتھ عرض کردوں کہ میرا عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اگر ہنود مسلمانوں سے متحد ہو کر کام نہ کریں۔ یا ان سے مصالحانہ رویہ نہ رکھیں تو مسلمان ہندوستان میں زندہ نہیں رہ سکتے یا انگریزوں کی غلامی سے نجات نہیں پا سکتے ہیں۔ اور یہ محض تخیل اور شاعری اور جذبہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ اپنی فراست اور بصیرت کیساتھ نہایت ٹھنڈے طور پر غور کر کے عرض کرتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں ہمارے لئے مشکلات زیادہ ہیں مگر اس کے بعد راحت بھی زیادہ ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر ہنود اور دیگر اقوام مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں اور مصالحانہ اور مسالمانہ رویہ اختیار کریں تو یہ طریقہ نہایت اسلم اور نہایت سہل ہے اور تمام اقوام کے لئے یکساں مفید ہے بشرطیکہ جن امور کا لفظوں سے اقرار کیا جائے عمل سے بھی اس کا ثبوت دیا جائے۔ اس اسلوب کے اختیار کرنے میں زندگی پرسکون گزرے گی اور انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کی امید بلد کی جا سکتی ہے اس لئے میں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اتحاد مابین اقوام ہند پر زور دیا ہے اور آج پھر باوجود تلخ تجربات کے کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور بھی مصالحت اور موادعت کی کوشش کر لی جائے اور غالباً اگر تمام ہندوستان میں نہیں تو کم از کم اپنے صوبہ کے علماء کے خدام میں میں پہلا شخص ہوں جس نے سنت نبویہ پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے آگے قدم بڑھایا ہے کہ گھر کی غیر مسلم قوموں سے پہلے مصالحت و موادعت کی جائے۔ پھر بیرونی دشمنوں سے گھر کی حفاظت متحدہ اور مشترکہ طاقت سے کی جائے۔

طریقِ اتحاد۔

حضرات! لیکن ہندوستان کی بدقسمتی سے ہندو مسلم اتحاد کو درست کرنے کے لئے جتنی کوشش کی جاتی ہے ردِ عمل کے اصول سے نتیجہ برعکس برآمد ہوتا ہے اور جس قدر اس کی گتھیوں کو سلجھانے کی سعی کی جاتی ہے اسی قدر اور پیچیدگیاں

بڑھتی ہیں اور مزید شقاق کے اسباب پیدا ہوتے ہیں -

اور اس معاملہ میں عوام کا قصور نہیں بلکہ خواص کا اور خدا کا شکر ہے کہ اب اخص الخواص لوگوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ، اور گاندھی جی نے بھی اس کا اعلان کیا ، مگر مجھے معاف کیا جائے اگر میں اور صاف گوئی سے کام لوں اور کہوں کہ مرتبہ لاتعین میں اعتراف ہے اور صحیح اعتراف ہے مگر مرتبہ تعین میں گاندھی جی غلطی کر رہے ہیں کیونکہ ان اشخاص کو وہ بالکل بری الذمہ سمجھتے ہیں جو حقیقتاً اس راہ میں سخت سنگ راہ روڑے اٹکا رہے ہیں اور اگر چہ بظاہر میں وہ اتحاد کے حامی ہیں مگر نظر عمیق سے دیکھا جائے اور ان کے اعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے ، تو قرآن کے الفاظ میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ :-

یَقُولُونَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۔ جو منہ سے وہ کہتے ہیں ۔ وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے

اس لئے میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ لالہ لاجپت رائے جی اور پنڈت مالویہ جی ویسے نہیں ہیں جس طرح پر گاندھی جی نے ان کو ظاہر کیا ہے اور یقیناً مسلمانوں کے خیالات کی تغلیط میں گاندھی جی دھوکہ کھا رہے ہیں چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ لالہ لاجپت رائے جی نے نہایت جرأت کے ساتھ اپنے جذبات اور اندرونی خیالات کو تمام ہندوؤں کے خیالات بتاتے ہوئے صفحۂ قرطاس پر منقش کر کے تمام ہندوستان کے سامنے پیش کر دیا ہے اور نہایت مفصل تیرہ نمبروں میں تمام مضامین کو سامنے کر دیا ہے تاکہ تمام وہ ہندو اصحاب بھی ان خیالات کو اپنے دلوں میں جگہ دیں جنہوں نے آج تک ان باتوں کو خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا - اب میں منتظر ہوں کہ موجودہ حالت میں گاندھی جی لالہ لاجپت رائے کے متعلق کیا خیال قائم کرتے ہیں اور ان کے ان تمام خصائص کی بابت میرے نزدیک اتنے بڑے ملک میں کہ جس میں مختلف الخیال اور مختلف المذہب لوگ رہتے ہیں اور اس پر مصیبت یہ ہو کہ سمجھدار تعلیم یافتوں کی تعداد نہایت قلیل ہو - ان کے سامنے ایسی باتوں کو پیش کرنے کا اس کے سوا کیا نتیجہ ہوگا کہ نفاق و شقاق کی بیماری کے مریضوں کی تعداد اور زیادہ بڑھے گی - کیونکہ لالہ جی کے نزدیک شقاق کے اصلی جراثیم وہی ہیں جس کو آپ نے تمام ہندوستان میں پھیلا دیا ہے اس کا آخر نتیجہ یہی ہوگا کہ مریض پہلے ہی سے ہیں ان کے مرض میں اضافہ ہو اور جو صحیح و تندرست ہیں - لیکن پوری قوت و مردانگی نہیں رکھتے وہ بھی اس جرثوم سے متاثر ہو جائیں - لالہ لاجپت رائے جی کو یہ باتیں خاص رہنمائے ہند کی مجلس میں پیش کرنا چاہئیں تھیں

خیر لالہ لاجپت رائے صاحب نے ہندوؤں کی نمائندگی کرتے ہوئے جو کچھ لکھا اور جو تیرہ شرائط اصول اتحاد کے انھوں نے پیش کئے ہیں اور ان پر جو تنقیدیں ہو چکی ہیں - آپ حضرات کو معلوم ہیں اور ابھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے -

لیکن میں سمجھتا ہوں جس قدر حقوق و مراعات کے تصفیہ پر بحث ہوتی رہے گی اسی قدر حالت بدتر ہوتی جائے گی - میں یہ کہنا چاہتا ہوں ، اگر واقعی قوم کے ذمہ دار اصحاب صحیح اصول پر کام کرنا چاہتے ہیں اور باہمی جنگ اور فتنہ و فساد کو بند کرنا چاہتے ہیں ، عام ازیں کہ وہ انگریزی حکومت کیساتھ جنگ کریں یا نہ کریں تو سب سے پہلے اسی مقصد کے لئے وہ پہلی منزل

ہدنہ اور صلح کی اختیار کریں۔

اور اس ہدنہ اور صلح میں ایک بات طے کریں کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم سے قومی اور مذہبی معاملات کی انجام دہی میں کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کرے، اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ نہ کرے، اور نہ ایک قوم دوسری قوم کے معتقد علیہ کی نسبت توہین آمیز الفاظ کہے۔ جو شخص اس اصول کے خلاف کرے گا۔ وہ قوم کا دشمن اور انگریزوں کا ہوا خواہ اور ایجنٹ ہوگا۔ ونیز جو شخص اس کے خلاف ظاہراً یا باطناً تعلیم دے اسکی بابت بھی قوم کا یہی فیصلہ ہے کہ قوم کا دشمن اور انگریزوں کا بہی خواہ اور ایجنٹ ہے، یہاں تک کہ اس اعلان پر دستخط کرنے والے بھی اس کے خلاف کارروائی کریں۔ تو اُن کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہے۔

بس صرف اتنی بات پر ہر قوم کے ذمہ دار اور با اثر حضرات اور صوبہ وار آل انڈیا لیڈر سب دستخط کریں۔ اور اس مضمون کو ہر صوبہ کی مخصوص زبان کے علاوہ انگریزی، ہندی، اردو میں اس کثرت سے شائع کیا جائے کہ ایک ایک شخص کے پاس ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہر ماہ میں کم از کم ایک مرتبہ ان اعلانوں کو پہنچایا جائے، اور ہر مرتبہ مختلف عنوان اور سرخیوں کی اہمیت کے ساتھ شائع کیا جائے۔ ہر ہر سال میں تین چار مرتبہ پوسٹر شائع کئے جائیں۔ اور ہر شہر میں کم سے کم ایک آدمی باضابطہ باوظیفہ رکھا جائے۔ کہ ہر ہفتہ ایک عام جلسہ وہ کیا کرے اور شہر کے ہر قوم کے مقامی معززین کو جمع کرے اور اسی ہدنہ کے فوائد کے متعلق تقریریں کرے، اور اگر کوئی پروگرام موجود ہو تو اس پر تقریر کی جائے۔ ورنہ گاندھی جی کا چرخہ ہی سہی، اور یہ کام مرکزی کانگریس کی طرف سے ہو اور تمام اخراجات وہ برداشت کرے۔ اور اس کام کو صوبہ والوں پر ہرگز نہ چھوڑا جائے اور مرکزی کانگریس ہر اشاعت کی کامل نگرانی کرے، کہ تمام پہنچتا ہے یا نہیں۔ اور باوظیفہ کارکن کام کرتے ہیں یا نہیں، اس کے ساتھ جو شخص اشاعت کے لئے مرکز، اور صوبہ اور ضلع میں مقرر ہو۔ اس کو پہلے جانچ لیا جائے کہ وہ دل سے امن وامان چاہنے والا ہے یا نہیں۔

اگر اس کام پر کانگریس کو ایک سال تک دس لاکھ بھی خرچ کرنا پڑے تو یقینی خرچ کر کے آزمائیے، انشاء اللہ تعالیٰ عوام الناس کے دماغ اگر اس تعلیم سے بس گئے تو پھر لڑانے والے مشکل کامیاب ہونگے۔

کانگریس نے کروڑوں روپیہ آج تک خرچ کیا وہ سب باعتبار حصول مقصد کے اب تک بیکار ضائع ہوا لہذا اس معاملہ میں میرے نزدیک اس کو کوتاہی نہ کرنی چاہئے یہ ایک ایسی دفعہ ہے جس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔

باقی رہا کانفرنس کرنی اور تجویزیں پاس کر کے اخبارات میں شائع کرنا۔ یا چھاپ کر ایک ایک کاپی صوبہ یا ضلع کانگریس کمیٹی کے دفتر میں بھیج دینا اس سے کچھ حاصل نہیں۔

گاندھی جی کو چرخہ سے زیادہ امن وصلح باہمی پسند ہے تو سب سے پہلے اس کام کو کریں اگرچہ اس کی مشغولی میں چرخہ چھوٹ جائے۔

اور جمعیت علماء سے میری درخواست ہے کہ اس کے متعلق ایک تجویز کے ذریعہ کانگریس کو باضابطہ مخاطب

کرے۔ اس مدّت کے بعد اور فضا صاف ہوجانے کے بعد دُوسری منزل موادعت کی ہے باہمی معاہدہ اور تعاہد وتناصر کی منزل تو اس وقت ہے جب کہ پہلے امن اور صلح ہوجائے، اور جذبات کا ہیجان رفع ہوجائے۔

مسلمانوں کا اتحاد میں بُنیادی اصُول۔

سادتی الکرام۔ اگرچہ مسلمانوں کا اصُول یہ ہے کہ ہر غیر مسلم بلکہ محارب بھی اگر صلح یا موادعت کی طرف جھکے تو مسلمانوں کو توکل علی اللہ کرکے صلح اور موادعت کرنی چاہئے۔ لقولہٖ تعالیٰ:۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انه هو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبك اللہ (انفال ع ۸)

اگر وہ لوگ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی صلح کے لئے جھک جاؤ۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اور اگر وہ تمہیں فریب دینا چاہیں گے تو بیشک تمہاری مدد کرنے کے لئے اللہ کافی ہے۔

چنانچہ اس منصوص حکم پر مسلمانان ہند بھی عمل کرتے ہیں اور عمل کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے، لیکن ہندوستانی مسلمانوں کا یہ عجیب وغریب مسلک ہے کہ جس قوم سے ملتے ہیں تو پھر اسکی طرف اس قدر جھکتے ہیں کہ اپنے پیر پر کھڑے ہونے کی ان میں طاقت نہیں رہتی ہے یعنی پورا تکیہ، اور بھروسا اس پر کرتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے وقت سے انگریزوں سے سید احمد خان مرحوم نے صلح کی اور مسلمانوں کو اس راہ پر چلانے لگے تو بس فنافی النصاریٰ کا مسلک ہوگیا۔ اور اپنی ہستی کے قیام ونظام کے لئے ہر وقت اُن پر اعتماد کرنے لگے اور انکی مدنیت وغیرہ سب اختیار کرنے لگے۔ اس کے بعد جب انگریزوں سے جنگ ہوئی اور ہندؤں سے صلح ہوئی تو عموماً مسلمان فنافی الہنود ہونگے، حالانکہ کسی غیر مسلم قوم سے صلح یا موادعت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنے عقائد و اعمال اور اخلاق اور تمدن ومعاشرت خصوصی کو مصالح و معاہد قوموں کے اثرات سے پیوست کردیا جائے اور اپنی حیات کے اصل اصول سے بے اعتنائی برتی جائے مگر کیا یہ امر قابل تردید ہے کہ غلامی کا طوق گلے میں پڑنے کے بعد مسلمانوں کی روش ہمیشہ ہر دور میں اُس کے خلاف رہی اور انہوں نے اپنے کو بے پیندی کے بھیڑے کے مانند بنا دیا۔

انگریزوں سے ملے تو انکی خوشامد اور ثناخوانی میں اتنے رطب اللسان رہے کہ الامان والحفیظ۔ یہاں تک کہ قوم کے بڑوں کے سادہ دلوں میں نصاریٰ کی محبت انکے آداب واخلاق کی الفت سرایت کرگئی، اور اسلامی روح فنا ہوگئی اور انکی غلامی کا نہایت مضبوط طوق گلے میں ڈالدیا کہ آج اس کے کاٹنے کے لئے تمام حربے بیکار ثابت ہورہے ہیں۔

اسی طرح آج جب ہندؤں سے صلح وآشتی کے لئے بڑھے تو پھر اس طرف جوش صلح میں حدود سے تجاوز کرگئے اور بلا ضرورت وہ وہ کلمات استعمال کئے گئے اور وہ وہ اعمال اختیار کئے گئے جو اگرچہ ابھی تک کفر وشرک کی حد

تک نہیں پہنچے ہیں۔ اور یقیناً مجھے معلوم ہے کہ بولنے والے راسخ الایمان ہیں۔ مگر یقین کیجئے کہ یہ چیزیں رفتہ رفتہ عوام الناس سادہ لوح مسلمانوں کو ایک دن کفر تک پہنچا دیں گے، مدارات اور مداہنت میں عدم تمیز و تفریق کے باعث سینکڑوں مفاسد غیر محسوس طور پر پیدا ہو رہے ہیں۔ باطل کو لفظ حق سے تعبیر کرنا جس کے لئے لفظ احترام موضوع نہ ہوں ان کے لئے احترام کا استعمال کرنا۔ تمام مذاہب کو یکساں خیال کرنے کی ہدایت کرنا۔ اگر ان لفظوں کے کوئی معنی ہیں تو سوچنا چاہئے کہ آئندہ اس کا کیا اثر ہونے والا ہے اور اس طریقہ کار سے کس قسم کے قبائح اور نتائج پیدا ہونگے۔ علم النفس کی رو سے انسانی طبائع کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بالکل غیر محسوس طریقہ پر رفتہ رفتہ طبائع پر کیا اثر ڈالتی ہے اور آخر بڑھ کر یہ تمام چھوٹے چھوٹے ذرات جو بالکل صغیر اور ابتداً غیر معلوم ہوتے ہیں کیا انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔ کیا کسی نبی کی قوم مسلم نے ابتداً میں بڑے بڑے کلمات کفریہ استعمال کئے اور قصداً سمجھ بوجھ کر اپنی قوم کے اندر مفاسد کو پھیلایا تھا۔ حاشا وکلا۔ بلکہ وہی مدارات اور مداہنت کے عدم تفریق کا نتیجہ ہے کہ روز بروز مصالح قوم اور معاہدہ جماعت کی چھیڑیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اور وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ کا ٹھیک ٹھیک مصداق ہمارے سامنے ہے۔ اور آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ نہایت جرأت کے ساتھ یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون، اس لئے حضرات علماء کرام اور زعمائے ملت سے میری گزارش ہے کہ آپ صلح و آشتی ہر قوم سے کیجئے اور ضرور کیجئے اور آپکا وجود ہی اس لئے ہے کہ دنیا کو امن کا پیغام دیجئے۔ مگر اس کے ساتھ یہ خیال رکھئے کہ مدارات قولی یا فعلی میں ایک ادنی شائبہ بھی اسکا پیدا نہ ہو کہ مذہب اسلام کی سطح کے برابر کسی دوسرے مذہب کو کسی جہت سے جگہ دی جا رہی ہے۔

آپ حضرات علماء ہیں۔ زعماء ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں۔ الفاظ کے قیود۔ اس کے محتملات اور سیاق و لحوق اور مقتضیات احوال کو دیکھ کر صحیح معنوں پر محمول کرتے ہیں۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ آپ کی باتیں جن کے کانوں تک پہنچتی ہیں۔ وہ لوگ ان تمام باتوں سے نابلد ہیں۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ آپ انکی عقل و فہم اور ادراک اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انکی نفسیات کو پیش نظر رکھئے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھئے اور اپنے جادۂ استقامت پر مضبوطی کے ساتھ کھڑے رہئے، اور بغیر ایک انچ کے انحراف کے ہوئے ہر چلنے والے کیطرف ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو پکڑ لیجئے اور شوق سے مصافحہ کیجئے۔ لیکن اپنے جادۂ استقامت پر اپنے کو اتنا مضبوط جمائیے کہ اگر آپ کو کوئی قوم اس جگہ سے ہٹانا چاہے تو ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئے اور اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔

اگرچہ میں اس سے ناواقف ہوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ یقین بلکہ حق الیقین ہے کہ ناممکن نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر برت کر مسلمانوں کو دکھلا دیا اور انکے لئے اس چیز کو دستور العمل بنا دیا۔ وہ نہ ناممکن ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ مگر استقامت اور باہمہ اور بے ہمہ کی منزل پھولوں سے سجی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی راہ میں مخمل کا فرش نہیں ہے بلکہ تمام نہایت بڑے بڑے نوکدار کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔

اللہ اللہ! استقامت کی تو وہ راہ ہے کہ جس کے تفکر سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بال سفید ہو گئے۔ یہ حدیث شریف میں جب میں نے پڑھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیبتنی ہود، تو اس وقت اسکی حقیقت منکشف نہیں ہوئی کہ اس میں کیا خصوصی بات ہے کہ جس کی بابت یہ ارشاد ہے کیونکہ عذاب اور شدائد قیامت، اور امم ماضیہ کے احوال کا تذکرہ تو دیگر سورتوں میں بھی ہیں۔ آخر جب میں نے امام غزالی کی میزان الاعمال کو دیکھا تو حقیقت منکشف ہو گئی۔ اور میرا یقین ہے کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ اس آیت میں "فاستقم کما امرت" کا حکم ہے یعنی استقامت کی نگہداشت اور اسکے تفکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار پیری کو نمایاں کر دیا تھا۔ امام صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منام میں اس حدیث کا مطلب دریافت کیا اور پوچھا کہ شیبتنی ہود سے کیا مراد ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت فاستقم کما امرت کی تلاوت فرمائی۔

اس پر یہ حقیقت واضح ہو گئی۔ کہ طریق استقامت کی نگاہ میں کتنے تدبر و تفکر کی ضرورت ہے اور یہ آپ ہی حضرات کا کام ہے۔ ورنہ یہ معلوم ہے کہ ع ہر گوسنا کے نہ داند جام و سنداں باختن۔

باہمی اتحاد اور اعتصام بحبل اللہ۔

حضرات علمائے ملت اور زعمائے قوم آپ کے لئے جس طرح اقوام ہند سے ہم رنگی اور صلح و آشتی کی ضرورت ہے۔ یا مواخات کی حاجت ہے۔ تاکہ ہندوستان میں ہر قوم با امن زندگی بسر کرتے ہوئے ہندوستان کی آزادی کے میدان میں کامیاب طریقہ پر صف آرا ہوں اور بیرونی سلطین فراعنہ وقت کی فرعونیت کا خاتمہ کر دیں تاکہ ہندوستان کے اندر اگر ایک طرف دنیاوی زندگی بہتر ہو تو دوسری طرف دین اور ملت بیضا کا فروغ ہو۔

اسی طرح بلکہ اس سے زائد اس کی ضرورت ہے کہ تمام اسلامی فریق باہم متحد ہو جائیں .... اور اس طرح بن جائیں کہ "کانھم بنیان مرصوص" کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔

اس مسئلہ کی بابت کسی مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ کالشمس فی نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہے۔ اور ہر مسلم جانتا ہے اور اپنی خاص صحبتوں میں بیٹھ کر اس پر گفتگو بھی کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کے تفرق اور تشتت پر لعنت بھیجتا ہے۔

لیکن باوجود ان تمام امور کے مجھے حیرت ہے کہ پھر مسلمانوں میں باہمی اتحاد اور باہمی تعاون و تناصر کا نام و نشان نہیں ہے۔

اس لئے ان تمام حضرات سے جو مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں اور شقاق باہمی

لعنت کیا کرتے ہیں میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ اس حقیقت کو جب تسلیم کرتے ہیں تو اس کی طرف قدم کیوں نہیں بڑھاتے ہیں، اور کیوں سب سے پہلے دوسروں کو کچھ کہنے کے بجائے اپنے دل میں اتفاق حاصل کرنے کا جذبہ پیدا نہیں کرتے ہیں کیا معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ "أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا" پھر کیا اس آیت کے عموم سے قول اتفاق اور فعل اشقاق خارج ہے ہرگز نہیں میں دیکھ رہا ہوں کہ باہمی شقاق کی خلیج کو جس قدر کشادہ کرنے کے لئے زبانوں سے کہا جاتا ہے۔ اس قدر اپنے اعمال و افعال سے اس کو وسیع تر نہیں بنایا جا رہا ہے اور آئے دن فرقہ بندیوں اور پارٹی بازیوں کے نئے نئے شگوفے پھوٹ رہے ہیں جن کو دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو پھر نہ معلوم قوم مسلم اور اس کی امانت اسلام کا آئندہ قریب میں کیا حشر ہونے والا ہے۔ واللہ عالم الغیب والشہادۃ۔ مگر قرائن سے تو مجھے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ الغرائے "الدین النصیحۃ" تمام ان گروہوں سے جو تفرق و تشتت کو اپنے لئے عملاً انفرادی امتیاز تصور کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ قوم اور ملت کی خدمت صرف اپنے گروہ کے ذریعے سے بہتر طریق پر انجام دے سکتے ہیں۔ اور اپنے ہی چند نفوس سے مل کر اسلام اور قوم مسلم کو ان خطرات سے محفوظ اور مصئون بنا دیں گے تا آنکہ یہود و نصاریٰ اور دیگر دشمنان ملت و قوم کے اندرونی و بیرونی حملوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں گے۔

میں نہایت عاجزانہ اور مودبانہ طور پر یہ عرض کروں گا کہ ع این خیال است و محال است و جنوں کیونکہ پچاس برس سے زائد تک آپ نے ہندوستان میں تجربہ کر لیا۔ جو نتیجہ برآمد ہوا معلوم۔ اگر اس کے بعد بھی تجربہ کا شوق ہے تو کیجئے۔ مگر حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کی روح پاک تو یہ کہہ رہی ہے کہ ع

• "مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ"

اس لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے علماء کرام سے عرض کرتا ہوں کہ خدارا آپ باوجود اپنے عقائد و اعمال شخصی میں اپنی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے، اجتماعی زندگی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اختلاف خیال مانع اتحاد نہیں ہو سکتا کیونکہ آخر صحابہ کرام اور تابعین سینکڑوں مسائل میں باعتبار آراء مختلف تھے، مگر وہاں یہ تمام اختلاف مانع اجتماع و اتفاق نہ ہوئے۔ ہاں جو طغیان بجز خدا کی رحمت اور رحمۃ للعالمین کی برکت سے وہاں نہ تھی وہ صرف ایک بغیاً بینہم تھی اور یہی وہ ایک چیز ہے جو مانع اجتماع و اتفاق ہے۔ یاد رکھئے کہ بنی اسرائیل کے تمام فرق کی ہلاکت کے اسباب آخر کیا ہوئے۔ صرف اختلاف آراء اور مسالک کی حیثیت سے فرقہ بندیاں ہی نہیں تھیں بلکہ وہ اختلاف باعث ہلاکت ہوا جس کی بنا پر بغیاً بینہم فرمایا گیا۔ آپ مجھ سے زیادہ اس حقیقت سے واقف ہیں۔ آیت کی طرف سے اشارہ کر دیا ہے اس کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے۔ پس آج بھی البغی فیما بینہم اور اقتدار اور تعدی اجتماع اور اتحاد باہمی کی راہ میں روڑے ہیں اور تعصب فی الدین کا نام بدنام کیا جاتا ہے آج دنیا میں ہم میں سے کون ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین

کے تصلب فی الدین سے اس کا تصلب فی الدین ہے ۔ اگر تصلب فی الدین اجتماع کے لئے مانع ہوتا تو سب سے
پہلے اجتماع کی بنیاد ہی نہ ہوتی ۔

حضرات! کیا اخیار شرور اور عماد اور عملی فتن کی بابت جتنی احادیث شریفہ ہیں۔ یا علماء کے احوال کے متعلق جو اخبار
ہیں۔ میں عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتا ہوں اور نہ مجھے وقت ہے مگر یہ عرض کروں گا کہ جو حضرات علماء کرام اس دور فتن
میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنا کر نجات کی فکر کر رہے ہیں۔ اور اس مسجد کی جماعت کو اسلام اور وضع اسلام یا
کم از کم ہندوستان کے اسلام کی صیانت سمجھ رہے ہیں اور اپنے مسلک کے خلاف دوسرے مسلک والوں سے جنگ
وجدال کر کے تفریق بین المسلمین کو مصالحت ومسالمت کے ساتھ متحدہ مقصد میں مل کر کام کرنے میں ترجیح دیتے اور اپنے
مخالف کو حسن صحبت اور خندہ پیشانی کے ساتھ مکالمہ کر کے رام کرنا نہیں چاہتے ہیں، اور اس طرح وہ دشمنانِ اسلام کی دست
درازیوں کے ہاتھ کو مضبوط کرتے ہیں۔ انکو صرف ایک حدیث پر غور کر لینا چاہئے اور اپنے دل ہی دل میں تمام اعمال اور
زندگی کے لائحہ عمل کا جائزہ لینا چاہئے :-

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم ان من الناس مفتاح للخیر مغالیق للشر وان من الناس مفتاح للشر مغالیق للخیر فطوبیٰ لمن جعل الله مفاتیح الخیر علی یدیه و ویل لمن جعل الله مفاتیح الشر علی یدیه (ابن ماجہ)

حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک لوگوں میں سے کچھ لوگ خیر کے مفتاح ہیں اور شر کے لئے مغلاق ہیں یعنی شر کو بند کرنے والے ہیں۔ اور کچھ لوگ بیشک شر کے لئے مفتاح ہیں اور خیر کو بند کرنے والے ہیں پس خوشخبری ہے اس شخص کے لئے کہ جس کے ہاتھ پر اللہ نے خیر کی کنجیوں کو رکھا اور ہلاکت ہے اس شخص کیلئے کہ جس کے ہاتھ پر شر کی کنجیوں کو رکھا ۔

حضرات! جس طرح ہندوستان کے طبقۂ علماء کے بعض گروہوں کی غیر مناسب روش اجتماع اور اتحاد باہمی کی
راہ میں سدِّ راہ ہے۔ اسی طرح زعمائے ملت غیر علماء کی بھی باہمی اندرونی رقابت اور انکی پارٹی بازیاں اور اس کے ساتھ
ساتھ ناجائز رویہ اور افتراق انداز کاروائیاں بھی اتحاد واجتماع میں مانع ہیں۔ حالانکہ یہ تمام حضرات بھی اتحاد و
اتفاق کے لئے بہت زیادہ خواہشمند بلکہ سعی بھی کرتے ہیں، اور ان تمام امور سے بڑھ کر ملعون تفریق ہے جو اجتماع
واتحاد قومی کے لئے سب سے عظیم پہاڑ بیچ میں حائل ہے اور قوم مسلم اور اسلام کی ہلاکت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔
اس تفریق سے میری مراد یہ ہے کہ علمائے کرام اور زعمائے ملت غیر علماء میں تفریق اور اندرونی نفرت پیدا ہو
رہی ہے گزشتہ دور میں یہ ملعون نفرت کسی حد تک دور ہو گئی تھی، مگر جب سے ترک موالات کا ولولہ وجوش کم ہوا
اس وقت سے یہ نفرت پھر عود کر آئی اور شاید پہلے سے زائد قوت کے ساتھ زعماء ملت کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے علماء

ظاہر ہو بتفار گیا مسئلہ کونسل میں تمام کا زعماء کی رائے سے متفق نہ ہونا اس کا سبب قرار پایا خیر وجہ کچھ بھی ہو اس وقت میں اپنے زعماء ملت سے جس طرح یہ کہتا ہوں کہ باہمی رقابت اور بیہودہ بسوطا کے ناجائز خیالات کو دور کر دیجئے۔ اسی طرح یہ بھی کہتا ہوں کہ خدارا علماء کو انکے اپنے قدرتی منصب سے ہٹانے کے خیال باطل کو دلوں سے نکال دیجئے اور جماعت علماء کو اپنی محبت والفت کی نگاہ سے دور نہ کیجئے۔

ورنہ یاد رکھئے کہ یہ چیز خود آپ کے دین و دنیا کی مضرتوں کا باعث ہوگی۔ آپ یقین کر لیجئے کہ حضرات علماء کی مدد حاصل کئے بغیر آپ اپنے مقاصد ملیہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جس طرح علماء بغیر آپ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے اور دوش بدوش بٹھائے اپنے جملہ مقاصد اسلامیہ میں فائز المرام نہیں ہو سکتے۔

اگر کوئی شخص یا کوئی مختصر جماعت علماء یا غیر علماء کی بغیر اصول تعاون اور تناصر باہمی اختیار کئے ہوئے اور بغیر اتصالات و اجتماع کے یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے مقاصد ملیہ میں کامیاب ہوگی۔ اور اسلام اور اہل اسلام کو خطرہ سے بچالیگی۔ تو میں اس صورت میں تمام حضرات سے معافی چاہتا ہوا یہ بھی کہوں گا کہ ؎

وَكُلٌّ يَدَّعِيْ بِوَصْلِ لَيْلىٰ ـ وَلَيْلىٰ لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ

حضرات! یوں تو تمام گروہوں میں باہمی کدورت و نفرت اور بغض و عداوت اجتماعی زندگی اور حیات ملیہ کے لئے سم قاتل ہے مگر اس سے زائد علماء اور غیر علماء میں باہمی تنافر و تباغض زہر ہلاہل ہے۔ اور اگر تنگی وقت اور طوالت کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو آج میں طرفین کے وجوہ تنافر کو نہایت وضاحت کے ساتھ ایک ایک کرکے بتاتا۔ اور پھر یہ بھی بتاتا کہ کس شئے کا کیا علاج ہے مگر افسوس کہ میں اس مقصد میں اس وقت بالکل ناکام رہا۔ اگرچہ مسئلہ خلافت کے ضمن میں۔ میں نے بعض رسائل کی تالیف کی تجویز پیش کی ہے اگر ان سب پر عمل کیا گیا تو اس سے بھی اس تباعد کے دور ہونے میں مدد ملے گی۔ اس لئے اس وقت صرف عام حضرات سے یہ گزارش ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کی بھلائی اگر مقصود ہے اور اپنی قوم کو ہلاکت سے بچانا آپ حضرات چاہتے ہیں تو پہلے ان اندرونی امراض کو دور کیجئے اسکی صورت یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ اس حکم کے مطابق عمل کرنے سے تمام مفاسد رفع ہو جائیں گے :-

عن ابی جحیفہ رض قال قال رسول اللہ صلعم ـ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ بڑے بزرگوں کے ساتھ
جالسوا الکبراء وسائلوا العلماء وخالطوا الحکماء ـ بیٹھا کرو اور عالموں سے مسائل پوچھا کرو اور حکماء سے
رواہ الطبرانی فی الکبیر ـ بھی اختلاط رکھا کرو۔

اور اب میں اپنے محترم جماعت علماء کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کرتا ہوں کہ آپ بھی اپنے اخلاق کریمانہ کو وسیع فرمائیں۔ اور اگر زعماء ملت کوئی بات آپ کی شان کے خلاف کہیں تو آپ اس سے قطعاً درگزر فرمائیے۔

اور ایسی صورت ہرگز نہ اختیار فرمائیں جو تباعد پیدا کردے۔ اور اگر وہ آپ کے ان فتاویٰ اور احکام سے جن کو آپ نے نہایت غور وخوض اور تمام ماحول کا لحاظ کر کے مصالح معتبرہ فی الشرع کی بناء پر جاری کیا ہے یا کریں اور وہ انکی سمجھ میں نہ آئے تو ان کو سمجھانے کی آپ کوشش کیجئے۔ اس سمجھانے میں چاہے ان کے سوالات آپ کے نزدیک کسی قدر مہمل ہوں اور طبیعت پر ناگوار ہو جب بھی آپ نہایت ٹھنڈے دل سے سنیں اور ان کے تشفی کرنے کی کوشش کریں۔ اور ان کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی اس خیال کو دور کر کے کہ مصالح کو علماء نہیں سمجھتے ہیں ٹھنڈے دل سے تمام باتوں کو غور سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

اگر اس اسلوب پر دونوں جماعتیں عمل کریں گی تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام وجوہ تباعد و تخالف رفع ہو جائیں گے اور نہایت محبت و الفت سے مل جل کر تمام کام انجام پائیں گے۔ اس موقع پر میں عہد نبوی کا ایک واقعہ سوال وجواب کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ اس میں دونوں جماعت کے لئے بڑی بصیرت ہے اور دونوں کے تحمل و برداشت اور تفہیم و تفہم کے لئے ایک سبق آموز درس ہے:۔

عن ابی امامۃؓ ان فتیً من قریش اتی النبی صلعم یارسول اللہ ائذن لی فی الزناء۔ فاقبل القوم الیہ وزجروہ فقالوا مہ مہ۔ فقال ادنہ فدنیٰ منہ قریباً فقال اتحبہ لامک قال لا واللہ جعلنی اللہ فداک قال ولا الناس یحبونہ لامہاتہم قال اتحبہ لابنتک قال واللہ لا یارسول اللہ جعلنی اللہ فداک قال ولا الناس یحبونہ لبناتہم قال اتحبہ لاختک قال لا واللہ یارسول اللہ جعلنی اللہ فداک قال ولا الناس یحبونہ لاخواتہم۔ قال اتحبہ لعمتک۔ قال لا واللہ یا رسول اللہ جعلنی اللہ فداک قال ولا الناس یحبونہ لعماتہم قال اتحبہ لخالتک قال لا واللہ یا رسول اللہ جعلنی واللہ فداک قال ولا الناس یحبونہ لخالاتہم قال فوضع یدہ علیہ قال اللہم اغفر ذنبہ وطہر قلبہ وحصن فرجہ قال فلم یکن

تعالیٰ حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ قریش کا ایک نوجوان دربار نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے آنحضرت سے زنا کی اجازت چاہی، پس قوم اس کی طرف متوجہ ہوئی اور سب نے اس کو ڈانٹا اور چپ چپ کہنا شروع کیا۔ بعدہٗ آنحضرت صلعم نے اس شخص سے فرمایا کہ تم میرے قریب آجاؤ۔ چنانچہ وہ آنحضرت کے قریب ہو گیا اور اس سے فرمایا کہ کیا تم زنا کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ اللہ آپ پر مجھے قربان کرے تو آنحضرت نے فرمایا کہ ایسا ہی تمام لوگ اپنی ماؤں سے زنا پسند نہیں کرتے پھر فرمایا کیا تم اپنی بیٹی کے لئے زنا پسند کرتے ہو؟ جوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ۔ اللہ مجھ کو آپ پر قربان کرے تو آنحضرت نے فرمایا کہ اسی طرح تمام لوگ اپنی بیٹیوں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے ہیں پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تم اپنی بہن کے لئے زنا پسند کرتے ہو تو اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ اللہ آپ پر مجھ کو قربان کردے آپ نے فرمایا اسی طرح ہر شخص اپنی بہن کے لئے زنا پسند نہیں کرتا۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے زنا پسند کرتے ہو اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ اللہ آپ پر مجھ کو قربان کر دے

الفتی بعد ذالک یلتفت الی شئی رواہ احمد والطبرانی

ورجالہ رجال الصحیح ۔

تو آنحضرت نے فرمایا کہ اسی طرح تمام لوگ اپنی پھوپھیوں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تم اپنی خالہ کے لئے زنا پسند کرتے ہو اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ اللہ آپ پر مجھ کو قربان کر دے تو آنحضرت نے فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے۔ الغرض اسی تفصیل سے یہ سمجھنا کہ جس طرح تم خود اپنے کسی رشتہ دار عورت کے لئے زنا کیا جانا پسند نہیں کرتے ہو اسی طرح اور لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔ تو ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند، پر عمل کرو۔ اسکے بعد رسول اللہ صلعم نے اس پر دست شفقت رکھا اور دعا فرمائی کہ اللہ اسکے گناہ معاف کر کے بخشدے اور اس کے قلب کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت کرے کہ حرام میں مبتلا نہ ہو۔ حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ اس نوجوان کی اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ کسی شئے کی طرف التفات نہیں کرتا تھا

اس حدیث میں علماء کے لئے بصیرت ہے کہ ایک شخص حرام قطعی کی اجازت چاہتا ہے، مگر دیکھئے رسول اللہ صلعم کے چہرہ پر بل نہیں پڑتا ہے بلکہ اس کو قریب بلا کر کتنی تفصیل اور توضیح سے جواب ذہن نشین کراتے ہیں۔ بس اگر آج کوئی آپ سے سود خوری کی اجازت چاہے یا حکومت حاضرہ مسلطہ سے ایسے سوالات کی اجازت چاہئے جو آپ کی بصیرت میں حرام ہو تو اس کو اسی اسوہ کو پیش نظر رکھ کر اسی طرح جواب دینا چاہئے دوسری طرف قوم کے لئے بصیرت ہے کہ دنیا میں حرام کی اجازت کی توقع رکھنا اور پھر اجازت حاصل کرنے کی سعی کرنا کوئی نئی چیز نہیں ہے آخر نوجوان قریشی جس نے اپنے لئے زنا کی اجازت چاہی تھی کیا اسکو حرمت کا علم نہ تھا۔ اگر وہ مباح سمجھتا تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت تھی بلکہ وہ مصلحت کے عام معنی کے اعتبار سے اس نے سمجھا ہوگا کہ چونکہ خواہش کو روکنا اسکی طاقت سے باہر تھا۔ ضبط کو اس نے اپنی صحت کے لئے مضر سمجھا یہاں تک کہ امتداد مرض ہلاکت کا باعث ہے اور جان بچانا فرض ہے۔ ان تمام مقدمات نے اس کے سامنے یہ نتیجہ پیدا کر دیا کہ اعانت مصلحت کی بنا پر ہمارے لئے تو یہ جواز لازم ہوگا۔ مگر ایمان کامل تھا خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ مصلحت اسلام میں معتبر نہ ہو۔ دربار نبوی میں حاضر ہوا اور اجازت کا طالب ہوا۔ جواب ملا کہ نہیں۔ اس مقام پر اگر تمہاری جان بھی جائے تو اجازت نہیں ہو سکتی۔ کہ زنا خود ایک قتل نہیں بلکہ ہزاروں قتل کا باعث ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں، اسی کے ساتھ ایک دوسری بصیرت قوم کے لئے یہ ہے کہ جب اسکو بتایا گیا تو سلامت روی کیساتھ سمجھنے کی کوشش کی اور اپنے قائم کردہ خیال سے علیحدہ ہو کر اس نے سمجھا اور دل کی تشفی ہو گئی اور ایک تیسری بصیرت یہ ہے کہ جواب دینے میں رسول اللہ صلعم نے اگرچہ نہایت تحمل

واطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ مگر دیکھیے بعنوانِ تعبیرِ حقیقت کے سمجھانے کے لئے الیا ہے کہ اگر آج کسی کو اس تعبیر میں کوئی جواب دے تو خدا جانے اس غریب مجیب کی کیا گت بنائی جاتے۔ مگر وہاں سائل کا ضبط و تحمل طمانیت و سکون دیکھئے اللہ اکبر کس اطمینان سے کلام کرتا ہے، غصہ و رنج کا شائبہ تک نظر نہیں آتا اور پھر ایک چوتھی بصیرت یہ ہے کہ سائل کے سوال کو سنتے ہی صحابہ کرام نے زجر کیا اور ڈانٹا۔ کیا آج کوئی مسلم ہستی روئے زمین پر ایسی ہے جو کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ ہو۔ حاشا و کلا نہیں۔

پس جب کوئی عالم ہو یا غیر عالم صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے تو اب غور کیجئے کہ سامعین کے بعض نالائم سوال پر اگر صحابہ کرام نے زجر و توبیخ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور آپ نے زاجرین صحابہ کو زجر کرنے پر کوئی تنبیہ نہیں کی تو کیا اس سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بعض حالات میں اگر کوئی عالم سائل اور مستفتی کو زجر کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور سائل کو چاہیے کہ وہ اس کو برداشت کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے الزامات جس سے طرفین کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے وہ حقائق اور حالات کی ناواقفیت پر مبنی ہے، جو حُسنِ صحبت اور حسنِ اخلاق سے دور ہو سکتے ہیں۔ اور اس راہ کو اختیار کرنا علماء اور غیر علماء دونوں کا فرض ہے۔

سادتی الکرام۔ باوجود اختصار کی سخت سعی کے کلام طویل ہوتا جاتا ہے جس کا نتیجہ آخری یہ ہوگا کہ بہت سے اہم مسائل کے ذکر سے میں قاصر رہوں گا۔ اس لئے اس بحث کو اپنے ضعف و فہم کے مطابق بالکل ناقص چھوڑ رہا ہوں۔ اور اب ایک نہایت ضروری مسئلے پر اظہار خیال کرتا ہوں۔ اور وہ مسئلہ ہندوستان میں قومی تنظیم کا ہے یا یوں کہئے کہ نظام اسلام اور امارت فی الہند کا مسئلہ ہے۔

تنظیم قومی اور امارت شرعیہ فی الہند

علمائے کرام واعیانِ ملت۔ مسلمانوں کی حیات اور اجتماعی زندگی۔ بلکہ محض باعزت زندگی کے لئے اگر کوئی چیز ہندوستان میں ضروری اور لازم ہے۔ تو مسلمانوں کا شرعی اصولوں کے ساتھ باضابطہ منظم ہونا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ چیز جتنی ضروری اور اقدم و اہم ہے اسی قدر اس کے ساتھ بے اعتنائی اور لاپروائی برتی گئی ہے۔ اور آج تک باوجود ادراک و احساس وہی غفلت اور وہی جمود ہے۔

پیہم مصائب اور متواتر آلام کا یہ ثمرہ ہے کہ پہلے اس کا ادراک و احساس افراد تک محدود تھا۔ پھر

منعقد اور منتظم بالشان جماعت کو ہوا اور آج بحمد اللہ یہ حالت ہے کہ ہندوستان کا گوشہ ایسا نہیں جس سے پرجوش آمدآواز سنائی نہ دیتی ہو کہ مسلمانوں کی تنظیم کی ضرورت ہے۔ ہونا چاہیے اور ضرور ہونا چاہیے پس چونکہ نفس مسئلہ تنظیم ایک مسلمہ اور متفق علیہا مسئلہ ہوچکا ہے لہذا مرتبہ عموم میں بلحاظ تعین نوعیت تو اسکے وجوب اور ضرورت پر بحث کی حاجت نہیں اس کے علاوہ جمعیت علماء بہار کے اجلاس خصوصی انتخاب امیر شریعت ثانی کے موقع پر صدارتی خطبہ میں اس مسئلہ کے اکثر پہلوؤں پر مدلل مع اصل عبارت مفصل بحث ہوچکی ہے جس سے ایک متجسس حقائق کے لئے کافی بصیرت حاصل ہوسکتی ہے اور تمام شبہات رفع ہوسکتے ہیں اور وہ چھپ کر شائع ہوچکا ہے اس لئے اور بھی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے گزارش ہے کہ تنظیم کی نوعیت اور تشکیل کی بابت جو میرا مسلک ہے وہ ابھی قدیم اصول کی بنا پر جس کے متعلق شاید کہا جائے کہ آج دورِ جدید کا جدت طراز دامن اس قدیم اصول کے بدمذاق کا متحمل نہیں مگر میں ذاتی حیثیت سے اُس قدیم اصول کی ایک ایک ادا پر قربان ہونے کو سعادت کونین سمجھتا ہوں کیونکہ میں آفتاب رسالت کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ اس لئے یہ بھی عرض کروں گا کہ ؎ چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم ۔ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

ہمارے بہت سے احباب ممکن ہے کہ میری صاف گوئی سے خفا ہوئے ہوں مگر میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مسئلہ کے لئے میرے دل میں انشراح پیدا کرکے اس حقیقت کو ویسا ہی روشن فرما دیا ہے۔ جس طرح کہ سورج کی روشنی ۔ اس لئے اس مسئلہ پر نوعیت و تشکیل کی حیثیت سے بہت زیادہ مفصل طور پر گفتگو کرنے کی خواہش تھی مگر کثرت مباحث اور پھر ہر ایک کی طوالت نے تمنا پوری ہونے نہیں دی ۔

حضرات! جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جمعیت علمائے ہند اپنی ابتدائے وجود سے ہندوستان کی اجتماعی زندگی کے اصولوں کی ترویج اور اس کے قیام کے لئے اہم مقاصد کو پیش نظر رکھتی ہے۔ ادھر عین ہیجان کے زمانہ میں جبکہ صرف آزادی ہند اور ممالک اسلامیہ کی اعانت اور خلافت کی حفاظت کے لئے تحریک ترک موالات کا دارو دورہ ہے اور جس وقت سب سے زیادہ تخریبی لائحہ عمل پر تمام قوتیں صرف ہورہی ہیں۔ جمعیت علماء بھی اس ہیجان میں تلاطم پیدا کرنے کے لئے سرگرم کار ہے، اور وہ ٹھیک اُسی وقت مسلمانانِ ہند کی تنظیم کا خیال کرتی ہے تو مجھے جمعیت علمائے ہند کے ارباب حل و عقد اور اس کے کارکنان کی فراست کی بیحد تعریف کرنی پڑتی ہے۔
جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

چنانچہ انھوں نے اجلاس جمعیۃ العلماء ہند ۱۹۲۱ء امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور کی۔ جو زیر صدارت حضرت علامہ ابوالکلام صاحب آزاد منعقد ہوا تھا۔ اور اسی اجلاس میں امیر شریعت کے اصول کو منضبط کرنے اور بعض امور کی تشریحات کے لئے ایک مجلس بنائی گئی اور اسی اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ ایک ماہ بعد فوراً ایک دوسرا خصوصی اجلاس اس مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند کے لئے منعقد کیا جائے۔ مگر جس ہفتہ میں اجلاس خصوصی تھا وہی وقت

حکومت کے جبر و استبداد کے کامل مظاہرہ اور قوم کے دلیرانہ مقابلہ کا تھا۔ اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اور دوسرے علماء وغیرہ بھی گرفتار ہوئے، اور شاید دشمنانِ اسلام کی طرف سے جا بجا مختلف عنوانوں سے یہ مشہور کیا گیا کہ اجلاس ملتوی ہوگیا۔ بات بھی لگتی ہوئی تھی۔ کیونکہ خاص خاص مراکز میں گرفتاریاں عام تھیں، جن ارکان کے کانوں تک التواء کی غلط آواز پہنچی انہوں نے قرائن پر قیاس کرکے یہ صحیح سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے ارکان نہ پہنچ سکے جن کی موجودگی میں اجلاس منعقد ہو سکتا۔ مگر پھر بھی بعض حضرات علمائے اکابر و بعض ارکان زعمائے ہند پہنچ گئے تھے، مثلاً مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب، مولوی ظہور احمد صاحب سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ وغیرہ، آخر ان حضرات کا باہمی مشورہ ہوا۔ اور اس مجلس نے جو ترتیب مشورہ کے لئے مرتب ہوئی تھی، مسودہ مرتب کیا۔

بعدہٗ کچھ ایسے واقعات و حوادث پیش آئے کہ اس مسودہ پر مجلس منتظمہ کو غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس بناء پر جمعیت علمائے ہند کے اجلاس اجمیر میں یہ غور کیا گیا کہ امارت شرعیہ ہند کے قیام میں چونکہ بہ ہمہ وجوہ متعدد تعویق ہے اس لئے جب تک صوبہ وار امارت شرعیہ کی جائے۔ اور اس لئے جمعیت علمائے ہند نے صوبہ وار جمعیتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تجویز کے ذریعہ سے اُن کو ہدایت کی کہ جلد از جلد صوبہ وار امارت شرعیہ قائم کریں۔ مگر اکثر صوبوں کے ناظمین اس دور میں اپنے صوبہ کے کاموں کے ذمہ دار تھے۔ اس لئے غالباً اس تجویز پر عمل نہ کر سکے۔ پھر فروری ۱۹۲۳ء میں بمقام دہلی جلسہ منتظمہ میں مسودہ فرائض و اختیارات امیر شریعت اور نظام نامہ امارت شرعیہ فی الہند کو طبع کرا کر تمام ارکان انتظامیہ جمعیۃ علمائے ہند اور دیگر اہل الرائے کی خدمت میں بھیجنے کی تجویز منظور ہوئی چنانچہ اس تجویز کے مطابق عمل بھی ہوا۔ یہ ہیں جمعیۃ علمائے ہند کے مساعی جمیلہ جو اس نے ہندوستان کے اندر سب سے پہلے اجتماعی زندگی کے اصول کے قیام اور اجرائے نظام کیلئے آج تک انجام دئے ہیں لیکن افسوس کہ حالات نے مساعدت کی اور عملی شکل اختیار نہیں کی۔ شاید اس تعویق اور تاخیر میں یہ مصلحت ہو کہ اس وقت ہندوستان کے بہت سے ارباب حل و عقد علماء وغیرہ قید خانوں میں محبوس تھے۔ اس لئے امارت کے قیام و استحکام کے لئے ان اصحاب کے باہر آجانے کی ضرورت تھی، تاکہ تمام یا اکثر ارباب حل و عقد علماء و غیر علماء غور و فکر کے بعد ایک مضبوط بنیاد پر اس کو قائم کریں۔ کیونکہ اسکی بنیاد تو انسانی قلوب کی زمین پر ہوتی ہے نہ کہ مٹی کے ڈھیر یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر۔ اور اس کا حصار و اسلحہ خانہ تو صرف حقیقی ایمان ہے۔ نہ کہ توپ و تفنگ۔ اس لئے قلوب کے انشراح کی ضرورت ہے۔ اور انشراح کامل شاید کچھ سکون ہی کی حالت میں ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ تدبر و تفکر سے کام لیا جائے۔

اب وقت ہے کہ علماء و غیر علماء اس مسئلہ پر غور کریں، کیونکہ دونوں میں اہل علم و اہل الرائے حضرات موجود ہیں، جو ارباب حل و عقد ہیں، اور انہیں کا فرض ہے کہ اس مسئلہ پر غور کریں۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کو انجام دیں۔

حضرات! تنظیم مسلمانانِ ہند کی بابت جمعیت علمائے ہند نے ۱۹۲۲ء تک جو مساعی کی ہیں وہ ابھی میں عرض کر چکا۔

اس کے بعد سنہ ۱۹۲۴ء میں ہماری مرکزی خلافت کمیٹی بھی مسلمانانِ ہند کی اندرونی اصلاح اور فلاح کی جانب توجہ کے ساتھ متوجہ ہوئی، اور اس مقصد کے حصول کے لئے تنظیم مسلمانانِ ہند کے نام سے چند کاموں کو اس نے اپنی مجلس میں منظور کر کے ملک کے سامنے پیش کیا اور ان کاموں کے انجام و انصرام کے لئے تمام ملک کو دعوت دی، اور میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ ہمارے فخرِ قوم ڈاکٹر سیف الدین کچلو کم از کم صوبہ پنجاب میں ان کاموں کی طرف سب سے آگے بڑھے۔ خدا ان کاموں کو ان کے ہاتھ سے پورا کرائے لیکن ہماری یہ خوشی نفس کاموں کے انجام کے اعتبار سے ہے۔ نہ یہ کہ میں اس کو تنظیمِ اسلامی سمجھتا ہوں۔

تنظیم کا مصداق۔

میرے نزدیک تنظیمِ اسلامی کے مصداق کی تحقیق کی وہی شکل ہے جس کو آپ عہدِ رسالت میں پاتے ہیں۔ ازاں بعد صحابۂ کرام میں بھی آپ بہتر صورت میں اس کو دیکھتے ہیں۔ تنظیم کی اس تشکیل اور تصور کو چھوڑ کر جو صورت بھی آپ اختیار کریں۔ خواہ بظاہر وہ کتنی ہی مرغوب ہو۔ سنتِ سنیہ و طریقۂ حسنہ کا ترک ہوگا اور چاہے آپ ان جملہ امور کی انجام دہی کے لئے کوئی دوسری صورت اختراع کر لیں، اور آپ کی نظروں میں بہ اعتبار ترتب آثار اور حصولِ مقاصد کوئی وقت بھی محسوس نہ ہو۔ لیکن آپ اس تاثیر و اثر کو جو تشکیل و تنظیم شرعی میں مضمر ہے، نہیں پا سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اس وجوب سے سبکدوش نہیں ہو سکتے جو آپ پر واجب ہے۔ جیسے وضو کے حکم و مصالح جو آج تک بتائے گئے ہیں بجائے سادہ اور خالص پانی کے عرق گلاب سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ وہ بظاہر زیادہ بہتر ہے کہ دل و دماغ بھی اس سے معطر ہونگے۔ لیکن جو تاثیر کہ سادہ پانی سے وضو کرنے میں ہے وہ حاصل نہ ہوگی اور اس لئے اس وضو سے نماز ادا نہ ہوگی۔ اگرچہ تنظیفِ کامل اور بظاہر بہت بہتر صورت ہے۔ اور تزکیۂ قلب صفائی باطن اور دیگر مصالح دینی و دنیوی جو نماز کے اندر آج تک بتائے گئے ہیں۔ وہ سب ایک ایک کر کے ذکر و اشغال اور دوسرے طریق سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ تاثیر اور ثمرات دنیا و آخرت جو نماز کی مخصوص شکل میں ودیعت ہیں حاصل نہ ہونگے اور اس لئے ادائے فریضہ سے سبکدوشی نہ ہوگی۔ وقس علی ہذا۔ اسی طرح تنظیمِ اسلامی و نظامِ اسلام کی یہ مخصوص شکل ہے۔ جو تاثیر و نفوذ ہے اور جو آثار و ثمرات ہیں۔ وہ حقیقتاً دوسری شکلوں سے حاصل نہ ہونگے۔ یہ تمثیلات و تشبیہات بغرضِ تفہیم ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ احکام فرض و واجب کو ایک درجہ میں رکھ رہا ہوں۔ تمثیل مناطِ حکم کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔

موتیوں اور جواہروں کو مسلسل اور مرتب ترتیب کے ساتھ سطح ارض پر رکھا اور جمایا جا سکتا ہے۔ مگر اس سے نظام کا وجود نہ ہوگا کیونکہ تمام جواہر و مروارید کے اندر وہ رشتۂ مروارید نہیں ہے جو ہر مروارید کے ثقوب میں نفوذ

کرکے سب کو اپنے سے منسلک کرتا ہے، اور پھر اگر وہ ٹوٹ بھی جائیں تو تمام جواہر بکھر کر گرد میں جمع ہوجائیں اور اس طرح فنا ہونے سے محفوظ بھی رہیں۔ مگر نظام کی صورت نہ رہیگی:

یہی وہ حقیقت ہے کہ جس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے کافی روشنی پڑتی ہے کہ جو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فتنۂ ذی القصّہ کے وقت فرمایا تھا کہ:-

ولا تفجعنا بنفسك فواللّٰه لئن اصبنا بك لا يكون للاسلام بعدك نظام ابدا۔

(کنز العمال)

آپ مرتدین کے قتال کے لئے خود تشریف نہ لے جائیے اور اقدام شہادت سے ہم لوگوں کو مصیبت میں نہ ڈالیے۔

قسم خدا کی اگر آپکی شہادت کی مصیبت ہم پر نازل ہوگی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا نظام نہیں باقی رہ سکتا ہے۔

کیونکہ وہ رشتۂ مروارید جو آج تمام قریش و انصار کے قلوب میں نفوذ کرکے سب کو منسلک کئے ہوئے ہے اگر خدانخواستہ ٹوٹ گیا تو بہت ممکن ہے کہ پھر کوئی رشتۂ مروارید نہ میسر آئے جو نظامِ اسلام بن سکے۔

پس اگر تنظیم کے یہی معنی ہیں کہ مسلمانوں اور اسلام کا نظام قائم کرنا۔ تو آپ حضرات یقین فرمائیں کہ اسکی شکل یہی ہے جس کو میں پیش کر رہا ہوں، اور جس کو علمائے ربانیین مجھسے زیادہ جانتے ہیں اور وہی حق ہے۔ ع

فان القول ما قالت حذام،

حضرات! مجھے معلوم ہے کہ اس دور میں اس قدیم اصول نظام پر کیا کیا اعتراضات اور شبہات ہیں۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے شبہات تو صرف علائق خارجیہ کے جذب و کشش سے پیدا ہوگئے ہیں اور بہت سے تردوات ماحول کے واقعات اور اخوانِ زماں کی کیفیات نفسیہ سے حادث ہوئے ہیں۔ ان متردوین اور مشککین میں بہت سے ایسے حضرات ہیں کہ اُن کے دل و دماغ پر خارجی اثرات نے اتنا گہرا اثر جما دیا ہے کہ اب شاید انکے دل و دماغ میں حقیقی نظامِ اسلام کی تجسّس کے لئے بھی کوئی جگہ باقی نہیں ہے اور بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ گرچہ وہ بھی کسی حد تک خارجی اثرات سے متاثر ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ وہ اصل نظام کی مکمل صورت کے متجسّس ہیں، اور اگر یقین ہوجائے۔ کہ شرعی اصول سے نظامِ اسلام کی یہی واحد شکل ہے تو یقیناً اس کے آگے جبیں نیاز رکھنے کو تیار ہیں۔

اس لئے مجھے یقین ہے کہ ایسے حضرات کی کامل تشفی اُس وقت ہوجائے گی۔ جبکہ نظامِ اسلام کے متعلق، جمعیت علماء تالیف و تصنیف کا محکمہ قائم کرکے اس ضرورت کو پورا کرے گی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی علمائے ربانیین سے علمی مجالس اور خاص صحبتوں میں گفتگو کرکے تشفی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اگر علمائے کرام کا ایک طرف یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی تشفی و تسکین کا سامان مہیا کریں اور حقائق کے سمجھانے کی کوشش کریں تو دوسری طرف انکا فرض

بیرے کر دو بھی نہایت اخلاص کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔

یہ ضروری نہیں کہ ایک دو صحبتوں میں اگر کسی مسئلہ کے متعلق انشراح نہ ہو تو اس کو خلافِ حق سمجھ لیا جائے ایسا خیال کرنا ہی ضلالت کا باعث ہے۔ کیا معلوم نہیں کہ ائمہ کرام کو ایک ایک مسئلہ کے انشراح کی طلب میں برسوں لگتے تھے۔ ایک ایک بات کی فکر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شب بھر بستر مبارک پر بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلا کرتے تھے، پس اگر آج چند گھنٹوں میں کسی مسئلہ کا انشراح نہ ہو تو اسکی تحقیق سے پہلو تہی نہ کرنی چاہئے۔

سادتی الکرام وزعمائے ملت۔ اگر آپ نے ہندوستان میں تنظیم اہل اسلام کی اہمیت کو محسوس فرما لیا ہے، اور ضرورت بھی محض ضرورت عادیہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ دینی حیثیت سے تو آپ سے میں گزارش کرونگا کہ جو نکتہ تنظیم کی اصل صورت وہی ہے جسے جمعیت علمائے ہند نے ۱۹۲۱ء میں منظور کر لیا ہے۔ اس لئے آپکا فرض ہے کہ آج علمائے کرام وزعمائے ملت جبکہ ایک جگہ ہندوستان کے مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کو سامنے لانا چاہئے اور غور کرنا چاہئے۔ اگر آپ نے مرادآباد میں جمع ہو کر اور کچھ نہیں کیا۔ بلکہ صرف اسی امر کے متعلق عمل کرنے کی کوئی شکل پیدا کر لی تو یقین فرمائیے کہ آپنے سب کچھ کر لیا کیونکہ تمام چیزیں اسکی نسبت فروع ہیں اور یہ اصل ہے۔

اس راہ میں جتنی مشکلات ہیں وہ سب رفع ہو سکتی ہیں۔ اگر علمائے کرام اور زعمائے ملت متحد ہو کر کوشش کریں۔ صرف اخلاص عمل کے ساتھ ہمت اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ؎ فالجد فی الجد والحرمان فی الکسل۔ فانصب تصب قریب غایۃ الامل اور اسی جہت سے نہایت مودبانہ ومخلصانہ گزارش کرتا ہوں کہ ؎

ع التکاسل فی الخیرات تطلبھا ؛ فلیس یبعد بالخیرات کسلان

نظامِ اسلام اور امارت کا مختصر خاکہ۔

حضرات! اگرچہ نظام اسلام کی پوری تشریح اس وقت ہمارے امکان سے باہر ہے مگر مختصراً لفظوں میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جلد جلد جس طرح ممکن ہو اس طرح پر نظام اسلام کو تمام ہندوستان میں جاری کر دیجئے کہ:۔

(۱) شخص واحد پر بالاتفاق یا بکثرت آراء اتفاق کیجئے، جو ذی علم بھی ہو اور مدبر بھی اور صمیم قلب وصدق دل سے اسکے ہاتھ پر بیعت طاعت فی المعروف فرمائیے اور اسکے ہاتھ میں کتاب وسنت دیجئے اور اسکے اعوجاج کی تقویم کے لئے اپنے بازو کو مضبوط رکھئے اور کتاب وسنت کی مخالفت پر فلا سمع ولا طاعۃ کو پیش نظر رکھئے

(۲) ہر ہر صوبہ اور ہر ہر ضلع میں ولاۃ امور مقرر کیجئے۔

(۳) ہر ہر شہر اور ہر ہر گاؤں کے محلے وقبائل میں نقباء اور عرفاء مقرر کیجئے۔

(۴) ہر ایک کے فرائض کتاب وسنت اور آثار ائمہ کرام وفقہائے عظام کو پیش نظر رکھ کر بنا دیجئے۔

۱۰ امارت ہی کے ماتحت بیت المال قائم کیجئے محکمۂ قضاء کھولئے محکمۂ احتساب جاری کیجئے اور دیگر اقتضایات و ضروریات کے محاکم کو رائج کیجئے۔

بغیر اس اسلوب کے اختیار کئے یقین فرمائیے کہ آپ تنظیم کے مقاصد میں کامیاب نہ ہوں گے مثلاً فرض کیجئے کہ آپ یہ تو چاہتے ہیں۔ کہ بیت المال ہو تمام زکوٰۃ و عشر انفرادی طور پر صرف نہ ہو بلکہ بیت المال کے ذریعہ جمع ہو کر تؤخذ من اغنیائہم وترد علی فقرائہم پر عمل درآمد کیا جائے۔ مگر میں دریافت کرتا ہوں۔ کہ بغیر والی و امیر بنائے ہوئے جو اولو الامر کا ایک مصداق ہے کس شخص کو اغنیائے سے مطالبہ کا شرعاً حق حاصل ہے اور کون شخص یا مجلس ہے جو اغنیاء سے یہ کہے کہ تم کو شرعاً اپنی زکوٰتیں ہمارے عمال کے سپرد کرنی پڑیں گی، اگر تم انحراف کرو گے تو کم از کم گنہگار ہوگے۔

مطالبہ کا حق شرعاً ہونا اور چیز ہے اور ترغیب علی الخیر اور چیز ہے۔ موجودہ حالات میں اہل مدارس یا مجالس جو زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔ تو وہ مطالبۂ حق نہیں ہے۔ بلکہ ترغیب علی الخیر کی صورت ہے۔

صرف اسی ایک مسئلہ کو سامنے رکھئے اور دیکھئے کہ آپ کے نفس مقاصد کے لئے کونسی راہ بہتر ہے۔ علمائے کرام کو تو اس مسئلہ میں مجھ سے زیادہ بصیرت حاصل ہے باقی دیگر حضرات کے لئے اس مسئلہ پر گفتگو کی ضرورت تھی اور مفصل مع بیان ماخذ و مدارک۔

کیونکہ صرف مجتہدین اور فقہاء کے اقوال کا ان سے نقل کر دینا تو شاید کافی نہیں ہے کیونکہ ہم رجال و نحن رجال کا غلغلہ ان دنوں ازمنۂ ماضیہ اور سنین خالیہ کے اعتبار سے زیادہ بلند ہے۔ اور چونکہ میں اس وقت اس مسئلہ کے ماخذ و مدارک کو بیان کرتے ہوئے پوری تشریح سے بالکل قاصر ہوں اس لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ میں نے توجہ دلا دی اس کی تحقیق کر لی جائے۔

آخر میں اس بحث کو ختم کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے جس چیز کی آج ضرورت ہے، حصول سوراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی۔ بلکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل کو قریب کرنے کے لئے جو چیز سب سے زیادہ مفید ہوگی یہی نظام اسلام یعنی امارت شرعیہ ہے۔

حضرات! یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ میں جس نظام کی دعوت دے رہا ہوں اس سے مقصود شخصیت پرستی ہے۔ بلکہ میں وحدت پرستی کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ جس طرح شخصیت ملعونہ کے قلادہ کو نکال پھینکئے اسی طرح جمہوریت مخترعہ کے طوق کو کاٹ ڈالئے اور اس سنت سنیہ کو اختیار کیجئے جس کی اتباع میں دارین کی فلاح ہے اور سنت سنیہ کی راہ وہی ہے جس کا ادنیٰ خاکہ میں نے پیش کیا ہے علاوہ اس کے جس کا نقشہ حسب بیان بعض صحابی قرآن میں موجود ہے۔ تو میرا یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ نظام اسلام کا وہ خاکہ جو میں نے پیش کیا ہے یا جمعیت علماء کے سامنے ہے۔ آج قرآن میں موجود ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین وعضوا علیہا بالنواجذ۔

جمعیت علماء ہند کا استحکام۔

علماء کرام وزعماء ملت۔ اس جمعیت کا نام جس کا یہ اجلاس ہے اگرچہ نام جمعیت علماء ہند ہے جس سے ناواقف لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ اس جمعیت کے تمام ارکان اور ارباب حل وعقد صرف علماء ملت ہونگے مگر آپ حضرات پر واضح ہے کہ تسمیہ باعتبار اعضاء واجزاء کے ہے۔ ذرا یہ اقتضا ہے کہ اس کے ارکان میں دیگر اہل الرائے حضرات شامل نہیں ہیں یا انکے لئے یہاں کا دروازہ مسدود ہے۔

مجھ کو ایسے بندوں کے اس حسن تدبیر سے بیحد مسرت ہوتی ہے کہ انھوں نے علماء وغیر علماء کے خلیج کو پاٹنے کے لئے ایک بہتر صورت پیدا کر دی ہے اس کے علاوہ چونکہ علماء ربانیین نے جمعیت علما کے مقاصد میں سیاست کو بھی داخل کیا ہے جو ایک مناسب اور ضروری امر تھا۔ اس لئے بھی ضرورت تھی کہ جو حضرات سیاست مغربیہ سے زائد واقفیت رکھتے ہوں انکو مشورہ میں شریک کیا جائے اور سیاست مغربیہ کی چال بازیوں کو سیاسی حضرات سے معلوم کیا جائے اور ادھر سیاسی حضرات علماء ربانیین شریعت کے ان اسلحہ کو معلوم کریں جس سے سیاسیات مغربیہ کی چال بازیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ سیاسیات مغربیہ کے اسلحہ خانوں سے جو اسلحہ وہ خود حاصل کریں اسکو علماء شریعت کے سامنے پیش کر کے اسکا قابل استعمال من حیث الشرع ہونا معلوم کریں۔ اور یہ علما ہی کی کثرت ہی سے ہو سکتا ہے۔

پس جس طرح سے یہ حقیقت جمعیت علماء ہند کی صورت نوعیہ پر تصویب کی مہر لگاتی ہے اسی طرح اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ اگر آج ہندوستان کی سرزمین میں سب سے زیادہ کسی جمعیت کی ضرورت ہے تو وہ جمعیت علماء ہند کی ہے۔ تمام علماء ہند وزعماء ہند وعوام الناس کا اولین فرض ہے کہ اسکو مضبوط کریں اور اسکی مضبوطی قلوب میں اس کو جگہ دینے اور پھر اسکے خزانے کو معمور کرنے سے ہو سکتی ہے۔ اگر آج تمام ہندوستان کے ہر گوشہ میں اسکی شاخیں نہ پھیلیں، تو قصور تمام ارکان اور بعدہٗ دیگر حضرات کا ہے محض عہدہ داروں پر ذمہ داری ڈالنا میرے خیال میں ناانصافی ہوگی پس تمام حضرات سے میں درخواست کرتا ہوں کہ اس کے استحکام کیطرف خصوصیت سے توجہ کیجئے اور بالخصوص اپنے محترم علماء کرام اور زعماء ملت سے میری یہ التجا ہے کہ خدارا غفلت نہ کیجئے۔ تنافس کو چھوڑیئے اور لاحاصل بحثوں میں نہ پڑیئے کہ دین الٰہی کے کاموں کو اس سے عظیم نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا تمام خیالات فاسدہ کو چھوڑیئے اور عزمیت کیساتھ کام شروع کیجئے آپ کے قدم مضبوطی سے جم جائیں گے۔ یا ایہا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (سورہ محمد رکوع ۱)

میرے اس کلام سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہندوستان کی دوسری قومی مجالس کو لغو اور بیکار محض سمجھتا ہوں بلکہ انکو بھی میں ایک مفید شئی سمجھتا ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ میں جمعیت علما کو باعتبار ضرورت اور اہمیت اولیت کا مرتبہ دیتا ہوں اور بقیہ مجالس

کو ثانویت و ثالثیت کے مراتب خیال کرتا ہوں :-

۷۸۶

الخطاب بالعلماءِ الکرام ۰

ایها العلماءِ الکرام والبلاءِ الفخام

اعلموا انکم فی زمان قد ظهرت الفتن والشر وبرزت المنکرات والفجور
حتی لا یبتاء باصول الشریعة - وکل سفیه جاهل قد یستهزء بجذ ولسهاد
تطوفها ولا اظنکم فی جهل مما یمکره الماکرون ۔ یریدون ان یضلوکم و
انتم لا تشعرون ونکما ان اعداء الدین قد جمعوا الکم القبائل کذلک الزنادقة قد
نصبوا الکم الحبائل الا تعلمون - ان الکفرة الفجرة من الیهود والنصاری والمشرکین
قد تسلطوا علی بلادکم وعلی اکثر قارات المسلمین وجعلوکم ومن مضی قبلکم قریبا من
المقهورین فصار المسلمون تحت سیطرتهم کانهم کرة یلعب بها الاطفال او کانهم
مجنون فلا یضرب بهم الا مثال ثم بعد ذلک افسدوا علیکم دینکم ودین ابائکم و
یریدون ان یخرجوا من حد رقلوبکم الایمان لتطمئن انفسهم بان لا یبقی علی ظهر الارض
عبد من عباد الرحمن حتی یزاحمهم فی استعباد العبادة واستعمار البلاد ویجاهدهم
لاعلاء کلمة الله فی البر والبحر باللسان والسنان وهم قد کانوا فی خشیة منکم
من قبل فهل انتم به مذعنون قد قال الله تعالی ولانتم اشد رهبة فی صدورهم
من الله وذلک بانهم قوم لا یفقهون - فایها السادة انتم اعلمون منی بما قلت
او اقول ولکنی الآن باذنکم وسمحکم لی احترء علی الجهارة بانه لا ریب فی ان کل
ما وقع علینا فانما منبعه اختلاف العلماء بغیا بینهم فی دینهم وتحاسدهم دنیا بعضهم
بینهم فیما بینهم وتقاعدهم عن الدخول فی الامور الاجتماعیة وتوسیدها
الی غیر اهلها وقد تعلمون شناعة هذه الامور وخیانة تلک الشرور وانکم علی بصارة
وبصیرة بما ورد فی الخبر سید البشر من ان اشرار الخلق هم شرار العلماء کما ان خیار الخلق
هم خیار العلماء فتفحصوا ومیزوا بین الخیار والشرار لان لا یکون علینا وعلیکم الوبال
فی هذا الدیار وتلک الدار۔ یا ایها الامناء هل انتم لاماناتکم راعون وعلی عهود الله

ورسوله تخافون وتعلمون انه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحقر احدکم نفسه قالوا یا رسول الله کیف یحقر احدنا نفسه قال یری امر الله علیه فیه مقال ثم لا یقول فیه فیقول الله عزوجل له یوم القیامة ما منعک ان تقول فی کذا وکذا فیقول خشیة الناس فیقول فایای کنت احق ان تخشی وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا معاشر المهاجرین خمس اذا ابتلیتم بهن واعوذ بالله ان تدرکوهن لم تظهر الفاحشة فی قوم حتی یعلنوا بها الافشا فیهم الطاعون والاوجاع التی لم تکن مضت فی اسلافهم الذین مضوا ولم ینقصوا المکیال والمیزان الا اخذوا بالسنین وشدة المؤنة وجور السلطان علیهم ولم یمنعوا زکوٰة اموالهم الا منعوا القطر من السماء ولولا البهائم لم یمطروا ولم ینقضوا عهد الله وعهد رسوله الا سلط الله علیهم عدوا من غیرهم فاخذوا بعض ما فی ایدیهم وما لم تحکم ائمتهم بکتاب ویتخیروا مما انزل الله الا جعل الله باسهم بینهم (رواهما ابن ماجه) وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه فلا یغیروا الا اصابهم الله بعقاب من قبل ان یموتوا وقال ابوبکر رضی الله عنه بعد ان حمد الله واثنی علیه یا ایها الناس انکم تقرؤن هذه الایه وتضعونها علی غیر مواضعها علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم وانا سمعنا النبی صلی الله علیه وسلم یقول ان الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیه اوشک ان یعمهم الله بعقاب (رواهما ابوداؤد)

وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما ضل قوم بعد هدًی کانوا علیه الا اوتوا الجدل وقال علیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وان عبدا حبشیا وسترون من بعدی اختلافا شدیدا۔ وقال الله تعالٰی ومن احسن قولا ممن دعا الی الله وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم وما یلقها الا الذین صبروا وما یلقها الا ذو حظ عظیم

یا مصابیح الخلق علیکم التفکر والتدبر فی هذه الایات والاخبار ثم بعد ذلک علیکم التدبیر والاقدام علی ما یستضیء به الافاق والاقطار فنوروا بانوار افکارکم الادمغة والقلوب وزکوا انفسکم عن الغلول والضغائن حتی لا یبقی بینکم شیئا من بواطن الحبوب

وشمروا عن ساق الجد لمنصب الوالی الاعظم او ولاة المقاطع الایات لتقدروا علی تمکین انفسکم فی الارض ونشر الاحکام والایات۔ وان لم تکونوا ممن یکون لہذہ الامور وان لم تجتہد واتمن یجتہد الی مر الدھور ولست بظان انکم تتاسفون علی ھذہ الفوضویۃ اللتی لاتدفع الابنصب الولات ولکننی عاجز عن درک ما یمنعکم عن التعزم مع نظرکم ما یفعلہ العداۃ والغلاۃ فانظروا الی ما نیل فی فوضویۃ کل جیل وفیہ العبرۃ ودلیل لکل خبیر وعقیل ؎

لن یصلح الناس فوضی لا سراۃ لہم

ولا سراۃ لہم اذا جہالہم سادوا

فقوموا ایہا السادۃ علی اتداکم ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم حتی تکونوا من الصاغرین۔

بارک اللہ لنا ولکم فی الحیات الدنیا والاخرۃ وحفظکم عن جمیع ما یضرکم فی الدارین من وساوس الفسقہ والفجرۃ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین الی یوم الدین۔

معذرت۔

سادات الکرام و دیگر حاضرین! ۔میں نے آپ حضرات کا بہت زیادہ وقت لیا اور حد سے زائد سمع خراشی کی۔ پھر بھی ضروری مسائل بالکل رہ گئے۔ مثلاً آزادی ہند کہ میرے نزدیک یہ بھی نہایت ہی اہم اور ضروری مسئلہ ہے۔ و نیز شدھی و سنگھٹن۔ تبلیغ و اشاعت۔ تعلیم و تعلم اور سب سے بڑھ کر نظام علماء اور ان کی معاشرت وغیرہ ع

کہ پریشانی ایں سلسلہ را آخر نیست

پس میں اب تمام حضرات کی خدمت میں مودبانہ گزارش کرتا ہوں کہ ہمارے اس کلام طویل اور جمل سے جن حضرات کو کسی قسم کا صدمہ پہنچا ہو وہ حضرات للہ معاف فرمائیں اور مجھے معذور سمجھیں کیونکہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ نہایت اخلاص اور درد مندانہ جذبات کی بنا پر اور اپنے فہم و ادراک کے مطابق مذہبی و قومی فرض سمجھ کر۔ اس سے کسی کی دل آزاری ہرگز مد نظر نہیں۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار
ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان - ولا تجعل فی قلوبہم
غلا للذین اٰمنو - ربنا انک رؤف رحیم ۰
ربنا لا تواخذ نا ان نسینا او اخطاْنا - ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ
علی الذین من قبلنا - ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا
وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین - ربنا افتح بیننا وبین قومنا
بالحق وانت خیر الفاتحین - والسّلام

خادم الاسلام ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہٗ
البہاری عفی عنہ الباری
یوم پنجشنبہ ۱۲ رجمادی الاٰخریٰ ۱۳۴۳ھ ہجری النبویؐ
[۸ رجنوری ۱۹۲۵ء]

ماخذ: ابوالمحاسن محمد سجاد نقشبندی، خطبۂ صدارت، اجلاس خصوصی ششم جمعیت العلماء ہند مراد آباد ۵ تا ۱۰ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ بمقام مراد آباد، مراد پور پٹنہ (عظیم آباد) ق ن، ۲۰۳ ص -

۱۸

تجاویز

تجویز نمبر ۱/۴ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس ام الاحرار بی اماں صاحبہ کی وفات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔
مرحومہ دورِ حاضرہ کی زمانہ شناس اور باہمت خاتون تھیں اور ملک وقوم کی خاطر اس پیرانہ سالی میں بے حد محنت ومشقت برداشت کر کے ملک میں بیداری پیدا کرنے کی مساعی میں مشغول ومنہمک رہتی تھیں۔ خدا تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے اور ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔
یہ اجلاس مرحومہ کے قابلِ قدر فرزندوں ودیگر اقارب کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۲/۵ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین صاحب کی خدمت میں امیر الشریعۃ کے منصبِ جلیل کے لئے منتخب ہونے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور صوبۂ بہار کی خوش قسمتی سمجھتا ہے کہ ان کو ایک قابلِ فخر امیر الشریعۃ کے انتخاب کی توفیق حضرت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولانا کے عہد امارت کو کامیاب اور ان کی برکات سے صوبہ بہار واڑیسہ کو متمتع فرمائے۔ آمین

تجویز نمبر ۳/۶ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس رویّہ کو جو برطانیہ نے مصر میں سر لی سٹیک کے واقعہ قتل کے بعد اختیار

کیا ہے۔ قانون انصاف و عقل کے خلاف سمجھتے ہوئے اظہارِ نفرت کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ سخت گیری واقعہ قتل کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ مصر کے ساتھ مخصوص ہے۔ بلکہ برطانیہ کی ہوسِ ملک گیری کا بین ثبوت ہے کیونکہ کسی ناعاقبت اندیش کے فعل پر پوری قوم کی آزادی سلب کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ یہ جلسہ مصری قوم کے ساتھ اس واقعہ میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ یہ واقعہ مصری قوم کی آزادی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا قوی وسیلہ بن جائے گا۔

تجویز نمبر ۴/۷ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس واقعہ گلبرگہ پر دلی رنج و غم اور افسوس کا اظہار کرتا ہے اور حضور نظام شاہ دکن کے عدل و انصاف پر بھروسہ اور تحقیقاتِ فساد کے متعلق اِن کے صادر شدہ احکام و فرامین کو قابلِ اطمینان سمجھتا ہے۔

تجویز نمبر ۵/۸ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس واقعہ کوہاٹ پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے، کہ اس قسم کے واقعات و مناقشات ہندوستان کی غلامی کی کڑیوں کو زیادہ مستحکم اور مضبوط کرنیوالے ہیں۔

اجلاس کو یقین ہے کہ اگر وُہ رسالہ جس میں اِسلام و پیغمبرِ اسلام کے خلاف سخت دِل آزار اور جگر خراش حملے تھے شائع نہ ہوتا اور اگر نہتے مسلمان لڑکوں پر ابتداءً فائر نہ کیا جاتا تو یہ افسوسناک واقعات پیش نہ آتے،

اس لئے یہ اجلاس مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وُہ ایسے خوفناک واقعات کے حقیقی اسباب پر غور کریں اور ان کے انسداد میں پوری ہمت سے کام لے کر آئندہ کے لئے ناممکن الوقوع بنادیں۔

بعض اکابر ہنود کے اس ناواجب رویہ کے خلاف انہوں نے مسلمانانِ کوہاٹ پر تشدد و تعدی کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور خیال کرتا ہے۔ کہ ان اکابر کا یہ طرزِ عمل ہندوستان کی آزادی اور اہلِ اسلام و اہلِ ہنود کے مابین مصالحت و اتحاد کو معرضِ خطر میں ڈالنے کا باعث ہوگا۔

تجویز نمبر ۶/۹ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس شریف حسین اور اس کی حکومت سے مکہ معظمہ کی تطہیر کو موجبِ مسرت و ابتہاج سمجھتا ہے اور سلطان ابن سعود کے اس مخلصانہ اعلان پر کہ وُہ مکہ معظمہ کی حکومت کا فیصلہ موتمرِ اسلامی کی

رائے پر چھوڑتے ہیں ان کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔ نیز توقع رکھتا ہے کہ وہ اس طرح کے واقعات پیش نہ آنے دیں گے جو عالم اسلامی میں کسی قسم کا انتشار پیدا ہونے کا باعث ہوں۔

تجویز نمبر ۷/۱۰ -

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس حضور نظام کے مطالبہ واپسی برار کو حق و انصاف پر مبنی سمجھتا ہے اور حضور نظام کے وعدۂ عطا حکومت خود اختیاری کو بنظر اطمینان دیکھتا ہے اور اہل برار کی خوش قسمتی اور ہندوستان کی آئندہ حکومت خود اختیاری کے لئے فال نیک جانتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ ہر منصف مزاج ہندوستانی اس سچے مطالبہ کی حمایت کرے گا۔

تجویز نمبر ۸/۱۱ -

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس تمام ایسے قوانین کو جو عورتوں وغیرہ کو میراث نہ دینے اور طلاق و تفنیت وغیرہ کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کسی رسم و رواج یا دوسرے وجوہ پر مبنی ہو کر وضع کئے گئے ہوں مسلمانوں کے مذہبی احساسات کے لحاظ سے موجب رنج و تکلیف اور باعثِ توہین احکام اسلام سمجھتا ہے اور ان مسلمانوں کو جن کا ایسے قوانین منسوخ کرانے میں پورے طور پر منظم کوشش کریں اور اپنے تمام معاملات کا فیصلہ قوانینِ شرعیہ کے خلاف کسی دوسرے طریقہ پر ہرگز نہ کرائیں۔ کیونکہ غیر شرعی فیصلوں پر رضامندی کے ساتھ عمل کرنا سخت ترین معصیت ہے۔

تجویز نمبر ۹/۱۲ -

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس امیر علی کی ان تمام کوششوں کو جو جنگ کے لئے کی جا رہی ہیں۔ سخت خطرہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں اجانب کی دسیسہ کاری اور خفیہ یا علانیہ اعانت کی صریح علامات ہیں اور جس کے متعلق بہت سے وجوہ اشتباہ کے ظاہر ہو رہے ہیں۔

اجلاس اس امر کا علی رؤس الاشہاد اعلان کرتا ہے کہ جزیرۃ العرب کے معاملہ میں کسی غیر مسلم طاقت کی مداخلت کو کسی حالت میں مسلمان گوارا نہیں کر سکتے۔

تجویز نمبر ۱۰/۱۳

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس غازی امیر عبد الکریم و مجاہدین ریف کو ان کی سرفروشانہ مساعی حریت اور شاندار کامیابی پر ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہے اور حق تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ مجاہدین ریف کے مقاصد علیا کو پورا فرمائے۔

تجویز نمبر ۱۱/۱۴ -

چونکہ مسلمانانِ ریف کی مالی امداد کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا جمعیۃ العلمائے ہند کا یہ اجلاس حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بناتا ہے جو روپیہ بھیجنے کے معتبر ذرائع معلوم کرے۔ اور اگر اس کے علم میں کوئی اطمینان بخش ذریعہ آجائے تو جمعیۃ العلماء ہند کی جانب سے امدادی اپیل شائع کی جائے۔

صدر :- ناظم۔ حکیم اجمل خان صاحب۔ مولانا محمد علی صاحب۔ مولانا مظہر الدین صاحب۔ اس کمیٹی کے داعی مولانا مظہر الدین صاحب ہوں گے۔

تجویز نمبر ۱۲/۱۵ -

(الف) جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس امیر علی کے اس فعل پر کہ مکہ معظمہ میں سامانِ خورد و نوش وغیرہ بہم پہنچنے کے وسائل پر بندش عائد کردی گئی ہے جس کی وجہ سے باشندگانِ حرم محترم سخت تکلیف اٹھا رہے ہیں سخت نفرت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو احکامِ اسلام اور انسانی ہمدردی اور احترام بلد امین کے منافی سمجھتا ہے اور دول اجنبیہ کی حیلہ جو پالیسی کے لئے مداخلت کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ اس صورت میں پیدا ہوتا ہے، جو یقینی طور پر اسلامی مفاد اور احکامِ شریعت کے خلاف ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ امر اس غم و غصہ کو بہت زیادہ بڑھا دے گا، جو خاندان شریف کے متعلق عالم اسلام میں پہلے سے موجود ہے۔

(ب) اور یہ جلسہ جناب صدر سے درخواست کرتا ہے کہ اس تجویز کی نقل بذریعہ تار امیر علی کے پاس بھیج دی جائے۔

تجویز نمبر ۱۳/۱۶ -

آج مسلمانوں کو اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ علماء اسلام نفسِ اسلام کی حفاظت کو اپنا اہم فرض جانیں۔ جہاں اسلام کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو وہاں مخصوص جماعتی نزاع کو ترک کر کے نفسِ اسلام کی عزت کو بچانے کے لئے متفق ہو جائیں۔

اس لئے جلسہ ہذا علمائے اسلام سے خاص طور پر بزور اور بامید التماس کرتا ہے کہ اسلام و نفسِ اسلام

کی عزت بچانے کے لئے خود بھی جمع ہوں اور مسلمانوں کو بھی جمع کرنے کی سابق سے زیادہ کوشش فرمائیں۔ تاکہ ان کی توجہ سے اسلام اوجِ ترقی پر پہنچے۔

تجویز نمبر ۱۴/۱۷

جمعیتہ العلمائے ہند کا یہ اجلاس ان ناگوار فسادات کو جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں پیش آتے رہتے ہیں سخت افسوس کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے رفع کرنے کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے حسب ذیل اصحاب کی ایک کمیٹی منتخب کرتا ہے جو ان فسادات اور ان کے اسباب اور ان کے دفیعہ کی تدابیر کی مفصل رپورٹ جمعیتہ مرکزیہ کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔ ارکان سب کمیٹی کی تعداد حسب ذیل سات ہوگی اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، بحیثیت صدر اس کمیٹی کے رُکن ہوں گے۔

مولانا ابراہیم صاحب، مولانا داؤد غزنوی صاحب۔ مولانا مرتضیٰ احسن صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا عبدالباری صاحب، مولانا عبدالقدیر صاحب، مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب۔

تجویز نمبر ۱۵/۱۸

موجودہ حالات و واقعات جو ہندوستان میں پیش آرہے ہیں۔ وہ یقینی اور لازمی طور پر اس امر کے مقتضی ہیں کہ تمام قوائے اسلامیہ کی تنظیم کرکے متحد اور مستحکم بنایا جائے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا کہ جب تک مسلمانوں کی ذمہ دار مجالس کے ارکان مشورہ کرکے اشتراکِ عمل اور باہمی مناصرت کا طریقہ معین نہ کریں اور پوری مستعدی اور اخلاص کے ساتھ اس پر فوراً عمل شروع کردیں۔ اس لئے یہ اجلاس اس امر کا اظہار کرتا ہے۔ کہ جمعیتہ علماء خلوص کے ساتھ مسلمانوں کی منتشر قوتوں کی تنظیم اور اشتراکِ عمل و مناصرت کے مبارک مقصد کی تائید اور ان تمام امور پر جو مسلمانوں کی ترقی کے لئے مفید ہوں ذمہ دار جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہے۔

یہ جلسہ صدر جمعیتہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ دو مزید حضرات کا انتخاب کرکے حسب الطلب دہلی کے اس جلسہ میں شریک ہوں جو ۱۱ر جنوری ۲۵ء کو اس غرض کے لئے مسلم لیگ کی جانب سے منعقد ہونے والا ہے۔

تجویز نمبر ۱۶/۱۹ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ حکومت ترکیہ کے الغائے خلافت کے بعد سے اب تک منصب خلافت افسوسناک طریقہ پر خالی ہے۔ مسلمانانِ عالم کی خواہش ہے کہ حکومت ترکیہ خلافتِ اسلامیہ کا مرکز رہے۔ کیوں کہ ان کے خیال میں حکومتِ ترکیہ ہی اس کے لئے موزوں ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ حکومتِ ترکیہ خلافتِ اسلامیہ کا قوانینِ شرعیہ کے موافق ترکی میں منصبِ خلافت قائم کرے گی یا صدر جمہوریہ کے لئے حسبِ قوانین شرعیہ خلافت کا اعلان کرے گی۔

نیز یہ جلسہ تمام اسلامی طاقتوں اور موتمر عالمِ اسلامی سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وُہ مسلمانانِ ہند کی اس خواہش کی تائید کریں جو قوانینِ اسلامیہ پر مبنی ہے اور حکومتِ ترکیہ کو ترکی میں منصبِ خلافت قائم رکھنے کے لئے پُر زور توجہ دلائیں۔

(ب) یہ جلسہ صدر سے درخواست کرتا ہے کہ اس تجویز کی نقل بذریعہ تار صدر جمہوریہ ترکیہ کی خدمت میں بھیج دیں۔

تجویز نمبر ۱۷/۲۰ -

یہ معلوم کرکے کہ دہلی میں مسجد غریب شاہ کے ایک حصّہ کو ریلوے لائن کے سیدھا کرنے کے لئے گورنمنٹ منہدم کرنا چاہتی ہے۔ جمعیۃ العلماء کا یہ جلسہ سخت نفرت کا اظہار کرتا ہے اور اس فعل کو صریح طور پر مذہبی مداخلت اور شعائر اللہ کی توہین سمجھتا ہے جس کو مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ اجلاس گورنمنٹ کو متنبہ کر دینا چاہتا ہے کہ اگر یہ خطرناک فعل کیا گیا تو اس کے خوفناک نتائج کی تمام ذمہ داری گورنمنٹ پر عائد ہوگی۔

تجویز نمبر ۱۸/۲۱ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مساجد بھرت پور کے انہدام کے واقعات اور اس کے متعلق حاصل کردہ واقعات کی بنا پر اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ مساجد بھرت پور شرعی اصول کے لحاظ سے مساجد تھیں اور ان کا انہدام شعائر اللہ کی توہین تھی۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مہاراجہ بھرت پور کے اس فعل کو سخت غم و غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وُہ مساجد بھرت پور منہدمہ کی آزادی کا اعلان کر دیں۔ ان میں ادائے نماز و ذکر اللہ پر مسلمانوں کے لئے کسی قسم کی روک ٹوک عائد نہ کریں۔ ورنہ ایک نہایت اہم شرعی معاملہ میں مسلمانانِ ہند کی مسلسل بے چینی کے تمام خوفناک

نتائج کے ذمہ دار ہوں گے۔

تجویز نمبر ۱۹/۲۲

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس گورنمنٹ پنجاب کے اس فعل پر کہ اس نے پانی پت میں بغیر کسی معقول وجہ کے تعزیری پولیس قائم کر کے ساکنانِ پانی پت کو عموماً اور مظلوم مسلمانوں کو خصوصاً سخت مالی مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح دوسرے صوبوں کے بعض مواضع میں بلاضرورت ہی تعزیری پولیس قائم ہے۔ اس کے خلاف بھی جمعیتہ کا یہ اجلاس اسی اصول پر اظہارِ غم و غصہ کرتے ہوئے ان مقامات کے باشندوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۲۰/۲۲

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس انہدام مساجد کے ان واقعات کو جو برٹش انڈیا سے متجاوز ہو کر دیسی ریاستوں میں بھی واقع ہونے لگے ہیں شعائر اللہ اور اسلامی وقار کے لئے سخت خطرناک سمجھتا ہے اور ضروری جانتا ہے کہ ان واقعات کی مدافعت اور انسداد کے لئے ہندوستان کی دیگر ذمہ دار مسلم جماعتوں کو دعوت دے کر باہمی مشورہ سے متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جائے اور متحدہ طاقت کے ساتھ اس پر عمل شروع کیا جائے۔ تاکہ اس قسم کے افسوسناک واقعات آئندہ کے لئے ناممکن الوقوع ہو جائیں۔

تجویز نمبر ۲۱/۲۲

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس عدم تعاون کے پروگرام پر غور کرنے کے لئے حسب ذیل سب کمیٹی مقرر کرتا ہے۔

یہ کمیٹی اپنی رپورٹ مرتب کر کے آئندہ جمعیت مرکزیہ کے اجلاس میں پیش کرے۔[1]

ارکان سب کمیٹی یہ ہیں:

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب۔
مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔
مولانا حسین احمد صاحب۔
مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب۔
مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔

اس کے بعد مسودہ قانونِ حج پیش ہوا۔ دو گھنٹے تک اس قانون کے ہر پہلو پر بحث ہوئی۔ بالآخر

---

[1] دیکھئے، کتاب ہذا ضمیمہ حج۔

حسب ذیل تجویز منظور ہوئی :۔

تجویز نمبر ۲۴/۲۷ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مسودہ قانون حج جمعیۃ عاملہ کے سپرد کرتا ہے۔ تاکہ وہ غور و خوض کر کے اپنی آخری رائے سے گورنمنٹ ہند کو مطلع کردے۔

ماخذ :۔ محمد میاں ، جمعیت العلماء کیا ہے ؟ حصہ دوئم ، دہلی ، ۱۹۴۶ ، ۳۳۰ ، ۹۹ - ۱۰۶ -

باب ہفتم

اجلاس ہفتم، کلکتہ، ۱۱ر تا ۱۴ر مارچ ۱۹۲۶ء
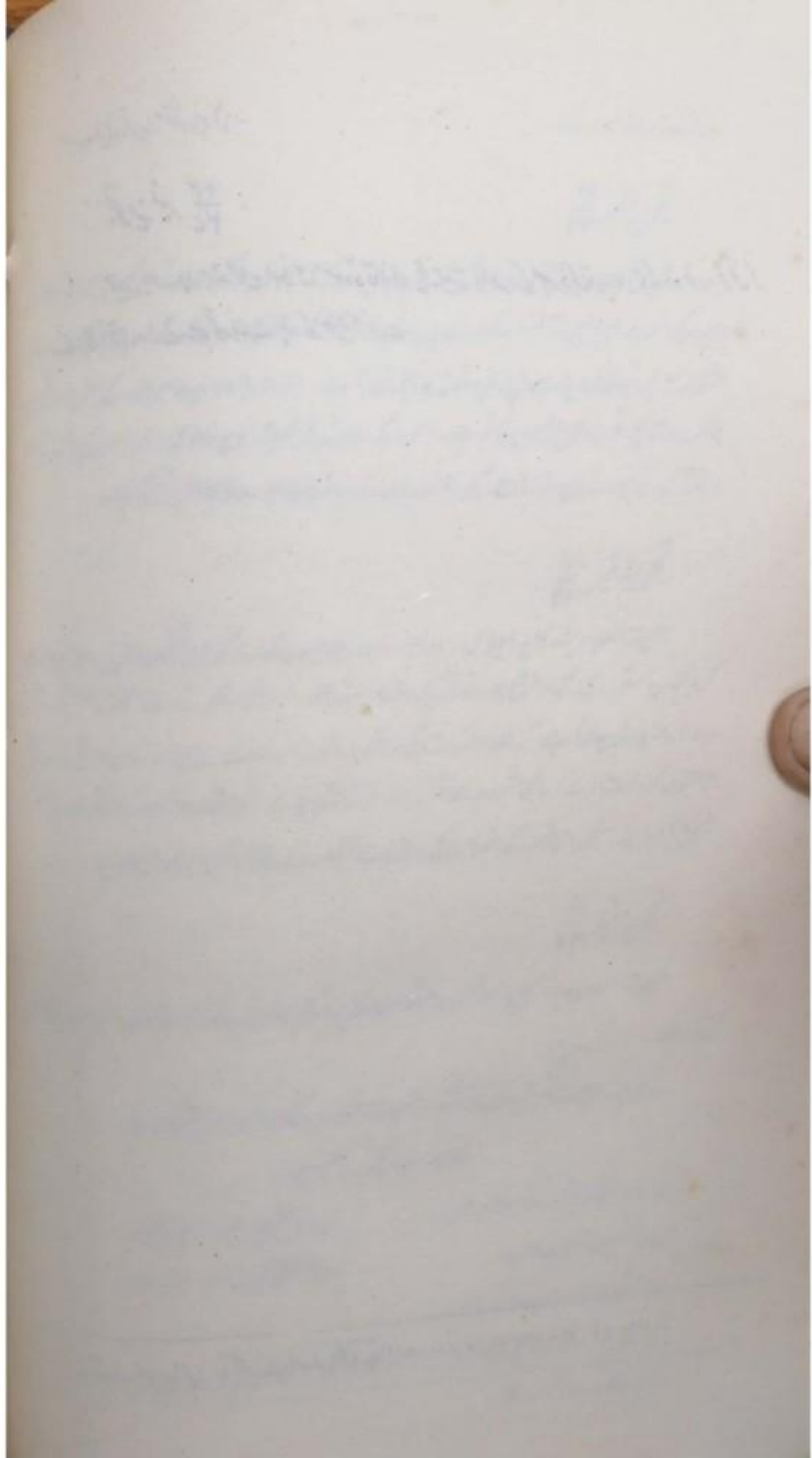
(۲۵ر تا ۲۸ر شعبان ۱۳۴۴ھ)

زیرِ صدارت

مولانا سید سلیمان ندوی

۱۹

خطبۂ صدارت از مولانا سید سلیمان ندوی ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا، ووفقنا لادراک ما کان فاتنا، فنلم بہ شتاتنا ونتدارک بہ سیاٰتنا، ونعرف ھداتنا، والصلوۃ والسلام علی الامی الذی بعث فی الامیین یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم ویھدیھم ومن داء الجھل یشفیھم، ومن غلیل الصدور یرویھم وعلی آلہ واصحابہ منار الصوی ومنابر الھدی، والذی اتبعھم واھتدی

یا معشر الذین اختصھم اللہ للخشیۃ واصطفاھم للتفقہ فی دینہ، لیامروا بالمعروف وینھوا عن المنکر اذا رجعوا الی قومھم فینبھوھم من نومھم

آج آپ صاحبوں نے مجھے جو شرف عطا کیا ہے اور اپنے اعتماد کی جس دولت سے مالا مال کیا ہے، میں اس ذرہ نوازی کے لئے ممنونیت کے رسمی الفاظ پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس قدر عزت افزائی اور سرفرازی کو اس دنیا کی بہترین نعمت اور آخرت کی بہترین دولت تصور کرتا ہوں۔ ۱۳۴۴ھ کے اجلاس خاص مرادآباد کے موقع پر بھی مجھے یہ عزت عطا ہوئی تھی مگر عین وقت پر وفد جدہ کی شرکت نے انکار پر مجبور کیا اور میں خوش ہوں کہ اس کی بدولت ایک خاموش ہستی بولی اور ایک بے زبان کارکن نے زبان دانی کے جوہر دکھائے اور ایک ہمہ تن سوز و گداز نے کاغذ کے صفحوں پر اپنے دل کے

ٹکڑے اہلِ ملت کے سامنے رکھ دیئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مرادآباد کی میری نامرادی میں کلکتہ کی کامیابی کا راز پنہاں تھا کیونکہ یہ میرے نوشتۂ تقدیر میں کلکتہ سے کوئی مناسبت رکھی گئی ہے کہ علمائے کرام کے طبقۂ مبارکہ کی طرف سے میری شرف افزائی کے لئے کلکتہ ہی کی سرزمین موزوں و مناسب تصور کی گئی ہے۔ آج سے نو برس پیشتر ۲۵-۲۶ر دسمبر ۱۷ء میں جنگِ عظیم کے ہولناک نتائج کے انجامِ عہد میں جمعیت علمائے بنگالہ کی صدارت کا فخر مجھے یہیں حاصل ہوا تھا اور آج پھر اس سے وسیع تر حلقۂ علمار کی طرف سے وہیں مجھے دوبارہ یہ مکرمت عطا کی جارہی ہے۔

حضرات! جمعیۃ العلمار کی صدارت حقیقت میں وہ بڑی سے بڑی عزت ہے جو اس طبقۂ کرام کی طرف اس کے کسی فرد کو بخشی جائے۔ مجھے اپنے ذاتی تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر یقین ہے اور دلائل بھی اس کی تائید میں ہیں کہ تمام اسلامی ملکوں میں اس وقت ہندوستان ہی ایک مرکز ہے جو اپنی دینی و مذہبی جد و جہد میں سر گرمِ عمل ہے اور اسی نسبت سے علمائے ہندوستان مبارکباد اور تہنیت کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے فرض کو پہچانا اور اس کے انجام دینے کے لئے مساعی اور کوشاں ہیں اور لوگ تو یورپ کے اس مادی استیلا کے روکنے میں مصروف ہیں جو یورپ کی تیغ و تفنگ کی قوت سے پھیل رہا ہے اور جس سے اسلامی سلطنتیں زیر و زبر ہو رہی ہیں مگر بہت کم نگاہیں ہیں جو یورپ کے اس معنوی استیلار کو دیکھ سکیں جو یورپ کے تمدن، یورپ کے ناقص خیالات یورپ کے فاسد نظریئے، مسلمانوں کے قلوب کی سلطنتوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ ہم کو اس وقت اسلامی ملکوں کی دو ہی قسمیں نظر آرہی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اب تک قدامت اور جہالت کی تاریکی میں ہیں جیسے چین، کاشغر افریقہ اور جزائر ہند کے بعض حصوں کے مسلمان، دوسری وہ جو گو یورپ کے ظاہری استیلار کے روکنے میں تو کوشاں ہیں مگر اس کے معنوی استیلار کو وہ خوشی کے ساتھ خود قبول کر رہے ہیں، اور اس کو وہ اپنی نجات کا ذریعہ جانتے ہیں جیسا کہ ہم کو اس وقت ٹرکی، مصر، شام اور تیونس میں نظر آرہا ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ ان ملکوں میں گو دنیا بدل گئی، تعلیم کا رُخ بدل گیا، خیالات میں انقلاب آگیا، مگر وہاں کے علمار نے اپنی قدامت اور جمود کو نہ چھوڑا، اور نہ انھوں نے اپنے گوشوں اور حجروں سے نکل کر دنیا کے حالات پر نظر ڈالی اور نہ ماحول کو سمجھا، اور نہ اُس کے سدباب کی تیاری کی، اس طرح ایک طرف تو جدید تعلیم اور جدید خیالات نے ان کو پس پشت ڈال دیا۔ اصلاحات اور تجددات سے وہ ناآشنا رہے، بلکہ اُن کے روکنے کی کوشش کی، ہر اصلاح اور تجدید کو اپنی تنگ نظری سے اپنے مالوف خیالات کی مخالفت کے باعث کفر و الحاد سمجھے، نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان کے ملک کے جدید التعلیم اربابِ فکر نے ان کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کے مٹانے کی کوشش کی، علمار نے ان کے اثر و اقتدار کے توڑنے کی فکر کی اور اب تک یہی کشمکش جاری ہے۔ یورپ سے متاثر طبقۂ اسلام خود ان کے وجود کو اسلام

کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے اور اس ملک کے علماء اس طبقہ کو مذہب کے لئے سب سے زیادہ عنصر فاسد خیال کرتا ہے نتیجہ جنگ ہے اور بربادی۔ اس وقت دنیائے اسلام کا کون سا حصہ ہے جہاں قدامت و تجدد کی جنگ جاری نہیں، تمام دنیائے اسلام پر نظر ڈال جاؤ' اسلام کا جدید طبقہ پوری سرگرمی کے ساتھ یورپ کے ظاہری استیلاء اور سیاسی قوت سے دوچار نظر آئے گا۔ اور یہی چیزیں ہیں جو ہم کو ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کی صورت میں' ایران میں رضا شاہ پہلوی کے پیکر میں' مصر میں زغلول پاشا کے قالب میں' مراکش میں امیر محمد بن عبدالکریم کی شکل میں اور شام میں سلطان اطرش کی ہیئت میں ہم کو نظر آتی ہیں۔ کیا دنیائے اسلام کے یہ تمام خطے اسلام کے معنوی نمائندوں یعنی علمائے کرام کے وجود سے یکسر خالی ہیں' کیوں ان کے کارناموں کے آوازے ہمارے کانوں تک نہیں پہنچتے؟ کیا اگر ترکی میں چند علماء بھی ایسے ہوتے جو دین و دنیا کی اس کشمکش میں سفینۂ اسلام کی ناخدائی کر سکتے تو انقلاب کی یہ نیرنگی نظر آ سکتی تھی۔

ایکہ پرسی کہ دریں کار چہ تدبیر بود

دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود

ایہا السادۃ! یہی واقعہ ہے جو ہم کو علمائے ہند کی خدمت میں تہنیت و مبارکباد پیش کرنے کیلئے آمادہ کرتا ہے' علمائے ہند نے اسی وقت سے جب سے یورپ کے خیالات و تاثیرات نے اس ملک میں انقلاب پیدا کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنے فرض کو پہچانا' دیوبند میں آج سے ساٹھ سال پہلے' چند روشن ضمیر مخلصین ملت نے ایک خالص دینی مرکز کی بنیاد رکھی کہ ملت بیضا کی حفاظت ہو' آج سے تیس برس پہلے چند عاقبت بیں اور معاملہ فہم علماء نے ندوۃ العلماء کی تاسیس کی کہ آئندہ اسلام کو جس قسم کے خدمت گذاروں کی ضرورت پیش آئے گی' ان کیلئے قبل از وقت تیاری ہو اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں جدید و قدیم تعلیم نئے اور پرانے خیالات' جمود و تطرف کے بیچ میں صراطِ مستقیم قائم ہو گئی اور پٹنہ کے اجلاس ندوۃ العلماء میں یہ موقع پیش آیا کہ طربوش ترکی کی ٹوپی اور دستار میں مصالحت ہو گئی اور حافظ کا یہ شعر زبانوں پر آیا ؎

للہ الحمد میان من و او صلح فتاد

حوریاں رقص کناں نعرۂ مستانہ زدند

آج ہمارے درمیان جو چند مصلحت شناس' دانائے حال اور اصلاح کوش علماء کا وجود ہے اور چند ایسی مخلص الایمان' جاں نثار اسلام اور دینی عقیدت سے سرمست تعلیم یافتہ ہستیاں ہیں وہ اسی مصالحت و مواخاۃ کے خوش گوار نتائج ہیں:-

حضرات! اس موقع پر اس برگزیدہ ہستی کو بھی یاد کر لینا چاہیئے جس نے عقدہ مواخاۃ میں خاصہ حصہ لیا، یعنی مولانا عبدالباری مرحوم فرنگی محلی! جو جنگِ بلقان و ہنگامہ کانپور سے لے کر آخر تک سرگرم عمل رہے، مرحوم کی مخلصانہ خدمات، خود اس جمعیۃ العلماء کی بنا و تاسیس میں بھی ایک حد تک شریک ہیں اس وقت ہمارے طبقہ سے ایک ایسا ضروری عنصر ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا جس کی کمی مدتوں تک محسوس کی جائے گی۔ اللهم امطر عليه شابيب رحمتك وافتح عليه ابواب فضلك،

ہندوستان مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء کی ایسی تحریکیں لے کر اٹھا ہے، جنہوں نے تمام دنیائے اسلام میں اس کے جوشِ عمل، صحت رائے اور خدمت دین کے ولولوں کی ساکھ قائم کر دی ہے اور غلام ہندوستان سے بڑے بڑے آزاد اسلامی ممالک سے زیادہ مسلمانوں کی توقعات قائم ہیں کہ ہندوستان وہ ملک ہے جہاں سات کروڑ کلمہ گو انسانوں کا مجمع ہے یہ وہ تعداد ہے جو دنیا کے کسی اور ملک کو نصیب نہیں، اس لئے ان سات کروڑ انسانوں کی بیداری اور احساس دنیائے اسلام کے مستقبل کا سب سے خوش گوار پہلو ہے۔

اسلامی ہندوستان کے پیشِ نظر دین و دنیا کی جامعیت یا مادہ و روح کی مصالحت یا حقیقتِ اسلامیہ کے ساتھ تمدن جدید کے مفید پہلوؤں کے درمیان اعتدال پیدا کرنے کی کوششیں ہیں، اگر اس متخیلہ کو دنیائے اسلام کے کسی اور ملک نے سمجھا ہے تو وہ افغانستان ہے۔ امیر روشن ضمیر افغانستان نے اسلام کی رسمِ اولین خطبہ امامت کو زندہ کر کے مسلمان اولوالامر کے لئے دین و سیاست کی آمیزش کی صحیح امامت کی ہے امیر موصوف اپنے جمعہ و عیدین کے خطبوں میں اپنی ملت کے سامنے اسلامیت اور قومیت کے درست و صحیح عقائد کی تلقین کر رہے ہیں جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام خیر الجزاء،

حضرات! اس وقت اسلام کے سامنے جو خطرات اور عوائق پیش ہیں وہ خلافت ولا مرکزیت دین و سیاست اور اخوۃ اسلامیہ اور عصبیہ قومیہ کے درمیان غلط فہمی ناعاقبت اندیشی اور عدم تعمق کے سبب سے تصادم اور آویزش ہے، میں نے اپنے خیالات اس باب میں مفصل عرض کئے ہیں اس موقع پر انھیں کا اعادہ کافی ہے۔

عالمِ اسلامی کی تنظیم کا مسئلہ اور مسلمانوں کا انتشارِ خیال۔

مسلمانوں کے روز افزوں انحطاط، پراگندگی اور انتشار کا سلسلہ صدیوں سے قائم تھا، مگر چونکہ دولتِ عثمانیہ کا سایہ بہت حد تک دنیا کے مسلمانوں کی تشفی کا باعث تھا اور خالص اسلامی ممالک ایک زنجیر میں، گو وہ کسی قدر کمزور ہو وابستہ نظر آتے تھے اس لئے عام مسلمانوں کو اپنی اس کمزوری اور ضعف کا احساس نہ تھا اور وہ اپنے کو ایک رشتہ میں منسلک سمجھتے تھے، اس جنگ عظیم کی

بدولت اس سایہ کا ہٹنا اور اس زنجیر کا ٹوٹنا تھا کہ اس فریب کی حقیقت واضح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ مسلمان ایک بڑے دھوکے میں بتلا تھے۔ ٹرکی کے انقلاب اور جمہوریت کے قیام اور لفظی خلافت کے عزل نے اس دھوکے کا دھوکہ ہونا اس طرح آشکارا کر دیا کہ کسی سمجھدار مسلمان کو اس میں شک نہیں رہا۔

اب روئے زمین کے کسی مسلمان کو اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا قصہ خواب وخیال ہے اور ان کی باہمی وابستگی، ہم رشتگی اور جامعیت کا وجود سراب سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی سب کو یقین ہے کہ اسلام کی فطرت متقضی ہے کہ اس رشتہ کا وجود قائم اور اسلامی برادری واخوت کی شیرازہ بندی باقی رہے، مذہبی ہدایتوں کے علاوہ دنیاوی سیاستوں اور مصلحتوں کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مسلمان قوموں کو بحیثیت مسلمان کے دنیا کی قوموں کے سامنے زندہ اور باقی رہنے کے لئے مسلمانوں کا متحدہ محاذ اور ان کی برادرانہ جمعیت قائم رہے۔

اسلام کا اصول اس کا بھی مقتضی ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں مسلمانوں کا ایک مذہبی پیشوا اور امام ہو اس کا واحد وجود تمام دنیا کی مسلمان قوموں کے لئے رشتہ اتحاد اور رابطۂ وحدت کا کام دے اور مذہبی شعار واحکام کی نگہداشت اور اجرار کا فرض انجام دے، اس کا نام خواہ تم خلیفہ رکھو، امام رکھو یا امیر المومنین رکھو۔

اس حقیقت سے کون بے خبر انکار کر سکتا ہے کہ یہ خلافت وامامت اپنے اصلی منہاج اور شرائط وآداب سے بہت جلد ہٹ گئی تاہم بغداد کی تباہی تک کچھ نہ کچھ اس کی حیثیت تھی اور قاہرہ میں جا کر اس کی حیثیت گو خود دار الخلافہ میں کچھ نہ ہی، تاہم دور دراز کے اسلامی ملکوں میں خلیفۂ عباسی کی یہ مصری خانقاہ بھی عقیدتِ عامہ کا مرکز تھی، ان گذشتہ چند صدیوں میں جب دولتِ عثمانیہ کے سوا کوئی آزاد اسلامی حکومت باقی نہیں رہی تو لامحالہ یہ عقیدت کی کشش، قاہرہ سے قسطنطنیہ کو منتقل ہوگئی، کون نہیں جانتا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو مذہب اور سلطنت ساتھ ساتھ بنا، اس کا امام ہی اس کا بادشاہ تھا، اس کی ایک ہی عبادت گاہ کی چہار دیواری اس کی مسجد بھی تھی اور اس کی عدالت گاہ اور دربار بھی، اس کی ایک ہی چند زینوں کی لکڑی اس کا منبر بھی تھا، اور تخت حکومت بھی، اس کے وہی جاں نثار اس کے داعی اور مبلغ بھی تھے اور مجاہد اور سپاہی بھی، اس کے وہی عہدہ دار حکام اور امرا بھی تھے اور قاضی اور امام بھی۔ اس دینی اور دنیوی اقتدار وتنظیم کی وحدت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کی دینی ودنیوی تنظیم کے الگ الگ عہدے اور دائرے نہ تھے اس بنا پر یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی تنظیم، ان کی سیاسی تنظیم سے الگ کوئی شے نہ تھی۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کی سیاسی تباہی ان کی مذہبی بے ترتیبی کے ہم معنی ہے، جب کسی ملک میں مسلمانوں کی سلطنت

نہ رہی ان کی ہر قسم کی تنظیم بھی رخصت ہوگئی۔ نہ ان کا کوئی امام رہا نہ کوئی مذہبی صیغہ رہا۔ نہ اوقاف کا انتظام رہا نہ مسجدوں کی نگرانی رہی نہ مدرسوں کی دیکھ بھال رہی۔ نہ تبلیغ و اشاعت کا سامان رہا، نہ مسلمانوں کے مذہبی مقدمات اور فیصلوں کی کوئی صورت رہی۔ نسلِ آدمؑ اور اولادِ ابراہیمؑ کی یہ منظم باقاعدہ صف جانوروں کے گلے بن گئی۔

جن ملکوں میں ابھی یا بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہیں، یورپ کے دیکھا دیکھی وہاں کے ذمہ دار ارکان سیاست اور اربابِ فکر میں یہ خیال قائم ہوتا جاتا ہے کہ دینی و دنیاوی طاقتوں کی یکجائی اور مذہبی و سیاسی تنظیموں کی وحدت ان کی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ یہی خیال ہے جس نے ٹرکی کے مجاہدِ اعظم مصطفےٰ کمال اور ان کے رفقائے کار کو عزلِ خلافت پر آمادہ کر دیا اور اسی کی نقل اور آوازِ بازگشت دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی سنائی دیتی ہے

یورپ اور اتحادِ اسلامی ۔ یورپ کو جب سے ہوش آیا ہے اور سمجھا ہے کہ اتحادِ اسلامی ہی کی قوت ہے جو اس کی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کر سکتی ہے اور ان کو دوبارہ مضبوط اور زندہ بنا سکتی ہے اور اس اتحادِ اسلامی کی بنیاد خلافت کا وجود ہے مختلف طریقوں سے اس کی قوت کو توڑنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں یورپ کے تیغ زن سپاہیوں نے اپنی تلواروں سے اور مصنفین نے اپنے قلم سے اس کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔ یونان اور روم کی جنگ پہلا موقع ہے جب یورپین طاقتوں کی متفقہ خواہش کے خلاف دنیائے اسلام میں خلیفہ عثمانی کی ہمدردی مالی اعانت کے غیر معمولی جذبات نے یورپ کے کانوں میں خطرہ کی گھنٹی بجا کر اس کو متنبہ کر دیا۔

بعض یورپین اہلِ قلم نے یہ کہا کہ خلافتِ اسلامیہ کو اصولِ اسلام کی حیثیت سے تو تسلیم کر لیا مگر مجددِ اسلام بن کر انہوں نے پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی ایک عظیم الشان غلطی پر متنبہ کیا کہ الائمۃ من قریش، ترک اس کے مستحق نہیں، ان کو مٹا کر مکہ معظمہ کی چہار دیواری میں عربی ہاشمی خلافت قائم کرو اس جماعت کے سرگروہ مشہور ہمدردِ اسلام بلنٹ [W.S. BLUNT] تھے، دوسروں نے ترکوں کے شرعی خلیفہ ہونے سے بحیثیت مفتیِ اسلام کے انکار کیا۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ہم کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔

اس جنگِ عظیم میں منصبِ خلافت کی اہمیت کم کرنے بلکہ اس کے مٹا دینے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آئی وفدِ خلافت کی حیثیت سے جس ہفتہ ہم انگلستان پہنچے ہیں سب سے پہلے ایک طالبین مستشرق کا جو روسہ یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے رسالہ "دی نیچر آف دی خلافت"

[THE NATURE OF THE KHILAFAT] کا خلاصہ نظر سے گذرا اور جس کو ٹلی کی حکومت میں یہ اہتمام حاصل تھا کہ اٹلی کی وزارتِ خارجہ نے اس کو اپنی طرف سے شائع کیا اور اس کے بعد سلطان ایرائے کیلسٹ کا دوسرا مشککانہ مضمون ایک انگریزی اہلِ قلم نے لکھا۔ اس کے بعد تیسرا مضمون پروفیسر مارگیولیوتھ [PROFESSOR MARGOLIOUTH] نے آبزرور لندن [THE OBSERVER, LONDON] میں مسئلہ خلافت کی تاریخی کمزوری پر لکھا۔

ہندوستان میں خلافت کی تحریک نے جو زور و شور اور ہلچل پیدا کی، اس کی سیاسی اہمیت نے یورپ کو اور زیادہ ڈرایا۔ تلوار کا وقت نکل چکا تھا۔ اس لئے سپاہیوں نے ہٹ کر اہلِ قلم حضرات کے لئے جگہ خالی کر دی اور انہوں نے اس وقت سے برابر مسئلہ خلافت کی تحقیق و کاوش، اس کی شکست اور ریخت، یورپ سے متاثر دماغوں میں اس کی مذہبی نامعتبری، تاریخی کم اہمیتی اور اس کے سیاسی نقصانات اور تمدنی خرابیاں اس طرح آشکارا کیں کہ خود مسلمانوں میں سے اُن بعض افراد کو اس کا یقین آنے لگا جو یورپ کے مصنفین کو بغایت معصوم، مخلص اور ہر قسم کی سیاسیات سے بلند جانتے ہیں ؎

قاصد رقیب بود و من غافل از فریب
بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت

نتیجہ یہ ہوا کہ جن کی خلافت کے لئے دنیا لڑ رہی تھی انہیں نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو دفن کر دیا اور اس کو مٹا کر وہ سمجھے کہ انہوں نے اپنی قومی حکومت کے سامنے سے سارے عوائق ہٹا دیئے اور تسلیم کر لیا کہ دین و دنیا کا اختلاط اور مذہب و سیاست کی آمیزش اسلاف کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کو انہوں نے دُور کر دیا اور یہ فعل بعینہ اصولِ اسلام کے مطابق ہے۔ ترکوں کے اس عمل نے گویا یورپین پروپگنڈے کو جو مدتوں سے خلافت کے متعلق مسلمانوں میں جاری تھا، دفعۃً کامیاب کر دیا اور اس پر بھی ہمارے دشمنوں کو چین نہیں آیا اور اب ترکوں کے اس فعل کی تحسین کا پروپگنڈا جاری ہے۔ لندن یونیورسٹی میں مسئلہ خلافت کی تاریخی اسناد پر بحث کرنے کے لئے ہمارے مشہور پروفیسر آرنلڈ [PROFESSOR THOMAS ARNOLD] کو مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر آرنلڈ نے اس بحث پر ایک مبسوط لکچر دیا اور گذشتہ سال ۱۹۲۴ء میں "دی خلافت" کے نام سے دو سو صفحوں میں انہوں نے اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر ۱۴ بابوں میں مفصل بحث کی۔

اس کتاب میں نہایت کاوش اور محنت سے ڈاکٹر آرنلڈ [PROF. THOMAS ARNOLD] نے اس منصب خلافت کے آغاز سے اور آخر ترکی عہد تک کے ہر قسم کے واقعات کو یکجا کیا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس منصب کے ضروری اور اصول اسلام میں سے ہونے پر قرآن و حدیث سے کوئی استدلال موجود نہیں ہے نیز تاریخ اسلام بھی اس کی تائید نہیں کرتی نہ خلافت راشدہ کے بعد اس منصب کو مسلمانوں نے عملاً مسلم کیا۔

خصوصاً ترک سلاطین تو اس حیثیت سے کبھی مسلّم ہوئے ہی نہیں۔

اغیار جو کچھ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، اس ذکر کو جانے ہی دیجیے۔ یہ دیکھیے خود اپنوں کا اس مسئلہ کے متعلق کیا خیال ہے، اب اصل مسئلہ قابلِ غور یہ ہے کہ مسلمانوں کی تنظیم اور وحدت کا فرض کس طرح انجام دینا چاہیئے کہ مسلمانوں میں از سرِ نو طاقت و قوت اور نظام و اتحاد پیدا ہو۔

ترکی میں ۶۰ل خلافت کے موقع پر جو تقریر کی گئی اور اسی کے ساتھ ترکی زبان میں مسئلہ خلافت پر جو کتاب "خلافت اور حاکمیت ملیہ" لکھوا کر عام طور سے شائع کی گئی، اس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کوئی مذہبی اور روحانی منصب نہیں نیز خلافت کے لئے وجودِ شخصی ضروری نہیں خود حکومت اور مجلسِ خلافت جمہوری ہے اور اسی سے مسلمانوں میں تازہ قوت اور نئی طاقت پیدا ہوگی۔

علامۂ مصر میں سے سید رشید رضا نے "الخلافۃ والامۃ الکبریٰ" ایک خاص کتاب ۱۳۴۱ھ میں لکھ کر شائع کی ہے جس میں انہوں نے خلافتِ اسلامیہ کے آداب، شروط، مصالح اور فوائد بتائے ہیں اور جدید اور تعلیم یافتہ مسلمانان مصر و ہندوستان کو یہ بتایا ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کو جدید قالب میں شرع صحیح کے نصوص کے مطابق از سرِ نو ملک عرب میں قائم کرنا چاہیئے اور اسی سے دنیائے اسلام میں نئی زندگی پیدا ہوگی، خلیفہ انتخاب سے منتخب ہو اور اس کے ساتھ ایک مجلسِ شوریٰ ہو جس کی اعانت اور مشورہ سے وہ مذہبی تعلیمی تبلیغی، تشریعی، احکام و مصالح تمام اسلامی ملکوں میں پھیلائے اور ہر اسلامی ممالک میں اس کے باقاعدہ نائبین ہوں۔

اس مسئلہ کے متعلق حسبِ ذیل ان کی تجاویز ہیں:۔

۱۔ ایک عظیم الشان اسلامی مذہبی درسگاہ کا قیام جس میں مجتہدین اور مذہبی مقننین پیدا ہوں جو ضروریاتِ زمانہ اور اصولِ اسلام کے مطابق نئے احکام استنباط کریں اور اسلام و تمدن میں باہمی آویزش کے بجائے آمیزش پیدا کریں۔

۲۔ خلیفہ کا انتخاب۔

۳۔ خلافت کے انتظامی اور مالی صیغے اور اس کی حسبِ ذیل ماتحت مجلسیں۔

ا۔ مجلسِ شوریٰ۔

ج۔ مجلسِ افتار و تصنیف و نگرانی مولفاتِ دینی۔

ب۔ مجلس جو حکام، قاضیوں اور مفتیوں کو احکام دے۔

د۔ مجلس جو حکومت کی عام نگرانی کرے۔

ہ۔ مجلسِ اشاعتِ اسلام۔

و۔ مجلس جو مساجد کے خطیبوں، اماموں اور واعظوں کی نگرانی کرے۔

ز۔ مجلس زکوٰۃ۔

ح۔ مجلسِ حجاج و خدمتِ حرمین شریف۔

ط۔ مجلسِ مراسلات۔

سید رشید رضا صاحب کا میلانِ خاطر یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک خلیفہ دینی اور دنیاوی اقتدار کے ساتھ عرب میں قائم کیا جائے۔ جہاں تک اس کے حدود حکومت کا تعلق ہے وہ خلافت کے ساتھ دنیاوی حکمرانی بھی ہو اور دوسرے اسلامی ممالک میں اسکو صرف روحانی خلیفہ تسلیم کرکے اسکی اطاعت مذہبی احکام میں کی جائے۔

مصری علما کا خیال مصر میں ازہری علماء و مشائخ کا بھی یہی خیال ہے لیکن وہ خلافت کے مرکز کو عرب کی جگہ مصر میں دیکھنا چاہتے ہیں اور عجب نہیں کہ ان کے دل کے اندر کی یہ خواہش ہو کہ مصر کی سلطنت پچھلے زمانہ کی طرح پھر شام و عرب پر محیط ہو جائے اور اس طرح مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت و حمایت کا شرف بھی مصر کو منتقل ہو جائے۔ اس تحریک کی تبلیغ انکی طرف سے تقریباً دو سال سے جاری ہے، تمام سرکاری علماء اس پر پوری دلچسپی لے رہے ہیں، "موتمر خلافت" جامع ازہر کی دفتری عمارت میں قائم ہے۔ ایک ماہوار رسالہ اس مقصد کی اشاعت کے لئے جاری ہے اور وہ تمام اسلامی ممالک میں مفت تقسیم ہوتا ہے۔ اس مصری تبلیغ کا اثر تمام اسلامی ممالک میں سے جاوا میں زیادہ پڑ رہا ہے۔

ابھی حال میں مشہور اسلامی مبلغ اور اتحادِ اسلامی کے واعظ مولوی برکت اللہ صاحب بھوپالی نے، جنہوں نے اب مشرق کو چھوڑ کر پھر مغرب کو اپنا مرکز بنایا ہے، "خلافت" نام کی ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس میں اس مسئلہ پر اپنے خیال کے مطابق ہر حیثیت سے بحث کی ہے اور اس منصب کے قیام اور فرائض کے متعلق پورا خاکہ اور نقشۂ عمل پیش کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "خلافت اسلام کا نہایت ضروری اصول ہے لیکن ضرور ہے کہ آئندہ خلیفہ صرف دینی و روحانی امام ہو اور اس کو سیاست و حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو، اسکا کام صرف یہ ہو کہ وہ روئے زمین پر پراگندہ مسلمانوں کو ایک تعلیمی نصاب میں منسلک کرے اور اسلامی مبلغین دنیا کے گوشوں میں بھیجے اور جو لوگوں کو انسانی اخوت اور دینی برادری کی دعوت دے اور ایسی تاریخی کتابوں کی تصنیف کے لئے ایک مجلس قائم کرے جن سے اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات اور غلط فہمیاں دور ہوں۔"

"اس خلیفہ کے ماتحت اسلامی جماعتوں کے ایسے نمائندوں کی ایک مجلسِ شوریٰ ہو جو اپنی اپنی جماعت کی طرف سے منتخب ہو کر دار الخلافہ میں بھیجے جائیں خلیفہ اس مجلس کا صدر ہو اور یہ مجلسِ شوریٰ مسلمانوں کے مذہبی

معاملات اور روحانی ریاست کے احکام انتظامی کے فیصلہ کے لئے آخری عدالت ہو۔ ہر محلہ کی مسجد اس محلہ کا صدر دفتر ہو۔ اس محلہ کے صدقات اور اوقاف وغیرہ کا انتظام اس محلہ کے مسلمانوں کی منتخبہ جماعت کے ہاتھ میں ہو۔ اور یہ محلوں کی مسجدیں پورے دیہات یا شہر کی اسلامی مجلس کے ماتحت ہوں، صدقات و اوقاف کے علاوہ دیگر مالی انتظامات سلطنت کے فرائض ہوں گے۔

خلیفہ کے انتخاب کے بعد دنیائے اسلام کے تمام شہروں اور گاؤں کے صدقات اور اوقاف کی آمدنیاں خلیفہ کے پاس بھیجی جائیں گی اور وہاں سے پھر وہ حسبِ ضرورت سورۂ توبہ کی اس آیت کے مطابق جس میں صدقات و زکوٰۃ کے مستحقین کی تفصیل ہے وہ رقم خرچ ہوگی۔

مولوی برکت اللہ صاحب بالفعل سوئزرلینڈ میں مقیم ہیں۔ وہاں سے اپنے مقاصد کی اشاعت اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنی تجاویز کی تبلیغ کے لئے عربی زبان میں الاصلاح نام ایک عربی رسالہ انہوں نے ذوالقعدہ ۱۳۴۳ھ مطابق جون ۱۹۲۵ء سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ مولوی صاحب کی کتاب خلافت انگریزی سے فرانسیسی میں ترجمہ ہو چکی ہے، اب عربی اور ترکی میں اس کے ترجمہ کی کوششیں ہیں اور تجویز ہے کہ اس کا ترکی ترجمہ تمام ترکی میں تقسیم کیا جائے، ممکن ہے کہ مولوی برکت اللہ صاحب کے ساتھ سوئزرلینڈ کے دیگر پرجوش احرار مسلمان بھی ہوں جو وہاں بے خانماں ہو کر مدت سے مقیم ہیں۔

الاسلام و اصول الحکم ابھی پچھلے مہینے کی ڈاک سے مصر سے ایک نئی تصنیف ایک مصنف نے ہدیۃً بھیجی ہے کتاب کا نام "الاسلام و اصول الحکم" (اسلام اور اصول سلطنت) ہے جس کے نیچے یہ لکھا ہے کہ "اسلام میں خلافت و حکومت کے نظریہ پر ایک بحث" اس کتاب کے مصنف جامع ازہر کے ایک تعلیم یافتہ اور محکمہ شرعیہ کے ایک شیخ قاضی علی عبدالرزاق ہیں۔ ابھی اسی سال ۱۹۲۵ء میں یہ کتاب شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مصنف نے تمام مذکورہ بالا کتابوں کو جو مسئلہ خلافت کے بارے میں لکھی گئی ہیں پیشِ نظر رکھا ہے۔ یعنی الخلافۃ والامامۃ العظمیٰ مصنفہ سید رشید رضا، خلافت و حاکمیت ملیہ تعریب عبدالغنی سنی بک، "دی خلافت" [THE KHILAFAT] ڈاکٹر آرنلڈ [PROFESSOR THOMAS ARNOLD] اور "دی خلافت" [THE KHILAFAT] مولوی برکت اللہ بھوپالی۔

قاضی صاحب نے بالکل نئی بات پیدا کی ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت جانشینی رسولؐ کے منصب کا قرآن و سنت سے کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچتا اور نہ اس معنی میں خلفائے راشدین خلفاء تھے اور نہ ان کی اطاعت اس حیثیت سے واجب تھی۔ آنحضرت صلعم کا منصب محض روحانی اور دینی تھا وہ صرف رسول اور نبی تھے کوئی حکمراں یا فرماں روا نہ تھے نہ آپ نے کوئی نظامِ سلطنت قائم کیا اور نہ اسلام کی اصول

سلطنت کا واضع ہے۔ خلفائے راشدین کوئی دینی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ محض دنیاوی حکمراں اور فرمانروا تھے۔ گو انہوں نے اپنے فرائض کو پوری خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اس بنا پر خلافت کا تخیل مذہبی اور دینی حیثیت سے تمام تر لغو ہے۔ اس کتاب نے مصر میں آگ لگا دی۔ جامع ازہر کے علمار نے اس کتاب پر حکم شرعی قائم کرنے کے لئے مجلس بٹھائی۔ قضا سے حکومت نے ان کو الگ کر دیا اور بہت زور شور سے مصر اور تونس کے علمار نے اس کے جوابات لکھے ہیں۔

تنظیم کی تین صورتیں۔ ان تفصیلات سے یہ ظاہر ہو گا کہ اس وقت امامتِ اسلامیہ یا مسلمانانِ عالم کی تنظیم کا مسئلہ تمام اربابِ فکر مسلمانوں کے سامنے سب سے زیادہ اہم اور قابلِ غور بن گیا ہے یہ تمام خیالات تین مختلف صورتوں کے اندر محدود ہیں:

۱۔ امامتِ عامہ اور عالمگیر اسلامی خلافت کی نہ ضرورت ہے اور نہ ممکن ہے۔

۲۔ امامتِ عامہ اور عالمگیر اسلامی خلافت کو سیاست و حکومت سے الگ کر کے صرف روحانی و مذہبی پیشوائی کی حیثیت سے قائم کرنا چاہیے، امامت و خلافت کی مسلمان قوموں کی تنظیم کے لئے ضرورت ہے اور اس طرح اس کا قیام ممکن ہے۔

۳۔ عرب میں پارٹی میں ایک با اقتدار شخصی امامت و خلافت مجلس وارکان شوریٰ کی قید اور دینی و دنیاوی دونوں طاقتوں کے ساتھ قائم کرنا چاہیئے، اس کی حکومت کے دائرہ سے باہر دوسرے اسلامی ملکوں میں اس کا اقتدار صرف مذہبی و دینی ہو گا۔

خلافت و امامت کبریٰ۔ سادا تنا الکرام! ان خیالات سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام ہیجان میں ہے مرض کو اس نے پالیا ہے اور اس کے علاج کی تلاش میں ہے کیونکہ حالت یہ ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام منتشر اور پراگندہ گھرانوں کا مجموعہ ہے جن میں کوئی رئیس بیت نہیں اور اس کا علاج صرف خلافت و امامتِ کبریٰ کے منصب کا قیام ہے لیکن اس منصب کے قیام سے مقصود محض لفظی خلافت اور امامت کا اعادہ نہیں بلکہ معنوی طور سے اس کے اصلی مفہوم میں۔ مسلمان قوموں کی جمعیت کی ریاست اور سرداری ہے مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ اس معنوی خلافت و امامت یا مسلمان قوموں کی جمعیت کا قیام اس وقت تک لفظی ہی رہے گا جب تک تمام مسلمان قومیں علیحدہ علیحدہ مستقل طور پر خود اپنے ملک کے اندر منظم اور شیرازہ بند نہ ہوں، کسی دھاگے میں ایک امام کے باندھنے تسبیح نہیں بن سکتی، جب تک اس کے سب دانے بھی اس دھاگے میں پروئے ہوئے نہ ہوں۔

اس وقت دنیائے اسلام میں دو قسم کی قومیں ہیں، ایک وہ ہیں جہاں انکی آبادی کی کثرت ہے انکی ملکی تنظیم خود ان کی قومی تنظیم کے مترادف ہے، ایسے ملک دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو حقیقت میں خود مختار اور آزاد

ہیں۔ جیسے ٹرکی، ایران، افغانستان، یمن، بخد وغیرہ۔ ان کو اپنی مضبوطی اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے دوسرے وہ ملک ہیں جو برائے نام قومی خود مختاری یا اپنی حکومت رکھتے ہیں جیسے مصر، عراق، شام، حوران، مراکش، تونس، بخارا، آذربائیجان وغیرہ روسی ممالک، ان کو حقیقی آزادی اور خود مختاری کی کوشش کرنا چاہیئے، تیسرے وہ ملک ہیں جہاں گو مسلمانوں کی کثرت ہے مگر ان کو سیاسی آزادی نصیب نہیں وہ غیر قوموں کے محکوم اور ماتحت ہیں جیسے کہ ملک کاشغر چین کا ماتحت ہے، الجزائر، فرانس کا ماتحت ہے، جاوا ہولینڈ کا ماتحت ہے، ان ملکوں کو اپنی سیاسی آزادی حاصل کرنا ہے اور اسکے بعد مسلمان قوموں کی جمعیت میں وہ داخل ہو سکتے ہیں۔ چوتھے وہ ملک ہیں جہاں گو مسلمانوں کی تعداد ہر ایک اسلامی ملک سے زیادہ ہے تاہم ان کو اپنے ملک میں اکثریت حاصل نہیں ایسے بدقسمت ملک دنیا میں صرف دو ہیں۔ ہندوستان اور چین۔ ان دونوں ملکوں کی سیاسی اور ملکی آزادی وہاں کے مسلمانوں کے لئے بھی گو حد درجہ ضروری ہو تاہم ملکی حالت کے اختلاف کی بنا پر ان دونوں ملکوں کی سیاسی اور ملکی آزادی اس ملک کے مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کی تنظیم کے مترادف اور ہم معنی نہیں ہو سکتی، اسی لئے ہندوستان اور چین کے مسلمانوں کو اس مسئلہ پر تمام دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ اپنا وقت اور اپنی ہمت صرف کرنی چاہیئے۔

ہندوستان اور تنظیم

آج کل ہندوستان میں جن چیزوں کی تعبیر تنظیم کے لفظ سے کی جا رہی ہے حقیقت میں تنظیم کے فروع ہیں، اصل نہیں، شاخیں ہیں جڑ نہیں، اوصاف و عوارض ہیں جوہر نہیں، وہ تنظیم کے نتائج کار ہیں تنظیم کار رشتہ نہیں، یتیموں اور بیواؤں کا انتظام، مسجدوں کی نگرانی، مسلمانوں کے اقتصادیات کی اصلاح، مدرسوں اور مکتبوں کا اجرا اور اسی قبیل کی چیزیں تنظیم کے عملی کام ہیں، مگر خود تنظیم نہیں تنظیم کے بغیر ان کاموں کو انجام دینے کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے بنیاد کے بغیر دیوار کھڑی کرنا، بلکہ دیواروں کے بغیر چھت ڈالنا ہے۔

مسلمانوں کی حقیقی، اصلی اور جوہری تنظیم وہی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے قائم کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں اور اکثریت بھی نہیں، ایک امارت یا امامت قائم کی جائے خاص قواعد شرعی کے ساتھ انتخاب ہو، اس کے لئے ایک مجلس شوریٰ ہو اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر شرعی بیعت کریں اور اس کے ہر شرعی حکم کو ایک حکومت کے حکم کی طرح واجب التعمیل سمجھیں جس کا مخالف مذہباً عاصی اور گنہگار اور ملت کے رشتہ سے کٹ جانے والا ہوگا۔

بدبختی یہ ہے کہ ہم یورپ کے خیالات، افکار اور طریقہ کار سے اس قدر متاثر ہو گئے ہیں کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، وہی خیالات، وہی اصطلاحات اور وہی صورتِ حال ہمارے سامنے آجاتی ہے جب

ہم اپنی قوم کی شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہیں تو انھیں کی بنائی ہوئی تدبیر ہم کو سوجھائی دیتی ہے، آزادی سے انھیں کی آزادی سمجھ میں آتی ہے آرگنائزیشن اور ڈسپلن سے انھیں کا لفظی ترجمہ تنظیم اور ترتیب و باقاعدگی خیال میں آتا ہے۔

اسلام اور تنظیم۔ اُمت محمدیہ کی تنظیم خود بانی اُمت کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہیئے۔ سرکارِ اُمت علیہ السلام نے سب کچھ بتایا ہے اور کرکے دکھایا ہے، اسی کی تلاش اور جستجو کی ضرورت اور اسی بنیاد اور اساس پر اپنی ٹوٹی اور شکستہ دیوار کے درست کرنے کی حاجت ہے حضرت سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا تو عرب کی قوم ہم سے زیادہ منتشر اور پراگندہ تھی۔ ہم سے زیادہ عداوتوں اور دشمنیوں میں مبتلا تھی، ہم سے زیادہ بدحال اور خستہ خراب تھی لیکن حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور کوششوں سے اور جناب باری عزاسمہٗ کی توفیق سے اس طرح متحد، منتظم اور یک رشتہ ہوگئی کہ کانہ بنیان مرصوص گویا کہ یہ ایک دیوار ہے جس میں سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا ہے اور اس کی سب اینٹیں جڑ کر ایک ہوگئی ہیں یعنی ان کی فردیت فنا ہو کر جماعت کا جزو ہو گئی ہے۔

جس کو ہم تنظیم کہتے ہیں، اس کا شرعی نام جو محمد رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے نکلا، وہ جماعت ہے، تنظیم کرنے کو جمع یا جمع کلمہ اور تنظیم ہونے کو اجتماع یا اجتماع کلمہ کہا گیا ہے۔ اس جماعت کے صدر یا رئیس کا نام امام یا امیر اور اس کے ارکان مشورہ کا نام اولوالامر ہے۔ ڈسپلن کا شرعی نام جس کی تاکید محمد رسول اللہ صلعم نے کی ہے۔ اطاعت ہے اور آزادی کے اظہار کا نام قولِ حق ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہیں اور یقیناً مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لئے اس تنظیم کی حاجت ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بغیر اس کے ہیئت اسلامیہ کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ آج ہمارے سینکڑوں کام ہیں، ہر کام کے لئے ایک ایک عالمگیر مجلس یا انجمن ہم نے قائم کی ہے، قوم پر اثر رکھنے کے لئے تاکہ ان کے کاموں کے لئے روپیہ ملتا رہے۔ آج ہر شہر میں ہر اسلامی مجلس اور انجمن دوسری مجلس یا انجمن سے ٹکرا رہی ہے۔ ہمارے ہر کام کی ابتدا گداگری سے ہوتی ہے اور کم از کم دو تین نسلیں اینٹ چونے کی عمارت اور فراہمی سرمایہ میں کھپ جاتی ہیں اور کارکنوں کو اصلی کام کا موقع یا ملتا ہی نہیں یا کم ملتا ہے اور یہ ہماری تباہی کے اسباب ہیں۔

افتراق کی لعنت۔ ان سب کا علاج یہ ہے کہ ہماری ہیئت اجتماعی یا جماعت بندی پوری طرح کی جائے، اس کے بغیر ہم نہ صرف منتشر اور بکھرے ہوئے افراد ہیں جماعت نہیں اور اس لئے ہم اس حالت میں کسی جماعت اور کسی قوم کا مقابلہ نہیں کرسکتے یا مختلف مجلسوں اور انجمنوں میں بٹی ہوئی مختلف ٹولیاں ہیں جو خود باہم ہاتھا پائی میں مصروف ہیں مختلف خانوادوں اور پیروں کے مریدین جو الگ الگ

حصوں میں بٹے ہوئے ہیں اور آہ! کہ وہ کیفیت ہے جو قرآن پاک نے کبھی نامسلموں کی بتائی تھی کہ :۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى (حشر) — بظاہر تو ان کو ایک سمجھے حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوتے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ کی شیرازہ بندی کس دھاگے سے ہے اور اس کی تنظیم کس رسّی سے ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) — اے مسلمانو! اور خدا کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو۔

اور منع کیا کہ تمہاری زندگی ان دوسری قوموں کی طرح نہ ہو جن میں کوئی رشتہ اور نظام نہیں۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران) — اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو ایک دوسرے سے کٹ گئے اور کھلے کھلے احکام کے آنے کے بعد آپس میں اختلاف کرنے لگے اور انھیں پر بڑا عذاب ہے۔

آخرت میں تو جو عذاب ہے وہ ہے۔ اس دنیا میں بھی یہی ہیں جو ہر جگہ ناکام اور گھاٹے اور ٹوٹ اور نقصان میں رہتے ہیں، نہ اُن کی جماعت کا کوئی نظم ہے نہ اُن کا کوئی اجتماعی کام، نہ قومی عزم ہے نہ دشمنوں پر ان کا رعب ہے اور اس نتیجہ کو خود قرآن ہی نے ظاہر کر دیا تھا اور مسلمانوں کو اس سے مطلع کر دیا تھا۔

واطیعوا اللہ ورسولہ، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم (انفال) — اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم سست پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

جیسے آج ہمارا فرقہ فرقہ جدا ہے اور ہر فرقہ کا نیا قبلۂ مقصود ہو، نیا کعبۂ اُمید ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلعم کا جب عرب میں ظہور ہوا تو عرب کا قبیلہ قبیلہ جدا تھا آپ کی برکت نے دشمن دوست۔ مختلف متحد منتشر مجتمع ہو گئے اور قبائل نے ملّت اور افراد نے اُمت کا پیکر بدلا۔ اس نظم اور وحدت کا جو نتیجہ نکلا وہ سب کے سامنے ہے۔ بعثت محمدیؐ کی برکتوں میں سے یہ سب سے بڑی برکت تھی جو قومی حیثیت سے عرب کو حاصل ہوئی۔ خدا نے اس پر احسان جتایا اور فرمایا:۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا (آل عمران) — اور اپنے اوپر خدا کے احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔

اسی نظم و اتحاد سے مسلمانوں پر خدا کی نصرت اُتری اور جب اُترے گی اسی طرح اترے گی اسی لئے اس نظم اور اتحاد کے پیدا کرنے کو خدا نے اپنا خاص فعل قرار دیا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ (انفال)

وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تیری مدد کی اور مسلمانوں کے دلوں کو باہم جوڑ دیا اور اگر تو روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتا تو اُن کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا، لیکن خدا نے جوڑ دیا وہ بے شک زبردست حکمت والا ہے۔

اس نظم واتحاد، تالیف اور اجتماع کے پیدا کرنے کی اس زبردست حکمت والے نے تدبیر کیا بتائی ہے؟ سب سے پہلی چیز اطاعت ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ (انفال)

اے مسلمانو جب کسی گروہ سے مقابلہ آپڑے تو ثابت قدم رہو اور خدا کو بہت یاد کیا کرو، تاکہ تم کامیاب ہو اور خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

کسی دوسری قوم سے مسلمانوں کو کامیاب مقابلہ کے لئے پہلی شرط خدا کی یاد اور اس پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور دوسری خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ آپس میں لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں۔

اطاعت رسولؐ۔ یہ حقیقت سامنے آنی چاہیئے کہ جس طرح رسول کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے اور رسول کے احکام بعینہا خدا کے احکام ہیں، اسی طرح رسول کے جانشینوں کی اطاعت بھی خود رسول کی اطاعت ہے۔ اس لئے رسول کے بعد ان امرا یا اماموں کی اطاعت فرض ہے جو صحیح طریقہ سے اس کی نیابت کا حق ادا کریں۔ قرآن پاک کی ان تمام آیتوں میں جہاں رسول کی اطاعت کی تاکید ہے اگر وہاں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہاں صرف نبوت کی حیثیت ملحوظ ہے، تو وہاں رسول کی اطاعت کے ضمن میں اس کے نائبوں اور جانشینوں کی اطاعت بھی داخل ہے اور اسی بنا پر احادیث میں امرا اور اماموں کی اطاعت مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔ قرآن پاک کی دوسری آیت میں ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے مسلمانو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول اور اپنے سرداروں کی اطاعت کرو۔

خدا کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور اُمت کے اُمرار اور اماموں کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور یہی ایک صورت مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کی ہے اگر خود رسول اللہ صلعم کی حیات میں اولی الامر سرداروں اور اماموں کی اطاعت واجب تھی تو آپ کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگی۔ یہاں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ الرسول اور اولی الامر ایک ہی فعل اطیعوا (اطاعت کرو) کے تحت میں مفعول ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت بعینہٖ رسول کی اطاعت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت اسی حالت میں واجب ہے جب کہ اُن کا حکم خود رسول کے حکم کی تجدید و تائید ہو۔

بعض لوگوں نے اولی الامر کے معنی میں اختلاف کیا ہے، مگر یہ تو زبانِ عرب کا لفظ ہے اس کے معنی لغت سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ ولی ھذا الامر مشہور محاورہ ہے۔ احادیث میں سینکڑوں دفعہ یہ لفظ ھذا الامر آیا ہے لیکن اس کے معنی خلافت، حکومت، مسلمانوں کی سرداری اور ریاست کے آئے ہیں حضرت ابوبکر اپنی تقریر میں کہتے ہیں کہ یہ امر قریش کے علاوہ کسی اور قبیلہ میں ہوگا، تو عرب تسلیم نہ کریں گے خود قرآن ایک موقع پر کہتا ہے:۔

وَاِذَا جَاءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا (نساء)

اور جب ان منافقوں کے پاس امن یا خوف کی (یعنی اچھی یا بُری) خبر آتی ہے تو وہ اس کو شہرت دیتے ہیں اور اگر اس خبر کے بارے میں وہ رسول اور سرداروں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ان میں سے جو لوگ بات کی حقیقت سمجھتے ہیں وہ اس کو سمجھ سکتے۔ اگر خدا کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے چند کے سوا سب شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔

ان پاک آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولی الامر کے کیا معنی ہیں؟ یہ ضروری نہیں ہے کہ اولی الامر کے معنی صرف قوت قاہرہ اور قوت نافذہ والے امراء ہی کے ہوں، کیونکہ ظاہر ہے کہ رسول کی موجودگی میں کسی دوسرے کو یہ قوت حاصل نہ تھی۔ اس وقت رسول کی حیثیت امام اعظم کی تھی اور دوسرے سرداروں کی امام اصغر کی تھی جو اپنے اپنے قبیلوں یا فوج کے دستوں یا درس کی مسندوں پر متعین تھے۔

اسی آیت میں مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کا نقشہ بھی ہے، کہ جب دشمن کی کوئی خبر ملے یا اور کوئی اہم واقعہ معلوم ہو تو اس کی اشاعت کی مصلحت کو صرف اماموں اور سرداروں کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اس کی خبر پہلے امامت اور امارت کے مرکزی موقع پر پہنچانی چاہیے، تاکہ اگر وہ مصلحت سمجھیں تو اس کی اشاعت کریں یا اس خبر کی تحقیق کریں اور اس تنظیم اور جماعت کے نظام سے

روگردانی نفاق کی علامت اور شیطان کی پیروی ٹھہرائی گئی اور اسی لئے ایسے اشخاص جو اس جماعت کا ساتھ چھوڑ دیں ان کو قتل تک کر دینے کی اجازت دی گئی۔

احادیث کی روشنی۔ ہم نے اُوپر کی سطروں میں قرآن کی آیتوں سے جو کچھ ثابت کرنا چاہا ہے وہ احادیث صحیحہ سے بھی ثابت اور واضح ہیں :۔

من اطاعنی اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی (بخاری، کتاب الاحکام)

جس نے میری اطاعت کی، اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی خدا کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی۔

آپ فرماتے ہیں :۔

اِسْمَعُوا اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ (بخاری احکام)

سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر سردار نہ بنا یا گیا ہو جس کا سر سوکھے منقیٰ کی طرح کیوں نہ ہو۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :۔

من رای من امیرکم شیئاً یکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ،

(بخاری احکام ومسلم کتاب الامارہ)

جو تم میں سے کوئی اپنے امیر سے ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ کوئی جماعت سے اگر ایک بالشت بھی علیحدہ ہو جائے اور اسی حالت میں رہ جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

جماعت اور امارت۔ دیکھو یہی جماعت کا لفظ اس حدیث میں قومی نظام کے معنی میں بولا جا رہا ہے۔ اس بارے میں سب سے زیادہ صاف اور واضح حدیث حضرت حذیفہ والی روایت ہے۔ حضرت حذیفہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلعم سے خیر اور بھلائی کی نسبت سوال کیا کرتے تھے اور میں شر اور بُرائی کے بارے میں دریافت کیا کرتا تھا تاکہ وہ مجھے کہیں پا نہ لے۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم عرب جہالت اور بدی میں مبتلا تھے۔ خدا اسلام کی یہ بھلائی لایا تو کبھی اس بھلائی کے بعد پھر بُرائی کا دور بھی آئے گا، ارشاد ہوا ہاں! آئے گا، دوبارہ گذارش کی کہ کیا اس کے بعد پھر بھلائی کا زمانہ آئے گا، فرمایا، ہاں کسی قدر دل کے بگاڑ کے ساتھ، عرض کی وہ بگاڑ کیا ہوگا، فرمایا، کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو میرے طریقے کے خلاف چلیں گے، اچھی باتیں بھی کریں گے، بُری باتیں بھی کریں گے، گذارش کی، کیا اس اچھائی کے دَور کے بعد پھر بُرائی کا دور بھی آئے گا فرمایا، ہاں مستغرق لوگ ہیں جو جہنم کے دروازوں کی طرف لوگوں کو بُلاتے

ہوں گے، جو ان کی بات مانے گا وہ اس کو دوزخ میں پہنچا دیں گے، عرض کی، یا رسول اللہ ان کی صفت بیان فرمایئے
ارشاد ہوا کہ وہ ہماری ہی قوم کے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے، عرض کی، حضور! اگر یہ زمانہ میرے
سامنے آجائے تو کیا حکم ہے فرمایا۔ تلزم جماعۃ المسلمین و امامھم مسلمانوں کی جماعت کو اور اس کے
امام کو لازم پکڑو، عرض کی، یا رسول اللہ! اگر نہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی ان کا امام ہو تو کیا حکم ہے
فرمایا تو اس وقت ان سب مختلف فرقوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ اگرچہ درخت کی جڑ کھا کر زندگی بسر کرو یہاں
تک کہ تم کو موت آجائے تو بہتر ہے۔

یہ حدیث صحیح بخاری "کتاب الفتن" اور صحیح مسلم "کتاب الامارہ" میں ہے کہ یہ حدیث ہماری موجودہ مشکلوں
کی گرہوں کو کھولتی ہے۔

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کا نظام وہی ان کی جماعت اور اس جماعت کا رئیس وہی ان کا
امام ہے۔

۲۔ اسی امامت کے وجود سے جماعت کا وجود ہے، اگر امامت نہیں، تو جماعت نہیں، بلکہ وہ بٹے ہوئے
فرقے ہیں۔

۳۔ مسلمانوں کے تمام قومی اور اجتماعی کام اسی وقت جائز ہیں جب پہلے ان کی جماعت کا کوئی امام ہو
اس لئے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ وہ امام کے نصب و قیام کے
بعد ایک جماعت بن جائیں۔

۴۔ اگر امامت نہ ہوگی تو جماعت بھی نہ ہوگی اور جب جماعت نہ ہوگی تو ان کا کوئی کام درست نہ ہوگا۔

۵۔ اس لئے جب مسلمانوں میں امام و جماعت نہ ہو تو افراد کو جماعتی کاموں کو چھوڑ کر تنہا اپنی ذاتی نجات
کی فکر کرنا چاہیئے کہ امام و جماعت نہ ہونے کی صورت میں جماعتی کام کا خیال وقت عزیز کو ضائع
کرنا ہے۔

بنابریں ان تمام لوگوں کو جو مسلمانوں کا اجتماعی وجود چاہتے ہیں جو ان کے جماعتی کاروبار کو چلانا چاہتے
ہیں، سب سے پہلے خود مسلمانوں کو فرقوں کے بجائے جماعت بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اسی کا نام نظم
ملت ہے۔

اس وقت خلافت کی کیا شکل ممکن ہے؟

حضرات! یہ بالکل صحیح ہے کہ اس وقت کی ہمہ گیر اسلامی خلافت ناممکن ہے کوئی اسلامی سلطنت اپنے
کو کسی دوسری اسلامی سلطنت کی ماتحتی میں دینا گوارا نہیں کر سکتی، اس لئے حسب استطاعت جس حد تک ممکن

ہے۔ ایک قوی اسلامی حکومت کو مرکز مان کر تمام اسلامی سلطنتوں اور قوموں کو مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس کے گرد جمع ہو جانا چاہیئے۔ بہر حال اس مرکزی حکومت کی حکمران شخصیت کا سیاسی اثر اس کے حدود حکومت سے باہر صرف مذہبی و اخلاقی ہی ہونا ممکن ہے۔ اس صورت میں خلافت یا امامت کیا چیز ہوگی مسلمانوں کی سرداری جب تک مسلمان ممالک کی وسعت ایک دائرے کے اندر سما سکی تو یہ واحد منظم جماعت کی سرداری تھی چنانچہ خلافتِ راشدہ اور خلافت بنی اُمیہ میں اسپین سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک تمام مسلمان صرف ایک سردار کے زیرِ علم تھے۔ بنو عباس جب تخت نشین ہوئے تو اسپین الگ ہو گیا اور بقیہ ممالک ایک ساتھ ہے اس کے بعد خلافت عباسیہ کے ضعف اور ترکوں، تاتاریوں اور دوسری قوموں اور ملکوں میں اسلام کی اشاعت کے بعد جب بیسیوں اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں تو حقیقت میں خلافت یا امامت کی حیثیت آجکل کی اصطلاح میں مسلمان اقوام کی جمعیت کی سرداری کی ہو گئی۔ گویا صورت باقاعدہ نہ تھی لیکن خاکہ یہی تھا، جن لوگوں نے ہمارے رسائل "دنیائے اسلام" اور "خلافت" وغیرہ پڑھے ہیں ان کو اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام نے امامت یعنی مسلمان جماعتوں کی تنظیم اور سردار نظام یعنی امامِ جماعت کی صحیح اطاعت کو فرض قرار دیا ہے، مگر کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی بنا پر مسلمان اس کے فروعی اختیارات و طریقۂ تنظیم اور دیگر جزوی مسائل کی ترمیم و تجدید میں بالکل مجبور ہوں۔ اس لئے اگر موجودہ ضروریات اور مصلحتیں قدیم طریقۂ تنظیم میں کسی مناسب ترمیم اور تجدید کی متقاضی ہوں تو ان پر ہر وقت غور کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت یورپ بے چین ہے اس کا امن و امان معرض خطر میں ہے۔ سالہا سال کی خونریزی کے بعد اس نے اپنی بے چینیوں کا علاج جمعیۃ الاقوام کا نسخہ تجویز کیا، لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اسلام نے امامت کبریٰ یعنی تمام دنیائے مسلمانوں کی ایک سرداری کا نسخہ جو جمعیت اقوام اسلامیہ کے ہم معنی ہے پہلے سے ایجاد کر دیا ہے لیکن ہماری مسلمان قومیں اس نسخہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتی ہیں اور دوڑ دوڑ کر شتابانہ ہیگ کی عدالتِ عامہ اور جنیوا کی جمعیۃ الاقوام کی طرف جاتی ہیں اور اس کی رکنیت کو اپنی آزادی اور خود مختاری کا ضامن جانتی ہیں حالانکہ ان کی آزادی اور خود مختاری کی حقیقی ضمانت اگر ہو سکتی ہے تو امامتِ کبریٰ کی تنظیم ہے جس کو آپ مسلمان اقوام کی جمعیت کا لقب دے دیجیئے۔

ایھا الکرام! اس وقت دنیا کی سیاسی حالت جو کچھ ہے اس کی بنا پر یہ تصور تو نہ کیجئے کہ خلافت راشدہ واموبیہ کی طرح تمام دنیائے اسلام ایک مرکزی حکومت کے تحت میں براہ راست آکر منظم ہو سکتی ہے۔ یہ خیال بے سود ہے اور ہم کو اس سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ البتہ وہی صورتِ حال کسی قدر ترمیم کے ساتھ ممکن العمل ہے جو خلافت عباسیہ کی تھی۔ ایک مرکزی حکومت خواہ وہ کسی قدر کمزور بھی بغداد میں قائم تھی

اور مشرق میں سلطان محمود غزنوی و سلاطین سلجوقی اور مصر میں سلطان صلاح الدین ایوبی اور مغرب میں افریقہ و سسلی تک اور سلاطین اغالبہ تک اس کے ماتحت تھے لیکن ان میں سے ہر ملک بجائے خود اپنے قانون میں مستقل و خود مختار تھا۔

اس مرکزی حکومت خلافت کی طرف سے تمام ملکوں میں سفراء اور نمائندے مقرر ہوں جو مرکز کی طرف سے اُس ملک کے مسلمانوں میں رشتۂ نظامِ وحدت کا محافظ ہو۔ اور تمام دنیا کے اسلامی ممالک کو اس مرکزی خلافت کی مالی امداد منظم طریق سے دینی چاہیئے تاکہ وہ اس نظام کو باقاعدہ چلا سکے اور اس طرح ایک متحدہ اسلام مجسم ہو جائے گا۔

اس راستہ میں کہاں تک سفر طے ہوا

حضرات! موجودہ حالت میں مسلمانانِ عالم کی تنظیم و وابستگی کی، جو تفصیل کی گئی ہے خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کی کوششیں اس باب میں بہت کچھ سرسبز ہوئی ہیں تونس، شام، مصر اور ہندوستان میں جمیعت ہائے خلافت قائم ہو چکی ہیں۔ دنیائے اسلام کے مسلمان اب دوسرے ملک کے مسلمانوں سے ربط و تعلق کے اظہار میں اب مرعوب نہیں ہیں مسلمان حکومتیں جو پہلے اس کا نام لیتے گھبراتی تھیں وہ اب بطور نظریئے کے اس اعلان سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ شیخ جمال الدین مرحوم کی اُمیدوں کے پورا ہونے کا موسم اب قریب آرہا ہے کیسا خوش آئند سماں ہے کہ افغانستان تاجدار ایران کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو سر بکف ہے ایران کا رضا شاہ اسلامی حکومتوں میں رشتۂ اتحاد کے لئے بے قراری ظاہر کرتا ہے۔ ایران، افغانستان اور ٹرکی میں باہمی معاہدے ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کے خواہاں ہیں۔ ایران و ٹرکی کی باہمی غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں، نجد کا سلطان مصر و افغانستان و ایران و ٹرکی اور ہندوستان کے سلاطین اور اولوالامر اور زعماء سے نامہ و پیام کرتا ہے اور ان کو موتمر اسلامی کی دعوت دیتا ہے، ریف کا امیر محمد بن عبدالکریم مشرق کے آخری گوشہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کو یاد کرتا ہے۔ مصر کی موتمر اسلامی تمام اسلامی ملکوں اور ان کے زعیموں سے مراسلات رکھتی ہے اور اجتماع کی دعوت دیتی ہے۔ شام کا رہنما سلطان پاشا اطرش اُمّت اسلامیہ کے نام فریاد کرتا ہے، باہم عید و مسرت کے پیغامات بھی آ جا رہے ہیں، دنیائے اسلام کے چاروں گوشوں میں امیر امان اللہ، رضا شاہ پہلوی، مصطفیٰ کمال، امیر محمد بن عبدالکریم، سلطان ابن سعود، امام حمید الدین یحییٰ، سعد پاشا زغلول اور سلطان پاشا الاطرش جیسے سرفروش مجاہدین، سیاسی مصلحین اور ملکی نجات دہندہ پیدا ہو جاتے ہیں اور ہندوستان میں بھی مسلمان اپنی بساط کے مطابق سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اب صرف یہ ضرورت ہے کہ تمام الگ الگ تار ایک ساتھ جوڑ دیئے جائیں تاکہ اس سازِ محمدی سے صوت

وحدت سامعہ نواز ہو۔

موتمرِ اسلامی۔

یا نواب الامہ! اسی متخیلہ کو قوت سے فعل میں لانے کے لئے ایک عالم گیر موتمر اسلامی کی سخت ضرورت ہے جو دنیائے اسلام کو ایک متحدہ شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرے۔ موتمر اسلامی کا تخیل کوئی جنونِ مذہبی نہیں ہے، عصر جدید میں اس تحریک کا سب سے پہلا بانی روس کا ایک مصلح مسلمان غیر فسکی مدیر "وقت" (کریمیا) ہے موصوف نے غالباً ۱۹۰۷ء میں سب سے پہلے مصر میں اس کی دعوت پیش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب حال میں اس آواز کو ہندوستان کے چند وارفتگان ملت نے دوبارہ بلند کیا، سوئزرلینڈ میں مقیم مختلف ملکوں کے سیاسی مسلمان نوجوانوں نے چند سال ہوئے جنیوا میں جمعیۃ الاقوام کے اس اجلاس کے بعد جس میں ٹرکی کا فیصلہ ہوا، مشرقی اقوام کی کانفرنس کی تحریک کی، اس دفعہ کامیابی نے اتنی ترقی کی کہ چند قوموں کے نمائندے یکجا ہو سکے۔ خلافت کے تعلق سے جمعیۃ خلافت اور جمعیۃ العلماء نے اس صور کو اور زیادہ بلند آہنگی سے پھونکا نتیجہ اس قدر کامیاب ہوا کہ بعض اسلامی سلطنتوں نے ادھر توجہ کی بعض مسلمان بادشاہوں کی زبانوں پر اس کے نام آئے۔ شریف علی نے گو اس کو رد کر دیا مگر سلطان ابن سعود نے حجاز کے عام حالات پر غور کرنے کے لئے اس کا انعقاد منظور کیا اور اس کے لئے کئی اعلانات شائع کئے اور جیسا کہ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ موسم حج میں یہ امکان واقعہ کی صورت اختیار کر سکتا ہے اگر ہماری یہ توقع درست ثابت ہوئی تو عالم اسلامی کا وہ اسم (جماعت) جس کا بعض حلقوں میں مسمی نہیں اپنے مسمی کا وجود ثابت کرے گا۔

سلطان نے اپنے اعلان میں ہندوستان کو تین نمائندوں کا حق دیا ہے جس میں ایک جمعیۃ العلماء کی طرف سے ہوگا، میرے خیال میں یہ مناسب نہ ہوگا کہ اندرونی فرقہ وارانہ نمائندگی کو قبول کیا جائے ورنہ اس کا سلسلہ بہت وسیع ہوگا اور بجائے جمعیت کے یہ تفرق اور انتشار کا باعث ہوگا۔

موتمرِ قاہرہ۔

ٹرکی کے عزلِ خلافت کے بعد سے مصر میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ بدستور سابق پھر مصر خلافت کا مرکز قرار پائے۔ سرکاری علمائے مصر اس خیال کے محرک ہیں اور سلطان فواد کی طرف سے اس خیال کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے، اس کے لئے جامع ازہر اور صدر دفتر مدارس دینیہ میں باقاعدہ دفتر قائم ہے۔ اس کی طرف سے اس دعوت کو دنیائے اسلام میں عام کرنے کے لئے ایک ماہوار عربی رسالہ مفت تمام دنیائے اسلام میں شائع ہوتا ہے گذشتہ سال مارچ ۱۹۲۵ء میں اس کا اجلاس عام ہونے والا تھا مگر

مصر کے سیاسی انقلاب اور حجاز کی جنگ کے باعث وہ ملتوی ہوگیا۔ مجھے بھی دیگر ارکانِ وفدِ خلافت حجاز کے ساتھ اس دفتر میں جانے اور علمائے بانیانِ تحریک سے ملنے اور گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا، ان کی سخت خواہش ہے کہ ہندوستان کے علماء اور اصحاب الرائے بھی اس میں شرکت کریں چنانچہ ہم نے ان کو ہندوستان کی شرکت کی توقع دلائی تھی، چنانچہ امسال مئی میں اس کے اجلاس کا اعلان ہوا ہے میرا خیال ہے کہ بانیانِ کار اور داعیانِ موتمر کی نیت جو کچھ ہو، مگر ہندوستان کو اس میں شرکت کرنی چاہیئے، تاکہ کسی نہ کسی نوع ایک عالم گیر اسلامی موتمر کی صورت تخیل سے وجود میں تو آجائے، اختلاف کے بعد ممکن ہے کہ آئندہ اتفاق کی کوئی شکل میسّر آئے میرے نزدیک نفس اجتماع کی اہمیت بھی اس قدر زیادہ ہے کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے تاکہ اسلامی وحدت کا ابتدائی خاکہ گو اس کی لکیریں ٹیڑھی ہوں کسی قرطاسِ عمل پر کھنچ جائیں۔

چند خطرات۔

یا معشر العلماء! ان مسرت افزا اور خوش آئند تحریکات کے ساتھ اس راہ کے چند خطرات بھی ہیں جو دُور بیں نگاہوں کے سامنے ہیں اور وہ یورپ کے اثر اور جدید تعلیم کے مہلک نتائج ہیں جو اسلامی ممالک میں سرعت کے ساتھ پھیل رہے ہیں، ہر دردمند اسلام کا فرض ہے اور خصوصاً علماء کا فریضہ ہے کہ وہ ان فواسد کے انسداد کی تدبیریں سوچیں، کیونکہ اگر ہر ملک کے مسلمان علماء نے اِدھر توجہ نہ کی تو دنیائے اسلام کی سیاسی ترقیوں کے ساتھ وہ روگ بھی قائم رہے گا جو اس وقت یورپ کی قوموں اور سلطنتوں میں لگ گیا ہے اور جس سے وہ بشکل جانبر ہوسکتا ہے یہ خطرات کیا ہیں؟ اور ان کے انسداد کی کیا تدبیریں ہیں یہ خاص علماء کے غور و فکر کا مسئلہ ہے اور اسی کے حل ہونے پر دنیائے اسلام کی روحانی و معنوی حیات و ممات کا فیصلہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک طرف قوم میں جدید تعلیم اور یوروپین تمدن کے اثرات پھیل رہے ہیں جو یورپ کی ہمنوائی و تقلید پر آمادہ کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ قوم کو مذہبیت اور گذشتہ عہدِ سلف کی طرف دعوت دے رہے ہیں یہ دونوں راستے کیوں کر کسی اعتدال کے صراطِ مستقیم پر آکر مل سکتے ہیں، اس بارے میں میرے جو خیالات ہیں، وہ پہلے بھی ظاہر ہوچکے ہیں تاہم مزید اہتمام اور غور و فکر کے لئے آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں:

شریعت و مدنیت، اخوتِ اسلامی و دین و سیاست۔

حضرات! وہ خطرات، اسلامیت کے مقابلے میں قومیت و وطنیت اور شریعت کے مقابلہ میں قانون

کا مسئلہ ہیں۔ عیسائی مشنریز مسلمانوں کے اس ذہنی تغیر سے نہایت خوش ہیں چنانچہ "دی انٹرنیشنل ریویو آف مشنریز" [THE INTERNATIONAL REVIEW OF MISSIONARIES] میں گذشتہ ۱۹۲۴ء کے آخیر نمبروں میں اس موضوع پر ڈاکٹر چارلس آر واٹسن [DR. CHARLES R. WATSON] نے ایک نہایت مسرورانہ مضمون لکھا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یورپ کے فاتحانہ غلبہ اور تمدن و ترقی اور شان و شکوہ کے نظارہ نے ہمارے ترقی خواہ نوجوانوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنی پوری تلاش و تحقیق سے یورپ کی اس موجودہ ترقی و تفوق کے اسرار ڈھونڈے تو انھیں ان ہی تین باتوں کا سراغ ملا۔ اصول مذہبی کو چھوڑ کر اصول تمدن کو اختیار کرنا، عالمگیر مذہبی برادری کے خیال کو ترک کر کے قومیت اور حب وطن کی روح کو تازہ کرنا، مذہب اور سیاست کو باہم الگ کر دینا۔
شریعت و مدنیت۔

انھیں اصول سہ گانہ کا یہ اثر ہے، کہ کوئی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام میں سیاست اور نظام حکومت کا کوئی خاص خاکہ فرض نہیں کیا گیا ہے جس کو چھوڑ کر ہم دوسرے بہتر سیاسی خاکہ کو قبول نہ کر سکیں عالمگیر خلافت کا تصور اسلام میں نہیں، کیونکہ یہ قومیت اور حبِ وطن کی روح اس کی اسپرٹ کے خلاف ہے سیاسی اور مذہبی طاقتوں کو الگ الگ ہاتھوں میں ہونا چاہیئے تا کہ سیاسی عنان داروں اور تمدنی مصلحین کے راستہ میں مذہبی احکام کی موجودگی سدِ راہ نہ ہو سکے۔

ان تمام ضلالتوں اور غلط فہمیوں کا صرف ایک سبب ہے اور وہ ہمارے طبقہ کے بعض گروہوں کا جمود ہے اور موجودہ تقلیدی رسمی اعمال و افعال کو اصلی مذہب کا رتبہ دینا، بدعات و خرافات اور رسوم و رواج کو اصلی دینداری جاننا، پچھلے دورِ انحطاط کے فقہا اور ان کے فتاویٰ پر اس قدر جمود گویا کہ وہ غلطیوں سے معصوم اور خطاؤں سے مبرا ہیں اور کتاب و سنت کے اصل ماخذ مرکز اور آئمہ سلف کے اصل اجتہادات کی طرف تمدنی مشکلات اور مذہبی مسائل کے حل کرنے میں رجوع نہ کرنا اور یقین کرنا کہ نئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا اور ہمارے نوجوان تعلیم یافتوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہی لوگ اسلام کے اصلی نمائندے ہیں اور مسلمان اس وقت جن خیالات، بدعات اور خرافات میں مشغول و مصروف ہیں یہی اسلام اور یہی مسلمانی ہے۔

دوسری طرف یورپ کی ظاہری شان و شکوہ، چہل پہل، غلبہ و استیلاء کا ہمارے نوجوان افراد ملت پر اور خصوصاً مصر و ترکی، تونس اور شام کے نوجوان مسلمانوں پر یہ اثر ہوا ہے کہ وہ یورپ کی ہر ادا کو محبوب، اس کے ہر فعل کو صواب، اس کی ہر حرکت کو مایۂ نازش، اس کے ہر خیال کو آیتِ یقین، اس کے ہر

نظریہ کو ہمپایۂ وحی، اس کے ہر فیصلہ کو ناقابلِ شکست، اس کی ہر آواز کو ہم معنی قم باذنی سمجھتے ہیں اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ غلط، سزاوار ترک اور باعثِ انحطاط ہے۔

غرض اس وقت عام طور سے جو تعلیم پھیل رہی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کا نتیجہ ہی یہ ہونا چاہیئے کہ ہر اسلامی ملک میں دو قسم کے لوگ پیدا ہو جائیں۔ قدیم مذہبی تعلیم کے فرزند جو مذہب اور اسلامی تمدن کے احکام اور مصالح کو خوبصورتی کے ساتھ جدید قالب اور ضروریات میں ڈھال کر نہیں پیش کر سکتے اور دوسری طرف جدید تعلیم کی نسل ہے، جو فرنگیت میں ڈھل کر سوائے یورپین تمدن اور یورپین علوم اور یورپین قوانین کے اپنے گھر سے بالکل بیگانہ ہے اس دو عملی میں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کسی ملک میں بھی کوئی قومی نظام نہیں بن سکتا، یہی جنگ ٹرکی میں علماء اور فرنگی مآب اشخاص کے درمیان ہے، یہی جنگ بخارا اور ترکستان میں قدیمی اور جدیدی دو فرقوں کے ناموں سے برپا ہے، یہی جنگ افغانستان میں ملاؤں اور عام اصلاح طلب نوجوانوں کے اندر پیدا ہوئی ہے۔

سچے علما کی ضرورت۔ ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے ہر ملک میں ایسے علماء پیدا ہوں، جو جدید علوم و فنون و آداب سے واقف ہو کر، نئے علوم و فنون و تمدن سے متاثر افراد ملت پر اپنا اثر قائم کریں اور شریعت کے آداب و مصالح اور اسرار و حکم سے ان کو آگاہ کریں اور ان کے زاویۂ نظر کے مطابق یا وہ اگر غلط ہے تو اس کو درست کر کے مذہب کے احکام کو دکھائیں کہ ان کے فہم میں آئیں۔ اور وہ خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے "کلموا الناس علی قدر عقولهم تحبون ان یکذب الله و رسوله (او کما قال) اور اسی طرح ہمارے نوجوان جدید التعلیم اشخاص کا فرض ہے کہ وہ مذہبی تعلیم حاصل کریں اور یہ یقین نہ کریں کہ صرف یورپ اور یورپ کے احکام و طرزِ تمدن کی نقالی ہی ان کی سیاسی و اقتصادی بدبختی کا درمان ہو سکتی ہے۔

آج کل اسلامی سلطنتوں کے کارفرما اور ارکان مجالس تمام تر وہ افراد ہیں جو مذہبی قوانین و احکام اور کتاب و سنت اور فقہ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے سامنے صرف موجودہ یورپین سلطنتوں کی نظریں ہیں، وہیں کے قوانین انھوں نے پڑھے ہیں اور وہیں کا فلسفہ قانون وہ جانتے ہیں اور اسی کو وہ ترقی کا راز اور سلطنتوں کے سدھار کا اصلی سبب سمجھتے ہیں۔ یورپ میں سیاست اور مذہب کو الگ کر دیا گیا ہے، مذہبی لوگوں کو سلطنت اور وضع قانون سے واسطہ نہیں اور سلطنت اور قانون کے کارپردازوں کو مذہب اور دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سوائے طلاق کے اور کوئی قانون عیسوی مذہب کی انجیل

میں نہیں اس لئے عیسوی مذہب قانون سے خالی ہے اس لئے پادریوں کو سلطنت و قانون سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اسلام کا یہ حال نہیں۔

اسلامی قانون کی بنیاد - یورپ کے قانون کی اساس رسم ورواج اور رومن قانون ہے اور اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب، سنت اور ان سے ماخوذ آئمہ سلف کی فقہ ہے یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتوں کے لئے ناکافی ہے انتہائی جہالت ہے۔ ابھی ہماری سلطنتیں تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہ کرسکیں، لیکن ہماری گذشتہ سلطنتیں جو صدہا سال سے دنیا کے طول وعرض میں قائم رہیں ان کا مدار انہیں اسلامی قانونوں پر رہا اور انھوں نے وہ عروج وترقی حاصل کی اور وہ عدل وانصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا، جس کی نظیر موجودہ سلطنتوں میں بھی نہیں مل سکتی خلافتِ راشدہ، خلافت بنوامیہ اور خلافت عباسیہ میں جب تک دم رہا، براہ راست کتاب وسنت اور آئمہ کے فیصلوں پر عمل رہا، لیکن تیسری صدی کے بعد سے جب فقہی فرقے پیدا ہوئے اور تقلید کا آغاز ہوا اب بھی شافعی، مالکی اور حنفی فقہیں بڑی بڑی سلطنتوں کا قانون رہیں، اسپین اور مراکش مغرب کی عظیم الشان سلطنتیں فقہ مالکی پر چلیں، سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت فقہ شافعی پر قائم تھی، سلجوقیوں، مصر کی چرکسیوں، عثمانی ترکوں اور مغلوں اور پٹھانوں کی تمام سلطنتیں حنفی فقہ کے اصولوں پر حکمراں رہیں، مگر ان کی دنیاوی ترقیوں، فتوحات، مالی خوشیوں اور عدل وانصاف میں یہ اسلامی قانون کبھی عائق نہیں ہوئے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ اسلامی سلطنتوں میں کبھی کبھی ظلم بھی ہوئے مگر یقیناً یہ اسلامی قانون کے ماننے سے نہیں ہوئے بلکہ ان کے نہ ماننے سے ہوئے۔ وہ مظالم قانون پر عمل کرنے کے نہیں بلکہ قانون کے توڑنے کے نتائج ہیں، خصوصاً ترکی تاتاری اور مغل سلاطین کہ انھوں نے فقہ اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمان ہوجانے کے باوجود بھی چنگیز و ہلاکو کے سیاست نامہ کو نہیں چھوڑا اور اس کے لئے جب کبھی ایماندار اور بہادر علمار کا وجود ہوا انھوں نے ایمانی شجاعت کے ساتھ سلاطین کا مقابلہ کیا۔

بہرحال یہ سلطنتیں گو پوری پوری شریعت اسلامیہ پر عامل نہیں رہیں تاہم وہ کامیاب رہیں تو اگر وہ حقیقت میں اسلامی قانون پر کاربند ہوتیں اور سلاطین اپنے کو مطلق العنان نہ سمجھتے بلکہ قانون الہٰی کے پابند رہتے تو ان کی ترقی اور عدل وانصاف کے نمونے خدا جانے کیا کیا ہوتے، ہمارے جدید ارکانِ سلطنت کو یہ دھوکہ ہے کہ ہماری سلطنتیں اسلامی قانون کی پابندی سے برباد ہوئیں حالانکہ وہ انکے سلاطین کی مطلق العنانیوں اسلامی قانون کے عدم متابعت اور اسلامی اصولِ سلطنت کو نہ برقرار رکھنے سے تہ وبالا ہوئیں۔

ہمارے نوجوان ارکانِ سلطنت کہتے ہیں کہ آج ہم کو نئی نئی ضرورتیں درپیش ہیں نئے نئے مسائل سامنے

ہیں۔ نئے نئے معاملات اور معاملات کی نئی نئی صورتیں آگئے ہیں جن کا جواب ہم کو اسلام کے قانون سے نہیں ملتا۔ لیکن اس کی وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے ہماری پُرانی سلطنتوں کی طرح علمائے مجتہدین کے پیدا کرنے کا سامان نہیں کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کی سلطنت کی ضروریات، ہارون الرشید کی سلطنت کی ضروریات کے بالکل برابر تھیں، زمانہ کے ہر قدم کے ساتھ معاملات کے نقشے بھی بدلتے رہتے ہیں مگر ہارون الرشید کے ساتھ قاضی ابو یوسف کا بھی وجود تھا۔

حضرات! ٹرکی میں تعلیم کے اندر جو انقلاب پیدا کیا گیا ہے اس کی صورت یہ کی گئی ہے کہ دینی اور دنیوی درس گاہیں جو اب تک جدا جدا تھیں بند کر دی گئی ہیں اور دونوں علوم کی جامع درس گاہیں جامعہ ترکیہ قسطنطنیہ کے ماتحت کر دی گئیں اور دینیات و الٰہیات کی تعلیم باہم اس میں ضم کر دی گئی ہے ایک مجلس (فیکلٹی) الٰہیات قائم کر دی گئی ہے اس مجلس کی ترکی تالیفات میں نے ایک نظر دیکھی ہیں، علم کلام جدید کی دو جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ایک ماہوار مذہبی رسالہ اس کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ مگر جو کچھ اس میں نقص ہے وہ یہ ہے کہ مذہبی عنصر اس میں کم داخل ہے، ٹرکی میں جو قوانین نکاح و طلاق و خلع کے بنے ہیں۔ ان میں یہی نقص ہے کہ ان کی تعبیر شرعی رنگ میں نہیں کی گئی ہے جس سے لوگوں میں یہ بدگمانیاں پھیلتی ہیں۔ حالانکہ علمائے اسلام کا دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ بالکل سچ ہے کہ شریعت اسلامی ہر قسم کے ضروری مناسب عقل و مصالح قوانین کے لئے بالکل کافی ہے، ضرورت مجتہدانہ تعلیم کی ہے۔

موجودہ جمہوریت اور اسلامی اصول۔

اس قدر جو کچھ کہا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے موجودہ ارکانِ سلطنت اسلامی اصول سیاست پر سلطنت کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتے ہیں کہ ان کی سلطنتیں مذہب اور مذہبی اثر سے بالکل خالی ہوں اور وہ اس کو اپنی کامیابی کا ذریعہ جان رہے ہیں، اسی لئے وہ خلافت کے قبول کرنے سے جس کی بنا پر ان کی سلطنت مذہبی ہو جائے گی اپنے کو بچاتے ہیں، جمہوریت جس کی ہوا آج کل دنیا میں چل رہی ہے۔ وہ لوگ اپنی کوتاہ اندیشی اور علمائے وقت کی تنگ خیالی کے باعث اسلام کے اصولِ سیاست اور طریق حکمرانی کے خلاف سمجھ رہے ہیں، اس لئے بھی اپنی جمہوریت کے بچانے کے لئے خلافت سے دست برداری کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ غائت درجہ کی اسلام کی روح سے ناآشنائی کا ثبوت ہے، اسلام نے تو جمہوری سلطنت کا نقشہ ہمارے پیشِ نظر کیا ہے لیکن ہمارے سلاطین اور امرا نے اس نقشہ کو شخصیت کے رنگ میں بدل دیا ہے۔

البتہ موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں کچھ فرق بھی ہے موجودہ جمہوریت کے لئے شریعت

الہٰی سے واقفیت ضروری نہیں، اسلامی جمہوریت کی صدارت کے لئے دوسرے شرائط کے ساتھ شریعتِ الہٰی سے واقفیت ضروری ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ رایوں کی اکثریت اور قلت غلطی اور صواب کا معیار نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت سے قریب ہونا یا نہ قریب ہونا صحت اور خطا کی پہچان ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہمارے ارکانِ سلطنت جس طرح رومن لا اور یورپین قوانین سے واقف ہیں، وہ اسلامی قانون سے بھی آگاہ ہوں، بلکہ وہ جس طرح قوانین یورپ کے ماہر ہیں۔ وہ خود اسلامی قانون اور اس کے آخذ سے آگاہ ہوں، تو وہ خود علماء ہیں اور ان کو تنگ خیال ملاؤں" کی بھی شکایت نہیں رہے گی اور اُن کو مذہب؛ یا تمدن؛ کی کش مکش سے نجات مل جائے گی۔

اب تک فقہ اسلامی اور قانون دنیاوی پر جو بحث کی گئی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام روحانی اور سیاسی دو الگ الگ قوتوں سے واقف نہیں۔ عیسائی یورپ کا مدار انجیل کے اس فقرہ پر ہے کہ "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو، جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو"۔ لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان الحکم الا للہ "خدا کے سوا اور کسی کی حکومت نہیں" بقول ایک امریکن مصنف کے" قیصر کون ہے، جو خدا کی بادشاہی میں ساجھی ہے؟" اسلام میں چرچ اور اسٹیٹ، دین و دنیا دو الگ چیزیں نہیں۔ دنیا داری ہی کو قانونِ الہٰی کے مطابق انجام دینا دین داری ہے، جو اسٹیٹ کا سپاہی ہے، وہی چرچ کا نمازی ہے۔ ان دونوں کو الگ کرنا ہی تو ہماری تباہی کا سبب ہوا ہے اگر ہماری دنیا داری دین داری ہوتی اور دینداری دنیاداری، اور اگر ہمارے سپاہی نمازی ہوتے اور ہمارے نمازی سپاہی ہوتے تو یہ دن ہی دیکھنے کیوں پڑتے؛

اخوتِ اسلامیہ اور قومیت۔ ایھا السادۃ! ہماری تفریق اور انتشار کی مصیبت کو جس نے سب سے زیادہ اُبھارا ہے وہ قومیت پرستی کا وہ جذبہ ہے، جو یورپ کے نیشنلزم کی نقالی کرکے ہم نے حاصل کیا ہے یہی وہ جذبہ ہے جس کے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا، اُس کے نزدیک تمام کلمہ گو خواہ وہ کسی قومیت، کسی وطن سے تعلق رکھتے ہوں اور کوئی زبان بولتے ہوں، ایک ہی قوم ہیں انما ملتکم ھذہ ملۃ واحدۃ قومیت کی تفریقیں جن سرچشموں سے نکلتی ہیں، وہ تین ہیں نسل، وطن اور زبان، نسل کی قومیت کو اس نے جاہلیت کی عصبیت" کہہ کر پکارا ہے، اس کی صدا تو یہ تھی۔ "ہم نے تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لئے بنایا ہے تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچانو" ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم "تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے" جس نے کہا "ہاں عجمی کو عربی اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں"، جس نے کہا" ہاں! اے انسانو! تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے"

وطن کی حقیقت اس کے نزدیک اسی قدر ہے کہ وہ انسانوں کے بسنے کا ایک مقام ہے اور اس کو ہر برائی اور بدی سے بچانا اور خیر و فلاح سے مالا مال کرنا اس کا فرض ہے مگر مسلمان دیارِ اسلام کے جس حصے میں بھی پہنچ جائے وہی اس کا وطن ہے کہ زمین خدا کی زمین ہے، اس کی ملکیت انسانوں کو نہیں دی گئی۔ اسی کا اثر تھا کہ اٹلانٹک سے گنگا تک ایک وطن اور ایک ملک تھا جس کا نام دارالاسلام تھا۔ زبانوں کی تفریق اپنی خاص زبان عربی دے کر تمام دیگر زبانوں کے خارجی امتیازات کو اس نے فنا کر دیا تھا اور اس طرح دنیا میں ایک واحد قوم، ایک واحد وطن اور ایک واحد زبان عطا کر دی تھی غرض مسلمانوں میں اب تک صرف ایک قومیت تھی اور وہ صرف اسلام کی۔ مسلمان جس ملک سے جس ملک کو نکل جاتا تھا وہ اپنے کو تمام حقوق کے لحاظ سے اپنے ہی ملک میں سمجھتا تھا، مگر اب ترک اپنی تورانیت، ایران اپنی پارسیت، مصر اپنی مصریت، عرب اپنی عربیت پر نازاں ہے اور اسی جذبہ کی ترقی کو اپنی آئندہ کامیابی کی بنیاد قرار دینا چاہتا ہے، بحمد اللہ کہ ہندوستانی مسلمان اب تک اس نجاست سے پاک ہے۔

دیکھنے میں یہ معمولی بات ہے مگر اس کا نتیجہ آپ جانتے ہیں کس قدر اہم ہے، جس جذبہ کو ترقی دی جائے گی وہی ہماری حیات کا رشتہ بن جائے گا، اگر مسلمانوں کی بنیاد اسلامیت پر رکھی جائے گی تو مذہبی روح کے دوبارہ پیدا ہونے کی اُمید ہے، جیسا کہ ہندوستان کی اس گذشتہ تحریک میں ہم نے دیکھ لیا لیکن جن اسلامی ملکوں نے اپنی اپنی کوششوں کا محور قومیت اور وطنیت کو قرار دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں جاہلیت کا عہد دوبارہ عود کر آنے کا خطرہ دامن گیر ہے۔ نوجوان مصری اپنے اہرام اور اپنے فراعنہ پر ناز کر رہا ہے، نوجوان ایرانی اپنے زردشت اور دارا اور خسرو پر فخر کر رہا ہے، نوجوان عرب امرالقیس اور عنترہ پر پھول رہا ہے اور سبا و حمیر کے تمدن کو یاد کر رہا ہے۔ نوجوان ترک ہلاکو اور چنگیز کی اولاد ہونے پر شاداں اور فرحاں ہے۔ اسلام کا فرزند کوئی نہیں مولانا محمد علی نے وفدِ خلافت یورپ کی ایک تقریر میں مصری بھائیوں کے جواب میں ایک نہایت بلیغ فقرہ استعمال کیا تھا، انھوں نے کہا "اگر تم کو موسیٰ پر ناز ہے تو تم ہمارے بھائی ہو لیکن اگر تم کو اپنے فرعون پر ناز ہے تو ہم کو تم سے تعلق نہیں"۔

آج مصر و ایران اور ترک و عرب ممالک میں نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ نوجوانوں میں یہ قومی جذبات ترقی پا رہے ہیں، یہ جس قدر زیادہ ترقی پاتے جائیں گے اُسی قدر عالمگیر اسلامی نظام کے دانے بکھرتے جائیں گے فلسفۂ تاریخ عثمانی کے رازداں جانتے ہیں کہ ترکوں کی یورپ میں فتوحات اور ترقی کا راز یہ تھا کہ ایک طرف ترک و عرب و کرد و رومی مسلمان قومیں متحد تھیں اور دوسری طرف عیسائی کیتھولک اور آرتھوڈکس کی فرقہ بندیوں میں بٹے ہوئے تھے، ہر عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقے کی تباہی سے خوش ہو رہا تھا، زمانہ اُلٹا تو

صاف حالت بدل گئی، مسلمان ترک و عرب کی قومیتوں میں بٹ گئے اور ادھر تمام عیسائی قومیں متحد ہوگئیں، نتیجہ زوال تھا۔

ایہا السادۃ الاعلام! انھیں اسباب کی بنا پر آج سخت ضرورت ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں اور ارض مقدس سے بڑھ کر جو مہد اسلام ہے اور کون زمین اس کی مستحق ہوسکتی ہے کہ وہاں ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم ہو جس کا نظام عمل خلافت راشدہ کے منہاج، شریعت کے قانون، اخوت اسلامیہ کی قومیت اور دین کی سیاست پر مرتب کیا جائے اور اس کو با امن وکامیاب، مضبوط و محفوظ، اور دنیا کے دیگر ترقی یافتہ خالص قانونی، مدنی ملکوں کے پہلو بہ پہلو کامیاب کر کے دکھایا جائے۔ تاکہ خود مسلمان سیاسی ملحدین، اور یورپ کو یقین آ جائے کہ اسلام کا نظام قانون و سیاست اب بھی انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا اسی طرح ضامن ہے جس طرح پہلے تھا۔ زمانے کے انقلاب اور حوادث نے اس کے نظام کو بے کار نہیں کر دیا ہے، کہ وہ خود خالق فطرت کی طرف سے ہے اور انسانیت و بشریت کے خیر و فلاح کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس حقیقت کی اہمیت کو ہمارے علماء اور عام مسلمان اُمید ہے کہ پوری طرح محسوس کریں گے، کہ یہ دراصل اسلام کی ظاہری نہیں معنوی حیات و ممات اور اعتقاد و تشکیک کا مسئلہ ہے خدا کا شکر ہے کہ اس وقت اس کے لئے ارض عرب میں ایک موقع ہاتھ آیا ہے اور مسلمان چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ ۲۵ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ [۱۱ جنوری ۱۹۲۶ء] کو سلطان ابن سعود نے حرم میں جو خطبہ دیا، اس کے یہ الفاظ اس موقع پر خاص طور سے یاد رکھنے کے قابل ہیں:۔

"یہ بھی سن لیجئے کہ ہم اس تمدن کا جس میں ہمارا دین، ہماری عزت اور ہمارا شرف (اخلاق) محفوظ رہے دل سے خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں لیکن جو تمدن ہمارے دین، ہماری آبرو اور ہمارے شرف (اخلاق)، کو برباد کرنے والا ہو تو خدا کی قسم خواہ ہماری گردن ہی اس راہ میں قربان کیوں نہ ہو، لیکن ہم اس کو قبول نہ کریں گے۔"

ضرورت ہے کہ سلطان کے سامنے صحیح اسلامی حکومت کا ایک خاکہ پیش کیا جائے، اُمید ہے کہ وہ اس کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت عرب دنیائے اسلام کی مخصوص توجہ کا محتاج اور حاجت مند ہے، کہ تمام مسلمان اس کی راہ میں جو خطرات ہیں ان کو سمجھیں اور ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

ارض اقدس۔ حضرات! دنیائے اسلام کی روحانی و معنوی تنظیم کے لئے سرزمین اقدس کی حفاظت اور دست اغیار سے اس کا پاک رہنا ضروری ہے۔ عرب کے سواحل اسی وقت سے یورپ

کے دستِ بُرد میں ہیں، جب سے ہندوستان کے سواحل پر یورپ کے تجارتی و جنگی جہاز آکر ٹھہرے ہیں۔ عرب کی غلامی صرف ہندوستان کی غلامی کے صدقہ میں ہے۔ عرب کی اصلی آزادی اسی وقت ممکن ہے، جب ہندوستان آزاد ہو۔ بحرِ عرب کا ایک ساحل اسی وقت آزاد ہوگا جب اس کے مقابل کے بحرِ ہند کا ساحل آزاد ہو۔ اب خطرہ کی ایک اور نئی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ بحرِ ہند میں اب تک کوئی انگریزی بیڑا نہ تھا لیکن اب تجویز یہ ہے کہ شاہی ہندوستانی بیڑا قائم ہو جو خلیج فارس اور بحرِ عرب کی غارت گری میں کام آئے ورنہ بظاہر ہندوستان کا کوئی نیا بحری دشمن ابھی پیدا نہیں ہوا ہے، جس کی خاطر تو امنع کے لئے یہ کوششیں ہو رہی ہیں اور ہندوستان کی گرفتاری کے لئے ایک اور نئی زنجیر بن رہی ہے۔

عرب کے سواحل تو سولھویں صدی سے اہلِ یورپ کے شکنجہ استیلا میں ہیں۔ انگریزوں نے خلیج فارس کے دہانے سے لے کر بحرین، دوبئی، عمان سے عدن تک کو اپنے ظلِ عاطفت میں لے لیا ہے اور بدبختی یہ ہے کہ خود مسلمان شیوخ باہمی عداوت سے ایک دوسرے کے مقابلے میں انگریزی حفاظت کی زنجیر اپنے پاؤں میں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ عرب کے متعلق تین خطرے ہیں۔ سیاسی، عیسائی مشنری اور یورپین تمدن۔ سیاسی خطرہ یہ ہے کہ عرب قبائل اور صوبوں کو جس طرح ممکن ہو، چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم کر کے ان کی قوت کو بانٹ دیا جائے، چنانچہ یہ عمل سواحل پر صدیوں سے جاری تھا۔ حکومتِ ٹرکی کے وجود تک اندرونِ عرب پر ایک ملکی وحدت قائم تھی، اس سایہ کے اٹھ جانے سے ایک ملک بیسیوں ملک بن گئے ہیں۔ عرب اس وقت چھوٹی بڑی کم از کم پندرہ سولہ ریاستوں میں منقسم ہے، اس خطرے کے دور کرنے کی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ چھوٹی ریاستوں کو توڑ کر یا ان میں باہم ہجومی و دفاعی معاہدے کر کے ان کو ایک مرکزی طاقت پر مجتمع کیا جائے، مجھکو معلوم ہے کہ آخیر کی صورتِ حال پر نوجوان عربوں کی سیاسی انجمن نے اور خود امرائے عرب نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور اس کے لئے کوشش کی، خود سفراء اور کام کرنے والوں سے مجھے معلوم ہوا کہ شریف حسین کی شہنشاہانہ بلند حوصلگی نے اس تجویز کو درہم برہم کر دیا۔

ابنِ سعود اور امام یحییٰ۔ جہاں تک مجھے علم ہے ابن سعود اور امام یحییٰ کا باہمی سمجھوتہ یہ تھا کہ ملک عرب کو جو پہلے سے نسلاً قحطانی و عدنانی اور جغرافیۃً جنوبی و شمالی عرب پر منقسم ہے، بانٹ دیا جائے اور قحطانی نسل و جنوبی عرب امام یحییٰ کی حکومت میں اور شمالی عرب و عدنانی قبائل سلطان ابن سعود کے تصرف میں آجائیں اور ان دونوں حصوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان دونوں میں منضم ہو جائیں۔ اس منصوبہ کے مطابق امام یحییٰ، ادریسی سے برسرِ پیکار ہیں، حدیدہ پر قبضہ کیا ہے اور بعض خود قبائل کو زیر کیا ہے، سلطان ابن سعود نے تو اس حد تک اس تجویز پر عمل کیا کہ نجد کے دوسرے ٹکڑے عارض و

شمر کی ریاست جو ابن رشید کے ہاتھ میں تھی، اس پر قبضہ کیا۔ ترکوں نے خلیج فارس پر احسار اور بحر احمر پر عسیر کے جو علاقے جنگ میں خالی کئے۔ ان پر تصرف کیا۔ شام کے پاس کی ایک چھوٹی سی ریاست ابن شعلان کی تھی، وہ لی، اور اب سارے حجاز پر اس کی حکومت ہے۔ اس طرح غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ شمالی عرب میں اب ایک وسیع، پرجوش، سادہ، جذبۂ دینی سے سرشار سلطنت قائم ہو گئی ہے جو نصف پر اپنا علم بلند کئے ہے، جس کا قانون شریعت ہے اور جس کا مذہب کتاب و سنت ہے اور جس سے مستقبل کے متعلق ہماری بہت کچھ توقعات قائم ہو سکتی ہیں، تاہم میں یہ نہیں چاہتا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی خارجی پالیسی میں دوسروں پر اپنا پورا اطمینان کریں کہ المومن لا یلدغ من جحر مرتین!

عرب کے لئے خطرات۔ سیاسی خطرہ کی اصلی صورت اور ہے، جس کی اطلاع مجھ کو جدہ میں ایک عظیم الشان سلطنت کے معتمد نے دی تھی کہ یورپ اب افریقہ کی تقسیم سے فرصت پا چکا ہے اور اب عرب کے سوا دنیا کا کوئی گوشہ ان کے تصرف سے اب تک محفوظ نہیں ہے، اس لئے اب آپس کے مشورے اسی ملک کی تقسیم و تصرف کے متعلق در پیش ہیں، جو مسلمانوں کو اس قدر عزیز ہے۔ ان میں بڑا حصہ انگریزوں اور اٹلی کا ہے۔ انگریز اپنے سلسلۂ استیلاء کو فلسطین سے لے کر عقبہ و معاون سے گذار کر عدن تک جوڑ دینا چاہتے ہیں تا کہ عرب کے گلے میں غلامی کا ایک واقعی حلقہ پڑ جائے۔ اٹلی اپنے افریقی علاقے اریٹریا کے سامنے یمن پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ یمن سے ان کے اقتصادی تعلقات بڑھ رہے ہیں۔ اس لئے سلطان ابن سعود اور امام یحییٰ کو ان یورپین سلطنتوں سے معاہدات کرنے میں پوری ہشیاری اور احتیاط برتنی چاہیئے۔

یہ تو عرب کو سیاسی خطرہ ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم کیجئے کہ یورپین تسلط کے ساتھ ساتھ خلیج فارس کے عربی سواحل اور عدن میں عیسائی مشنریوں کا جال شفاخانوں اور ڈاکٹروں کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے اور پادری زویمر کی دنیائے عیسائیت کی کانفرنس منعقدہ قاہرہ و لکھنؤ میں عرب کو عیسائی بنانے کے لئے جو تجویزیں پیش ہوئیں اور ان کی جو مطبوعہ روداد یں شائع ہوئیں، آج دنیائے اسلام کے ہر عالم و دیندار کو پڑھ لینا چاہیئے تا کہ انھیں معلوم ہو کہ ہم کو کیا کرنا ہے؟ ضرورت ہے کہ سمجھدار عرب خود اس معاملہ کی اہمیت پر غور کریں۔

عرب کے لئے تیسرا خطرہ، وہی جذبۂ قومیت، تفریج اور الحاد کا ہے، شریف حسین کی سلطنت اسی لئے نوجوان شامیوں میں مقبول تھی کہ ان کی کوششوں کے لئے ابنائے شریف بہترین آلہ تھے۔ حجاز میں در حقیقت شریف حسین اور ابن سعود کی جنگ نہ تھی بلکہ قومیت و اسلامیت کی جنگ تھی جس میں بحمد اللہ کہ قومیت نے شکست اور اسلامیت نے فتح پائی۔

ایھا العلماء النبلاء! سب سے آخر میں لیکن سب سے زیادہ جو چیز صدیوں سے بلکہ بارہ سو برس سے عرب کے جسم میں زہر بن کر پھیل گئی ہے وہ جہالت ہے، آپ اس ملک کے لئے کیا کہیں گے جس نے محمد رسول اللہ صلعم اور خلافت راشدہ کے بعد سے اب تک ندائے حق اور صدائے البلاغ کا ایک حرف نہیں سنا جہاں قبائل کے قبائل ہیں جن پر دوبارہ یہ آیت اطلاق کی جا سکتی ہے لتنذر قوماً ما انذر آباءھم فھم غافلون (یٰسین) بعد کے خلفاء اور سلاطین نے ان کو قصداً تعلیم سے محروم، وعظ و تبلیغ سے ناآشنا رکھا کہ وہ اپنی حقیقت سے بے خبر رہیں، حرمین محترمین میں ہمیشہ سے سلاطین و امراء کی طرف سے وہاں مدرسے جاری رہتے تھے جن میں سب سے زیادہ حصہ مصر کے سلاطین، یمن کے اماموں نے لیا اور ہندوستان میں یہ سعادت گجرات اور بنگال کے سلاطین کے ہاتھ آئی، اہل بنگال کے لئے یہ امر مایۂ فخر ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں مکہ معظمہ میں جو سب سے بڑا مدرسہ تھا وہ بنگال کے سلطان شمس الدین کا تھا۔ علامہ فاسی نے اپنی تاریخ مکہ میں اس کا پورا حال لکھا ہے۔ بہرحال اسلامی سلطنتوں کے زوال نے ان کو ان خدمتوں سے محروم کر دیا اور اب جو ایک دو مدرسے وہاں ہیں وہ بھی کس مپرسی میں ہیں، اُمید ہے کہ حجاز کے انقلاب سے وہاں کے تعلیمی نظام میں بھی مفید اضافے ہوں، اگر ضرورت ہے کہ سرکار حیدرآباد و بھوپال و رامپور و وقف اسٹیٹ مسماۃ صغریٰ بہار جو کم ضروری مدوں میں وہاں روپے صرف کر رہے ہیں وہ اس ضروری مد میں صرف کر کے عرب کی اصلی ضرورت کو پورا کریں اور خدائے تعالیٰ سے اجر جزیل پائیں۔ ہماری عام اسلامی انجمنوں کو بھی ادھر توجہ کرنی چاہیئے۔

حجاز۔ حضرات! خدا کا شکر ہے کہ حجاز میں بدامنی اور جنگ کے بجائے امن و امان کا دور دورہ ہے گذشتہ سال جو حاجی گئے اور امسال جو وفد خلافت گیا، سب نے راستوں کی مامونیت اور قبائل کی اطاعت اور حالات کی درستی کی اطلاع دی اور سلطان کی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی تعریف کی۔ اثنائے جنگ میں بعض مقدس عمارتوں کے ساتھ بے ادبی کی اطلاعیں بھی بہت کچھ مبالغہ آمیز نکلیں، حجاز کے آثار صحیحہ کی بقا و استحفاظ کی آرزو ہر مسلمان دل میں موجود ہے اور یقیناً آئندہ موتمر اسلامی کا فرض ہوگا کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری موجودہ حکومت حجاز سے حاصل کرے۔ اس بارہ میں جمعیۃ العلماء سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی کہ مقابر و آثار متبرکہ صحیحہ کے متعلق ہر طرح تحقیق کر کے قرآن پاک، احادیث صحیحہ اور آثار سلف سے جو کچھ شرعی احکام ثابت ہوں ان سے مسلمانوں کو باخبر کرے اور ان کے متعلق ایک عربی بیان لکھ کر حکومت حجاز کے سامنے پیش کرے اور علماء نجد و حرمین کو بھی اس سے متفق بنانے کی کوشش کی جائے۔

حجاز کی طرز حکومت کے متعلق تمام مسلمانوں کی یہی خواہش ہوگی کہ وہ اسلام کے اصلی نصب العین کے مطابق ہو، جس میں وراثت کے بجائے انتخاب کی صورت اختیار کی جائے۔ حجاز میں سلطان ابن سعود نے

بادشاہ منتخب ہونے یا اپنی ملکیت کے اعلان کرنے میں یقیناً جلدی کی۔ یقیناً حجاز کے لئے ملکیت کا لقب بالکل نامناسب ہے اور یہ وہی نفرت انگیز لقب ہے، جو شریف حسین کی پیشانی کا داغ ہے۔ مستحسن نہ تھا کہ اس داغ کو سلطان ابن سعود اپنی روشن پیشانی پر لگا لیں۔ ملک عرب میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی بجائے ایک وسیع سلطنت کے تخیلہ کو یقیناً اس سے فائدہ پہنچا ہے اور حکومت ہائے متحدہ عربیہ کے خواب کی کچھ تعبیر اس سے نکلی ہے، اگر ضروری ہے کہ اس اتحاد کا تخیل شہنشاہی کے دعوی سے بالاتر ہو۔

یہ مسرت کا مقام ہے کہ سلطان نے حجاز میں مسلمانان عالم کے حقوق کو تسلیم کر لیا اور اس کی حفاظت و ترقی میں حصہ لینے کا موقع تمام مسلمانوں کو عنایت کیا، حالانکہ شریف کی حکومت نے اس کو اپنی نخوت سے ٹھکرا دیا تھا اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ حجاز کے متعلق اپنے فرائض کو ادا کریں۔ حجاز کی حفاظت کے لئے ضرورت ہوگی کہ حجاز کی حکومت بحری قوت بھی حاصل کرے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب ہندوستان کے سواحل پر انگریزی بیڑے کی تیاری کی فکر ہے۔

عرب کی سیاسی اور اقتصادی مشکلات - حجاز کی حالت پر غور کرتے ہوئے اس کی مشکلات سیاسی اور اقتصادی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے یہ عرب کا وہ حصہ ہے جس کو یورپ کی ان تمام سلطنتوں سے تعلقات رکھنا پڑتا ہے جہاں مسلمان آباد ہیں۔ سب سے زیادہ انگلستان، ہالینڈ، اٹلی اور فرانس کو اس حیثیت سے حجاز کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں کی یہاں آمد و رفت ہے، اور وہاں کے مہاجرین یہاں آباد ہیں۔ حجاز کی بدامنی کے باعث یہ لوگ مدتوں کے قیام پر بھی اپنی اپنی سلطنتوں کی رعایا رہتے ہیں اور اس سے حجاز کے معاملات میں دول یورپ کو دست اندازی کا موقع ملتا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ مسلمان جو ہجرت کی نیت رکھ کر جائیں یا مستقل تجارتی کاروبار وہاں کرنا چاہیں وہ اپنے کو حجاز کی رعایا بنائیں اور حکومت حجاز کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس بارہ میں خاص قوانین نافذ کرے میرا تخمینہ ہے کہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں کم ازکم ایک ثلث آبادی ایسی ہوگی جو دول غیر کی رعایا بنی ہوئی ہے۔

حجاز کی راہ میں دوسری چیز یہ حائل ہے کہ اس کی مالی و اقتصادی حالت خراب ہے ترکوں کے عہد میں جدہ کی چنگی کی آمدنی جو حجاز کا تنہا مالی ذریعہ ہے، ۸۰۰۰۰ پونڈ تھی اور خرچ ۱۰ لاکھ پونڈ، شریف حسین نے چنگی بڑھا کر ۸۰۰۰۰ سے ۸ لاکھ پونڈ کر دیا۔ اس لئے وہاں کی تجارت اور وہاں کے تاجر برباد ہوگئے ملک خشک ریگستان یا سنگستان ہے۔ اس لئے یہاں کوئی بڑی آمدنی کی توقع نہیں۔ شریف حسین نے یہاں ایک اور آمدنی کا ذریعہ حاجیوں کی لوٹ مار اور شتربانوں سے نصف کی وصولی کا نکالا تھا جس نے اس کی سلطنت کو اور بدنام اور غیر ہردلعزیز کر دیا، قرنطینہ کے نام سے ایک علیحدہ رقم لی جاتی تھی مگر اس میں سے

کوئی رقم حجاز پر صرف نہ ہوئی بلکہ تمام ذاتی خزانہ رہا۔

حجاز میں لوگوں کی بسراوقات کے لئے معمولی تجارت اور حاجیوں کی معلمی شتربانی اور مکانات کے کرایہ کے سوا کوئی اور آمدنی نہیں۔ حجاز میں ایک بڑی دولت قربانی کی کھالیں ہیں۔ شریف نے ان کھالوں کا ٹھیکہ اٹلی کی ایک کمپنی کو دے دیا تھا۔ مگر اب اصلاحات کے دور میں اگر خود اہل عرب کی زیر نگرانی یہاں چمڑے کا رخانہ و بافت و صناعی قائم ہو تو اس کو بڑا فروغ ہو۔ عرب میں ہر چیز باہر سے آتی ہے۔ حاجی ہر سال جب وطن واپس آنے لگتے ہیں تو مکہ معظمہ اور جدہ سے جانماز و تسبیح اور کپڑے خرید کر تبرکاً لاتے ہیں مگر یہ کل چیزیں اٹلی اور دیگر یورپین ملکوں کی ساختہ ہوتی ہیں۔ ایک عرب کی سب سے بڑی دولت اس کے قالین ہیں جو اس کی عزت و آبرو کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے قالین بافی اس کے لئے نہایت ضروری ہے اور یہاں سے وہ تمام دنیائے اسلام میں اچھے داموں میں خریدے جا سکتے ہیں۔

حجاز میں ایک اور مسئلہ بھی قابلِ غور ہے اور وہ غیر سلطنتوں کے یورپین قناصل اور جہازوں کے یورپین ایجنٹ اور ایک دو یونانی تاجروں کا وجود ہے۔ اس ملک میں نامسلمانوں کی حکومت کا مسئلہ سب پر روشن ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ حجاز کی حکومت دوسری حکومتوں سے اس بات پر اصرار کرے کہ وہاں مسلمان سفراء اور قناصل مقرر ہوں، بالفعل بالشویک روس کے سفیر مسلمان ہیں۔ ہالینڈ کا نائب سفیر مسلمان ہے۔ باقی یورپین ہیں۔ اس سلسلہ میں مسلمان حکومتوں کو ان کی اس غفلت پر متنبہ کرنا ہے کہ ایران کے سوا اور کسی اسلامی حکومت نے وہاں اپنے سفراء نہیں مقرر کئے ہیں ایرانی سفیر بھی مستقل نہیں ہیں بلکہ ایرانی تاجر اس خدمت کو ادا کرتے ہیں۔ ٹرکی، مصر اور افغانستان کو ادھر توجہ کرنی چاہیئے۔

حجاز کی اقتصادی مشکلات کے سلسلہ میں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ حکومت حجاز یورپ کے غیر ملکی سرمایہ سے محتاط رہے اور کمپنیوں کے ہاتھ اپنے ذخائر اور معادن کو دے کر حجاز میں غیر ملکی اختیارات کا راستہ نہ کھولے۔

حج کا نظم ۔ حجاز میں تمام دنیا کے حاجیوں میں سب سے زیادہ تکلیف ہندوستانی حاجی اٹھاتے ہیں۔ واپسی کے ٹکٹ کی خریداری اس مرض کا علاج نہیں۔ اصل میں اس کی ضرورت ہے کہ جہازوں کا نرخ کرایہ مقرر ہو، حجاز کے علاوہ اور تمام مقامات کے کرایوں میں اتنا تفاوت نہیں ہوتا مگر یہ عدم تیقن کی صورت صرف حجاز کے لئے روا رکھی گئی ہے۔ اسی طرح تیسرے درجوں کے مسافروں کی حالت درست کی جائے۔ یہ بھی ضرور ہے کہ جدہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے مکانات تعمیر ہوں، پینے کے پانی کا بندوبست ہو۔ جدہ سے قریب میٹھے پانی کا خزن دریافت ہوا ہے۔ ہمارے چند رؤسا

اگر چاہیں تو وہاں سے جدہ تک پائپ کا سامان کر کے اجر جزیل پائیں، جدہ میں ہندوستانی حاجیوں کا ایک نظم کھلنا بھی ضروری ہے۔ مصر و شام کے حاجی ایک امیر الحجاج کے زیر قیادت ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کا خاص نظام ہوتا ہے۔ مگر ہندوستان کے حاجی بھیڑ بکریوں کی طرح انگریزی افسر حج کے بید کے نیچے ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء نے تھوڑا سا اس نظام پر عمل کیا، جس کے باعث بہت سی خرابیاں دور ہوئیں اور حاجیوں کو بہت کچھ آرام پہنچا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہر سال اس نظام کی پابندی کی جائے اور جمعیت و خلافت کی طرف سے ہر سال امیر الحجاج مقرر کیا جائے اور اس کے ماتحت کچھ کارکن بھیجے جائیں چند سال میں یہ نظام باقاعدہ مکمل ہو جائے گا، تو حج کی مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

عقبہ و معان۔ حضرات! حجاز کی حفاظت کے لئے عقبہ کی بندرگاہ اور معان کے ریلوے اسٹیشن کی اس سے زیادہ ضرورت ہے۔ جس قدر ہندوستان کی حفاظت کے لئے عراق کی۔ انگریزوں کی نظر عقبہ پر آج سے نہیں بلکہ سلطان عبد الحمید خاں ہی کے زمانے سے تھی۔ چنانچہ اس کے لئے ایک بڑی جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بالآخر اب اس سازش کے ذریعے سے اس مقصد میں کامیابی ہو گئی۔ عقبہ حجاز کی پہلی بندرگاہ ہے اور جنگی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے جو فوج اس پر قابض ہو گی اس کا پستول ہمیشہ حجاز کے سینے پر رہے گا۔

معان کا ریلوے اسٹیشن بھی حجاز کے لئے اتنا ہی اہم ہے۔ معان کے بعد خیبر ہے اور خیبر سے مدینہ منورہ دُور نہیں۔ بنابریں معان کے ریلوے اسٹیشن کے قبضہ سے کسی حال میں بھی غفلت نہیں برتی جا سکتی، شرق اردن ایک باریک پردہ ہے جس کے پیچھے انگریزی سیاست صاف نمایاں ہے۔ انگریزی حکومت کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے قبضۂ استیلاء کے ناجائز ارادہ سے دست بردار ہو جائے اور سلطان ابن سعود کو بھی اس کے لئے سیاسی تدبیریں کرنی چاہئیں۔ شریف کی غلطیوں کی تلافی حکومت حجاز کا فرض اولین ہے۔ اور ہم سب مسلمانوں کو اپنی پوری قوت اس پر خرچ کرنی چاہیئے۔

عراق، شام و موصل۔ حضرات! عراق و شام کے مسئلہ کے متعلق ہم مسلمانوں کا اب تک وہی دعویٰ قائم ہے کہ یہ جزیرۃ العرب کے مکمل حصے ہیں اور حکومت انگلستان اور فرانس کو جزیرۃ العرب سے اپنے اعلانی وعدوں کے مطابق اپنے سازشی معاہدوں کو توڑ دینا چاہیئے۔ عراق کی قید غلامی کا زمانہ پانچ برس سے پچیس برس تک بڑھ جانا کوئی غیر متوقع امر نہیں ہے یہ چوتھائی صدی کا عہد اگر پوری صدی کی صورت میں بھی بدل جائے تو انگریز سیاسی اخلاق کے متعلق دُنیا کو کوئی نیا تجربہ نہ ہو گا۔ جمعیۃ الاقوام کے فیصلہ کے مطابق یہ پچیس برس موصل کی شرط کے ساتھ ہیں گر موصل ملے یا نہ ملے عراق و برطانیہ کا معاہدہ تو پچیس برس کی غلامی کا مکمل ہو چکا۔

موصل کے قضیہ کے متعلق جمعیۃ الاقوام نے انگریزی سیاست کے احکام کی پوری تعمیل کی مگر اسی کے ساتھ انگریزوں کی سلطنت کی دروغ گوئی اور کذب کی قلعی بھی کھول رہی ہے جس سے مشرقی اقوام میں اس کی ساکھ روز بروز کم ہو رہی ہے، دنیا کو لارڈ کرزن سابق وزیر خارجہ برطانیہ کا یہ سرکاری اعلان یاد ہوگا کہ موصل کے معاملہ میں ترکوں کی رضامندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہ ہوگا، پھر جمعیۃ الاقوام کو ترکوں کی رضامندی کے بغیر فیصلہ پر مجبور کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ انگریز یاد رکھیں کہ یہ ان کی عارضی کامیابی دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ اگر موصل کے معاملے میں جنگ پیش آئی تو یقین ہے کہ ہندوستان اپنی گذشتہ غلطی کا دوبارہ ارتکاب نہ کریگا۔

شام کی حالت پچھلے مہینوں سے جو کچھ ہے؟ وہ کس سے مخفی ہے، وفد خلافت یورپ نے وزیر خارجہ فرانس کی ملاقات میں وزیر موصوف کو جن الفاظ میں متنبہ کیا تھا۔ غالباً وہ الفاظ فراموش نہ ہوئے ہوں گے۔ ہمارے رئیس وفد نے کہا تھا کہ گو آپ کے نزدیک شام کا فیصلہ ہو چکا، مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ شامی احرار کا قتل عام، ارمنوں کے قتل عام سے زیادہ روز روشن میں انجام دیا گیا ہے، شام کے خوبصورت شہر اور مسلمانوں کی دوسری خلافت گاہ کی بربادی تاریخ کا اندوہ ناک واقعہ ہے اور یہ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا ہے جو دنیا میں امن و سلامتی کے ٹھیکہ دار ہیں یورپ کو اپنی اس بربریت اور وحشت پر شرمانا چاہیئے۔ امید ہے کہ شام اپنی اس خونی تحریک میں کامیاب ہو کر نکلے گا، کہ حق اس کے ساتھ ہے۔

ہندوستان اور مسلمان

یا

مسلمان اور ہندوستان۔

حضرات! عالم اسلامی کے مباحث کے بعد ضرورت ہے کہ اسی تفصیل سے ہندوستان اور مسلمان یا مسلمان اور ہندوستان کے مسئلہ پر بھی اظہار خیال کیا جائے، یہ افسوس کے قابل امر ہے کہ گذشتہ پندرہ برسوں میں یعنی جب سے ہم نے سیاسی کروٹ لی ہے، طرابلس، بلقان، عراق و شام و قسطنطنیہ کے مسائل سے ہماری دلچسپی روز افزوں رہی لیکن خود اپنا خیال بہت کم آیا۔ مجھ کو ان مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں جنہوں نے ہماری توجہ کو ایک مدت تک اپنی طرف منعطف رکھا لیکن ضرورت ہے کہ ہم اِدھر بھی اپنی پوری توجہ صرف کریں، غیر ملکی وفود میں بار بار شرکت کے باعث ہمارا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ ہم اس وقت تک باہر بھی ہیچ ہیں جب تک ہم خود

اپنے گھر میں سیچ ہیں۔ ہم اس وقت تک دوسروں کو غلامی سے نہیں بچا سکتے جب تک ہم خود ہر طرح غلام ہیں اس طرح ہم کو دوسرے قیدیوں کی امداد کی سرگرمی میں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں خود بندھے ہوئے ہیں اور ہم جنبش نہیں کر سکتے۔ ۱۵۰ برسوں سے جن مصیبتوں پر ہم سرگرم نالہ ہیں ان کا سامان خود ہمارے ہی گھر میں ہے۔ جب تک انگلستان اور ہندوستان کے درمیان موجودہ طرز کا تعلق قائم ہے انگلستان سے لے کر ہندوستان تک ایک اسلامی ملک بھی خطرے سے آزاد نہیں رہ سکتا۔

وطنیت۔ حضرات! اس موقع پر ایک اور مسئلہ کا صاف کر دینا بھی ضروری ہے۔ یہ کوئی چھپا ہوا راز نہیں ہے کہ عام معنوں میں وطنیت کوئی اسلامی جذبہ نہیں ہے اور نہ مسلمانوں میں یہ مصنوعی جذبہ کبھی پیدا ہو سکتا ہے۔ آج یورپ کے ارباب فکر صدیوں کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ انسانیت کو قومیت و وطنیت کی قیدوں سے آزاد ہونا چاہیئے اور اسی سے دنیا کی مصیبتیں کم ہو سکتی ہیں اسلام نے اس جذبہ کی تحقیر کی ہے۔ اسی سے بعض ہموطنوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان کے ساتھ محبت نہیں لیکن صاحبو! یہ خیال تمامتر مغالطہ پر مبنی ہے۔ اسلام میں وطنیت پرستی اور وطن کو دیوی اور دیوتا بنانے کا عقیدہ یقیناً نہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سرزمین میں وہ رہتے ہیں ان کا اس کی خیر و فلاح اور ترقی و آزادی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دیارِ اسلام کو دشمنوں سے آزاد کرلے اور اس راہ میں اپنی جان تک کی قربانی کو گوارا کرے۔ وہ جس ملک میں بھی ہو اس ملک کے حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے۔ صحابہ کرام مکہ سے ہجرت کر کے حبش جاتے ہیں، وہاں ایک دشمن لشکر ملک پر حملہ آور ہوتا ہے، صحابہ، حبش کے بادشاہ نجاشی کے سامنے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں اور ملک کی حفاظت میں حبشیوں کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔

اکثر تعلیم یافتہ ہندوؤں بلکہ بعض تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی یہ شبہ ہے کہ نیشنلزم یورپین اسلامزم دونوں کو یکجا کیونکر کیا جا سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک کوئی محال تخیل نہیں ہے۔ ہم دنیائے اسلام کے ساتھ اپنی محبت دینی کے ثبوت کے بعد بھی اپنے ملک کے ساتھ بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دے سکتے ہیں بلکہ دے رہے ہیں، کیا اہل یورپ آج اپنی اپنی وطنیت اور قومیت کے شدید جذبات کے ساتھ ساتھ ایشیا کے مقابلے میں پورے یورپ کو اپنی دلی عقیدت کا مرکز نہیں قرار دے رہے ہیں۔ پھر جس طرح انگلینڈ کی محبت کے ساتھ یورپ کی محبت ایک دل میں گھر کر سکتی ہے اسی طرح کل دنیائے اسلام کے ساتھ محبت کے باوجود ہم ہندوستان کے ساتھ پوری وفاداری کر سکتے ہیں۔ ہم تمام اسلامی ممالک کی بجائے خود خیر خواہی کے ساتھ اپنے اس ملک کی خیر خواہی کے بھی مدعی ہیں۔ فرض کیجیے کہ جاپان اگر ہندو یا آریہ سماجی ہو جائے

تو کیا ہمارے ہندو دوستوں کے دلوں میں ہندوستان کے ساتھ وفاداری کے باوجود جاپان کے ساتھ ہمدردی نہیں رہ سکتی؟ اگر ہمارے ہندو بھائی ہندوستان کے ساتھ ساتھ مشرقی اقوام کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھائیں اور ان کے حلقۂ محبت و نظام میں داخل ہو جائیں تو یہ معمّا فوراً حل ہو جائے۔ تاہم اس امر کو بھی چھپانا نہ چاہیئے کہ مسلمانوں میں ایک فرقہ ایسا ہے جو ہندوستان سے گھبراتا ہے اور یہاں کے حالات سے اطمینان نہیں پاتا۔

حجاز و حرمین کو جانے دیجیئے کہ وہ ان کا مذہبی مرکز ہے، مگر انگورہ اور قاہرہ تو ان کے مذہبی مرکز نہیں اور ادھر ہندوستان میں ان کی ملکیتیں ہیں، ان کی جائدادیں، ان کے اسلاف کی یادگاریں ہیں اور بہت سی عزیز چیزیں ہیں۔ تاہم عام طور سے یہ چیزیں ان کو اپنی طرف زیادہ مائل نہیں کرتیں، سبب بالکل ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنے کو اپنے ہموطنوں سے محفوظ نہیں سمجھتے، ہندوستان میں آئندہ کوئی طرزِ حکومت بھی ہو جب تک وہ ان کے حقوق کی ذمہ داری نہ لے، وہ مسلمانوں میں مقبول نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کا ہندوؤں پر صرف ایک ہی ظلم گنا جا سکتا ہے، کہ وہ گائے کی قربانی کرتے ہیں، برخلاف اس کے مسلمان اپنی عبادتوں کے روکے جانے، مسجدوں کے گرائے جانے، اذانوں کے روکنے، حقوق کے نہ ملنے، کچہریوں اور دفتروں میں جگہ نہ پانے، اپنی زبان کے مٹائے جانے، شدھی کے نئے حملے سے اپنے کو بے پناہ سمجھنے، مسلمانوں کو ہندو قومیت کے قبول کرنے پر زبردستی کرنے اور اس ملک سے ان کے مٹا دیئے جانے کے ارادے برابر سنتے آتے ہیں اور یہ باتیں ان کو ہندوستان سے لگاؤ نہیں پیدا کرنے دیتیں اور وہ باہر کو جھانکتے ہیں اور اس لیئے سمجھ دار برادرانِ وطن کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی وحشت انگیز باتوں سے پرہیز کریں اور جہاں تک ممکن ہو موانست اور ایک دوسرے پر اعتماد اور خیر خواہی کے جذبات کو ترقی دیں۔

ایسے ہی مسلمانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ ڈر اور خوف کو اپنے دلوں سے نکال ڈالو اور اپنے بہادر اسلاف کی طرح جہاں قدم جما چکے جمائے رہو۔ "ہر ملک ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست" اس ملک میں ہم کو دوسروں کے سہارے نہیں بلکہ صرف خدا کے سہارے اور اس کے دیئے ہوئے دست و بازو کے سہارے رہنا ہے اور اپنے حقوق ملکی و دینی کی حفاظت خود اپنی کوششوں سے کرنا ہے اور اس کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہماری ایمانی قوت میں ترقی ہو اور فتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ ہمارے پیش نظر ہو تعداد اور مردم شماری کے جھگڑے میں نہ پڑو، بلکہ اپنی اندرونی قوت، معنوی طاقت، ذہنی فوقیت، دماغی ترقی اور روحانی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تعداد مردم شماری کے مسئلہ کا تبلیغ سے کوئی تعلق نہیں، کہ وہ تو تمہارا مذہبی فریضہ ہے جس کو تمہیں اس ملک میں بغیر اس خیال کے ادا کرنا ہے کہ تم اس

ملک میں کم ہو یا زیادہ، کیا مسلمان اگر اس ملک میں تعداد میں زیادہ ہوتے تو یہ فرض ان سے ساقط ہو جاتا۔

ہندو مسلم اتحاد

خود غرض لوگوں نے تعداد کی کمی و بیشی کو اپنے شکار کی ٹٹی بنا لیا ہے مسلمانوں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ ہندوؤں کی عظیم الشان تعداد تم کو کھا جائے گی اور یہی وہ آواز ہے جو ۵۷ء سے آج تک برابر مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہے اور ان کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد ہندوستان میں اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ کسی غیر کا سہارا نہ لیں، دو فریق بالمقابل ہیں انگریز اور ہندو۔ مسلمان غدر کے بعد سے لے کر ہنگامہ طرابلس تک اس اصول پر کاربند رہے کہ انگریزوں سے اتحاد کر کے حکومت کے ظلِ عاطفت میں وہ ہندوؤں سے برسرِ جنگ ہوں، ۱۹۱۰ء سے جو انقلاب ہندوستان کی اسلامی سیاست میں ہوا اس نے مسلمانوں کو انگریزوں سے نکال کر ہندوؤں سے متحد ہو کر ہندوستان کی آزادی کے خیال کی طرف مائل کیا، ۱۹۲۳ء سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے مسلمانوں کو پھر متزلزل کر دیا اور اب ان کی کوئی متفقہ پالیسی باقی نہیں رہی، کچھ احرار ہیں جو اپنے اس اعتقاد سیاسی پر قائم ہیں کہ ہندوؤں ہی سے اتحاد ہندوستان میں مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ضروری ہے، قدامت پرست پہلے ہی سے اس اصول پر قائم ہیں اور اب تجربہ کی بنا پر اور زیادہ مستحکم ہو گئے ہیں کہ انگریزوں ہی سے اتحاد مسلمانوں کے لئے مفید ہے اور اکثر مسلمان ان دونوں پالیسیوں کے ترک و اختیار میں متذبذب ہیں۔

ہندو بھائی خواہ مجھے طرفدار ہی کہیں، لیکن میں اپنے تجربوں، مشاہدوں اور دلائل کی بنا پر یقین رکھتا ہوں کہ جس طرح ہندوؤں کی یہ شکایت ایک حد تک صحیح ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ دوسرے ملکوں کے مقابلے میں ہندوستان سے محبت کم رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو بھائیوں میں بھی ایک فرقہ ہے جو مسلمانوں کو اپنے ملک کے قومی افراد اور ہندوستانی جزو عنصر ماننے کو تیار نہیں ہے، وہ ہندوستانی اور ہندو کے معنی ایک سمجھنا چاہتے ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ مسلمان ایسی قوم ہیں جو ہمیشہ سے غیر قوموں سے تعلقات، معاہدے اور وابستگی، میل جول رکھتے رہے ہیں لیکن ہندو اپنی پوری تاریخ میں اپنی قدامت پسندی، غیروں سے الگ تھلگ، دوسری قوموں سے بے تعلق اور متنفر رہتے آئے ہیں، اس کا اثر یہ ہے کہ مسلمان ہر حصۂ زمین میں ہمسایوں اور دوسری قوموں سے مل جل جاتے ہیں لیکن ہندوؤں کی عام آبادی اسی علیحدگی، چھوت اور اجتماعی پرہیز پر قائم ہے۔ تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان، ہندوؤں سے جس قدر جلد اتحاد کے لئے تیار ہوئے یا ہو سکتے ہیں نہ ہندو ہوئے نہ ہو سکتے ہیں، ہمارا یقین ہے کہ اگر آج ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد الٹی ہوتی یعنی جو ہندوؤں کی تعداد ہے وہ مسلمانوں کی ہوتی اور جو مسلمانوں کی ہے وہ ہندوؤں کی ہوتی تو مسلمان ہرگز ہندوؤں

کی طرح اِن صدی کے فلسفہ پر اس درجہ مُصر نہ ہوتے اور تنگ نظری سے وہ پورے ملک کی آزادی کے مقابلے میں چند نوکریوں اور چند نمائندگیوں کی کثرت و قلت کی پرواہ نہ کرتے، جیسا ان کا یہ اصول ہم کو مصر و شام و تونس کے کثیر التعداد مسلمانوں کے اس برتاؤ میں نظر آ رہا ہے جو وہ اپنے عیسائی و یہودی ہم وطنوں کے ساتھ برت رہے ہیں۔

ہندو ہم وطنوں کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ مسلمان اس وقت تک اتحاد پر قائم و مضبوط نہیں رہ سکتے جب تک اُن کو یہ یقین نہ ہو کہ ان کی اسلامی قومیت اور ان کا مذہب اور ان کے حقوق ہندوؤں کے ہاتھوں سے محفوظ ہیں اور رہیں گے، بلکہ وہ خود ان کی حفاظت کریں گے۔ ہندو اکابر کا اس واہمہ سے خوف کھانا کہ مسلمان اپنے سرحد پار یا غیر ملکی مسلمانوں کو اس ملک میں دعوت دیں گے، بالکل بے جا ہے، ۴۲ کروڑ انسانوں کا ڈیڑھ کروڑ افغانوں سے خوف تعداد اور مردم شماری کے فلسفہ کے خلاف ہے، ہمارے اہل وطن یقین کریں کہ ہندوستان کے مسلمان کبھی ایسی نامردی نہیں کریں گے، بلکہ وہ اپنی حفاظت خود کریں گے اور اپنی حفاظت کے لئے دوسروں کا سہارا تلاش کرنے پر مجبور نہ ہوں گے، اس لئے ہندو بھائیوں سے توقع ہے کہ اگر وہ حقیقت میں ملک کی آزادی کے خواہاں ہیں تو خود ان کو اس بڑے کام کے لئے چھوٹی چھوٹی باتوں میں زیادہ تنگ نظری سے کام نہ لینا چاہیے بلکہ خود ان کو مسلمانوں کے ساتھ اس قدر رواداری اور بے تعصبی برتنی چاہیے کہ مسلمان ان سے مانوس ہوں اور ان کے وعدوں پر اعتبار کریں اور ان کی دوستی کی پائداری پر اعتماد کر سکیں۔ ورنہ ایسا نہ کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اُن کو دھکیل کر خود اپنے دشمنوں کے کیمپ میں ان کو بھرتی کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ صورتِ حال ملک کے لئے فائدہ مند ہوگی؟

یہ ملک ہندوؤں اور مسلمانوں کا وطن ہے، انگریزوں نے اس کو اپنا وطن نہیں بنایا ہے دنیا میں کوئی بر سلطنت کسی غیر ملک میں ہمیشہ قائم نہیں رہی ہے، انگریزوں کے لئے فطرت کا قاعدہ اور تاریخ کا نتیجہ بدل نہیں جائے گا، اس کے ساتھ نہ تو ہندو، مسلمانوں کو اس ملک سے نکال سکتے ہیں اور نہ مسلمان ہندوؤں کو فنا کر سکتے ہیں، اس بنا پر ان دونوں ہمسایہ قوموں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ آپس میں اتحاد کو قائم رکھ کر اس ملک کی فلاح و بہبود کی کوشش کریں اور اپنی آزادی کے تخیلہ کو عملاً کامیاب بنانے کے لئے دوش بدوش سرگرم عمل ہوں۔

اتحاد بین الفرق

حضرات! ہندو مسلم کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی مضبوطی کا راز خود ان کے درمیان باہم اتفاق و اتحاد اور رواداری ہے تمام وہ لوگ جو قائلین توحید و رسالت ہیں، مشترک اسلامی مفاد کی غرض سے، ملت کے باہم مشترکہ مسائل میں اپنی وحدتِ ارادہ

اور وحدتِ عمل کا ثبوت دیں اور مختلف فیہ مسائل میں اظہار اختلاف کے لئے مناسب لب ولہجہ اور طریقہ ادا سے کام لیں مسلمان جس ملک میں بھی تباہ ہوئے وہ حدیث مشہور کے مطابق دشمنوں کے حملوں سے نہیں، بلکہ آپس کے اختلاف سے۔ اس کی مثالیں تاریخ کے صفحوں میں بے شمار ہیں، عرب کا عجم سے اخراج، بغداد کی تباہی اندلس کی بربادی، مراکش و شمالی افریقہ کی تباہی، اور خود ہندوستان میں ان کا زوال اسی ایک سبب کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اگر ہم کو اس ملک میں پوری طرح مضبوط اور محفوظ رہنا ہے تو مشترکہ مفاد کی حفاظت کرنے متحدہ محاذ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ ہم پر گذشتہ تفصیلات کے مطابق ایک جماعت اور ایک ملت کا اطلاق ہو سکے۔

امارتِ شرعیہ یا نظمِ ملت

حضرات! دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کریں۔ ہمارے خیالات و اعمال میں جو ایک طوائف الملوکی پیدا ہے وہ دور ہو، حالت یہ ہے کہ ہم کو مذہبی، تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، اصلاحی، تبلیغی ہر قسم کی ضرورتیں ہیں اور ان ضرورتوں کے لئے ہم نے الگ الگ انجمنیں قائم کرلی ہیں، جن میں روزانہ تصادم رہتا ہے اور ہر ایک کی سرمایہ سے نالاں ہے اور ہر ایک اپنی مرکزیت کے لئے کوشاں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ اونچے طبقے کے لوگ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب کی جماعت اس پیروگی کے ننگ کو گوارا نہ کریگی، لیکن بہر حال ملت کی کثیر تعداد جو عام طبقوں پر مشتمل ہے، ضرور اس میں شرکت پر آمادہ ہوگی، ہم کو ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی ملت و قومیت اور تنظیم کی بنیاد اپنی سیزدہ صد سالہ بنیاد پر قائم کریں اور اصلی جماعت اسلامیہ بنیں تاکہ ہم دشمنوں کے مقابلہ میں قوت کا ثبوت دے سکیں۔

مسلمانانِ ہند اور مذہبی تعلیم

ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ آئندہ ہندوستان کی جو شکل وصورت بھی ہو، بہر حال یہاں کی حکومت اسلامی نہ ہوگی۔ بہتر سے بہتر جو صورت خیال میں آسکتی ہے وہ ایک متحدہ جمہوریت کی ہے۔ اس لئے ہر حال میں مسلمانوں کیلئے ضروری ہوگا کہ اپنے قومی و مذہبی ضروریات کے اپنے آپ کفیل ہوں، اور یہی ضرورت بعینہٖ اس وقت بھی ہے مسلمانوں کی اسلامی، مذہبی تعلیم، اُن کے مدرسے ان کی مسجدیں، اُن کے اوقاف، ان کے نکاح و طلاق و وراثت وغیرہ قوانین و مسائل خاص محکموں کے محتاج ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ اس وقت ہم جس بے نظامی اور بے ترتیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ صد درجہ قابلِ افسوس ہے، نظر اٹھایئے، ہم سے کہیں کم تعداد میں مسلمان، فلپائن، آسٹریا، ہنگری، بلگیریا، زیکوسلیویا اور یونان میں ہیں، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے ماتحت منظم اور باقاعدہ ہیں، ابھی اسی دسمبر کے اخیر ہفتہ میں رویٹر نے ہم کو مطلع کیا ہے کہ پولینڈ کے تمام مسلمانوں نے جمع ہو کر ۵۳ ارکان کی

ایک مجلس ترتیب دی ہے اور اس میں چند کارکن منتخب ہوئے ہیں اور ایک صدر کا انتخاب کیا ہے تاکہ وہ اس وحدتِ تنظیمی کے سایہ میں اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس سات کروڑ انسانوں کی آبادی پر کہ وہ اب تک وحدتِ مرکزی کے اصول کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

ہندوستان میں اب اور اب سے زیادہ آئندہ مسلمانوں کو اپنی بقا کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک امارت شرعی کے ماتحت اپنے کو منتظم کریں۔ تعلیم یافتہ اصحاب کو شبہ ہے کہ علماء اس پردہ میں اپنی کھوئی ہوئی وجاہت کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے یہ صاف کر دینا چاہیئے کہ اگر ترکی میں مصطفٰے کمال، مصر میں سلطان فواد، عرب میں ابن سعود، ریف میں محمد بن عبد الکریم ریاست اسلامی کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور ہم لوگ اس کو قبول کرنے کو تیار ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہندوستان میں ایک غیر مسلح اہل اور صاحب لیاقت قائد کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکیں، اس کے لئے باقاعدہ بوریا نشین عالم ہونے کی ضرورت نہیں، صرف اس کے دل کو اسلام سے آشنا ہونے کی حاجت ہے اس کے لئے اپنے مذہب اور مذہبی احکام سے ایک حد تک واقف ہونے کی ضرورت ہے، اس قائد کے ماتحت ایک منتخب مجلسِ شوریٰ ہو۔ اس کے ماتحت تعلیم و تبلیغ، تالیف و اشاعت، سیاست، اصلاحات، غیر ملکی تعلقات، مالیات کے مختلف شعبے ہوں، ہر ایک شعبے کا ایک ایک علیحدہ مدیر و ناظم ہو، تمام محاصل و زکوٰۃ ایک جگہ جمع ہو کر ضروریات پر تقسیم ہوں اور اسی اصول پر صوبوں کی امارتیں ہوں اور ان کے ماتحت اضلاع کی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی کے ماتحت نکاح و طلاق و وراثت وغیرہ کے محکمے ہوں، دار الافتا ہوں، جہاں سے جدید ضروریات کے متعلق فتوے صادر ہوا اور سارے ملک میں اس مسئلہ میں جو بے ترتیبی ہے وہ دُور ہو۔

چند سال پہلے جب اس کے لئے موسم مناسب تھا، محض اس لئے بعض اکابر نے اس سے پہلو تہی کی کہ تمام مسلمان اس پر متفق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جب تک اتفاق عام نہ ہو جائے اُس کو قائم نہ کیا جائے۔ میری رائے میں حد درجہ غلطی ہے یہ ناممکن ہے کہ کسی طاقت کے بغیر تمام مسلمان از خود ایک مرکز پر متفق ہو جائیں، اس لئے اس خیال خام سے ہٹ کر ہم کو صرف یہ کرنا چاہیئے کہ صوبوں میں اس کے متعلق کوشش کریں جن صوبوں میں مسلمان بالکل صفر ہیں جیسے مدراس، ممالک متوسط وغیرہ، وہاں اس کی سب سے پہلے ضرورت ہے اور جس قدر مسلمان بھی اس مسئلہ پر متفق ہو سکیں اور اس تحریک پر آمادہ ہو سکیں اُن کو ساتھ لے کر آگے بڑھنا چاہیئے۔ آئندہ اس سلسلہ کی خود وسعت ہوتی رہے گی، تا آنکہ کسی وقت تمام مسلمان اس حلقہ میں آ جائیں، اسلام کے عقیدہ میں نظم و جماعت کے بغیر ہم صحیح اسلامی زندگی پر تقضاً قائم نہیں ہیں کہ نصب الامامۃ واجب!

جو لوگ اس حقیقت کی تسلیم سے اختلاف کرتے ہیں، کیا وہ امامت کے اصولی مسئلہ پر اعتقاد نہیں رکھتے کیا ان کے نزدیک مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں کسی امامت کی ضرورت نہیں، یہ کہنا کہ امامت کے لئے نفوذ و اقتدار ضروری چیز ہے، صحیح ہے، لیکن یہ کامل امامت کی شرط ہے، مسئلہ کی صورت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی امر واجب کے ادا کرنے کی کماحقہ اور اس کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو آیا وہ واجب اس سے ساقط ہو جائے گا یا حسبِ استطاعت جہاں تک اُس کی وسعت و قدرت میں ہو اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز کے لئے قیام و قعود اور قرآن پڑھنا تو ضروری ہے لیکن اگر کوئی بیمار یا اپاہج یا گونگا اس پر قدرت نہ رکھے تو اس سے نماز ساقط ہو جائے گی یا نماز واجب رہے گی اور اس کو ادا کرنا اس کی طاقت اور وسعت کے مطابق فرض ہوگا۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا،

غیر اسلامی سلطنتوں کے مسلمانوں کی حالت عمل۔

حضرات! سوال یہ ہے کہ آیا ہر ناحیۂ بعیدہ کی اُمت پر اپنے اپنے ناحیہ میں نصب امامت واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس بنا پر کہ اس کے نفوذ و اقتدار وغیرہ کے شروط پورے نہیں ہو سکتے وہ واجب اس سے ساقط ہو جائے گا، یا جس طرح جس حد تک اور جس صورت تک ممکن ہوگا اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا؟ مسلمانوں کی تاریخ میں کیا ایسے واقعات نہیں کہ انہوں نے اپنی محکومی اور عدم استطاعت کی حالت میں بھی (ایک نوع کی تنظیمی مرکزیت قائم رکھی چھٹی صدی میں جب کافر تاتاریوں نے ایران و خراسان و ترکستان و عراق پر قبضہ کر لیا تو کیا علمائے وقت نے اس کے لئے مسلمان والی کے مطالبہ کا مسئلہ پیش نہیں کیا؟ جو آج ہماری کتب فتاویٰ کا ایک باب ہے۔ اس وقت بھی جب مسلمانوں کا اوج اقبال تھا، تجارتی ضرورتوں سے ان کو دوسری غیر اسلامی سلطنتوں میں آمد و رفت اور سکونت اختیار کرنی پڑتی تھی، لیکن ان کی اسلامی تنظیمی وحدت کا سر رشتہ یہاں بھی ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا تیسری صدی ہجری میں مسلمان تاجروں کی نو آبادی چین کے شہر خانفو میں تھی مگر وہ کس طرح رہتے تھے اور ان کے احکام و معاملات کیونکر فیصل ہوتے تھے، سلیمان تاجر اپنے تیسری صدی ہجری کے سفرنامہ میں لکھتا ہے:-

ان بخانفو وهو مجمع التجار رجلا مسلما يوليه صاحب الصين الحكم بين المسلمين الذين يقصدون الى تلك الناحية يتوخى ملك الصين ذلك واذا كان فى العيد صلّى بالمسلمين وخطب ودعا للسلطان	شہر خانفو (چین) میں جو (مسلمان) تاجروں کا مرکز ہے ایک مسلمان ہے جس کو شاہ چین ان مسلمانوں کے درمیان فصل احکام کے لئے مقرر کرتا ہے جو اس ملک میں جاتے ہیں، شاہ چین اس کو چاہتا ہے اور عید جب آتی ہے تو وہ مسلمانوں کی نماز کی امامت کرتا ہے اور خطبہ

المسلمين وان التجار العراقيين لا ينكرون من ولايته شيئاً فى احكامه وعمله بالحق وبما فى كتاب الله عز وجل واحكام الاسلام (۱۴ مطبوعہ پیرس ۱۸۱۱ء)

پڑھتا ہے اور بادشاہ اسلام کے لئے دعا کرتا ہے اور عراقی تاجر اس کی ولایت کے احکام اور حق کے ساتھ، اور کتاب الہٰی اور احکام اسلامیہ کے ساتھ اس کے جاری کردہ حکموں سے سرتابی نہیں کرتے۔

عراقیوں کی فارسی زبان میں اس مسلمان والی یا قاضی کا نام ہنرمند تھا جو عام استعمال میں ہنرمن بولا جاتا تھا۔ خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہروں میں جہاں جہاں مسلمان آبادیاں تھیں یہ ہنرمند غیر اسلامی سلطنتوں میں اسلامی تنظیم و قضا کے ذمہ دار نظر آتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے جہاز راں بزرگ بن شہریار اپنے سفرنامہ عجائب الہند میں صیمور (مدراس کے قریب) میں عباس بن ماہان سیرافی ہنرمند کا تذکرہ کرتا ہے:۔

انه كان بصيمور رجل من اهل سيراف يقال له العباس بن ماهان وكان هنرمن المسلمين بصيمور ذو وجه البلد والمنضوى اليه من المسلمين (صفحہ ۱۴۳ بریل)

صیمور میں سیراف کا ایک شخص تھا جس کو عباس بن ماہان کہتے تھے اور جو وہاں مسلمانوں کا ہنرمند تھا اور شہر کا ذی وجاہت اور وہاں کے پناہ گزیں مسلمانوں کا مرکز تھا۔

وہاں کا راجہ مسلمانوں کے متعلق اسی کے فتویٰ پر فیصلہ کرتا تھا۔ اسی مقام پر ۳۰۴ھ میں مشہور سیاح مسعودی پہنچا ہے وہ کہتا ہے:۔

على الهنرمنة يومئذ ابو سعيد معروف بن ذكريا۔ والهنرمنة يراد به رئيس المسلمين وذلك ان الملك يملك على المسلمين رجلا من رؤسائهم تكون احكامهم مصروفة اليه۔

(مروج الذہب ۲ صفحہ ۸۶ یورپ)

ہنرمندی کے منصب پر ان دنوں ابوسعید معروف بن ذکریا تھا اور ہنرمند سے مُراد رئیس المسلمین ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ راجہ مسلمانوں پر ان کے رئیسوں میں سے ایک کو افسر بنا دیتا ہے، مسلمانوں کے تمام مقدمات و احکام اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

حضرات! یہ تو گذشتہ عہد کا بیان تھا، آج بھی مسیحی طاقتوں کے ماتحت جہاں مسلمان آباد ہیں کسی نہ کسی حیثیت سے اس قسم کی تنظیم جاری ہے، ابھی نوپیدا ملک پولینڈ کے مسلمانوں کی مجلس کا ذکر کر چکا ہوں — بالشویک روس میں بھی مسلمان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں خود ہندوستان میں سلاطین کے عہد میں صدر جہاں کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا جس کے ماتحت تمام قضا و محتسب

دائمہ ہوتے تھے۔ تاتاری کافروں کے استیلار کے زمانہ میں اس عہد کے علمار نے اسی بنار پر "مسلمان والی" کے پہلو پر زور دیا۔ ممکن ہے کہ بعض اصحاب گذشتہ مثالوں کو سامنے رکھ کر یہ کہیں کہ اس کے لئے حکومت مستولیہ کی حمایت و منظوری ضروری ہے تاکہ یہ منصب صاحبِ نفوذ و اقتدار ہو سکے۔ اگر اس قسم کے معترضین کی اصلی غرض یہی ہے تو ان کو اصل مسئلہ کے انکار کی بجائے صاف صاف اپنی اس نیت کا اظہار کر دینا چاہیئے ہمارے نزدیک تو مقصود مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا ہے اور وہ ان کے گلے میں ایک اور طوق کے اضافے سے ممکن نہیں، اس مسئلہ کے شرعی پہلو پر امارتِ شرعیہ بہار نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ شک کی مزید گنجائش نہیں۔

حضرات! اس قسم کے نظمِ ملت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کی وحدتِ ملی نمایاں ہو، ان کے تمام مذہبی و ملی کام منتظم ہوں، انکی ضرورتیں پوری ہوں، انکے مصارف و مداخل ملی میں ایک تنظیم پیدا ہو اور اصلی جماعتی روح ان میں نمایاں ہو۔ دار الافتاء اور بیت المال کا قیام ہو، ان کے غریبوں اور محتاجوں کی باقاعدہ امداد ہو، ان کی معاشرتی خرابیوں کی اصلاح ہو، تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ قائم ہو، ان کے مکاتب و مدارس مالی نزع سے نجات پائیں۔

معاشرتی مشکلات - اس نظمِ ملت کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام اعلیٰ و ادنیٰ طبقے نکاح و طلاق و وراثت کی سخت مشکلات میں ہیں۔ آج کل آپ میں سے جن اصحاب کے پاس ملک کے اطراف سے فتوے آتے ہوں وہ گواہی دیں گے کہ اعلیٰ طبقے کی عورتیں خلع کے رواج پذیر نہ ہونے کے باعث کس قدر مصیبت میں ہوتی ہیں۔ ظالم شوہروں سے نجات پانے کے لئے انتہا یہ ہے کہ اعلیٰ خاندان کی عورتیں شومیٔ قسمت سے تبدیلِ مذہب تک کی جرأت کر لیتی ہیں۔ نیچے طبقے کی مسلمان عورتوں میں فوری و بدعی طلاق کی صورتیں مفقود الخبری، عدم ادائے نفقہ اور فسخ نکاح کی متعدد صورتیں پیش آتی ہیں جن کے علاج سے ہم اس نظمِ امارت کے بغیر قطعاً مجبور ہیں کیا اُمتِ محمدیہ کی یہ حالت علمائے کرام اور مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں، اوقاف کی بے ترتیبی، مساجد کی کس مپرسی، اماموں کی جہالت، اصلاح کی محتاج نہیں۔

مشرکانہ افعال - مسلمانوں میں شادی بیاہ کے مراسم، مشرکانہ افعال اور سوءِ اعتقاد کی ظاہر مثالیں ہم کو ادائے فرض کی دعوت نہیں دیتیں؟ مسلمانوں کی اقتصادی بربادی سب سے زیادہ توجہ کے لائق ہے جس کا بڑا سبب علاوہ دیگر خلافِ شرع اعمال کے یہ مراسم بھی ہیں۔ ہمارے صوبہ بہار میں آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے ۸۰% زمینداری مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور آج انھیں فضول خرچیوں کی بدولت ۸۰% دوسروں کے ہاتھوں میں ہیں، دو% ان کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ جدید اقتصادی و مالی مشکلات پر شرعی حیثیت سے علمار غور کریں اور جدید اقتصادی و مالی صورتوں میں جس صورت کا جو حل اور جواب ہو اس کی اشاعت کی جائے۔ سب سے زیادہ پرشور مسئلہ آج کل ہندوستان میں اخذ ربا کا ہے نیز سرکاری بنکوں، ڈاکخانوں اور کوآپریٹیو سوسائیٹیوں سے اخذ منافع کا ہے۔

نقدین کا کاروبار مسلمان نہیں کرتے۔ کیا اس کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔ تجارتوں کی طرف مسلمان ملتفت نہیں، اسراف ان کا خاص امتیاز ہے یہ باتیں علمار کے طے کرنے اور جمعیۃ العلمأ کے حل کرنے کی ہیں اور نظم ملت کے فرائض میں ہیں۔ مسلمان قوموں کے لئے یہ امر کس درجہ باعثِ شرم ہے کہ ان کی برادری میں بعض ایسی قومیں اور ایسے خاندان بھی ہیں جو وراثت کی نصِ صریح سے روگرداں ہوکر رواج کو اپنا قانون بنائیں اور علانیہ ایک عدالت میں مسلمان اپنی قومیت بتاکر پھر یہ کہیں کہ قرآن پاک ہمارا قانون نہیں بلکہ خاندانی رواج ہمارا قانون ہے۔ پنجاب اور بمبئی کی بعض مسلمان قوموں میں ہندو قانون کی پیروی کس درجہ افسوس ناک ہے، لڑکیوں کو ان کے حقِ وراثت سے محروم رکھنا جاہلیت کا وہ طریق ہے جس کے مٹانے کے لئے سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی۔ بمبئی کے کچھ میمنوں میں اور بعض دوسری قوموں میں افسوس ہے کہ اس جاہلیت کی رسم پر اب تک عمل درآمد ہے اور سب سے زیادہ یہ سنکر مجھ کو افسوس ہوا ہے کہ پونہ کے بعض بنے ہوئے مولویوں نے ایسے ظالموں کی حمایت میں کچھ مسئلے گھڑے ہیں۔ انا للہ۔

مسلمانوں کی اصلاح۔

حضرات! ہندوستانی مسلمانوں کو دشمنوں کے معنوی حملوں سے بچانے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ ناقص مسلمانوں کو کامل مسلمان بنایا جائے۔ شدھی کے روکنے کے لئے یہی تدبیر ہے کہ دیہاتوں، دور دراز علاقوں اور خاص نومسلم رقبوں میں بکثرت مذہبی مکاتب جاری کئے جائیں۔ غور فرمائیے کہ ایک مسلمان کو نامسلمان بنانا یہی ہے کہ اس کو عملی اسلام سے آگاہ نہ کیا جائے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی رقبہ مذہبی تعلیم سے سراسر ناآشنا ہے تو وہ بظاہر جو کچھ ہو عملاً وہ گویا مسلمان نہیں اور اس میں اور اس کے ہمسایہ ہندوؤں میں چنداں فرق نہ ہوگا، اس لئے کیا تعلیمی، کیا اصلاحی اور کیا تبلیغی ہر حیثیت سے دیہاتوں میں مسلمانوں کو مذہبی جہالت سے نکالنا سب سے بڑا فرض ہے۔

جمعہ کے خطبے۔

ایہا السادہ! اسی سلسلہ میں جمعہ کے خطبوں کی اصلاح بھی اشد ضروری ہے اہلِ حدیث اصحاب اور بہت سے علمار نے تو اُردو زبان میں خطبہ دینے کے جواز کو تسلیم کرلیا ہے، تاہم اب بھی بہت سے علمار کو صرف اُردو زبان میں خطبہ دینے میں تامل ہے، اگر اتنا بھی تسلیم کرلیا جائے کہ عربی کے ساتھ ساتھ اُردو میں دینا جائز ہے تو بہت کچھ اصلاح ہوسکتی ہے، کسی اختلافی مسئلہ کو چھیڑنے کا جرم عائد نہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ غیر مجوزین کے پاس سوائے عملِ سلف کے غیر عربی زبان میں خطبہ کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، عملِ سلف کے استدلال کے متعلق عرض ہے کہ طریق سلف کے مطابق خطبہ میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوتی تھیں، وہ عربی زبان میں ہوتا تھا، وہ زبانی پڑھا جاتا تھا، کسی کتاب میں دیکھ کر نہیں پڑھا جاتا تھا، اس کی صورت تلاوت اور قرات کی نہ تھی بلکہ مختصر زبانی تقریر کی ہوتی تھی۔ اس

میں آیات واحادیث کے التزام کے ساتھ مسائل حاضرہ ومتجددہ پر مسلمانوں کی فہمائش ہوتی تھی۔ ایک ہی خطبہ کسی کا لکھا یار رہا ہوا صدیوں تک نہیں پڑھا گیا وہ سلاطین زمانہ کی مدح وستائش سے پاک ہوتا تھا۔ اس میں تغنی نہیں ہوتی تھی وہ مقفیٰ ومسجع بے معنی عبارت نہیں ہوتی تھی مگر ان تمام خصوصیات کو تو بلانکیر ترک کر دینا اور صرف عربی کی خصوصیت پر زور دینا قرین صواب نہیں، اگر عربی کی قید نہ رہے تو حصول فوائد کے علاوہ محض ایک بدعت کو قبول کر کے متعدد بدعات سے ہم محفوظ ہو جائیں گے جمعیۃ العلماء کی تجویز میں یہ چیز بھی آنی چاہیئے۔ کہ وہ سال بسال اماموں کی ہدایت کے لئے مختلف خطبے جو ضروری وپیش آمدہ ضروریات پر محوی ہوں شائع کرتی رہے۔ اسی طرح قرآن مجید جو تمام دنیا کے لئے آیا، ضرورت ہے کہ اس کے ترجمے تمام دُنیا کی زبانوں میں ہوں تاکہ قرآن بلسان قومہ ہو کر رب کی ہدایت کو ہر جگہ عام کر دے، خدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کے خاندان پر رحمت بھیجے جنہوں نے فارسی واُردو ترجمہ کر کے اس مسئلہ کو علمائے خلف کے اختلاف آراء سے بچا لیا۔ مصر وترکی میں اب تک قرآن پاک کے جواز ترجمہ اور عدم جواز میں معرکۃ الآراء بحثیں درپیش ہیں، لیکن اے صاحبو! اسی کے ساتھ اس فتنہ کو بھی روکنا چاہیئے جو آج کل ہندوستان میں عام ہو رہا ہے، کہ اہل دنیا اہل تجارتی اغراض سے ایک نئے ترجمہ کی بدعت میں گرفتار ہے، ان ترجموں میں باہم اس درجہ اختلاف ہے کہ خدانخواستہ اگر اصل بحکم وانالہ لحافظون محفوظ نہ ہو تو تحریف کے عملی گناہ سے مفر نہیں، یہاں تک کہ بعض جاہل وطامع تاجروں نے قرآن پاک کے منظوم ترجمہ کی بھی جرأت کی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اپنی شرعی امارت ونظم ملت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتے۔

قرآن کی طباعت کا اہتمام۔ اس کے ساتھ قرآن پاک کی طبع واشاعت کی احتیاط کا بھی سوال ہے، ہمارے نزدیک تو قرآن پاک کو غیر اسلامی مطابع میں چھپنے کے قانونی مسئلے پر زور دینا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ مطابع اور اسلامی مطابع تک سب سے آگے لاہور کے مطابع ہیں۔ قرآن پاک کے اعراب والفاظ وغیرہ کی تصحیح میں بے پروائی سخت افسوس ناک ہے۔ ہم نے چند ایک قرآنوں کو ایک ساتھ ملا کر دیکھا تو ہر صفحہ میں غلطیاں نظر آئیں۔ پشاور کے ایک بزرگ نے اس قسم کی غلطیوں کی مثالیں چھاپ کر شائع کی ہیں اور افسوس ہے کہ صاحب مطبع ہونے کی بنا پر اس گناہ میں ہم بھی کسی قدر شریک ہیں۔ مصر وترکی میں قرآن پاک کی تصحیح میں سرکاری طور سے اس قسم کی تصحیح اور صحیح قرآن چھاپنے کی کوشش کی جاتی ہے ابھی حال میں اس ترکی نے جس کو شاید بہت سے لوگ بے دین ترکی کہنے کو تیار ہو جائیں گے اس نے خاص اپنی نگرانی میں قرآن پاک کی اشاعت کی؛

حضرات! جب یہ سطریں زیرِ تحریر تھیں، مصر سے ایک نئی تالیف نقض کتاب الاسلام واصول الحکم محمد خضر حسین سابق مدرس جامع زیتونہ وقاضی محکمۂ شرعیہ تونس کی موصول ہوئی جس میں مصنف قاضی عبدالرزاق مصری کی کتاب الاسلام واصول الحکم جس کے فتنہ کا ذکر پہلے آچکا ہے نہایت شافی وکافی جواب دیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام اور سیاست کبھی مذہباً الگ نہیں ہو سکتے اور اسلامی قوانین کی بنیاد شریعت پر رکھی جا سکتی ہے نہ کہ رومن لاء اور قوانین یورپ پر رجن الہ اللہ خبر الجن ا ء ضرورت ہے کہ ہماری جمعیۃ العلماء بھی اس بارہ میں مصر وتونس کے علمائے حق کی تائید اور مخالفین سے اپنی جرأت ظاہر کرے۔

دارالاسلام کا قیام۔

آخر میں ایک چیز کی طرف مجھ کو مسلمانوں کو متوجہ کرنا ہے اور وہ دارالاسلام ہے مدت سے یعنی ۱۹۰۵ء سے جب میں ندوۃ العلماء کے صیغۂ اشاعتِ اسلام کا نائب ناظم تھا، یہ خواہش میرے دل میں ہے کہ نومسلموں کے قیام وتعلیم وتربیت کے لئے کوئی خاص جگہ بنائی جائے جس کا نام دارالاسلام ہو۔ جس طرح یتیم خانے آپ نے قائم کئے ہیں، نومسلم خانے بھی آپ تعمیر کیجئے۔ عہد حکومتِ مغلیہ میں داروغۂ جدید الاسلام کے نام سے ایک عہدہ تھا۔ نومسلموں کی غور وپرداخت وغیرہ اس کا فرض تھا۔ اس کو بہت سی سرکاری اعانتیں ملتی تھیں۔ آج کل جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔ اُن کی بہت بُری حالت ہوتی ہے اسلام کے بعد سب سے پہلی تعلیم جو ان کو دی جاتی ہے وہ گداگری کی ہے۔ کیا یہ اسلام کے شایانِ شان ہے؟ زکوٰۃ کے مصارف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا ایک حصہ رکھا ہے اور اس مد سے باقاعدہ اس کے لئے مصارف ادا ہو سکتے ہیں۔ پھر بتدریج یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے مختلف خاموش اطراف میں اس قسم کے متعدد دارالاسلام قائم ہوں جہاں ایک سے دوسری جگہ نومسلم حسبِ حال منتقل ہو سکیں اور وہاں وہ کچھ اسلامی تعلیم اور کوئی حرفت سیکھیں، یا مسلمان زمیندار ان کو کاشت کاری کے کاموں میں لگائیں غور کیجئے کہ اس وقت چھوٹی چھوٹی صنعت وحرفت کے تمام کام دیسی نوعیسائیوں کے ہاتھوں میں ہیں علاقہ ترہت کے راج میں جس قدر دیسی عیسائی ہیں وہ بڑھئی اور لوہار کے کام سے بخوبی اپنی پرورش کر رہے ہیں، پونہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ بڑے شہروں میں جلد سازی، چھپائی اور اسٹیشنری کے متعلق کام ان کو سکھائے جاتے ہیں، کیا آپ ایسا نہیں کر سکتے۔

حضرات! ابھی تو کہنے کی بہت باتیں ہیں۔ خوش نما تجویزوں کا ایک انبار لگایا جا سکتا ہے لیکن جب

یہ خیال آتا ہے کہ ہم کو کہنے کی جس قدر قوت ہے افسوس اس قدر کرنے کی نہیں تو وعید لم تقولون ما لا تفعلون سے ڈر معلوم ہوتا ہے:۔

فلو انّ قومی انطقتنی رماحہم
اگر میری قوم کے نیزے مجھے نطق بخشتے تو میں بولتا

نطقت ولکن الرماح اجرت
لیکن افسوس کہ انہوں نے میری زبان بند کر دی ہے

ونسال اللّٰہ التوفیق لما یحب و یرضی، والعاقبۃ للمتقین۔

ماخذ: سید سلیمان ندوی، خطبۂ صدارت، اجلاس ہفتم جمعیۃ العلماء ہند منعقدہ ۲۵-۲۶-۲۷-۲۸ شعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء بمقام کلکتہ، اعظم گڑھ، ت ن، ۶۲ ص۔

۲۰

تجاویز۔

تجویز نمبر ۱ ۔

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے دفعتاً انتقال پر اپنا دِلی رنج و افسوس ظاہر کرتا ہے اور اِن کے انتقال کو ہندوستان کے علمی طبقہ کے لئے نقصانِ عظیم تصور کرتا ہے۔ حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اِن کے اعزا و متعلقین کو صبرِ جمیل کی توفیق اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

تجویز نمبر ۲/۴ ۔

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس اِن حالات و واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو حجاز مقدس میں قیام امن و امان کے متعلق معلوم ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اَب سفرِ حج میں تامل و تردد نہ کریں بلکہ اہلِ وسعت اصحابِ حج و زیارت حرمین شریفین کے لئے ضرور جائیں۔ اِس کے علاوہ ادائے فریضہ اور ثوابِ حج کے جیرانِ بیت اللہ اور جیرانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوائد بھی پہنچیں گے۔ جن کی اِن کو اِس وقت سخت حاجت ہے اور ایسے غیر مستطیع اصحاب جو سفرِ حج میں خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور اہلِ حجاز کو بھی مشکلات میں ڈالتے ہیں۔ قصدِ سفرِ حج نہ کریں۔

تجویز نمبر ۳/۵ ۔

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو اِس امر کی طرف توجہ دِلاتا ہے کہ وہ اِن

تمام لغو اور فضول ناجائز مسرفانہ رسوم کو ترک کر دیں جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہیں اور جن سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بھی تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ یہ رسمیں شادی و غمی اور تیواروں میں تھوڑے تھوڑے اختلاف و تفاوت کے ساتھ تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں اور ماتحت دفاتر جمعیت العلماء کو چاہیے کہ وہ مقامی حالات و ضروریات کے لحاظ سے ایسی رسموں کو ترک کرانے کے لئے مقامی طور پر مؤثر طریق بذریعہ تحریر و تقریر و اشتہارات و رسائل اختیار کریں اور اپنی رپورٹ مرکزی دفتر میں روانہ کرتے رہیں۔

تجویز نمبر ۴ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس امر واقع کو دیکھتے ہوئے کہ قصبات و دیہات میں مساجد کے امام ہی قصبوں اور گاؤں کے مسلمانوں کے مذہبی مقتدا سمجھے جاتے ہیں اور ان کی مذہبی ضروریات کے متکفل ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر امام محض جاہل اور بندۂ زر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی مذہبی حالت میں ترقی ہونے کی بجائے روز بروز تنزل اور انحطاط ہوتا جاتا ہے۔ تمام قصبات و دیہات کے مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ اپنی مساجد میں امام مقرر کرتے وقت مقامی یا اپنے سے قریب تر دفتر جمعیۃ العلماء کے مشورہ اور استصواب کے بعد امام مقرر کیا کریں۔ تاکہ ان کو اچھے واقف کار امام میسر ہوں اور مساجد کے اماموں سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو نماز اور روزہ اور اسلام کے دیگر ضروری مسائل کی سیدھی سادی تعلیم دیتے رہا کریں۔

تجویز نمبر ۵ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس گورنمنٹ ہند کے اس طرزِ عمل کو جو اس نے صوبہ سرحدی (شمال ہند) میں برٹش انڈیا کے دوسرے صوبوں کے خلاف قائم کر رکھا ہے صریح بے انصافی اور غیر مساویانہ سلوک اور فرنٹیئر کرائم ریگولیشن کے نفاذ کو صوبہ سرحدی کے اس مطالبہ کو کہ اصلاحات کا نفاذ صوبہ سرحدی میں بھی کیا جائے۔ باوجود اس اعتقاد کے کہ قانون اصلاحات بھی ملک کے لئے ناکافی ہے۔ حق بجانب سمجھتا ہے۔ کیونکہ بہر حال قانونِ اصلاحات بمقابلہ موجودہ متشددانہ پالیسی کے باشندوں کے لئے نسبتاً بہتر ہوگا۔

نیز یہ اجلاس برادرانِ وطن کے اس ایجی ٹیشن کو جو انہوں نے صوبہ سرحدی میں نفاذ قانونِ اصلاحات کے خلاف برپا کر رکھا ہے باہمی اعتماد اور رواداری اور آزادی ملک کے لئے مہلک ضرب تصور کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۶/۸ -

حکومتِ حجاز کے متعلق جمعیتہ العلماء ہند کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ چونکہ حجاز مقدس مرکزِ اسلام ہے اور اس کے ساتھ تمام عالمِ اسلامی کا تعلق ہے اور تمام اسلامی طاقتوں کے ذمہ اس مرکزِ اسلام کی حفاظت مذہبی فریضہ ہے۔ ان وجوہ کے لحاظ سے ضروری ہے کہ

(الف) حجاز کی حکومت اسلامی اصول کے موافق اور خلافتِ راشدہ کے نمونہ پر ہو۔ جس میں استبداد اور کسی خاندان اور نسل کی تخصیص اور وراثت کا اعتبار نہ ہو اور ہر قسم کے غیر مسلم اثر و نفوذ سے پاک ہو۔

(ب) حجاز کی حکومت ایسے مستحکم اصول پر قائم ہو جس میں آئندہ کے لئے بھی اس امر کا اطمینان ہو کہ تمام عالمِ اسلامی کی متحدہ طاقت اس کی حفاظت کی ذمہ دار اور کفیل ہے۔

(ج) ملوکیت حجاز کا تعجب انگیز اعلان خواہ کیسے ہی حالات کے ماتحت ہوا ہو تاہم جمعیتہ العلماء ہند ضمن الف اور ب کے حصول کے لحاظ سے ابنِ سعود سے متوقع ہے کہ وہ مرکزِ اسلام اور اسلامی قومیت کے اعلےٰ مفاد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تمام عالمِ اسلامی کے نمائندوں کو موتمر منعقد فرمانے کی سعی فرمائیں گے اور حکومتِ حجاز کے متعلق موتمر کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیں گے۔

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس حجازیوں کے لئے حکومتِ حجاز کے تمام داخلی اختیارات کا استحقاق تسلیم کرتے ہوئے جزیرۃ العرب اور بالخصوص حجازِ مقدس میں غیر مسلم مطامع کا بالکلیہ انقطاع کر دینے والا انتظام قائم ہونے کی شدید ضرورت سمجھتا ہے اور جمعیتہ کی رائے میں ایسے نظام کا قیام اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ کہ تمام اقوامِ اسلامیہ اور مسلم طاقتوں کے نمائندوں کی عام موتمر اسلامی حجاز میں منعقد ہو اور یہ موتمر باہمی تبادلۂ آراء اور افکار کے بعد حکومت حجاز کی ایسی ہیئت تشکیل کرلے جو مقصد مذکورہ بالا کے پورا کرنے کی ضامن ہو۔ جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس موتمر میں اپنے نمائندے بھیجنے کے لئے تیار ہے۔

تجویز نمبر ۷/۹ -

جمعیتہ علماء ہند کا یہ اجلاس اپنے اجلاس مُراد آباد اور جمعیتہ عاملہ کی تجاویز کے سلسلہ میں از سرِ نو اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ پنجاب اور بمبئی وغیرہ کی بعض مُسلم اقوام میں عورتوں کو حصّہ میراث نہ دینے کا جو رواج ہے وہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام کے سخت مخالف اور دین و ایمان کو غارت کر دینے والا ہے اس خلافِ اسلام رسم و رواج کو مٹانے اور ان اقوام میں اسلامی احکام توریث جاری کرانے کے لئے

جمعیۃ العلماء کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ موثر وفود کے ذریعہ اس امر کی تبلیغ کیجائے جو بمبئی کے ذی اثر مسلمانوں سے مل کر اور انکو سمجھا کر اس رسم کا استیصال کریں اور ناظم جمعیۃ العلماء کو اختیار دیتا ہے کہ وہ وفود مرتب کر کے روانہ کریں نیز اس تجویز کو بذریعہ اشتہاروں اور اخباروں کے متعلقہ علاقوں میں بکثرت شائع کریں۔

تجویز نمبر ۸/۱۰ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس قضیۂ موصل کے بارے میں برطانیہ کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ ترکوں کے تاریخی طبعی جغرافیائی حق کو تسلیم کر کے جنگ کے امکان کو رفع کر دے۔ اسی سلسلہ میں یہ اجلاس ان احکامِ الٰہیہ کے اعلان کا اعادہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ جو اس سے قبل بھی متعدد مرتبہ شائع کیے جا چکے ہیں کہ حضرت حق تعالےٰ شانہ اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح اور صاف احکام کے بموجب مسلمانوں پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کسی غیر مسلم کی ایسی امداد کریں کہ جو مسلمانوں کے قتل یا ایذا رسانی یا کسرِ شوکتِ اسلامی کا باعث ہو۔

حق تعالےٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے اس کا بدلہ جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور خدا کا غضب اور لعنت اس پر نازل ہوگی اور اس کیلئے بڑا عذاب مہیا فرمایا ہے۔ اور حضور رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی طرف لوہے کی چیز سے حملہ کا اشارہ بھی کرے اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی مضمون کی بہت سی صحیح احادیث ہیں۔ پس کسی سچے ایمان دار کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ چند روپوں کے بدلے دشمنانِ اسلام کی امداد کر کے خدا اور رسول کی لعنت اور غضب اور جہنم خریدے۔

تجویز نمبر ۹/۱۱ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس ان مشکلات اور صعوبات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو نااہل خاوندوں کی جانب سے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنے کے سلسلہ میں عورتوں کو پیش آتی ہیں اور جن کی وجہ سے عورتیں معلقہ جیسی بن کر بہت سی معصیتوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں یا ان کی زندگی مصائب و مہالک کی نذر ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات مرتد ہونے تک نوبت پہنچ جاتی ہے (معاذ اللہ من ذالک) تجویز کرتا ہے کہ:-

(الف) اگرچہ ان مشکلات کا صحیح حل محکمہ جات قضا کے قیام سے ہی ممکن ہے لیکن جب تک محکمہ جات قضا قائم نہ ہوں اس وقت تک کے لئے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ شہروں اور قصبوں کے مسلمان

جمع ہوکر عامہ مسلمین کے جلسہ میں کسی معتمد اور متدین عالم کو ایسے معاملات میں نکاح وطلاق وتاجیل کے فیصلوں کے لئے اپنا قاضی مقرر کریں۔ یہ قاضی عامہ مسلمین کی جانب سے شرعی فیصلہ کرنے کا شرعاً مجاز ہوجائے گا۔

(ب) مگر ضمن الف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جس شہر اور قصبے کے مسلمان مقامی ضرورتوں کو پوری طرح محسوس کریں۔ وہ جمعیۃ العلماء سے درخواست کریں کہ ان کو اس امر کی اجازت دی جائے۔ جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ اس درخواست پر غور کرے اور اگر اس کی رائے میں اس جگہ کی فضا اس کے مناسب ہو تو اجازت دے اور تحریری اجازت موصول ہوجانے کے بعد وہاں کے مسلمان نصب قاضی کی کارروائی کریں۔

(ج) ضمن الف اور ب کے عمل میں آجانے کے بعد جو قاضی مقرر ہو۔ اُسے لازم ہوگا کہ وہ مقدمات دائرہ کے متعلق قواعد شرعیہ متعلقہ قضا کی پوری پابندی کرے اور تحقیقاتِ کاملہ کے بعد شہادت یا اقرار یا یمین ونکول کے موافق حکم صادر کرے۔

تجویز نمبر ۱۰/۱۲ -

ہندوستان میں شریعتِ اسلامی کے مطابق محاکم قضا کا قیام جس میں مسلمانوں کے طلاق ونکاح ووراثت اوقاف وغیرہ کے مذہبی مسائل مسلمان قاضیوں کے ذریعہ سے طے کئے جائیں۔ مسلمانوں کا مذہبی حق ہے اور حکومتِ ہند اب تک یہ حق غصب کرتی رہی ہے۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ یہ مذہبی حق مسلمانوں کو واپس دے اور یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس کے قیام کی جدوجہد کریں۔

تجویز نمبر ۱۱/۱۳ -

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس لحاظ سے کہ ہندوستان کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کرانا اور اس کے حصول میں تمام مناسب اور جائز ذرائع کو استعمال کرنا تمام باشندگانِ ہند کا قومی اور وطنی فریضہ ہے اور بالخصوص مسلمانوں کا تو مذہبی نصب العین بھی ہے۔ جیسا کہ جمعیۃ العلماء ہند متعدد بار اپنی سابقہ دستاویزوں میں اس پر کافی روشنی ڈال چکی ہے۔ طے کرتا ہے کہ:

(الف) اگرچہ ہندوستان کی آزادی کے لئے جملہ باشندگانِ ہند کا اتحاد عمل اور باہمی رواداری اور اعتماد ضروری ہے۔ مگر بدقسمتی سے برادرانِ وطن کے بعض ممتاز لیڈروں نے دانستہ یا نادانستہ غلط رویّہ کی وجہ سے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ جس سے نہ صرف باہمی شقاق ومنافرت کی خلیج بہت زیادہ وسیع ہوگئی اور ہوتی جا رہی ہے بلکہ آزادیٔ وطن میں بھی روزانہ مشکلات کی کڑیوں کا اضافہ ہو رہا ہے اور غیر ملکی حکومت کی قوت میں استحکام اور باشندگانِ

ہند کی طاقت میں ضعف و اضمحلال بڑھتا جا رہا ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر لازم اور واجب ہو گیا ہے کہ وہ مُسلم قوم کی منتشر قوتوں کو مجتمع کریں اور خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور آزادیٔ وطن کی مساعی میں دوسروں کا منہ تکے بغیر سرگرمِ عمل ہو جائیں اور بالخصوص اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھیں اور صدیوں تک ہندوستان اسلامی ممالک میں داخل رہا ہے اور غیر مُلکی حکومت نے مسلمانوں ہی سے چھینا ہے اس لیے اس کی آزادی کا فریضہ بھی براہِ راست مسلمانوں پر اوّلاً بالذات عائد ہوتا ہے۔

(ب) سعی آزادی میں اس امر کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے کہ غیر مُلکی حکومت کے رحم و کرم پر بھروسہ رکھنے اور اس کی آستانہ بوسی کرتے رہنے سے کبھی بھی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔

(ج) اس مقصد میں جو غیر مسلم حضرات مسلمانوں سے اتحادِ عمل کی خواہش کریں ان سے نہائت فراخ دلی کے ساتھ اسلامی اصول کے ماتحت متحدہ اور متفقہ کوشش کرتے ہوئے افتراق انگیز اور اشتعال آمیز کارروائیوں سے احتراز کرنا چاہیئے لیکن اگر ہندوستان کی بعض خود غرض جماعتیں اس نیک مقصد میں مسلمانوں کے ساتھ متحد نہ ہوں تو مسلمانوں کو کسی دوسرے کا منہ تکنے اور سہارا ڈھونڈھنے کی بجائے محض خُدائے عزّوجل کے بھروسہ پر آزادیٔ وطن کے لئے کامل جدوجہد کرنی چاہیئے۔

عملی کارروائیاں۔

۱۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ مُسلم قوم عموماً اور علمائے کرام خصوصاً سیاسی امور میں غور و خوض کیا کریں (کیونکہ سیاست مذہب سے اسلام میں علیحدہ چیز نہیں ہے) اور تمام قوم میں سیاسی امور کی تبلیغ کرتے ہوئے قوم کو بیدار اور اپنے حقوق کے پہچاننے کا طالب و ساعی بنا دیں۔

۲۔ آزادیٔ ہند کی فریضہ ہونے کی مذہبی، مالی، مُلکی، انسانی وجوہ و اسباب کو نہائت غور و خوض سے دریافت کریں اور لوگوں کو سمجھائیں دیگر مذہبی امور کی اشاعت کی طرح اس کو بھی ضروری سمجھیں۔ غلامی اور حقوق کے مسلوب ہونے کے مضار اور مفاسد کی اشاعت نہائت پُر امن طریقہ سے کر کے ہر مسلمان کو زندہ کر دیں۔

۳۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ قومی اخبارات و رسائل جن میں باشندگانِ ہند کے حقوق اور آزادی پر روشنی ڈالی جاتی ہے ہمیشہ مطالعہ کیا کریں اور ایسے رسائل و مضامین لکھ کر عام پبلک میں شائع کر دیں اور مواعظ میں قوم کو ان امور پر خاص طور پر متوجہ کیا کریں۔

۴۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ چونکہ اہلِ ہند کے بے انتہا افلاس کے دُور کرنے کا پُر امن اور مہتم بالشان

طریقہ یہ ہے کہ چرخوں کے سوت اور کھدر کو رواج دیا جائے اور عام طور پر غیر ملکی چیزیں نہ خریدی جائیں۔ اس لئے تمام مسلمانانِ ہند پر ضروری ہے کہ کھدر اور چرخہ کی اشاعت اور اس پر عمل میں پورا پورا حصہ لیں لہٰذا مسلمان اس کے برخلاف اپنی جیب کے روپیوں سے دشمنانِ اسلام کی مدد اور پرورش نہ کریں۔

تجویز نمبر ۱۲/۱۴ -

جمشید پور ٹاٹا اسٹیل مل کے بعض ناعاقبت اندیش افسران نے مسلمانوں کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ سخت افسوسناک، اوروں کی نیک نامی کو زائل کرنے والا اور اس کے عملہ میں بدنظمی پیدا کرنے والا ہے۔ عید گاہ کو مسلمانوں سے چھیننا اور مبلغ امارت شرعیہ کے اخراج کا نوٹس جاری کرنا مسلمانوں میں بے چینی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اس لئے جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس افسرانِ مذکور کو اس رویہ کے نتائج قبیحہ سے بورڈ کے ڈائرکٹروں کو مطلع کر کے اس کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ تاکہ مسلمانوں میں بے اطمینانی پیدا نہ ہو اوروں کی عزت و وقار کو بھی بٹہ نہ لگے۔

تجویز نمبر ۱۳/۱۵ -

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس ریاست جنید کے اس حکم کو جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو بھیڑ بکری تک کی قربانی کرنے سے گذشتہ ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور اکادشی کے اجتماع کی وجہ سے روک دیا گیا تھا۔ صریح مذہبی مداخلت سمجھتا ہے اور حکام ریاست سے توقع رکھتا ہے کہ وہ آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرینگے۔ جس کا نتیجہ مسلمان رعایا کے اندر فتنہ اور تشویش پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

تجویز نمبر ۱۴/۱۶ -

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان کی تمام اقوام کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ اُردو زبان اور اُردو رسم الخط کو ہندوستان کی متفقہ قومی زبان اور متفقہ قومی رسم الخط قرار دینے کی پوری سعی کریں۔ کیونکہ اس زبان اور رسم الخط کو اپنی سہولت اور وسعت کے لحاظ سے اس کا استحقاق ہے اور ہندو مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی اور ہندوستانی قومیت کے دوسرے طبقات اس سے یکساں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور یہی وہ زبان اور رسم الخط ہے جس کو کسی مخصوص طبقہ کے ساتھ خصوصیت نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستانی زبان اور ہندوستانی رسم الخط

قرار دیا جا سکتا ہے۔

تجویز نمبر ۱۵/۱۷

جمعیتہ العلمار ہند کا یہ اجلاس بنگال میں آرڈیننس اور ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء کے نفاذ کو دنیا کے موجودہ آئینی دور میں برطانوی جبر و تشدد کی کھلی مثال اور آئین و قانون کے نام کی صریح توہین سمجھتا ہے۔ کیوں کہ ان جابرانہ قوانین کے نفاذ نے بنگال کے ہر باشندے کی شخصی آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ جمعیتہ العلمار کا یہ اجلاس ملک کے ان مخلص فدائی اور کارکنوں کے ساتھ جو ان قوانین کے ماتحت کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر جیل میں بند کر دیئے گئے ہیں حکومت کے طرزِ عمل کو جابرانہ تشدد کا نتیجہ اور انصاف کے قطعاً خلاف سمجھتا ہے۔ اور ان کے ساتھ اس بے وجہ گرفتاری کے بارے میں اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۱۶/۱۸

جمعیتہ العلمار ہند کا یہ اجلاس اس روز افزوں ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو انگریزی اور دیگر زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ اور ایسے تفسیری فوائد کی اشاعت کے متعلق ملک میں محسوس ہو رہی ہے۔ جو عام فہم ہونے کے علاوہ تمام دیگر مذاہب کے اعتراضات اور شبہات کے رفع کرنے کے لئے کافی ہو۔ جمعیت العلمار نے اپنے سابقہ جلسوں میں اس کام کے انصرام کے متعلق ایک تجویز منظور کی تھی۔ مگر اب تک مالی معذوری کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا۔ جمعیتہ کے خیال میں اردو ترجمہ اور تفسیری فوائد تیار کرانے اور پھر مختلف زبانوں میں ترجمہ کرانے اور پھر شائع کرنے کے مبادیات کے لئے کم از کم ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ جمعیتہ العلمار اس ضروری اور عظیم الشان اسلامی خدمت کے انصرام کو نہایت ضروری سمجھتی ہے اور مخلص دردمند مسلمانوں کو توجہ دلاتی ہے کہ وہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اس کام میں جمعیتہ کا ہاتھ بٹائیں اور جلد از جلد رقم مذکور فراہم کر دیں۔ جمعیتہ العلمار کا یہ اجلاس صدر و ناظم جمعیتہ کو اختیار دیتا ہے کہ جب مالی حالت اجازت دے تو وہ مجلس عاملہ کا جلسہ طلب کریں اور اس کی رائے اور صوابدید کے ساتھ معتمد و مستند علمار کی نگرانی میں ترجمہ و تفسیری فوائد تیار کرا کے طباعت کی کارروائی شروع کر دیں۔ تفسیری فوائد کا کام مولانا شبیر احمد صاحب کے سپرد کیا جاتا ہے۔ مولانا موصوف کی علامہ سید سلیمان صاحب اعانت کریں گے۔

تجویز نمبر $\frac{17}{19}$ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ چونکہ واقعات اور اخبار بتلا رہے ہیں کہ تمام ہندوستان میں عموماً اور صوبہ بنگال میں خصوصاً غیر مسلم مشنریاں نہایت زور شور سے اپنی تبلیغی مساعی عمل میں لا رہی ہیں اور بہت بڑی کامیابی انہوں نے حاصل کر لی ہے۔ اس لئے تمام مسلمانانِ بنگال کو عموماً اور علمائے کرام کو خصوصاً اس طرف بہت زیادہ متوجہ ہونا چاہیئے۔ نیز علماء بنگال سے پُر زور اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے فروعی اختلاف کو بہت جلد چھوڑ کر نہایت توجہ اور سعی سے مسلمانوں کی ارتداد سے حفاظت اور دیگر اقوام کے اندر اسلام کی تبلیغ کرنے میں پورا حصہ لیں۔

تجویز نمبر $\frac{18}{20}$ -

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس افسوسناک اور سخت افسوسناک فروگذاشت پر دلی حسرت اور اندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ جو قرآنِ مجید کی طباعت میں غلطیاں رہنے اور بہت ادنیٰ اور ردی کاغذوں پر قرآنِ مجید کو چھاپنے کے متعلق کی جا رہی ہیں۔ غیر مسلم مطابع کی جانب سے ایسا ہوتا تو محلِ تعجب نہ تھا۔ مگر سخت افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ مسلم مطابع بھی اس میں بہت غفلت برت رہے ہیں۔ جمعیۃ کی رائے میں ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کی طباعت و اشاعت کا ایسا منظم انتظام کیا جائے کہ اس کتاب مقدس کے غلط اور خلاف رتبہ صورت پر شائع ہونے کا احتمال نہ ہے لیکن جب تک اس کی صورت پیدا ہو اس وقت تک تمام مسلم مطابع سے درخواست ہے کہ وہ محض تجارتی اغراض کے لحاظ سے اس کتابِ مقدس کی اشاعت کا خیال دل سے نکال کر اس کی تصحیح کا اعلےٰ اہتمام کیا کریں اور مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ قرآنِ پاک لیتے وقت اس امر کا اطمینان کر لیا کریں کہ یہ نسخہ صحیح ہے۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶، ص ص ۱۱۴-۱۲۳۔

باب ہشتم

اجلاس ہشتم، پشاور ۲ تا ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء
(۶ تا ۸ جمادی الآخر ۱۳۴۶ھ)

زیر صدارت

مولانا سید محمد انور شاہ

۲۱

خطبۂ صدارت از مولانا سید محمد انور شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی قامت لہ القامات ورکعت لہ الظھور وسجدت لہ الجباہ وخشعت لہ القلوب والابصار والاصوات ونطقت بحمدہ الالسن وتحرکت بذکرہ الشفاہ۔ الَّذِی خَلَقَ اٰدَمَ علیٰ صورتہ وجَعَلَہٗ خَلِیفَۃً فِی الْاَرضِ حَاکِمًا عَلَے الطُّولِ وَالْعَرضِ وَنَفَخَ فِیہِ مِن رُّوحِہٖ وَسَوَّاہٗ سَجَدَ لَہٗ الملائکۃَ وَخَلَقَ لَہٗ مَا فِی الاَرضِ جَمِیعًا۔ وَاٰتَاہُ لِیَعرِفَ رَبَّہُ الَّذِی رَبَّاہُ۔ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہِ النَّبِیِّ الاُمِّیِّ مُحَمَّدٍ الْھَاشِمِیِّ خَاتَمَ النَّبِیِّینَ وَسَیِّدِ وَلَدِ اٰدَمَ الَّذِی تَحتَ لِوَاءِہٖ اٰدَمُ فَمَن سِوَاہُ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہِ الَّذِینَ اتَّبَعُوا ھُدٰیہُ وَھُدَاہُ وَالَّذِینَ اتَّبَعُوھُم بِاِحسَانٍ مَا بَلَغَ الدَّھرُ مَدَاہُ۔

ضرورتِ نظامِ ملّی و تقسیمِ عمل

امابعد۔ حضرات علمائے کرام! راہبرانِ ملت وقوم و برادرانِ اسلام! سب سے پہلے میں آپ حضرات کی اس کرم گستری کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو مجھ جیسے ناچیز کو ایسے عظیم الشان جلسہ کی صدارت عطا فرما کر اور اپنے اعتماد و توقیر کی عزت بخش کر آپ نے ظاہر فرمائی ہے۔ میں اگرچہ اس قابل نہ تھا کہ ایسے اہم اور نازک موقعہ پر

اس اہم ترین ذمہ داری کو پورا کر سکتا، مگر ایک تو خدائے قدوس کے فضل و کرم دوسرے آپ کے اعتماد اور توجہ پر بھروسہ کر کے آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے حاضر ہوگیا ہوں۔ اُمید کہ جب آپ نے میرے ضعیف کاندھے پر یہ بارِ گراں رکھا ہے تو بمصداق فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم آپ بھی اپنے خادم کی پوری مدد فرمائیں گے اور اپنی دلی محبت اور اخلاص کے جذبات سے مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کرنے کے قابل بنا دیں گے یہ بھی حکمتِ الٰہیہ کا ایک کرشمہ تھا کہ اس نے صوبہ سرحد کے اجلاس جمعیۃ العلماء کی صدارت میرے نام پر مقدر فرمائی تھی تاکہ میں اپنے پڑوسیوں کی حسب مقدرت خدمت کر کے حقِ جوار ادا کر سکوں اور اگر ادائے خدمت میں کچھ تقصیر ہو جائے تو میرے پڑوسی حقِ جوار کی رعایت کر کے در گذر فرمائیں اور نکتہ گیری نہ کریں اور میری معروضات کو اپنے ہی مخلص اور باوفا ہمسایہ کی معروضات خیال فرما کر گوشِ دل سے سُنیں اور اُس پر عمل کی سعی کریں۔ ولا آلو جھداً فی النصح فان الدین النصیحۃ وما التوفیق الا من عند اللہ العزیز الحکیم

محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرتِ کاملہ نے اگرچہ نظامِ عالم کی بنیاد تغیر و تبدل پر رکھی ہے اور اس کی تمام تر فضا انقلابات و حوادث سے معمور ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ع

کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ کے مناسب ایک منظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے اور جملہ مسببات عالم کو سلسلۂ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا۔ قدرت کاملہ نے یہ لوٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گوناگوں تغیرات و انقلابات نہ ہوتے اور روزِ روشن شبِ تاریک کے ساتھ میدانِ مسابقت میں اس طرح نبرد آزما نہ ہوتا تو کوئی شخص یدِ قدرت کا جو کہ بالادست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کار فرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعت اصلیہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس بہترین نظام میں کوئی اور قوت کار فرما ہے خیال فرمائیے کہ اگر آفتاب عالمتاب میں طلوع و صعود، زوال و غروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی و تنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمۂ خورشید کی مرہونِ منت ہے بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس نورانیت کی مقتضی ہے بقول قائل ع تا بود زمانہ ایں چنیں بود۔ عارف جامی قدس اللہ سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں ؎

ظہور جملہ اشیا بضد است ولے حق را نہ ضد است و نہ ند است

اگر خورشید بر یک حال بودے شعاع او بیک منوال بودے

ندانستے کسے کیں پرتو اوست نہ بودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

الحاصل فطرتِ الٰہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر و تبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ انقلاب و تحول اہلِ بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہو جائے کہ اُس کے تمام مظاہر و شیون میں دستِ قدرت کارفرما ہے اور سطحِ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری قوت کا دست نگر اور کسی قوتِ قاہرہ کا تابع فرمان ہے۔ عقلاء و حکمائے عالم کی اس منقادانہ حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔ خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے جو یہ ہے ؎

جہاں چو نقش و نگارے است از یدِ قدرت — کہ بہر خویش چو نبود نمود بے بود است

سمات عجز ز تسخیر ہر یکے پیدا — بقیدِ سخت دریں قید خانہ مسدود است

نہ خود بخویش کہ بر آمدہ ز دستِ دگر — چنانکہ نقش کہ حیراں و دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستی عالم جو بہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین نقش و نگار ہے جبکہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ کارخانۂ عالم کی تمام اشیاء یدِ قدرت میں مسخر اور اس قید خانے کی قیدِ سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں۔ اُس کا وجود اور اُس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے۔ بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے۔ جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے بشکل حیراں اپنے مصوّر و نقاش کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس میں نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہاں بہترین نظم کے ساتھ منتظم نہ ہوتا اور اشیائے عالم کے درمیان ارتباط و رشتۂ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں باہمی تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مترتب نہ ہو سکتا۔

حضرات! مجموعہ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی ترتیب و تنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہیئے پس جس طرح شخص اصغر یعنی وجودِ انسانی کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ تمام ملکات و اخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف و علوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال و افعال کے مظاہر جوارح ہیں۔

ترک و اختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح کہ بادشاہ کی جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں۔ پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے اس کے بعد اعضاء و جوارح انسانی اس کے امتثال میں معروفِ عمل ہو جاتے ہیں۔ گویا یوں کہنا چاہیئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے دماغ اس کا وزیر اور اعضاء اس کے خدم و حشم ہیں۔ اس

تے تمام امورِ انسانیہ کے صلاح و فساد کا مدار تنہا قلب پر ہے اسی کی طرف اشارہ ہے :۔

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ

یعنی جسمِ انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آ جاتا ہے تو کل جسم فاسد ہو جاتا ہے۔

اور دماغ بجائے مشیرِ خیر یا مشیرِ شر کے ہے اور اعضاء وجوارح رفیقِ نیک یا رفیقِ بد۔ ٹھیک اسی طرح شخصِ اکبر (مجموعۂ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء وجوارح ہیں۔ اس شخصِ اکبر کا قلب تو وہی ہے جو اصطلاحِ شریعت میں اولی الامر یا اصحابِ حل وعقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکماء و علماءِ شریعتِ غرا ہیں اور اس کے اعضاء وجوارح عامۂ افرادِ خلق۔

پس اگر علماءِ امت وظیفۂ دماغ کو باحسن وجوہ انجام دیتے رہیں۔ یعنی علوم و معارفِ حقہ کا صحیح نشر و ابلاغ کرتے رہیں اور مہماتِ عمومیہ وخصوصیہ میں صحیح رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہیں تو افرادِ خلق بھی اعمالِ صحیحہ بجالانے میں دست و پا کا کام دیتے ہیں اور نظامِ عالم نہایت منظم اور صحیح طور پر قائم رہتا ہے یہ بھی واضح رہے کہ تمام مجموعۂ عالم یعنی شخصِ اکبر کا چونکہ فاعل اور خالق ایک ہی ذاتِ اقدس وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اس لئے اس کا تمام تر رجحان صرف ایک غایت اور ایک ہی نتیجہ کی طرف ہے اور وہ نتیجہ رجوع الی اللہ ہے ؎

شمہ از سرِ حکمتش بوئے بردہ نہ فلک
ماندہ سرگرداں بگردِ آستانش ماہ و سال

لہ الامر کلہ والیہ یرجع الامر کلہ۔ یعنی تمام امور اسی ایک ذاتِ واحد کے لئے ہیں اور اسی کی طرف سب لوٹ جانے والے ہیں اور تمام مومنین بلکہ تمام افرادِ عالم بمنزلہ ایک عمارت یا ایک کشتی کے ہیں جو کہ ایک ہی منزلِ مقصود کی طرف جاری ہو :۔

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ (متفق علیہ)۔

مسلمان مسلمان کے لئے مثلِ عمارت کی اینٹوں کے ہے جس کا استحکام ایک دوسرے کے ساتھ بندش و اتحاد پر موقوف ہے یہ فرما کر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر بطورِ تمثیل بتا دیا۔

وعن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المومنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد

یعنی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو مسلمانوں کو باہمی محبت و مودت اور رشتۂ اخوت و ہمدردی میں مثل اس جسم کے پائے گا کہ جب اس کے

اذا اشتکی عضو تداعی له سائر الجسد بالسہر والحمی۔ (متفق علیہ)

کسی عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس سے متاثر ہو کر بد خوابی اور بخار کی بےچینی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ

وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المومنین کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ (رواہ مسلم)

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمان مثل ایک انسان کے ہیں اگر اُس کی ایک آنکھ دُکھ آئے تو تمام جسم اس کی وجہ سے مریض ہو جاتا ہے یا اگر اُس کے سر میں درد ہو جائے تو بھی تمام جسم اس سے بےچین ہو جاتا ہے۔

حضرات! یہ ہیں قلب و دماغ اور اعضاء و جوارح عالم اور اُس شخص اکبر یعنی مجموعہ عالم کی حیات کلمۃ اللہ اور خدائے عزوجل کا نام پاک ہے۔ جب تک اس ذاتِ اقدس کا نام عالم میں باقی ہے قیامت جو کہ شخص اکبر کی موت ہے نہیں آسکتی اور جب نام حق اس میں باقی نہیں رہے گا۔ مجموعہ عالم پر موت طاری ہو جائے گی اسی کا نام قیامت کبریٰ ہے:۔

عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعۃ حتی لایقال فی الارض اللہ اللہ وفی روایۃ قال لا تقوم الساعۃ علی احد یقول اللہ اللہ (رواہ مسلم)

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی ہے

محترم بزرگو! عالم کی ترکیبوں اور اس کے نظام کے بارے میں اس مختصر گذارش سے واجب الوجود کی ہستی اور توحید اور خالقیت اور الوہیت کی قوی دلیل سمجھی جاتی ہے نیز اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے کہ جب مجموعۂ عالم محتاج نظام ہے تو ہماری حیاتِ ملّی اور اُس کی بقا بھی بغیر کسی نظام کے باقی نہیں رہ سکتی حقیقت امر یہی ہے کہ منتشر افراد اور پراگندہ اشیاء میں کبھی حسن نہیں ہوتا۔ حسن ہمیشہ صحیح ہیئت ترکیبی ہی پر موقوف ہے اور نظام کی روح یہ ہے کہ اجزاء عمل کو صحیح طور پر تقسیم کیا جائے جو شخص جس جزو کا اہل ہو وہی اُس کے سپرد کیا جائے اور وہ اپنی مفوضہ خدمت کو پیش نظر رکھ کر نتیجۂ واحدہ اور مقصدِ وحید کی طرف گامزن ہو اور ہمیشہ ید اللہ مع الجماعۃ یعنی خدا کی نصرت جماعت کے ساتھ ہی ہوتی ہے "ہمیشہ اس پر نظر رکھے ؎

بایدت از درس تکویں ایں سبق آموختن
دستِ قدرت با جماعت ہست حق با خلق خویش

شریعتِ غرّا و ملّت بیضاء نے نظام میں منسلک رہنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے اور اس کو اس قدر اہم

سمجھا ہے کہ اگر دو تین آدمی بھی ساتھ مِل کر سفر کریں تو اُن کو بھی چاہیئے کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں کسی نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

لا یصلح الناس فوضی لا سراۃ لھم ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

یعنی لوگ اپنے مقاصد اور مشترک اُمور میں خودسری کے ساتھ کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان کا کوئی امیر نہ ہو اور جب جہلا خود سردار بن بیٹھیں تو درحقیقت تمام لوگ خودسر اور بے امیر ہی رہیں گے۔ بہر حال بغیر نظام کے ملک، اقلیم، شہر اور ملت اور اقوام کی بقا و حیات تو کجا ایک گھر بلکہ شخصِ واحد کی بقا بھی نہیں رہ سکتی۔ پس آج اگر اہلِ اسلام کو اپنی زندگی و حیات اور بقاء وارتقاء درکار ہے تو اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بغیر نظام درست و صحیح تقسیمِ کار کے اُن کا وجود و بقا کسی طرح ممکن نہیں اور ظن غالب ہے کہ ہمارا موجودہ تشتت و افتراق ہمارے وجود کو صرصرِ فنا کے حوالہ کردے۔ افسوس کہ آج ہم اس ہی نعمت کے گم کر دینے کی وجہ سے ذلت و نکبت کے گڑھے میں جا گرے اور دوسری قومیں اسی اصول پر کاربند ہونے کی وجہ سے آج اوج شوکت و سطوت پر نظر آتی ہیں۔

مفہوم اولی الامر کی تشریح

حضرات! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ اس عالم کا قلب جماعت اولی الامر ہے شرعی نقطۂ نظر میں اولی الامر سے مراد ولاتِ امور، حکام اسلام، علماء و جملہ اربابِ حل وعقد ہیں جن کی رائے پر تمام امور کا انتظام انجام پاتا ہو اور آیہ کریمہ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں یہی عموم مُراد ہے اس لئے کہ اس آیہ کریمہ کے سباق میں واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل اور سیاق میں یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ نیز حتی یحکموک فیما شجر بینھم فرمایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات میں والی اور حکام اسلام مُراد ہیں اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم اس میں علم و استنباط کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر سے علماء مجتہدین مراد ہیں۔

اور صحیح مسلم میں اس آیہ کا شانِ نزول وہ واقعہ بتایا گیا ہے جس میں فاروق اعظمؓ نے دربارہ تخییر وایلاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنباط فرمایا ہے۔ بہر حال دورِ جاہلیت میں تو اولی الامر کا منصب قبائل کے سرداروں اور اشراف کے لئے مخصوص تھا لیکن اسلام نے قومی عصبیت اور تفاخر بالآباء کو فنا کرکے یہ منصب

عظمیٰ اہلِ حل وعقد اور اہلِ اجتہاد واستنباط اور علماء واعیانِ امت کے سپرد کر دیا۔ لہٰذا اس کو اولی الامر کے معنی کا اختلاف قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اسلام نے ایک گروہ کی جگہ دوسرے گروہ کو دے دی اور ایک کے کام کو دوسرے نے انجام دیا اور ظاہر ہے کہ جب ولاۃ امور موجود نہ ہوں تو علماء اور اعیانِ ملت ہی ان کی قائم مقامی کے مستحق ہیں۔

اسی لئے امام تفسیر حافظ ابن جریرؒ نے بھی اسی عموم کو اختیار کیا اور اسی بناء پر فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ شریعت مقدسہ کے اصول اربعہ پر حاوی ہے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول سے کتاب وسنت اور اولی الامر سے اہل اجماع مراد ہیں جو ارباب حل وعقد بھی کہلاتے ہیں اور فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول سے اجتہاد مجتہدین مراد ہے جو کہ مسائل فروعیہ کو بعد تخریج مناط کے اصل سے ملحق کرتے یا اور کسی طریقہ اجتہاد سے کوئی جانب اختیار کر لیتے ہیں۔

اس جملہ شریفہ سے اجتہاد مجتہدین مراد لینے کی نفیس توجیہ یہ ہے کہ تنازع سے مراد صرف باہمی مخاصمت اور جنگ وجدل نہیں ہے کیونکہ صرف باہمی مخاصمت اور جنگ وجدل کا واحد علاج اس منازعت اور جنگ وجدل کا ترک کر دینا ہی ہوتا، بلکہ منازعت سے مراد یہاں اصول شرعیہ کا تجاذب اور تنازع ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اصول شرعیہ متجاذب ہوں یعنی اس مسئلہ کو مختلف اصول اپنی اپنی طرف کھینچتے ہوں اور اس تجاذبِ اصول کی وجہ سے مجتہد کو اس کے حکم کی تعیین میں تردد ہو تو اس کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں مجتہد اس فرع کو کتاب یا سنت کی جانب علی الترتیب لوٹائے اور کتاب وسنت کی مدد سے اس کا حکم متنبط کرے صرف اپنے ذاتی قیاس اور شخصی رائے سے حکم نہ دے۔

نبوت ونظام تشریعی اور مسئلہ ختم نبوت

حضرات! اب تک جو کچھ میں نے گذارش کیا ہے وہ نظام کائنات اور نظامِ ملت وقوم کے متعلق ہے لیکن خدائے قدوس نے ان ہر دو نظام سے بالاتر ایک اور نظام بھی مقرر فرمایا ہے اور وہ بھی نظامِ الٰہی وسماوی کی ایک زبردست کڑی ہے جس کو نبوت اور نظام تشریعی کہا جاتا ہے یہ نظام حق تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچایا ہے تاکہ اُس کی روشنی اور ہدایت کے ماتحت مخلوقات اپنے رب کی رضا و نارضامندی سے واقف ہو سکے اور مطلق العنان اور بیکار نہ رہ جائے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور صفت خلق جملہ کائنات عالم کے حرکت وسکون اور خیر وشر پر حاوی ہے اور دنیا کا ایک ذرہ بھی اس کی ان صفات جلیلہ کے تعلق سے باہر نہیں۔

تمام خیر و شر اس کی صفت خالقیت کے ماتحت ہیں۔ اس کی اس صفت کا تعلق صرف خیر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تمام کائنات کے ساتھ علی السویہ ہے پس جبکہ بندہ اپنے لئے راہ ہدایت سوچتا اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ حق تعالےٰ کی صفت ارادہ کو اپنا اسوہ اور ہدایت کے لئے رہبر نہیں بنا سکتا، اور نہ یہ استدلال کر سکتا ہے کہ چونکہ فلاں طریقہ ارادہٗ خداوندی کے ماتحت داخل ہے اس لئے وہ خیر ہی ہوگا کیونکہ ارادہ کا تعلق خیر و شر دونوں کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس کو ضرورت پڑتی ہے کہ خدائے قدوس کی دوسری صفات سے مدد لے اور ان کے ذریعے سے اپنے مقصدِ نیک میں کامیاب ہو اس وقت جو صفات ربانیہ اس کی اس منزل میں معین و مددگار ہوتی ہیں۔ اُن میں سب سے عظیم الشان صفت کلام حق ہے ذاتِ مقدسہ احدیت کی یہ صفت فقط رشد و ہدایت اور صواب ہی میں منحصر ہے اور شر کا کوئی شائبہ بھی اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا، ممکن نہیں کہ فلاح و نجاح کے سوائے کوئی دوسرا احتمال بھی اس میں راہ پا سکے لہٰذا یہی کلام ربانی تمام دنیائے انسانی کے لئے موجب ارشاد و ہدایت ہے اور یہی صفت عالم انسانی کو ورطۂ ہلاکت سے نکال کر نجاتِ ابدی تک پہنچانے کی کفیل ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب ہر کس و ناکس دنیاوی اُمراء و سلاطین کے ساتھ ہمکلامی کی لیاقت نہیں رکھتا تو خدائے قدوس احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کے ساتھ بھی مناجات و ہمکلامی کا ہر شخص اہل نہیں تھا اس لئے مالک الملک نے بھی اپنی ہمکلامی کے لئے خاص خاص نفوسِ قدسیہ کو منتخب فرمایا اور ان کو اپنی بارگاہ میں مقرب بنا کر عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا یہی وہ جماعت ہے جس کو ہم انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسّلام کے مُبارک خطاب سے یاد کرتے ہیں اور یہی وہ مُبارک جماعت بھٹکے ہوئے انسانوں کو صفاتِ ربانیہ اور افعال الٰہیہ اور عقائد حقہ اور حقائق غائبہ اور اخلاق عالیہ و شرائع عادلہ اور سیاست فاضلہ سے روشناس کرتے اور ان کو ذلت و نکبت کی تاریکی سے نکال کر رفعت و شوکت کی روشنی میں لاتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء ۔۔۔ الحدیث

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنو اسرائیل کا نظم سیاست اور ان کی اجتماعی تربیت ان کے انبیاءٔ کے سپرد تھی، جب ایک نبی دنیا سے گذر جاتے تو دوسرے نبی اُن کی جگہ لے لیتے اور یاد رکھو کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا اور قریب ہے کہ اُمت کا یہ نظام خلفاء کے سپرد ہو جائے گا۔

محترم بزرگو! یہ نظام تشریعی جس کا میں نے ابھی ابھی اجمالی طور پر ذکر کیا ہے۔ عالم کے نظام تکوینی سے بہت بلند اور عالی ہے اس لئے یہ نظام اپنے ماننے والوں کو سلک تہذیب میں منسلک کرتا اور جہل و تاریکی سے نکال کر علم و نور تک پہنچاتا ہے ؎

عالم چو کتابیست پراز دانش وداد　　　صحاف قضا و جلد او بدء و معاد

شیرازۂ او شرع و مذاہب اوراق　　　اُمت ہمہ شاگرد و پیمبر اُستاد

یعنی تمام عالم مثل ایک کتاب کے ہے جو فہم و انصاف سے پُر ہے قضا و قدر اس کی کاتب اور ابتداء و انجام یا دنیا و آخرت اس کی جلد اور اس کا شیرازۂ شریعت بیضاء اور اس کے اوراق شریعت کے ماتحت مذاہب ہیں اور تمام اُمت اُس صحیفۂ عالم کی تعلیم کے لئے شاگرد اور انبیاء علیہم السلام بمنزلہ استاذ کے ہیں۔

حق تعالیٰ نے نظام تشریعی کے اس سلسلۂ مبارک کو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرما کر خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا اور قصرِ نبوت کی تکمیل کے لئے ایک اینٹ کی جگہ باقی رہی تھی آپ کی ذاتِ اقدس نے اس کو پورا کر دیا۔ البتہ خصائل نبوت میں سے اب بھی بعض چیزیں باقی ہیں جن کو بعض ملاحدہ نبوت سمجھ کر دھوکا کھا گئے اور بعض دجال براہ تلبیس خود مدعی نبوت و رسالت بن بیٹھے اور چونکہ علامات قیامت میں نصاریٰ اور مسلمانوں کے باہم قتل و قتال اور عظیم الشان ہولناک جنگیں اور ابتلاء عظیم حق تعالیٰ نے مقدر کر دیا تھا جیسا کہ وقوع میں آچکا اور آرہا ہے تو ساتھ ہی مشیتِ حق نے یہ بھی مقدر کر دیا ہے کہ ایسے آڑے وقت میں مسلمانوں کی ہدایت و رشد کے لئے تو امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں تاکہ اُن کے ذریعہ سے نصاریٰ کی اصلاح انجام پائے اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں جیسا کہ آیت کریمہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ میں تمام انبیاء علیہ السلام کو باوجود اس امر کے کہ بعض ان میں سے رسول بھی ہیں جیسا کہ خود اسی آیت کے جملہ من کتاب سے ظاہر ہوتا ہے ہمارے نبی کے مقابلہ میں ان سب کو انبیاء کا لقب دیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کے لقب سے ملقب فرمایا نیز آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین بھی اسی کو ظاہر کرتی ہے اور حضرت عرباض بن ساریہؓ کی حدیث میں ہے (جس کی تصحیح ابن حبان نے کی ہے)۔

قلت متی کنت نبیا قال وآدم بین الروح والجسد　　　میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کس وقت نبی بنائے گئے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر ہی میں تھے۔

بس جبکہ آیاتِ قرآنی اور احادیث اس امر کو واضح اور ظاہر کر رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف نبی امۃ بلکہ نبی الانبیاء بھی ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جس حکمت پر مبنی ہے اس کے لحاظ سے دنیا میں تشریف لا کر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے منصب جلیل پر فائز ہوں گے اس لئے یہ خدشہ قطعاً ساقط ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین کی آمد کے بعد نزولِ عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبوت کس طرح ممکن ہے الحاصل نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت کے متعلق تمام انبیاء علیہم السلام وصیت کرتے اور بشارت دیتے چلے آئے ہیں :-

عن قتادۃ انہ اخذ اللہ میثاقھم لیصدق بعضھم بعضاً والاعلان بان محمداً رسول اللہ واعلان رسول اللہ بان لا نبی بعدہٗ
کذا فی الدر المنثور وغیرہ"

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اس بارہ میں میثاق اور عہد لیا ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور اپنے اپنے زمانے میں اس بات کا بھی اعلان کریں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ اعلان کریں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

بلکہ مہرِ نبوت حسی طور پر خود ختم نبوت کی علامت ہے جیسا کہ مسندِ طیالسی کی روایت سے ثابت ہے اور صرف حدیث ہی میں نہیں بلکہ تورات میں بزبان عبری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وصیتوں میں بھی اسکی تصریح موجود ہے۔
نَابِی مِقِرْبِخ ماحِیخ کامُوخ یاقِیم لِخ اِلُوھِخ اِلَادِ تِشْمَاعُوْنَ اور چونکہ لغت عبرانی عربی سے قریب تر ہے لہٰذا عربی میں اس کو یوں پڑھنا چاہیئے:۔

نبی من قربك من اخيك كمثلك يقيمه لك الهك اليه تسمعون

ایک نبی تیرے قریب سے تیرے بھائیوں میں سے تجھ جیسا تیرا خدا تیرے لئے مبعوث کریگا اس کی سنیو۔

اور چونکہ مترجمین نے لفظ (مقربخ) کا ترجمہ (تیرے درمیان سے) کر دیا ہے اس لئے مناظرین اسلام کو یہ بشارت آپ کی ذاتِ اقدس پر منطبق کرنے میں مشکل پیش آئی ہے لیکن جو اس کی اصل حقیقت ہے اس خادم نے اُس کو صاف کر دیا ہے۔ بہرحال یہ توراۃ کی آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صریح اور واضح دلیل ہے

رُتَبْ تُقْصُرُ اَلَا مَانِی حَسَّانِے
دو نھا ما ودا نھن ورا ئے

قومیت اہل اسلام اور رابطہ دینی

حضرات! یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کی اساس و بنیاد بجز رابطۂ دینی اور اخوتِ مذہبی اور کسی

چیز پر قائم نہیں ہے سوائے قوم عرب، اور قوم ترک اور قوم افغان کے جو بحیثیت نسل بھی مسلمان ہیں اور کوئی قوم بحیثیت نسل یا بحیثیت وطن اسلام میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر ملک کی ہر ایک قوم میں مسلم وغیر مسلم دونوں ہیں پس اسلامی قومیت کا مدار اتحادِ نسل یا اتحادِ وطن پر نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں اسلامی قومیت کی زندگی اور بقا صرف دین، مذہب اور ملّت کے احیاء اور بقا میں مضمر ہے اگر یہ رابطہ خدانخواستہ درمیان سے اُٹھ جائے تو قوم مسلم اسی روز تہ خاک دفن ہو جائے اور اس کا وجود من حیث القوم ہرگز باقی نہیں رہ سکتا۔ وکم حسرات فی بطون المقابر

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جمعیتِ علماء کا وجود

اسی اہم مقصد کے انصرام کے لئے ہندوستان کے علماء کرام نے چند سال سے اپنے دائرہ میں ایک نظام قائم کیا ہے جس کا نام جمعیت علماء ہند ہے تاکہ موجودہ زمانہ کے ہجوم مصائب وآلام میں جو واقعات وحالات پیش آئیں خواہ وہ سیاست سے تعلق رکھتے ہوں خواہ مذہب و اخلاق سے اور خواہ معاشرت وتمدن سے متعلق ہوں یا اقتصادیات سے اُن کے متعلق باہمی بحث وتمحیص تدقیق وتحقیق کے بعد جمہور اہلِ اسلام کے لئے راہ عمل نکالیں اور اُن کو صحیح راستہ پر چلائیں۔ شریعت غرّا کی یہی تعلیم ہے اور سلف صالحین کی سیرت صالحہ یہی تھی:۔

عن علی قال قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نھی فما تامرنی قال تشاوروا العلماء والعابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اھل الصحیح کذا فی الزوائد

حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس میں شریعت کی اجازت یا ممانعت واضح نہ ہو تو حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ علماء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کر لیا کرنا اور کسی شخصی رائے کو نافذ نہ کرنا۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں مذکور ہے:۔

فان اعیاہ ذالک دعا رؤس المسلمین وعلمائھم فاستشارھم فاذا اجتمع رایھم علی الامر قضی بہ وعن عمر بن الخطاب کان یفعل

کہ اگر آپ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا اور کتاب وسنت میں اس کا حکم نہ ملتا تو آپ زعماء وعلماء اُمّت کو بُلا کر مشورہ کرتے اور جب سب کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اسی کے

ذلك فان اعیاہ ولم یجد فی القرآن او السنۃ نظر هل کان لابی بکر فیہ قضاء فان وجد ابابکر قد قضی فیہ بقضاء قضی بہ والادعا رؤس المسلمین وعلماءھم واستشارھم فاذا اجتمعوا علی امر قضی بینھم (رواہ الدارمی)

موافق فیصلہ فرما دیتے۔ اسی طرح حضرت عمر ابن الخطابؓ سے منقول ہے کہ اگر ان کو کوئی دشواری پیش آتی اور کتاب و سنت میں حکم نہ ملتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلوں کو تلاش کرتے اگر صدیق اکبر کا کوئی فیصلہ مل جاتا تو اسی کے موافق فیصلہ فرما دیتے ورنہ زعمار وعلمار کو بلاکر مشورہ فرماتے اور جب وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اسی کے موافق فیصلہ صادر فرماتے۔

جمعیۃ علمار کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت زعمار اُمّت سے قومی مسائل میں کسی قسم کی مذہبی فروگذاشت ہو جائے تو احکام شرعیہ کا اظہار واعلان کرے یا جمہور مسلمین سے ادار وظائف قومیہ میں غفلت اور تساہل ظاہر ہو تو وعظ وپند کے ذریعہ سے اُن کو آمادۂ عمل کرے اور ان میں بیداری اور مستعدی کی روح پھونکے۔

جمعیۃ علمار کی قومی و مِلّی خدمات

حضرات! جمعیۃ علمارِ ہند نے اپنی سات آٹھ سالہ چھوٹی سی عمر میں جو قومی و مِلّی خدمات انجام دی ہیں اُن کی تفصیل کے لئے بڑا وقت درکار ہے میں اس کی تفصیل میں آپ کا زیادہ وقت صرف کر دینا مناسب نہیں سمجھتا تاہم ان کا اجمالی نقشہ پیش کر دینا بھی ضروری ہے تاکہ آپ کو اس مذہبی ادارہ کی وقعت اور ضرورت اور اس کے بقا واعانت کی صحیح حالت کا اندازہ ہو جائے اور آپ اپنا فرض بھی پہچانیں اور اس کے ادا کی جانب متوجہ ہوں۔

۱- آپ کو معلوم ہے کہ یورپین غیر مسلم سلطنتوں نے اپنے مرض جوع الارض یا استحکام اقتدار کے باعث جس وقت اسلامی ممالک پر ہجوم کیا اور صدیوں سے اسلامی علم کے نیچے آئے ہوئے ممالک کے حصے بخرے کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اس وقت مسلمانان ہندوستان کے لئے اپنے مذہبی بھائیوں کی امداد واعانت مذہبی فرض کے طور پر عائد ہو گئی مگر ہندوستان کے مسلمان اپنی بے بسی اور بیچارگی کے باعث کسی قسم کی مادی امداد سے عاجز تھے۔ اس وقت زعمار قوم نے ترکِ تعاون کا طریقہ اختیار کرنا چاہا اور جمعیۃ علمار نے تمام حالات وواقعات پر نظر ڈال کر ترک تعاون کا مشہور فتویٰ صادر کیا اور لاکھوں کی تعداد میں اُسے چھپوا کر ملک میں شائع کیا۔ گورنمنٹ نے اس فتویٰ کو بھی اپنی مستبدانہ پالیسی کا شکار بنا کر ضبط کر لیا۔ مگر مسلمانوں میں اتنی

بیداری پیدا ہو چکی تھی کہ انہوں نے باوجود حکم ضبطی کے لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا اور ہزاروں جانبازانِ توحید نے اپنے دستخطوں سے شائع کیا اور محاربینِ اسلام کے ساتھ ترکِ موالات و ترک تعاون کا مسئلہ ایک حقیقت ثابتہ کی طرح جمہور اہلِ اسلام کے ذہن نشین ہو گیا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ اسی طرح واضح اور روشن رہے گا۔

۲۔ جمعیۃ علماء ہند نے اس امر سے بھی واضح طور پر مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ مسلمانوں کو کسی غیر مسلم کی اعانت و نصرت کے لئے مسلمانوں سے لڑنا حرام ہے کیونکہ اس کا بدیہی نتیجہ اعلاء کلمۃ الکفر ہے اور پرستارانِ توحید پر حرام ہے کہ وہ اعلاء کلمۃ الکفر میں شریک ہوں یا اُس کے ذرائع و وسائل کو مضبوط کریں۔

۳۔ جمعیۃ العلماء نے جزیرۃ العرب کو تسلط غیر مسلم سے محفوظ رکھنے کی فرضیت کا اعلان کیا اور جہاں تک امکانی کوشش کا تعلق تھا۔ اس میں ایک شمہ بھر کوتاہی نہیں کی تخلیۂ جزیرۃ العرب کے متعلق نصوص شرعیہ پیش کیں اور اس مسئلہ کو انتہائی روشنی میں پہنچا دیا۔

۴۔ خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ و بقا و استحکام میں جمعیۃ علماء نے جمعیۃ خلافت مرکزیہ کے ساتھ پوری ہمنوائی کی اور اس کے متعلق تمام احکام شرعیہ اور نصوص مذہبیہ پیش کر کے مسلمانوں کو سرگرمِ عمل کیا۔

۵۔ مسلمانوں کو باہمی تناصر و تعاون اور دول مسلمہ کی حمایت و نصرت کا سبق یاد کرایا اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو باہمی الفت و مودت تعاضد و تناصر کی ضرورت اور وجوب سے آگاہ کیا۔

۶۔ جمعیۃ علماء نے ہندوستان کے مسلمانوں کے قلوب میں روح ملّی تازہ کر دی اور اُن کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور حقوق مذہبیہ اور قومیہ کے حصول کے لئے تحمل مصائب و مشاق کا خوگر بنا لیا یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دورِ ابتلاء میں علماء صادقین کی بہت بڑی جماعت نے قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں۔ کراچی کے مشہور مقدمے میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی اور مولانا نثار احمد صاحب اور مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی و ڈاکٹر سیف الدین کچلو زعماء ہند کے ساتھ ساتھ شریک ابتلاء تھے اور دونوں کو ایک ہی پیالہ سے اقتدار و استبداد کی شراب کے تلخ ترین گھونٹ پلائے گئے تھے۔

۷۔ مظلوم موپلوں کی اعانت و امداد میں جمعیۃ علماء نے پوری سعی کی اور مسلمانانِ ہند کی فراخدلی اور اعانت سے تقریباً ۳۶ ہزار ۵ سو روپیہ موپلہ ریلیف کمیٹی مدراس کے اور ۶ ہزار روپیہ جمعیۃ دعوت و تبلیغ کے توسط سے موپلہ قوم کی بیواؤں اور یتیموں اور ستم رسیدوں تک پہنچائے۔ اسی طرح مظلومین سہارنپور کی امداد و اعانت میں کافی حصہ لیا۔

۸۔ شدھی کا شور بلند ہونے پر جمعیۃ علماء ہند نے ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں کو ارتداد کے جال سے

بچانے کے لئے بروقت باقاعدہ توجہ کی۔ اور اپنی پوری ہمت اور اخلاص کے ساتھ نہ صرف ارتداد کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا بلکہ جو لوگ اپنی سادہ لوحی اور ناواقفیت کی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے اُن کی بڑی تعداد کو دوبارہ مشرف باسلام کیا۔

۹۔ سب سے زیادہ روشن کارنامہ جمعیۃ علماء کا یہ ہے کہ اُس نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں باہمی مصالحت ورواداری پیدا کی اور علماء اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں نمایاں کام کیا۔ ایسے اصول وضع کئے جس سے علماء اسلام باوجود اپنے اپنے مذہبی خیالات ومعتقدات پر قائم رہنے کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر مسلمانوں کی مشترکہ ضروریات پر غور کریں اور مشترکہ مفاد کی تحصیل میں کَنَفْسٍ وَّاحِدۃٍ شریک عمل ہوں۔

یہ صرف ان خدمات کے عنوانات ہیں جو جمعیۃ علماء نے انجام دی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک عنوان کی تفصیل کے لئے بڑا وقت درکار ہے جو بزرگانِ قوم تفاصیل پر مطلع ہونا چاہیں وہ دفتر میں تشریف لاکر ہر ایک خدمت کے متعلقہ تمام کاغذات اور فائل ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

استحسان معاہدہ مسلمین با غیر مسلمین

بزرگانِ محترم! جمعیۃ علماء ہند کا جس فضا میں انعقاد ہوا تھا۔ اُس وقت ہندوستان میں مسلموں اور غیر مسلموں کے باہمی معاہدے کا معاملہ بھی درپیش تھا۔ اجنبی حکومت سے اپنے وطن کی آزادی کے مشترک مقصد میں دونوں قومیں شریک اور متحد تھیں اسی بنا پر مسلم اور غیر دونوں ایک متحدہ قومی پلیٹ فارم پر کام کرتے تھے۔ مجھے اس کے ظاہر کرنے میں کوئی باک اور کوئی تامل نہیں ہے کہ مسلمان نے عہد شکنی نہیں کی انہوں نے ملک وقوم کے ساتھ کوئی غداری اور ہمسایہ اقوام کے اُوپر کوئی تعدی نہیں کی۔ مگر باوجود اس کے وہ محبوب و مستحسن فضا جو دونوں قوموں نے باہمی ربط وضبط، اتفاق ورواداری سے مہیا کی تھی کچھ دیر پا ثابت نہیں ہوئی اور آج ملک کی حالت اس سے بھی زیادہ بدتر ہے جو ۱۹۲۰ء سے پہلے تھی میں اس وقت اس امر پر کوئی ریمارک کرنا نہیں چاہتا کہ اس کے اسباب ودواعی کیا ہوئے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کا اس میں شمہ بھر بھی قصور اور زیادتی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اپنے مذہب مقدس کے احکام کے ماتحت ہمیشہ رواداری اور حسنِ اخلاق کا برتاؤ کرنے پر مجبور ہیں۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر برادران وطن آج بھی رواداری اور اتفاق کی جانب مائل ہوں تو مسلمانوں سے زیادہ کوئی قوم صلح جو اور وفادار اور حسن اخلاق کا معاملہ کرنے والی نہ ہوگی۔ اگر دونوں قوموں کے زعماء مل کر کوئی ایسا منصفانہ معاہدہ مرتب کرلیں جو دونوں کیلئے موجب اطمینان ہو اور دونوں قومیں اپنی اپنی جگہ عزت اور آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مذہبی فرائض پورے کرسکیں تو اس سے زیادہ ہندوستان

کے لئے خوش نصیبی کا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ایسے معاہدہ کا موضوع صرف یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کا پورا پورا احترام کرے اور ایک دوسرے کے جان و مال، عزّت و آبرو پر حملہ آور نہ ہو۔ ایذا دہی کو حرام سمجھے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے آزاد ہو، دوسرے مذہب پر دل آزار حملے نہ کرے۔ مسلمان احکام اسلام اور حدود شریعت بیضا کے اندر ایسے معاہدے کا سب سے پہلے خیر مقدم کریں گے بلکہ اپنے مذہبی احکام کے بموجب وہ اپنی معاہد قوم کی جان و مال کے بھی محافظ بن جائیں گے۔

دنیا کی تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی قوت و شوکت کے زمانے میں اپنی معاہد غیر مسلم قوم کی جان و مال کی حفاظت کی ہے اور اپنی جانیں دیدی ہیں اسلام اور مسلمانوں کا طرزِ عمل بالکل اس شعر کے موافق رہا ہے ؎

آئین ما است سینہ جو آئینہ داشتن
کائینہ ہرچہ دید فراموش می کند

میں یہ بھی صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام سے ایک انچ بھی ہٹ کر کوئی معاہدہ کرلیں تو یہ ناممکن ہے اور اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت مذہبی ناواقفیت یا مذہبی مداہنت کی وجہ سے کوئی ایسا معاہدہ کر بھی لے تو نہ وہ قابل قبول ہو سکتا ہے اور نہ وہ مستحکم و پائدار رہ سکتا ہے۔ مسلمان کا کوئی کام طلب رضاء خداوندی کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتا اور جس معاہدہ کی بنیاد لوگوں کی رضا جوئی اور خالق کی ناراضی پر ہو وہ کسی طرح پائدار نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی ناراضی کے طریقوں کو لوگوں کی رضامندی کے لئے اختیار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ انہیں لوگوں کو اس کی تباہی و بربادی کے لئے مسلط کر دیتا ہے۔

مجھے یہاں پر یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہندوستان جس طرح ہندوؤں کا وطن ہے اسی طرح مسلمانوں کا بھی وطن ہے۔ ان کے بزرگوں کو ہندوستان آئے ہوئے اور رہتے ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ انہوں نے اس ملک پر صدیوں حکومت کی۔ آج بھی ہندوستان کے چپہ چپہ پر مسلمانوں کی شوکت و رفعت کے آثار موجود ہیں۔ جو زبانِ حال سے ان کی علم و ہنر پسندی، حب وطن کی شہادت دیتے ہیں۔ موجودہ نسل کا خمیر ہندوستان کی آب و گل سے ہے ہندوستان میں ان کی مذہبی اور تمدنی عظیم الشان یادگاریں ہیں۔ کروڑوں روپیہ کی جائدادیں ہیں عالی شان تعمیروں اور وسیع قطعات زمین کے وہ مالک ہیں۔ اُن کو ہندوستان سے ایسی ہی محبت ہے جیسی کہ ایک سچے محب وطن کو ہونی چاہیئے اور کیوں نہ ہو جب کہ اُن کے سامنے اپنے سیّد و مولیٰ اپنے محبوب آقا

صلی اللہ علیہ وسلم کا حبّ وطن میں اسوۂ حسنہ موجود ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہجوم و ظلم سے مجبور ہو کر حکم خداوندی کے ماتحت اپنے پیارے وطن مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کے بعد اپنے وطن مکہ معظمہ کو خطاب کرکے فرمایا، خدا کی قسم ہے کہ خدا کی تمام زمین میں سے تو مجھے سب سے زیادہ پیارا شہر ہے اور اگر میری قوم تیرے اندر سے مجھے نہ نکالتی تو میں کبھی تجھے نہ چھوڑتا۔ اس کے بعد جب حکم الٰہی سے آپ نے مدینہ طیبہ میں سکونت فرمائی اور ہجرت کے بعد دار الہجرۃ سے منتقل ہونا محبوب و مستحسن نہ تھا اس لئے گویا مدینہ طیبہ آپ کا وطن ہو گیا اور اس میں بحیثیت وطن رہنا تھا اس لئے اس کے لئے دعا فرمائی کہ۔

اللّٰھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد، اللّٰھم بارک لنا فی صاعنا و فی مدنا و فی تمرنا ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ

بارِ خدایا مدینہ کو ہمارے قلوب میں ایسا محبوب بنا دے جیسا ہم مکہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ محبت دیدے یا اللہ ہمارے صاع اور ہمارے مد اور ہماری کھجوروں میں برکت عطا فرما اور یہ برکت اس برکت سے دو چند ہو جو تو نے مکہ میں عطا فرمائی ہے۔

اللّٰھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک دعاک لاھل مکۃ بالبرکۃ وانا محمد عبدک ورسولک ادعوک لاھل المدینۃ ان تبارک لھم فی مدھم وصاعھم مثلی ما بارکت لاھل مکۃ مع البرکۃ برکتین

یا اللہ بے شک تیرے بندے اور خلیل اور ابراہیم نے اہل مکہ کے لئے برکت کی تجھ سے دعا کی تھی اور میں تیرا بندہ اور رسول محمد ہوں اور اہل مدینہ کے لئے تیری بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ ان کے مد میں اور صاع میں اس برکت سے جو اہل مکہ کو عطا فرمائی ہے دو چند برکت دے ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں نازل فرما۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات حب وطن یہ ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ مسلمان سچا مسلمان ہو کر اس جذبۂ حبِ وطن سے خالی ہو پس یقین رکھیئے کہ مسلمانوں کے قلوب میں وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر ہندوستان کے ساتھ پوری محبت ہے اور چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسری قومیں بھی آباد ہیں اور ہندوستان ان کا بھی وطن ہے، ان کو بھی طبعی طور پر ہندوستان کے ساتھ محبت ہونی چاہیئے اس لئے تمام ہندوستانیوں کے قلوب میں ہندوستان کی آزادی کی خواہش ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی درجہ پر ہونی لازم ہے، مگر چونکہ ہندوستان کی قوموں میں کثرت تعداد ہندو قوم کو حاصل ہے اور اس کے اعتبار سے مسلمان اقلیت میں ہیں، اس لئے اُن کے قلوب میں اپنے مذہبی حقوق اور وطنی مفاد کی حفاظت کا خیال لازمی طور پر پیدا ہونا چاہیئے اور ان کے نزدیک اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ دونوں قومیں ایک منصفانہ معاہدہ کرلیں۔

تاکہ کسی کے دل میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے کہ آزادی کے زمانہ میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد کو نقصان پہنچا سکے اگر منصفانہ معاہدہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مطمئن کر دیا جائے تو پھر ان کے لئے کوئی وجہ تشویش باقی نہیں رہتی۔ وہ حب وطن اور حب مذہب کے دلدادہ ہیں اور معاہدہ کی پابندی اور رواداری ان کا شعار ہے۔ اگر انکو آج کثرت کی تعدی کے خطرہ سے محفوظ کر دیا جائے تو وہ ہندوستان کی جانب سے ایسی ہی مدافعانہ طاقت ثابت ہوں گے جس طرح اپنے وطن سے کوئی مدافعت کرتا ہے۔

یہ خطرہ کہ آزادی کے وقت اگر کسی مسلمان حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا نہایت پست خیالی ہے اور اس کا نہایت سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے ہمسایوں کی طرف کسی معاہدہ کی وجہ سے مطمئن ہوں گے اور ہمسایوں کی تعدی کا شکار نہ ہوں گے تو ان کا رویہ اس وقت وہی ہوگا جو کسی شخص کا اس کے گھر پر حملہ کرنے کی حالت میں ہوتا ہے۔ اگرچہ حملہ آور اس کا ہم قوم اور ہم مذہب ہی ہو۔ اس سے زیادہ ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ جب مسلمانان ہندوستان اپنے معاہدہ کی وجہ سے پابند ہوں اور غیر مسلم اقوام سے ان کا معاہدانہ برتاؤ واجب ہو تو ایسی حالت میں کسی مسلمان بادشاہ کو مذہباً اس کی اجازت بھی نہیں ہے کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے معاہدے کو توڑے اور ہندوستان پر حملہ آور ہو بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ مسلمانان ہند کے اس معاہدہ کا پورا پورا احترام کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ذمتہ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم

کہ مسلمانوں کا عہد اور ذمہ داری ایک ہے ان میں سے ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کوئی عہد کرلے تو دوسروں پر اس کا احترام لازم ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے۔ فرمایا:۔

کل صلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا

یعنی سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردے ہر قسم کی صلح جائز اور درست ہے۔

میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ برادران وطن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ معاہدہ کرلیں اور اس معاہدہ کو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ پورا کریں سیاسی چالوں اور نمائشی پالیسی سے کام نہ لیں تو مسلمانوں کو پورا وفادار مخلص ہمسایہ پائیں گے کیونکہ مسلمان بحیثیت مذاہب کے قرآن پاک کے حکم کے بموجب معاہدہ کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

قال اللہ تعالی الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم

یعنی حضرت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جن غیر مسلموں سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے ایفاء عہد میں تمہارے

يظاهروا عليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم ان الله يحب المتقين وقال فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم ان الله يحب المتقين۔

ساتھ کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کو مدد نہیں دی تو تم بھی معاہدے کی مدت تک معاہدہ پورا کرو بیشک اللہ تعالی پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے اور فرمایا کہ جب تک غیر مسلم تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی سیدھے رہو، بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

دارالاسلام، دارالحرب، دارالامان

حضرات علمائے کرام! اس موقعہ پر ایک اور بات بھی قابل لحاظ اور لائق غور ہے جس کے پیش نظر نہ رکھنے سے بسا اوقات شدید غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔

وہ بات یہ ہے کہ مسائل شرعیہ تین قسم کے ہیں اول وہ جو اسلامی حکومت اور اس کی شوکت کے ساتھ متعلق ہیں۔ دوسرے وہ جو دارالامان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ تیسرے وہ جو دارالحرب میں جاری ہوتے ہیں ہندوستان کی موجودہ حالت کو دیکھنا ہے کہ وہ دارالاسلام ہے یا دارالامان یا دارالحرب۔ جہاں تک غور و فکر اور اصولِ شرعیہ کا تعلق ہے زیادہ سے زیادہ اس کو دارالامان کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ دارالاسلام کے احکام جاری ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ محدث دہلوی نے تصریح فرما دی ہے کہ ہندوستان ہرگز ہرگز دارالاسلام نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا یہ خیال اور یہ فتویٰ اس وقت کا ہے جبکہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے ہندوستان میں اسلامیت کا رنگ بہت زیادہ گہرا تھا اور شعائر اسلامیہ کا اہتمام اور وقعت بہت اچھی حالت میں تھی تو آج اس کا دارالاسلام نہ ہونا اس سے زیادہ واضح اور روشن ہونا چاہیئے۔

دارالاسلام، اور دارالامان اور دارالحرب کے احکام کی پوری تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے مگر جو اہل علم اس کی تفاصیل معلوم کرنا چاہیں وہ "درمنتقی" کے اس باب کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں جس میں اختلاف دار کے احکام کی بحث ہے۔

ہندوستان کے دارالاسلام نہ ہونے کی حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم دارالامان کے احکام کتب مذہب میں تلاش کریں اور ان احکام کی روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض انجام دیں اگرچہ میں اس مختصر خطبہ میں دارالامان کے تمام احکام پر روشنی نہیں ڈال سکتا، تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ اشارات

ضرور کردوں اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ میں آپ کو سید الاولین والآخرین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس معاہدے کی بعض دفعات کی طرف توجہ دلاؤں جو حضور انور نے ابتدا رزمانہ ہجرت میں باہم مسلمانوں اور مدینہ کے ساتھ کیا تھا۔ ان دفعات کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ مسلمان دارالامان یا دارالحرب میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ کس قسم کے معاہدے کر سکتے ہیں۔

معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم با یہود مدینہ

چونکہ معاہدہ کی عبارت بہت طویل ہے اور عربی عبارت کے نقل کی چنداں حاجت نہیں ہے اس لئے میں صرف قابلِ ذکر دفعات کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک معاہدہ ہے جو مسلمانان قریش اور مسلمانان مدینہ اور ان لوگوں کے درمیان نافذ ہوگا جو مذکورہ جماعتوں کے ساتھ متفق و حلیف بن گئے ہیں اور ان کے ساتھ محاربات میں شریک رہے ہیں۔

۱۔ یہ تمام معاہد جماعتیں (قریش، مہاجرین، انصار، یہود معاہدین) دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلہ میں ایک جماعت اور ایک قوم شمار ہوں گی۔

(اس کے بعد مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے متعلق دفعات ہیں مثلاً)

۲۔ مہاجرین قریش بجائے خود ایک جماعت ہیں اور وہ اپنے مجرموں کی جانب سے دیت کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ خود ادا کر کے چھڑائیں گے یہ سب کام ایمان و انصاف کے اصول کے ماتحت ہونگے۔

اس کے بعد انصار کے مختلف قبائل کے نام مثلاً بنی عوف، نبی ساعدہ، بنی الحارث، بنی حشم، بنی النجار وغیرہم کے نام لے کر آپ نے ہر ایک کے متعلق یہی ذکر فرمایا کہ ان میں سے ہر قبیلہ بجائے خود ایک جماعت ہے اور وہی اپنے مجرموں کی جانب سے ادائے دیت اور فدا راسیر ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا اور یہ تمام کام اصول دیانت و انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

۳۔ مسلمانوں میں اگر کوئی مفلس کوئی ایسا جرم کرے جس پر دیت واجب ہوتی ہے یا قید ہوجائے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ وہ اس کی جانب سے دیت ادا کریں یا اس کا فدیہ ادا کر کے اُس کو چھڑائیں خواہ یہ کسی جماعت سے تعلق نہ رکھتا ہو صرف اسلام میں شریک ہو۔

۴۔ مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو کہ فتنہ فساد برپا کرتا اور مخلوق سے ظلماً تاوان وصول کرتا اور خلقِ خدا کو ستاتا ہو۔ تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر اس کے خلاف کام کرنا لازم ہے۔ اگرچہ

وہ ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم محارب کو مدد دے اور اس کی اعانت کرے۔

۶۔ خدا تعالیٰ کی پناہ اور ذمہ داری اور عہد ایک ہے یعنی اگر کسی ایمان دار بندے نے کسی کو خدا کی پناہ دے دی تو دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کا پورا کرنا لازم ہے خواہ وہ پناہ دینے والا ادنیٰ ہی درجہ کا مسلمان کیوں نہ ہو۔

۷۔ اگر کوئی قوم مسلمانوں کی کسی جماعت کے خلاف برسرپیکار ہو تو مسلمانوں کو مسلمانوں کی اعانت ضروری ہے۔

۸۔ جن یہود نے ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے ان کے متعلق مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُن کی مدد اور اُن کے ساتھ مواسات کا برتاؤ کریں، اُن پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے اور نہ اُن کے خلاف کسی ظالم کی مدد کی جائے۔

۹۔ چونکہ تمام مسلمانوں کی صلح ایک ہے اس لئے کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ صرف اپنی رائے سے کسی قوم کے ساتھ بدون مشورہ باقی مسلمانوں کے صلح کرے۔ مگر جبکہ اُس نے تمام قوم کے رجحان اور تمام قوم کے ساتھ انصاف اور مراعاتِ حقوق کا لحاظ کر لیا ہو تو خیر۔

۱۰۔ جو مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جائیں اُن کے پس ماندگان کا تکفل باقی مسلمانوں پر واجب ہے۔

۱۱۔ مسلمانوں کو پابندی عہد میں اعلیٰ مقام پر رہنا اور ارفع ترین مکارم اخلاق کا ثبوت دینا اسلامی فرض ہے۔

۱۲۔ جن مسلمانوں نے اس معاہدہ کو مان کر اس کی پابندی کا اقرار کر لیا ہے اور خدائے قدوس پر ایمان رکھتے ہیں اُن کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کی دفعات میں تغیر یا کوئی نئی بات پیدا کریں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے معاملہ رکھیں جو عہد نامہ ہذا کا احترام نہ کرتا ہو۔

۱۳۔ اگر کسی امر میں تمہارے آپس میں اختلاف ہو جائے تو خدا (قرآن مجید) اور رسول (حدیث شریف) کی طرف رجوع کر کے اس کا فیصلہ کرا لو۔

۱۴۔ اس معاہدے کے بعد یہود پر بھی لازم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی اس وقت مالی امداد کریں جبکہ وہ کسی قوم کے ساتھ برسرپیکار رہوں۔

۱۵۔ یہود بنی عوف مسلمانوں کے حلیف اور معاہد ہیں۔ یہود اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہب کے سوا باقی اُمور میں مسلمان اور یہود بنی عوف ایک جماعت شمار ہوں گے ہاں جو ظلم اور عہد شکنی یا کوئی جرم کریگا وہ اس کی جزا کا مستحق ہوگا۔

اس کے بعد حضور نے یہود کی دوسری جماعتوں کے نام لے کر مثلاً یہود بنی النجار، یہود بنی الحاذ، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس کے متعلق بھی تصریح فرما دی ہے کہ ان تمام یہود کے (چونکہ سب نے معاہدہ قبول کر لیا تھا) یہود بنی عوف کی طرح حقوق ہوں گے۔

۱۶۔ اگر مسلمان اور یہود معاہدین کے خلاف کوئی تیسری قوم جنگ کرے تو ان تمام معاہدین کو متفق ہو کر لڑنا ہوگا اور مسلمان لشکر اپنے مصارف کا اور یہود لشکر اپنے مصارف کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۷۔ معاہد فریقین پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں اور کوئی معاہدہ اپنے معاہد کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ کرے اور مظلوم کی مدد کی جائے۔

۱۸۔ اپنے پڑوسیوں کو اپنی جان کے برابر سمجھو بشرطیکہ وہ پڑوسی بھی مضرت رسانی اور جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔

۱۹۔ اگر کوئی عورت بھاگ کر آجائے تو اس کو اس کے اعزا کی اجازت بغیر اپنی پناہ میں نہ لیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان تاریخی معاہدے کا یہ مختصر خلاصہ ہے۔

ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدۂ متبرکہ کو سامنے رکھ کر دار الحرب اور دار الامان کے بہت سے احکام و مسائل اس سے اخذ کئے ہیں۔

فقہاء احناف رحمہم اللہ نے دار الحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے۔

فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دار الحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیتا۔

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان معصوم اور محفوظ ہو جاتی ہے مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں ایک عصمت مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے

ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف اور صریح حکم نازل فرمایا ہے۔

من یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم

یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیگا تو اس کی جزا جہنم ہے۔

اس آیہ کریمہ میں جزا سے جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے اور اسی قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے پس اگر مقتول دار الاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثمہ اور

عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اُس کا اُخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے لیکن اگر یہی مقتول دار الحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت مؤثمہ تو صرف اسلام لے آنے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمتِ مقومہ کے لئے دار الاسلام اور حکومت و شوکتِ اسلامیہ ہونا شرط ہے۔

اور میرا مقصود اس بحث کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے۔ اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں ہی دونوں قوموں کو رہنا اور زندگی بسر کرنا ہے اور دونوں کا وطن یہی ہے اس لئے ہر فرد ہندوستانی کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے جس سے یہ روز کا جدال و قتال مندفع ہو اور ہر شخص امن و اطمینان سے زندگی بسر کر سکے۔

تجاویز اتحاد کانفرنس کلکتہ

ہندوستان کے اہل الرائے اور اہل علم و فکر اور زعما اس صورتِ حال کے علاج سے غافل نہیں ہیں جو تین چار سال سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندو و مسلمانوں کے درمیان قائم ہو رہی ہے اور بدقسمتی سے روز بروز بڑھتی جا رہی ہے ایک قوم کے افراد دوسری قوم کے افراد کے سر پھوڑنے اور جان لینے میں مشغول ہیں اور رات دن ایسے منصوبے باندھے جاتے ہیں اور ایسی کارروائیاں کی جاتی ہیں جو آتش فساد کو اور زیادہ بھڑکانے کا کام دیتی ہیں۔ آج سے دس بارہ سال پہلے تک تو زیادہ تر فتنے اور فساد گائے کی قربانی روکنے یا شاذ و نادر کبھی تعزیوں وغیرہ کی مزاحمت سے پیش آتے تھے۔ مگر یہ دونوں چیزیں سال بھر میں صرف ایک ایک مرتبہ مفسدوں کو فساد کا موقعہ بہم پہنچاتی تھیں۔ اب چند سال سے ایک ایسی چیز کا اضافہ کر لیا گیا ہے جس سے سال کے ۳۶۵ دنوں اور شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں سے ہر روز اور ہر گھنٹہ میں جنگ و جدال اور قتل و قتال کا موقعہ نکل سکے۔

میں بھی ڈاکٹر مونجے اور دوسرے ہندو لیڈروں کے اس مقولہ کی صحت تسلیم کرتا ہوں کہ مساجد کے سامنے باجے کا مسئلہ گذشتہ دور میں نہ تھا یہ انہیں قریب کے دو تین سال کی پیداوار ہے مگر اس کے

ساتھ ان سے یہ ضرور عرض کروں گا کہ مساجد کے سامنے باجے کے متعلق جھگڑے ہونے کی وجہ کیا تھی؟

۱۔ آیا ہندو مساجد کے سامنے ہمیشہ اسی طرح باجے بجاتے تھے جیسے کہ وہ اب بجاتے ہیں یا بجانا چاہتے ہیں کہ عین نمازوں کے وقت خاص مسجد کے سامنے جلوس کو روک کر اتنی زور سے باجے بجانا کہ مسجد کے نمازیوں کو بھی کان پڑی آواز نہ سنائی دے اور نہ مقتدی امام کی آواز سنیں نہ اس کا رکوع و سجود میں اتباع کر سکیں پھر اسی پر بس نہیں نمازیوں کی طرف اشارہ کرنا اور اشتعال انگیز اور منافرت خیز نظمیں گانا اور طعن و تشنیع کرنا یہ تمام باتیں پہلے بھی ہوتی تھیں اور مسلمان یہ سب دیکھتے اور سنتے تھے اور اس سے راضی اور خوش رہتے تھے اور نہ باجے بجانے کو منع کرتے تھے اور نہ ان ناشائستہ حرکات کی شکایت یا اس کے خلاف احتجاج کرتے تھے اب صرف چند دنوں سے ان کو مزاحمت کا سودا سوار ہوا۔

۲۔ آیا یہ صورت تھی کہ پہلے مساجد کے سامنے باجا بجانے کا ہندوؤں کے دل میں خیال بھی نہ آتا تھا۔ اول تو جلوس بھی شاذ و نادر ہی نکلتے تھے دوسرے وہ خود مسجدوں کا احترام کرتے اور بغیر کسی درخواست یا مزاحمت کے مسجد کے سامنے باجا بند کر دیتے تھے اور اگر کسی جگہ کبھی سال دو سال میں کوئی جلوس مسجد کے سامنے بھی باجا بجاتا ہوا گزر جاتا تو یا تو نماز کا وقت ہی نہ ہوتا تھا یا ہوتا تھا تو جلوس ایک دو منٹ میں اتنی دور ہٹ جاتا تھا کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہوتی تھی اس لئے کوئی جھگڑا اور مزاحمت پیش نہیں آتی تھی۔ اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے اور واقعات کی تحقیقات دیانت، اور انصاف اور نیک نیتی سے کریں گے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ دو تین سال قبل باجے پر جھگڑا نہ ہونے کی وجوہات یہ تھیں جو میں نے نمبر ۲ میں ذکر کی ہیں کیونکہ ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے ہندو مسجد کے سامنے باجے بجاتے ہوئے گذرتے ہوں اور اب وہاں کے مسلمانوں نے مزاحمت شروع کر دی ہو بلکہ مسلمانوں کی مزاحمت کے عذروں میں نماز کے اندر خلل اندازی اور احترام مسجد کی مخالفت کے ساتھ ساتھ یہ بھی عذر کیا جاتا ہے کہ پہلے کبھی یہاں سے جلوس باجے کے ساتھ نہیں نکلا اور بہت سے مقامات میں ہمارے ہندو بھائیوں نے خود اسے تسلیم کر لیا ہے کہ وہاں باجے کے ساتھ جلوس نکالنے کا رواج نہیں تھا مگر ملک معظم کی سڑکوں پر اپنے جلوس آزادی کے ساتھ باجے بجا کر نکالنے کے حق پر زور دیتے ہیں بس جس طرح یہ صحیح ہے کہ مسجد کے سامنے باجا بجانے کا مسئلہ پرانے مابہ النزاع مسائل میں نہیں تو ابھی کی پیداوار ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ اس کا امور نزاعیہ میں اضافہ مسلمانوں نے نہیں کیا ہے بلکہ اس مسئلہ کی نزاعی حیثیت ہندو زعماء کی مساعی کی مرہونِ منت ہے۔

دہلی کانفرنس کی طے کردہ تجاویز جس میں مالوی جی اور لالہ لاجپت رائے اور ڈاکٹر مونجے اور سوامی شردھانند اور بڑے بڑے ہندو زعمار شریک تھے عملاً اس لئے پھینک دی گئیں کہ اس میں رواج سابق کا لحاظ اور پابندی لازم کردی گئی تھی اور اس قید کی وجہ سے باجے کے سینکڑوں کیس ہندوؤں کی زیادتی ثابت کرتے تھے۔ مجھے یہاں پر اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں ہے مگر میں آپ حضرات کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مذہبی احکام اور مذہبی اعمال اس قدر بعید الاطراف واقع ہوئے ہیں کہ اُن میں آسانی سے توافق پیدا کر لینا محال ہے ایک مذہب کے عقائد دوسرے متباین اور ایک کے اعمال دوسرے مذہب کے اعمال سے متضاد واقع ہوتے ہیں۔

اصل ہندو مذہب کی رو سے تو ہو یا نہ ہو مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ ہندو دنیا کے عمیق مذہبی جذبات گائے کا جس قدر احترام اور عظمت کرتے ہیں مسلمانوں اور عیسائیوں کا معاملہ گائے کے ساتھ بالکل اسکے برعکس واقع ہوا ہے اگر ہندو یہ ارادہ کریں کہ مسلمان بھی ان کی طرح گائے کی عظمت اور احترام کریں تو یہ ناممکن ہے اسی طرح اگر مسلمانوں کے نزدیک مسجد کے سامنے باجا بجانا مسجد کی توہین اور مسلمانوں کی دل آزاری ہے تو وہ اس خیال کو ہندوؤں کے ذمے لازم نہیں کر سکتے۔

مختلف العقائد آبادی میں صلح اور نباہ کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہر مذہب کے معتقد اپنے مذہبی عقائد اور اعمال کی بجاآوری میں آزاد ہوں اور کوئی دوسرا فریق انکی آزادی میں خلل انداز نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے اعمال کو ایسی صورت سے ادا کریں کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اور اُن کے حقوق میں دست اندازی نہ ہو مثلاً مسلمان کو حق ہے کہ وہ اپنی مملوکہ گائے کو اپنے مکان میں یا اپنی زمین پر مذہبی عمل (قربانی) کے طور پر یا تحصیل غذا کے لئے ذبح کرے لیکن اگر وہ ہندوؤں کے سامنے ذبح کرتا ہے تو ہندوؤں کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کی رواداری کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی جگہ ذبح کرے جو ہندوؤں کی نظر سے اوجھل ہو اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو خواہ مخواہ اشتعال پیدا کرتا ہو، مگر ہندوؤں کو مزاحمت کا اس وقت تک حق نہیں جب تک اُن کی حق تلفی نہ کیجائے۔

اسی طرح ہندوؤں کو حق ہے کہ وہ اپنے معاشرتی یا مذہبی اغراض کے لئے سڑکوں پر جلوس نکالیں اور باجا بجائیں لیکن اگر نماز اور جماعت کے وقت باجا بجانے سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے اور اُن کی نمازوں میں خلل آتا ہے تو ہندوؤں کی رواداری یہ ہے کہ وہ مسجد کے سامنے باجا بند کر دیں یا اس قدر آہستہ سے بجاتے ہوئے جلد گزر جائیں کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو مسلمانوں کو مزاحمت کا اس وقت تک حق نہیں جب تک کہ وہ ان کی حق تلفی نہ کریں۔

پس جس قدر ہندو مسلمانوں سے گائے کے معاملہ میں رواداری کے طالب ہوں اسی قدر اُن کو باجے کے معاملے میں رواداری کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور جس قدر مسلمان ہندوؤں سے باجے کے معاملے میں رواداری کا

تقاضا کریں۔ اسی قدر ان کو گانے کے معاملے میں رواداری کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ اگر ایک فریق کو دبایا گیا اور اس پر قیود عائد کردی گئیں تو کبھی نباہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہندوؤں کو ملک معظم کی سڑکوں پر باجا بجاتے ہوئے جلوس لے جانے کا حق ہے تو مسلمانوں کو ان سڑکوں پر گائے لے جانے اور قابل ذبح مقامات میں گائے کے ذبح کرنے کا بھی حق ہے اور اپنے مملوکہ مکان یا زمین میں گائے ذبح کرنے کا حق قابل ہو جاتا ہے اور اس میں تو مزاحمت کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر ان کو ذبیحہ گاؤ کے دیکھنے یا صرف گائے کی قربانی کرنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھنے سے تکلیف ہوتی ہے اور نماز میں باجا سننے اور عبادت میں خرابی پڑنے سے مسلمانوں کی تکلیف کا وہ کیوں احساس نہیں کرتے۔

بہرحال فیصلہ ایک ہی اصول پر ہو سکتا ہے یا تو استیفار حق کو بنار فیصلہ قرار دے لیا جائے اور کوئی قید عائد نہ کی جائے یا رواداری کو مدار فیصلہ قرار دیا جائے اور دونوں فریق کے لئے حدود رواداری معین کردی جائیں۔

کلکتہ کانفرنس نے بنیادی طور پر مذہبی حقوق کی آزادی کا اعتراف کیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اس نے تسلیم کیا ہے کہ ان کو قربانی کے لئے ہر جگہ گائے ذبح کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے لئے تسلیم کیا ہے کہ ان کو سڑکوں پر جلوس نکالنے اور باجا بجانے کا حق حاصل ہے یہ اعتراف حق صحیح اصول پر مبنی ہے مگر اس میں اتنی خامی رہی ہے کہ جیسے ہندوؤں کے جلوسوں میں مذہبی اور معاشرتی اغراض کی تعمیم کردی گئی ہے ذبیحہ گاؤ میں یہ تعمیم نہیں کی گئی۔ قربانی میں تو عموم کا لحاظ رکھا گیا ہے مگر دوسری تقریبات میں اگر مسلمان گائے ذبح کرنا چاہے تو اس کو مقامی میونسپلٹیوں کے قانون کے ماتحت ذبیحہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس فیصلہ میں ذبیحہ کے ساتھ یہ قید نہ لگائی جاتی کیونکہ یہ فیصلہ ہندو مسلمانوں کا باہمی سمجھوتہ تھا۔ ان کو کھلے دل سے ایک دوسرے کے پورے پورے حقوق کا اعتراف کر لینا چاہیئے تھا اور کسی تیسری طاقت (مثلاً میونسپلٹی قانون) کی مزاحمت کو اس فیصلہ میں داخل کرنا مناسب نہیں تھا۔

ورنہ پھر لازم تھا کہ اسی طرح باجے کے ساتھ بھی یہ قید لگائی جاتی کہ مقامی افسروں کے لائسنس کے ماتحت باجا بجانے کا حق ہے۔

قربانی کے سوا دوسری تقریبات مثلاً عقیقہ، ولیمہ، دعوت عام وغیرہ میں گائے کے ذبیحہ میں ایک قسم کی مزاحمت کا امکان (خواہ وہ میونسپلٹی کے ذریعہ سے ہی کرایا جائے) باقی رہتا ہے۔

تاہم مسلمان بہت روادار قوم ہے اس نے اس فیصلہ کو نہایت رواداری کے ساتھ پسند کیا ہے

اور بہت خوشی سے وہ اس سے زیادہ رواداری کے لئے تیار رہیں جس قدر برادرانِ وطن مسلمانوں کیساتھ رواداری کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اعتراف حق کے بعد معاملہ باہمی رواداری کا آجاتا ہے اور پھر ہر قوم کی شرافت کے جذبات میں مسابقت کا ہیجان ہوتا ہے اور ہر قوم کے شریف النفس اپنے ہمسایوں کو اپنی شرافت سے مسحور کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہندوستان میں یہ وقت جلد آجائے اور دونوں قومیں امن و اطمینان سے زندگی بسر کرسکیں۔

آئینی کمیشن

ہندوستان بھی اُن بد قسمت ملکوں میں سے ایک ملک ہے جو اپنے اُوپر آپ حکومت کرنے کے حق سے مدت ہائے دراز سے محروم ہے اور ایسے لوگوں کے استبداد و استعمار کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے جن کو طبعی طور پر ہندوستانیوں کے ساتھ اُنس و رفق، یگانگت و ارتباط کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ دولت، تعلیم، تہذیب، اخلاق، ملکات غرض ہر لحاظ سے ہندوستان بہت سے ان ممالک سے آگے ہے جو مستقل اور آزاد ہیں اور اُن کی آزادی کو تمام مہذب اور متمدن حکومتیں تسلیم کرتی اور ان کو مستحق سمجھتی ہیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان اس نعمت سے محروم اور دوسروں کا دست نگر ہے اس محرومی و بدنصیبی کے اسباب و دواعی کی داستان بہت طویل ہے اور مجھے اس پر آپ کا زیادہ وقت صرف کرنا منظور نہیں، کیونکہ اس خطبہ میں قصہ ہائے پارینہ کا دہرانا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا اس لئے میں صرف اس چیز کا ذکر کروں گا جو اس وقت ملک کی توجہ اپنی طرف جذب کئے ہوئے ہے۔

آپ نے یہ مقولہ جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے سُنا ہوگا۔

"آزادی عطا نہیں کی جاتی بلکہ وہ طاقت اور ہمت سے حاصل کی جاتی ہے"۔

ہندوستان کے لئے بھی نعمتِ آزادی سے بہرہ اندوز ہونے کا ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنی قوت اور طاقت سے اس کو حاصل کرتا۔ قوت و طاقت کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ مادی ہی ہو بلکہ روحانی اور فکری قوت بھی اس کے لئے کافی تھی۔ اگر تمام ہندوستان کے باشندے ہم خیال اور ہم آہنگ ہو کر آزادی کا مطالبہ کریں تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی اُن کے مطالبہ کو ٹھکرا نہیں سکتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ سطوت و جبروت رکھنے والی قومیں اس مطالبہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوں۔

مگر جیسا کہ میں نے اُوپر بیان کیا ہے ہندوستان جس طرح کہ اپنی وسعت اور کثرت آبادی کے لئے ممتاز ہے اسی طرح کثرتِ مذاہب اور تشتتِ خیالات میں بھی انتہائی نقطہ پر پہنچا ہوا ہے یوں تو ہر ملک میں

کچھ نہ کچھ مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگ آباد ہیں مگر ہندوستان جیسا مذہبی افتراق کا گہوارہ کوئی ملک نہیں ہے۔ مذہبی افتراق بھی کچھ زیادہ مضر نہ ہوتا اگر اس کو اپنی حدود میں رکھا جاتا مگر وائے بدقسمتی کہ ہندوستان نے نہ مذہبی حدود کو قائم رکھا اور نہ اقتصادیات و معاشیات میں توازن کا خیال کیا اور نہ قومی حمیت اور استقلال و خودداری کی قیمت پہچانی اور باہمی جنگ و جدال، شقاق و نفاق کے باعث اپنے علم و دولت تہذیب و تمدن کو بٹہ لگا دیا۔ جن لوگوں نے دوسرے اجنبی ممالک کی سیاحت کی ہے ان کو ہندوستانیوں کی قدر و قیمت کا خوب تلخ تجربہ ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ یہ طلوع صبح آزادی کے متوقع تھے اور سمجھے ہے تھے کہ آنے والے کمیشن سے اُن کی تمنائے آزادی کی صبح جھلک نظر آئے گی۔ وہ اُن کے خیالات و توقعات کے لئے پیام موت نکلا۔ کیونکہ ماضی قریب میں انہوں نے خونخواری اور ہمسایہ کشی کے وہ منظر پیش کئے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے ایک حیلہ جو قوم کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقعہ ان کی تذلیل و توہین کا کیا ہو سکتا تھا۔

حقیقت شناس طبقہ تو پہلے دن ہی سے کہہ رہا تھا کہ "آزادی عطا نہیں ہوتی" اس لئے انگلستان کی پارلیمنٹ سے یہ توقع کرنا کہ وہ ہندوستانیوں کو آزاد کر دے گی فضول ہے اور اس لئے کوئی کمیشن ہندوستانیوں کی قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ فیصلہ وہی ہوگا جو ہندوستانی خود کریں گے۔

مگر تاہم ہندوستانیوں کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس کو بہت سے تلخ تجربوں کے باوجود برطانیہ کی جانب سے توقعات تھیں اور وہ اس اُمید میں تھا کہ کمیشن میں شامل کر کے اس کی عزت افزائی کر دی جائے گی۔ اگرچہ ایسے حضرات کی شرکت بھی ہندوستان کی آزادی کے لئے کوئی نیک فال نہ ہوتی کیونکہ ان کی حیثیت بالکل اس شعر کا مصداق ہوتی ؎

مرا صورتے بر نیاید ز دست
کہ نقش معلم ز بالا نہ بست

مگر تاہم ہندوستانیوں کی بھولی بھالی طبیعتوں کے بہلانے کا ایک ذریعہ ضرور ہو جاتا وہ تو قدرتِ ایزدی کو یہی منظور تھا کہ اس طلسم کو توڑ دے، اس لئے اب معاملہ بالکل صاف ہو کر سامنے آ گیا۔ ہندوستان کو اپنی عزت و توقیر معلوم ہو گئی اور برطانیہ کی ہندوستان کے ساتھ خیر خواہی اور عطائے آزادی کا بھرم کھل گیا۔ ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے بیان نے تو خیر اندیشانِ حکومت کو بھی یاس و ناامیدی سے دوچار کر دیا۔ بہرحال کمیشن کی ہیئت ترکیبیہ اس کے فرائض اور اس کے ارکان کے نام اور اس ہیئت ترکیبیہ کے استحسان کے وجوہ سب شائع ہو چکے ہیں اور ہندوستانیوں کے خیالات سے بھی روزانہ اخبار پُر ہوتے ہیں۔

معاملہ روز روشن میں آگیا ہے۔ اب ہندوستانیوں کو اپنی قسمت پر رونے اور روکر بیٹھ رہنے کا وقت نہیں ہے ابھی بدنصیبی اور بدقسمتی کے آثار نے اُن کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ کمیشن کے بارے میں بھی وہی تشتت آرا اور اختلافات ظاہر ہو رہا ہے جیسا کہ جمعیۃ علمار کے محترم صدر اور ناظم نے اپنے اعلانوں میں ظاہر کیا ہے۔ یہ ملک کی انتہائی بدقسمتی ہوگی کہ وہ ہندوستانی زندگی کے اس اہم ترین اور نازک ترین موقعہ پر بھی اپنے اختلافات کو نہ چھوڑیں اور باہم معاہدہ و اتفاق کا راستہ پیدا کر کے کمیشن کے متعلق متفق و یک زبان ہو کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔

میں ابھی کوئی قطعی رائے اس لئے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا کہ اس اجلاس جمعیۃ میں زعمار مسلمین کو خاص اس مسئلہ میں غور و بحث کرنے کے لئے مدعو کیا گیا ہے اور بہت بہتر ہوگا کہ پورے غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد کوئی متفقہ فیصلہ کیا جائے مگر ہاں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر ہندوستان اپنی زندگی اور موت کا فیصلہ دوسروں کے ہاتھ سے کرانا چاہتا ہے اور اجنبیوں کے اس نظریئے کی تصدیق کرنے پر آمادہ ہے کہ ہندوستانیوں کی حیات و موت کی باگ اُن کے ہاتھ میں ہے تو ابھی اس نے آزادی اور غلامی کے مفہوم کو ہی نہیں سمجھا ہے۔

صوبہ سرحدی کی سیاسی حالت

حضرات! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس مرتبہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس اس شہر میں خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ انگریزی حکومت کی اس سرد مہری کے خلاف نہ صرف اہل سرحد بلکہ تمام مسلمانانِ ہند کی متفقہ آواز بلند کی جائے جو وہ سرحد ہند کی نصف کروڑ آبادی کے ساتھ روا رکھ رہی ہے یہ پچاس لاکھ انسان جو باستثنار چند سب کے سب مسلمان ہیں، بلحاظ اپنی بہت سی اخلاقی و ایمانی خصوصیات کے دنیا کے بہترین مسلمانوں میں سے ہیں ان کی شجاعت و بسالت، اُن کی پابندیٔ عہد، ان کی غیرت و حمیت، اُن کی بلند حوصلگی و فراخ دلی اور سب سے زیادہ اُن کی وہ ایمانی قوت جو انہیں اسلام کی حرمت پر دُنیا کی ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے ہر وقت مستعد رکھتی ہے ایسی معروف اور مسلم ہے کہ ان کا کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ ان اعلیٰ اوصاف کے علاوہ ذہنی و دماغی قابلیتوں کے لحاظ سے بھی وہ اپنے بقیہ اہلِ وطن سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ان میں انضباط و انتظام کی طبعی صلاحیت موجود ہے۔ جمہوریت کا فطری نظام ان کے اندر غیر معلوم زمانہ سے رائج ہے۔ اپنے معاملات کو خود طے کرنے کی قابلیت ان میں بدرجۂ اتم موجود ہے اور اگر بیرونی مداخلت ان کے سدِ راہ نہ ہو تو یقیناً وہ زمانہ کی عمرانی و سیاسی ترقی کا ساتھ دے سکتے ہیں لیکن

ان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ قدرت نے انہیں دو ملکوں کی سرحد پر پیدا کیا ہے اور ایک ایسی حکومت کے زیر اثر کر دیا ہے جس کی سیاسی خود غرضی ان کو ہر وقت شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی اور اپنی آہنی بندشوں میں جکڑنے کی کوشش کرتی رہتی ہے آج محض اس جغرافیائی اور سیاسی موقف کی بدولت اسلامی ہند کے یہ ۵۰ لاکھ افراد اور برِاعظم ہند کے قدرتی محافظ اس قسم کے استبداد کا تختہ مشق بنائے جا رہے ہیں جن کی مثال ہم کو عہد تاریک کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔ ہندوستان کی دوسری قومیں تعصب یا فریب خوردگی کے باعث اپنے ان ہم وطن بھائیوں کی مصیبت سے چاہے کتنی ہی بے اعتنائی برتیں لیکن ہم مسلمان ان کی ہمدردی اور ان کے استخلاص کی سعی سے ہرگز باز نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ ہماری اسلامی برادری کے ایسے لاینفک جزو ہیں جس پر ہمیں بجا فخر و ناز ہے۔

حضرات! اس شمالی مغربی علاقہ کو انگریزی اثر کے ماتحت آئے ہوئے تقریباً ۸۰ برس گذر چکے ہیں۔ حکومت انگلشیہ نے سب سے پہلے ۱۸۴۹ء میں یہاں قدم رکھا ہے اور اسی زمانے سے اس ملک کی سرحدی سیاست کی ابتدا ہوتی ہے جس کی تاریخ کا کوئی ورق بھی جنگ و پیکار کے سیاہ داغوں سے خالی نہیں ہے۔ انگریزی حکومت کی یہ مستقل پالیسی ہے کہ وہ اپنی قدرتی حدود پر کبھی قانع نہیں رہتی اور ہمیشہ اپنے اندرونی امن و سکون کی حفاظت کے لئے دوسری ہمسایہ قوموں کے امن و سکون کو متزلزل رکھتی ہے اس کی قوت واہمہ کو ہندوستان سے کئی کئی ہزار میل کے فاصلہ تک تحفظ ہند کے لئے خطرات ہی خطرات نظر آتے ہیں اور اُن کا سدباب کرنے کے لئے وہ کبھی مصر پر قبضہ کرتی ہے، کبھی سواحل عرب پر اثر قائم کرتی ہے، کبھی خلیج فارس اور عراق و موصل کو مسخر کرتی ہے، کبھی ایران کو اپنے دائرہ نفوذ میں لانے کی کوشش اور کبھی کابل پر اپنی سیاسی نگرانی قائم کرنے کی سعی کرتی ہے گویا اس کے نزدیک ایک ہندوستان کی حفاظت کے لئے گردوپیش کے تمام ممالک کو تابع کرنا ضروری ہے اور اگر وہ سب تابع ہو جائیں تو پھر اُن کی حدود کا تحفظ بھی بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان سب کے گرد جو ملک واقع ہوں ان کو مسخر کیا جائے اور اس طرح شاید تحفظ اور ملک گیری کا متلازم سلسلہ اسی وقت ختم ہو جب تمام دنیا پر انگریزی حکومت قائم ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ جب انگریزوں کا طریق تحفظِ مملکت ہی یہ ہے تو وہ قومیں کیونکر اس کی زد سے بچ سکتی تھیں جو ہزاروں میل دُور نہیں بلکہ عین سرحدِ ہند پر آباد ہیں۔ ابھی سرحد پر انگریزی تسلط کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اُسے ان قوموں کو مسخر کرنے یا جدید اصطلاح میں مہذب بنانے کی ضرورت لاحق ہو گئی اور اس نے ۱۸۵۰ء سے تسخیری اور تعزیری مہموں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ پہلے دس سال میں دس دفعہ لڑائی ہوئی پھر ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۰ء تک چھ دفعہ جنگ ہوئی۔ اس کے بعد ۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۰ء تک سات مرتبہ ۱۸۸۰ء

ے ۱۸۹۰ء تک چار مرتبہ، ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک گیارہ مرتبہ اور ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۰ء تک پانچ مرتبہ ان علاقوں پر چڑھائی کی گئی۔ پھر تھوڑے عرصہ بعد وزیرستان میں جنگ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تقریباً سات سال تک جاری رہا۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کی جنگ نے پھر سرحدی علاقوں میں آگ لگادی اور افغانستان سے صلح ہونے کے بعد بھی وہ فرو نہ ہو سکی یہاں تک کہ گورنمنٹ نے اپنا اثر قائم کرنے کے لئے بعض آزاد علاقوں میں اپنی زبردست فوجی چوکیاں قائم کر دیں جو ہر وقت قبائل کی سرکوبی کیلئے مستعد رہتی ہیں۔

یہ ماورائے سرحد کا علاقہ تقریباً ۲۶ ہزار مربع میل ہے جس میں ۲۸ لاکھ پٹھان آباد ہیں انگریزی حکومت ان کے نصف سے زائد حصّہ کو اپنے زیرِ اثر لا چکی ہے۔ دیر، سوات، امب اور چترال کی ریاستیں جن کی مجموعی آبادی ۱۶ لاکھ ۲۲ ہزار ہے ایک حد تک ریاستہائے ہند کی طرح حکومت ہند کی تابع فرمان ہیں۔ بقیہ حصّہ میں بھی آفریدی اور اورک زائی قبائل عملاً انگریزی اثر قبول کر چکے ہیں۔ اب وزیرستان خصوصیت کے ساتھ حملوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور اس کی حُریت پسند آزادی کو خواہ مخواہ مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنی اس آزادی کو انگریزی روپے اور انگریزی طاقت کے مقابلے میں تسلیم کر دے جو ہزارہا برس سے اس کو حاصل رہی ہے ان آزاد علاقوں پر انگریزی اخباروں اور سرکاری بیانات میں اکثر وحشت و بہیمیت اور جرائم پیشگی کے شدید الزام عائد کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کی بربریت ہمیں اپنے علاقے کی حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھانے پر مجبور کرتی ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ ان کو وحشیانہ عادات اختیار کرنے پر خود انگریزی حکومت نے مجبور کیا ہے اور ایک پوری قوم کو وحوش و بہائم کی جماعت بنا دینے کی ساری ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے جو قوم پوری تین ربع صدی سے مسلسل حالت جنگ میں زندگی بسر کر رہی ہو، جس کو ایک لمحہ بھی امن و سکون کے ساتھ رہنے کا موقع نہ دیا جائے جس کو متواتر جنگ و پیکار سے اتنی فرصت ہی نہ ملے کہ کسبِ معاش کے پُرامن طریقے اختیار کر سکے جس کو پیٹ بھرنے اور اپنے ملک کی آزادی محفوظ رکھنے کے لئے لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے سوا کوئی اور وسیلہ استعمال کرنے کی مہلت ہی نہ دی جائے کیا وہ قوم تہذیب و تمدن میں کوئی ترقی کر سکتی ہے؟ کیا اس سے امن پسندانہ زندگی بسر کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے؟ کیا اس کا جنگ جو، وحشی اور خونخوار ہو جانا کسی حیثیت سے بھی محلِ تعجب ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے ایسے حالات میں دنیا کی کسی مہذب سے مہذب قوم کو رکھ دیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ۸۰ سال تک پیہم جنگ میں مصروف رہنے کے بعد اس میں بھی لازمی طور پر وہی خصائل پیدا ہوں گے جن کی سرحدیوں سے ہماری گورنمنٹ کو شکایت ہے۔

انگریزی مدبرین میں ابتدا سے ایک دانشمندانہ طبقہ ایسا رہا ہے جو اقدام کی پالیسی کا مخالف ہے اس کی رائے میں سرحد افغانستان تک پیش قدمی کرنے کی بجائے تحفظِ مملکت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان

کی قدرتی سرحد کے اندر رہ کر ایسے استحکامات تیار کیئے جائیں جن سے بیرونی علاقے کی کسی طاقت کو ملک کے امن وسکون میں خلل ڈالنے کا موقعہ نہ ملے لیکن بدقسمتی سے حکومت ہند میں ہمیشہ ان لوگوں کا غلبہ رہا ہے جو اقدام کی طرف زیادہ مائل ہیں اور یہ ان ہی لوگوں کا اثر ہے کہ ایک طرف ہندوستان کا کروڑوں روپیہ سرحد کی تحریری یا تسخیری مہموں میں فضول برباد کیا جارہا ہے اور دوسری طرف آزاد سرحدی قبائل کو دائمی حالت جنگ میں رکھ کر اخلاقی، اقتصادی، تمدنی، سیاسی غرض ہر حیثیت سے ان کی زندگی برباد کی جارہی ہے اس معاملہ میں ہمارا مطالبہ بالکل صاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ گورنمنٹ اقدام کو چھوڑ کر داخلی تحفظ کی پالیسی اختیار کرے اور آزاد قبائل کو امن وسکون کے ساتھ ترقی کرنے کا موقع دیدے۔ اگر توپیں اور ہوائی جہاز بھیجنے کے بجائے انگریزی علاقے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ پٹھانوں کو امن کی فضاء میں ماورائے سرحد کی اصلاح کا موقعہ دیدیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ ایک قلیل عرصہ ہی میں وہاں تہذیب و مدنیت کی روشنی پھیل جائے گی اور موجودہ وحشت و بربریت کی جگہ ایک ایسی متمدن زندگی شروع ہو جائے گی جو حقیقتاً سرحد ہند کے لئے امن و تحفظ کی بہترین ضمانت ہوگی۔

حضرات! اب میں سرحدی علاقہ کے اس حصہ کی طرف توجہ کرتا ہوں جو حدود ہند کے اندر واقع ہے اور باضابطہ انگریزی حکومت کے زیر انتظام ہے یہ علاقہ پانچ اضلاع پر مشتمل ہے جس کی مجموعی آبادی ۲۲ لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔ ۱۸۴۹ء سے لے کر ۱۹۰۱ء تک وہ صوبہ پنجاب سے ملحق رہا اور ان فوائد سے متمتع ہوتا رہا جو ایک آئینی حکومت سے بہرحال حاصل ہوتے ہیں لیکن ۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن نے جن کی مخصوص پالیسی ہندوستان اور دنیائے اسلام کو بہت سی مشکلات میں مبتلا کرگئی ہے اس پُرامن علاقے کو بھی جنگی سیاست کی آماجگاہ بنانے کا فیصلہ کرلیا اور اُسے ایک مستقل صوبہ قرار دے کر بقیہ ہندوستان سے علیحدہ کر کے ایک غیر آئینی نظام حکومت کا ماتحت بنا دیا۔ اس وقت سے یہاں کا آسمان وزمین بالکل ہی بدل گیا ہے۔ ہندوستان میں آئینی حیثیت سے خواہ کتنا ہی تغیر و تبدل ہو اور سیاسی و انتظامی حیثیات سے وہ ترقی کے کتنے ہی مدارج طے کرے لیکن اس بدنصیب صوبے کو اس میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ فوجی خدمات میں یہاں کے باشندے سب سے بڑھ کر رہیں۔ جنگ میں فداکاری و جاں نثاری کے لئے سب سے پہلے تیار ہوں۔ جنوبی افریقہ سے لے کر چین تک اور فرانس کے میدانوں سے لے کر فلسطین و عراق تک ہر جگہ انگریزی حکومت کی جہانگیرانہ تشنگی بجھانے کے لئے سب سے زیادہ اُن کا خون کام آئے لیکن متمدن زندگی کے فوائد آئینی نظام حکومت کے منافع اور سیاسی و عدالتی اُمور کی ترقی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس معاملہ میں وہ سب سے پیچھے رکھے جاتے ہیں یہاں کے قوانین بالکل الگ، یہاں کا طرز حکومت بالکل مختلف، یہاں کا طریق عدل و انصاف بالکل جداگانہ، غرض یہاں کی ہر چیز ہندوستان کے بقیہ علاقوں سے بالکل متبائن ہے۔

ہندوستان میں منٹو مارلے اصلاحات نافذ ہوئیں۔ مانٹیگو چیمسفورڈ کی اصلاحی اسکیم رائج کی گئی کونسلیں بنیں، لوکل سیلف گورنمنٹ کے اصول پر میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کو وسیع اختیارات دیئے گئے مطابع اور مجالس کی آزادی کو ایک خاص حد تک تسلیم کیا گیا۔ ۲۶ سال تک یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر غریب صوبہ سرحد کو ان تغیرات کی ہوا بھی نہ لگنے پائی اور وہ بالکل الگ تھلگ ایک تاریک فضا میں زندگی بسر کرتا رہا حقیقی معنوں میں یہاں کوئی آئینی حکومت ہی نہیں ہے آئینی حکومت تو اسکو کہتے ہیں جس میں عمال و حکام کسی مخصوص و متعین قاعدہ کی پابندی پر مجبور ہوں اور اس کے خلاف کوئی عمل نہ کر سکیں لیکن یہاں اس کے برعکس چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنروں کو اپنی رائے اور مرضی پر عمل کرنے کی اتنی وسیع آزادی حاصل ہے جتنی شاید نادرشاہ کو اپنی حکومت میں حاصل تھی ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی کونسل یا مجلسِ مستشار نہیں ہے جو انہیں مشورہ دے یا اُن کے اعمال کی نگرانی کرے کوئی نمائندہ جماعت نہیں ہے جو اہلِ سرحد کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرے۔ مطابع اور مجالس کسی قسم کی آزادی بھی نہیں کہ عام رائے اور پبلک کی شکایات کا اظہار کیا جا سکے۔ کوئی ایسی بالاتر انتظامی قوت بھی نہیں ہے جو ان کے اعمال کی نگرانی کرے لے دے کے ایک حکومت ہند کا محکمۂ سیاسیات ہے جو صوبے کی حکومت پر نگرانی رکھتا ہے مگر اس کو اپنی جنگی و سیاسی اغراض کے سوا عملاً کسی انتظامی مسئلہ سے واسطہ نہیں ہے اور مقامی حکومت کو اس نے رعایا سے معاملے کرنے میں بالکل مطلق العنان چھوڑ رکھا ہے۔ یہ مطلق العنانی بھی شاید اتنی مہلک نہ ہوتی اگر حکومت کی باگیں اعلیٰ تربیت یافتہ ملکی شرفاء کے ہاتھ میں دی گئی ہوتیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ حکومت اور عدالت کے سارے اختیارات آنریری سب ججوں، آنریری ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور فوج سے نکلے ہوئے اکھڑ ڈپٹی کمشنروں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں جو عملاً ان کو پوری آزادی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

مجلس تحقیقات سرحد کی رپورٹ میں مسٹر نی زنگا چاریہ نے ان کے استبداد کی مثالیں پیش کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے کہ احمد آباد کانگریس کے موقعہ پر ہزارہ کے کرنل جیمز نے تمام ان لوگوں کو جنہیں کانگریس کے لئے مندوب منتخب کیا گیا تھا صاف طور پر یہ اطلاع دی کہ اگر وہ کانگریس میں شریک ہوئے تو انہیں قانون جرائم سرحد کی دفعہ ۳۶ کے ماتحت جلا وطن کر دیا جائے گا۔

یہ قانون جرائم سرحد منجملہ ان نیم فوجی قوانین کے ہے جو اہل سرحد کی وفاداری و جاں نثاری کا صلہ دینے کے لئے ہماری احسان شناس حکومت نے خاص طور پر اس صوبہ میں رائج کئے ہیں وہ مقامی حکام کو رعایا کی جان و مال اور عزت و آزادی پر غیر محدود اختیارات دیتا ہے اور اس کے ماتحت وہ پورا حق رکھتے ہیں کہ ایک شخص کو سخت سے سخت سزا دیدیں بغیر اس کے کہ اس پر اس کا جرم ظاہر کیا جائے یا اُسے صفائی کا موقع دیا جائے کوئی مقدمہ چلانے کی ضرورت نہیں کسی وکیل یا گواہ کی ضرورت نہیں کسی محاکمہ اور عدالتی تحقیقات کی ضرورت نہیں محض پولیس کی رپورٹ اور مجسٹریٹ

کہ انہوں نے جیل بجائے دوچار وطنی طولیٰ مدت کی انہائے قید با مشقت نوع بہ نوع سخت سزا کا مستوجب ثابت کرنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔
سرحد میں اس قسم کی جابرانہ نظام حکومت قائم رکھنے کی وجہ تو یہ بتائی جاتی ہے کہ اس سے جرائم کا انسداد مقصود ہے لیکن در حقیقت یہ صورت اس کا نتیجہ ہے کہ انگریزی حکومت کو سرحدیوں کی اتنی فداکاریوں کے باوجود ان پر اعتماد نہیں ہے اور وہ اپنے شکوک و شبہات کی بنا پر انہیں اس طرح دبائے رکھنا چاہتی ہے کہ انہیں کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو اور اگر محض جرائم کا انسداد مقصود ہے تو گذشتہ ۲۰ سال کے تجربات سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ اس غیر آئینی طرز حکومت نے جرائم کو دور کرنے کے بجائے ان کو بڑھانے اور حد سے زیادہ بڑھا دینے کی خدمت انجام دی ہے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۰ء تک جرائم نے جس تیزی سے ترقی کی اس کا ایک سن وار نقشہ مسٹر ڈی زنگا چاریہ نے اپنے اختلافی نوٹ میں درج کیا ہے جس سے میرا دعا بوجہ احسن ثابت ہوتا ہے۔

سال	شدید جرائم	قتل	ڈاکے	سال	شدید جرائم	قتل	ڈاکے
۱۹۰۱ء (جبکہ سرحد کو جدا کیا گیا)	۰	۱۹۷	۰	۱۹۱۰ء	۳۳۶۹	۲۷۴	۱۱۴
۱۹۰۲ء	۰	۲۰۱	۰	۱۹۱۱ء	۳۸۲۷	۳۲۳	۷۱
۱۹۰۳ء	۰	۲۰۸	۰	۱۹۱۳ء	۳۶۹۳	۳۱۶	۱۶۵
۱۹۰۴ء	۰	۱۵۱	۰	۱۹۱۵ء	۳۵۵۸	۳۵۴	۳۲۵
۱۹۰۵ء	۰	۱۷۶	۰	۱۹۱۶ء	۳۵۶۱	۴۱۶	۲۹۳
۱۹۰۶ء	۲۳۵۸	۱۶۰	۲۱	۱۹۱۷ء	۳۶۳۸	۴۰۰	۲۰۳
۱۹۰۷ء	۲۵۳۸	۱۹۳	۵۹	۱۹۱۸ء	۳۶۷۷	۳۵۳	۱۸۹
۱۹۰۸ء	۲۸۸۵	۱۷۵	۹۹	۱۹۱۹ء	۵۰۹۴	۴۷۴	۶۱۱
۱۹۰۹ء	۳۱۰۷	۲۵۵	۱۵۹	۱۹۲۰ء	۵۳۶۹	۶۳۳	۳۹۱

اس نقشہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انتظام حکومت کی خرابی، محکمہ عدل و انصاف کی بدنظمی اور بیرونی غارت گروں کے مقابلہ میں صوبہ کے پُر امن باشندوں کی بے بسی و کمزوری نے ۲۰ سال کے عرصہ میں جرائم و مظالم کو کہاں پہنچا دیا ہے اور اس نظام حکومت سے کوئی فائدہ ہونے کے بجائے بالکل برعکس نتائج رونما ہوئے ہیں۔
حضرات! یہ حالات تھے جنہوں نے باشندگان سرحد کو اس نظام حکومت سے سخت نالاں کر دیا ہے چنانچہ وہ ابتدا ہی سے ناخوش تھے اور ۱۹۱۰ء سے تو علانیہ انہوں نے ناراضی کا اظہار شروع کر دیا تھا لیکن

۱۹۱۸ء کے حالات نے جس طرح ہندوستان کی عام ذہنیت میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کیا۔ اسی طرح اہلِ سرحد میں بھی بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی اور اس وقت سے سرحد اور ہندوستان کے بقیہ صوبوں میں اس انتظام کے خلاف سخت نکتہ چینی شروع ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ستمبر ۱۹۲۱ء میں لیجسلیٹو اسمبلی میں صوبہ سرحد کے مسئلہ پر ایک زبردست مباحثہ ہوا اور حکومت کو اپنی قدیم حکمت عملی کے مطابق عام ناراضگی کو فرو کرنے کے لئے مجلسِ تحقیقات سرحد کے نام سے ایک کمیٹی مقرر کرنی پڑی جس کا مقصد زیادہ تر تحقیق کرنا تھا کہ آیا صوبہ سرحد کو ایک الگ صوبہ کی حیثیت سے اصلاحات دینا زیادہ مناسب ہوگا یا صوبہ پنجاب سے ملحق کر دینا۔ ۱۹۲۲ء میں اس کمیٹی کی باقاعدہ تکوین ہوئی۔ سر ڈینس برے [SIR DENIS BRAY] حکومت ہند کے وکیل امور خارجیہ اس کے صدر مقرر کئے گئے اور سر نارمن بولٹن [SIR NORMAN BOULTON] جو اب سرحد کے چیف کمشنر ہیں سیکرٹری قرار پائے۔ اس مجلس نے جب تمام صوبہ کا دورہ کیا اور بااثر لوگوں کی شہادتیں سنیں تو اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ صوبہ سرحد ہر حیثیت سے آئینی اصلاحات کا مستحق ہے اور موجودہ نظامِ حکومت کے خلاف اس کی شکایات بالکل بجا ہیں اس کی اکثریت نے جس میں سر ڈینس برے [SIR DENIS BRAY] اور سر نارمن بولٹن [SIR NORMAN BOULTON] بھی شامل ہیں اپنی رپورٹ میں صاف طور پر اعتراف کیا ہے کہ:-

"باشندگان سرحد لیاقت و ذہانت اور اپنے اُمور کے انصرام و انتظام کی اہلیت میں بقیہ ہندوستان کے لوگوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں اصلاحات کے لئے ان میں پُر زور طلب و خواہش پیدا ہوگئی ہے اور وہ ان اصلاحات سے ذرہ برابر کم پر بھی مطمئن نہیں ہو سکتے جو ملک کے دوسرے صوبوں کو عطا کی گئی ہیں۔ اس صوبہ میں خواہ کسی قسم کی کونسل قائم کی جائے، اس کا ایک زندہ اور طاقتور مجلس ہونا ضروری ہے محض مجلسِ مشاورت کا زمانہ گذر چکا ہے اب ایک مجلس واضع قوانین قائم کرنے کی ضرورت ہے۔"

نیز اس نے لکھا ہے کہ:-

"اگر پٹھان قومیت کا حق حکومت خود اختیاری تسلیم کر لیا گیا اور اس کو سلطنت ہند میں ریفارم اسکیم کے ماتحت خود ترقی کرنے کا وہ موقع دیدیا گیا جس کے لئے وہ زبردست جد و جہد کر رہی ہے تو ہمیں یقین ہے کہ ایک مطمئن سرحدی آبادی کے ساتھ ہندوستان اس مستقبل کا زیادہ مضبوط مقابلہ کر سکے گا جو سرحد میں اس کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے۔"

اگر ہندوستان کو حکومتِ خود اختیاری کا کوئی بھی موقع دینا ہے تو یقیناً پٹھان قوم بھی اس کی مستحق ہے جسے قدرت نے ہندوستان اور غیر ملکی حملہ آوروں کے درمیان دیوار بنا رکھا ہے۔"

اگر پٹھانوں کے مطالبہ حکومت خود اختیاری کو ٹھکرا کر ایک نہایت قلیل التعداد جماعت کے مفروضہ مفاد کی

حمایت کی گئی تو سرحد میں اس کے وہ نتائج پیدا ہوں گے جن کا تصور بھی ہیں لرزہ بر اندام کر دیتا ہے۔
اگر پٹھانوں پر بے اعتمادی کی وجہ سے انھیں اپنے علیحدہ صوبہ میں ترقی اور حکومت خود اختیاری کے حق سے محروم رکھا گیا تو اُن کے مغرب کی جانب متوجہ ہونے کا خطرہ مبدل بہ حقیقت ہو سکتا ہے۔"

حضرات! یہ اس مجلس کے خیالات ہیں جس کے صدر اور سیکریٹری حکومت ہند کے نہایت ذمہ دار ارکان تھے اور جو اس وقت صوبہ سرحد کے تمام اختیارات پر حاوی ہیں۔ انھوں نے جس صفائی کے ساتھ سرحدیوں کے مطالبہ اصلاح کو حق بجانب تسلیم کیا ہے اور جس زور کے ساتھ اُسے قبول کرنے کی سفارش کی ہے اُسے آپ نے دیکھ لیا۔ مگر افسوس ہے کہ ان اعترافات کے بعد بھی حکومت اپنے موقف سے ایک انچ نہ ہٹی۔ اول تو اس نے ایک عرصہ تک رپورٹ کو ہی دبائے رکھا اور ۱۹۲۴ء تک کے آغاز تک بھی اُسے شائع نہ کیا۔ حالانکہ تحقیقات جون ۲۲ء کے اواخر ہی میں ختم ہو چکی تھی لیکن آخر پبلک کے شدید مطالبہ کے بعد مارچ ۲۴ء میں اُسے شائع کیا بھی گیا تو اس کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی حتیٰ کہ کوئی ایسا اظہار رائے بھی نہیں کیا گیا جس سے کم از کم یہی معلوم ہو جاتا کہ آیا وہ کسی وقت میں اصلاحات نافذ کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہے یا نہیں۔

حکومت کی اس سرد مہری نے اہل سرحد کے جذبۂ طلب میں ایک نئی حرکت پیدا کر دی اور ۲۵ نومبر ۲۵ء کو ایک نمائندہ وفد نے چیف کمشنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اجرائے اصلاحات کے لئے ایک باضابطہ اور متفقہ مطالبہ پیش کیا۔ اس کے بعد صوبہ میں جگہ جگہ جلسے ہونے شروع ہو گئے اور بڑھتے بڑھتے یہ مسئلہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک متفقہ قومی مسئلہ بن گیا۔ تا آنکہ فروری ۱۹۲۶ء میں مدراس کے سید مرتضیٰ بہادر نے اسمبلی میں اس کے متعلق باقاعدہ تجویز پیش کر دی۔ لیکن حکومت کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ جب اس کے پاس کسی جائز مطالبہ سے اعراض کرنے کا کوئی معقول یا نامعقول عذر باقی نہیں رہتا تو وہ اس کو ایک فرقہ وارانہ سوال بنا کر مختلف جماعتوں کے اختلاف کا عذر پیش کر دیتی ہے کیونکہ یہی وہ آخری جائے استحکام ہے۔ جہاں وہ اس ملک کی قومی خواہشات کے مقابلہ میں اپنے استبداد کی سب سے زیادہ کامیاب مدافعت کر سکتی ہے چنانچہ سرحدی اصلاحات کے معاملے میں بھی آخر اس کو اسی تفرقہ کے محفوظ قلعہ میں پناہ لینی پڑی اور بدقسمتی سے اس کو ہندوؤں کی ایک کوتاہ اندیش جماعت اس غرض کی تکمیل کے لئے ہاتھ بھی آ گئی اس جماعت نے مسلمانانِ سرحد کی زبان سے اصلاحات کا مطالبہ سنتے ہی نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پنجاب اور صوبہ متحدہ تک میں بھی اسکے خلاف شور مچانا شروع کر دیا اور جگہ جگہ ہندو مہاسبھا کی قیادت میں جلسے کر کے نہایت لجاجت کے ساتھ حکومت سے درخواستیں کرنے لگی کہ سرحدی پٹھانوں کو اصلاحات ہرگز نہ دی جائیں ورنہ وہ ہندوؤں کو کھا جائیں گے بلکہ سرحد پار کے مسلمانوں کو بھارت ورش پر چڑھا لائیں گے پھر جب اسمبلی میں

سید مرتضیٰ بہادر کا ریزولیوشن پیش ہوا تو لالہ لاجپت رائے اور پنڈت مالوی کی رہنمائی میں ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت نے اس کی سخت مخالفت کی اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوراجی جماعت نے بھی جس سے ملک کی بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں اس موقعہ پر حد درجہ افسوسناک ذہنیت کا ثبوت دیا ہندو جماعت اپنے اس غیر معقول طرزِ عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے عذر پیش کرتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تمام مخالفانہ جدوجہد کی تہ میں صرف ایک جذبہ کام کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ سرحد کی مسلمان اکثریت کو وہ بااختیار حکومت کی کرسی پر نہیں دیکھنا چاہتی۔ اگر سرحد میں مسلمانوں کے بجائے ہندوؤں کی اکثریت ہوتی تو آج یہی لوگ اصلاحات کے لئے زمین آسمان سر پر اُٹھا لیتے مگر چونکہ اکثریت مسلمانوں کی ہے اس لئے وہ اس کی مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اپنے ہموطن مسلمانوں کے مقابلہ میں اجنبی انگریزوں کی حمایت پر اُتر آئے ہیں۔

سرحدی اصلاحات کے خلاف اب تک جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سب کا احاطہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اصلی اور بنیادی اعتراض صرف چار ہیں۔ اوّلاً وہ کہتے ہیں کہ سرحد میں ہندوؤں کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر وہاں شوروی حکومت قائم کی گئی جس میں لازماً اکثریت کو فیصلہ کن اختیارات حاصل ہوں گے تو ہندوؤں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ثانیاً ان کا خیال ہے کہ سرحدی پٹھان ماورائے سرحد کے پٹھانوں سے گہرا رابطہ رکھتے ہیں اگر حکومت کی باگیں ان کے ہاتھ میں دیدی گئیں تو خوف ہے کہ وہ کہیں ہندوستان کے دروازوں کو شمالی حملہ آوروں کے لئے نہ کھول دیں۔ ثالثاً سرحد کے باشندے اتنی قابلیت نہیں رکھتے کہ ان میں شوروی نظام حکومت رائج کیا جائے۔ ان میں انتخابی ادارات کے ساتھ اپنے اُوپر آپ حکومت کرنے کی اہلیت نہیں ہے رابعاً یہ بہت چھوٹا صوبہ ہے اگر اس میں اصلاحی حکومت قائم کی گئی تو وہ مصارف برداشت نہ کر سکے گا۔

یہ چاروں اعتراض مختلف طریقوں سے ہیر پھیر کر پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں ہرگز اتنا وزن نہیں ہے کہ اصلاحات کے جائز مطالبہ کے سامنے ٹھہر سکیں۔ امر اوّل کے متعلق میں عرض کروں گا کہ ایک صوبہ کو حکومت خود اختیاری نہ دینے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہاں ایک جماعت قلیل التعداد ہے اور اُسے کثیر التعداد جماعت سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اگر یہ دلیل سیاسی ترقی کے خلاف ایک وزنی دلیل قرار دی جائے تو ایسی ہی وزنی دلیل کے ساتھ ہم مسلمان بھی بجا طور پر یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ بمبئی، بہار، صوبہ متحدہ، صوبہ متوسط، صوبہ مدراس، صوبہ آسام سب سے اصلاحات چھین لی جائیں۔ کیونکہ ان صوبوں میں مسلمانوں کی تقریباً ویسی ہی اقلیت ہے جیسی سرحد میں ہندوؤں کی ہے اور اس مسلم اقلیت کو زیادہ معقول وجوہ کی بنا پر اکثریت سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن ظاہر ہے کہ اقلیت کو اکثریت کے

پاؤں میں بیڑی اور گلے میں طوق پہننے کا کوئی حق نہیں ہے زیادہ سے زیادہ وہ جس چیز کا مطالبہ کر سکتی ہے وہ اپنے قومی حقوق کا تحفظ ہے اور جب اکثریت اس کی ضمانت دینے کے لئے تیار ہو تو محض موہوم خطرات کی بنا پر اصلاحات کی مخالفت کرنا کسی طرح جائز اور معقول نہیں ہے۔ امر دوم کے متعلق میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر سرحدی پٹھان فی الحقیقت بیرونی پٹھانوں کی طرف میلان رکھتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے تو یہ سرحد میں نفاذ اصلاحات کے خلاف کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ایسی حالت میں اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انہیں اصلاحات دے کر مطمئن کر دیا جائے۔ انسان کی فطرت ہے کہ اگر اس کا حق اُس کو دے دیا جائے تو وہ غیروں ہی سے نہیں بلکہ خود اپنے بھائیوں سے بھی اس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر اُسے اُس کے حق سے محروم کر دیا جائے تو قدرتی طور پر وہ اسکو حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائیوں اور دوستوں کی طرف توجہ کرتا ہے پس اگر تم کو بیرونی حملہ آوروں سے کسی حملہ کا اندیشہ ہے تو دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم سرحدیوں کو ہر طرح خوش اور مطمئن رکھو اور ان کے حق سے بھی کچھ زیادہ دو تاکہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھیں اور اس کی حفاظت میں ہر قوت کے سامنے سینہ سپر رہیں۔ تاریخ کا یہ سبق تم کو یاد ہوگا کہ جس زمانہ میں پٹھان اس ملک کے مالک تھے تو انہوں نے افغانی پٹھانوں کے ہر حملہ کا مقابلہ کیا اور شدید کشت وخون کے بغیر کبھی اُن کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیا لیکن جب مرہٹوں کا غلبہ ہونے لگا اور انہیں ملک ہاتھ سے جاتا نظر آیا تو پھر یہی پٹھان تھے جنہوں نے خود احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی اور بڑھ کر استقبال کیا۔

تیسرا اعتراض واقعہ کے اعتبار سے بھی غلط ہے اور اصول کے اعتبار سے بھی۔ حکومت خود اختیاری کے لئے سرحدیوں کی اہلیت کو خود حکومت کی مقرر کردہ مجلس تحقیقات نے صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے جس کے اقتباسات میں اُوپر پیش کر چکا ہوں۔ تعلیم کے اعتبار سے یہ صوبہ اتنا پس ماندہ نہیں کہ حکومت کا نظام چلانے کے لئے کافی آدمی مہیا نہ کر سکے۔ اس وقت یہاں تین کالج قائم ہیں جن میں سب سے زیادہ اسلامیہ کالج پشاور اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کر رہا ہے۔ علوم وفنون کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں سرحدیوں نے کافی ترقی نہ کی ہو۔ انتظامی حیثیت سے بھی یہاں کے باشندے اپنے معاملات کے انصرام کی بہترین قابلیت رکھتے ہیں جس کا ثبوت انہوں نے ہر موقع پر پیش کیا ہے لیکن اگر تعلیم کی کمی اور شوروی ادارات کا تجربہ نہ ہونا سرحدیوں کے مطالبہ اصلاحات کو رد کرنے کے لئے کافی ہو تو پھر ہم کو ہندوستان کے مطالبہ حکومت خود اختیاری کے خلاف حکومت برطانیہ کا یہ عذر بھی بے چون وچرا تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ہندوستانیوں میں ابھی اپنے اُوپر آپ حکومت کرنے کی قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ محض تعلیمی اعداد کو سامنے رکھ کر اور ناتجربہ کاری کو نااہلیت کی دلیل قرار دے کر سرحدیوں کے خلاف ڈگری دینے سے ہمارے ہندو دوست نادانستہ خود اپنے خلاف ایک

خطرناک فیصلہ صادر کر رہے ہیں جس پر شاید وہ کسی حال میں بھی راضی نہ ہوں گے۔ چوتھے اعتراض میں متعدد غلطیاں ہیں سب سے پہلے تو یہی خیال غلط ہے کہ صوبہ سرحد ایک چھوٹا سا صوبہ ہونے کی وجہ سے ایک مستقل ترقی یافتہ حکومت نہیں چلا سکتا۔ بڑودہ کی آبادی ۲۱ لاکھ ہے اور وہ ایک مستقل ترقی یافتہ حکومت کو چلا رہا ہے۔ جے پور کی آبادی ۲۳ لاکھ ہے اور آمدنی ایک کروڑ ہے، جودھپور کی آبادی ۱۸ لاکھ اور آمدنی سوا کروڑ ہے گوالیار کی آبادی ۳۱ لاکھ اور آمدنی ۲ کروڑ ہے، کشمیر کی آبادی ۳۱ لاکھ اور آمدنی ۹۳ لاکھ ہے پٹیالہ تقریباً ۱۵ لاکھ کی آبادی اور ایک کروڑ ۱۵ لاکھ کی آمدنی رکھتا ہے اور یہ سب کے سب اپنی مستقل حکومتیں چلا رہے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ۲۲ لاکھ کی آبادی رکھنے والا صوبہ سرحد جس کی صرف مالگذاری ہی ۵۵ لاکھ ہے ایک ترقی یافتہ حکومت کو نہ چلا سکے حالانکہ اس کی ذمہ داریاں ان خود مختار ریاستوں سے بہت کم ہیں یہ تو ایک حکومت کا محض ایک ماتحت صوبہ ہے جس کو اپنے داخلی اُمور کے سوا اور کسی چیز کا انتظام کرنا نہیں ہے لیکن دنیا میں بعض ایسی آزاد سلطنتیں بھی ہیں جو تقریباً اتنی ہی چھوٹی ہونے کے باوجود اپنے تمام داخلی و خارجی اُمور کا انتظام بہترین ادارات کے ساتھ کرتی ہیں اور پھر اپنے تحفظ کے لئے بحری و بری فوج بھی رکھتی ہیں۔ ناروے کی آبادی ۲۲ لاکھ ۹۱ ہزار ہے۔ البانیا صرف ۱۴ لاکھ کی آبادی رکھتا ہے سوئٹزرلینڈ کی آبادی ۴۰ لاکھ ہے اور یونان جب ترکی سے الگ ایک خود مختار سلطنت بنایا گیا تو صرف ۲۶ لاکھ آبادی رکھتا تھا۔ پھر کیا محض رقبہ اور آبادی کی کمی ان سلطنتوں کو اعلیٰ پیمانہ پر اپنا انتظام بلکہ اپنی مدافعت بھی آپ ہی کرنے میں مانع ہوتی ہے؟

مگر سوال تو یہ ہے کہ اصلاحی حکومت قائم ہونے سے مصارف میں ایسی کون سی عظیم الشان زیادتی ہو جاتی ہے جسے صوبہ سرحد کا خزانہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مجلس تحقیقات سرحد نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر اس صوبہ میں ریفارم اسکیم کے مطابق کونسل قائم کی جائے اور وزراء کے ماتحت جدید محکمے مرتب کئے جائیں تو اس سے مصارف میں صرف ایک لاکھ ۲۰ ہزار کا اضافہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم اتنی زیادہ نہیں ہے کہ صوبہ سرحد کا خزانہ اسے پورا نہ کر سکے اس کے لئے مزید ٹیکس عاید کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ صوبہ کے پولیٹکل فنڈ سے سرحد پار کے خوانین کو جو گراں قدر پنشنیں یا وظائف دیئے جاتے ہیں اور قبائل کو خوش رکھنے کے لئے جو روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے صرف اس کا بار حکومت ہند کے خزانہ پر ڈال دیا جائے تو صوبہ سرحد ریفارم اسکیم ہی کے لئے نہیں بلکہ تعمیری محکموں کی ترقی و رفاہیت کے لئے بھی کافی رقم نکال سکتا ہے یہ اس صوبہ کی کوئی مدد نہیں ہوگی بلکہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا کیونکہ جو دولت تمام مملکتِ ہند کے جنگی تحفظ پر خرچ کی جاتی ہے اسے تنہا صوبہ سرحد سے وصول کرنا کسی طرح حق بجانب نہیں ہو سکتا۔

اس موضوع میں کلام کی بہت گنجائش ہے ایک قوم کا حق حکومت خود اختیاری ایک ایسی چیز ہے

جس کی مخالفت میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی جا سکتی اور موافقت میں دلائل و براہین کے انبار لگائے جا سکتے ہیں۔
مختصر طور پر میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صوبہ سرحد میں اصلاحات کا نفاذ صرف اہل سرحد ہی کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمان اور تمام غیر مسلم منصف بھی اس میں شریک ہیں اور اس کے متعلق ہمارے جذبات اس قدر قوی اور شدید ہیں کہ اگر مسائل ہند کا کوئی ایسا تصفیہ کیا جائے جس میں صوبہ سرحد کے اس حق کو تسلیم نہ کیا گیا ہو تو یقیناً ہم اس کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔

دہلی کی تجویز مفاہمت

برادرانِ ملت! مجھے اجازت دیجیے کہ مختصر طور پر ان مساعی کے متعلق بھی اپنے خیالات عرض کروں جو اس سال کی ابتداء سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے درمیان سیاسی و اجتماعی اور مذہبی اُمور میں مفاہمت پیدا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے مسلمان لیڈروں کی وہ تجویز قابل ذکر ہے جو انہوں نے مسئلہ انتخاب کے متعلق ۲۰ مارچ کو دہلی میں پیش کی تھی اور جسے ۱۷ مئی کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بمبئی میں منظور کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں جداگانہ انتخاب کے متعلق ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک عرصہ سے اختلاف چلا آتا ہے۔ ہندو اس طریق انتخاب کے سخت مخالف ہیں اور مسلمان اس کو اپنے مفاد کے لئے نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ دونوں قوموں کو اپنے اپنے نقطۂ نظر پر اس قدر اصرار ہے کہ یہ مسئلہ ان کے سیاسی اختلافات میں سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ ابتداءً تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ دونوں قوموں کے ارباب فکر ایک دوسرے کو اپنے نقطۂ نظر کی طرف لانے کی کوشش کرتے رہے مگر ان مجادلوں اور مناظروں سے سوائے اس کے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر میں اور زیادہ بُعد بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ یہ اُمید باقی ہی نہیں رہی کہ دونوں میں سے کوئی ایک اپنے نقطۂ نظر سے ہٹ کر دوسرے کے نقطۂ نظر پر آ جائے گا۔ آخر مسلمان لیڈروں نے جن کو صلح پسندی قومی وراثت کے طور پر ملی ہے، دونوں انتہائی نقطوں کے درمیان توسط و اعتدال کی ایک راہ نکالنے کی کوشش کی اور مخلوط انتخاب کے خطرناک طریقہ کو چند ضمانتوں کے ساتھ منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ وہ ضمانتیں یہ ہیں۔ (۱) سندھ کو ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا جائے (۲، ۳) صوبہ سرحد و بلوچستان کو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات دی جائیں (۴) بنگال اور پنجاب میں نمائندگی کا تناسب آبادی کے تناسب کے مطابق ہو (۵) مرکزی مجالس وضع قوانین میں مسلمانوں کی نیابت ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

ان پانچ ضمانتوں کا صاف منشا یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی قوت میں اس قسم کا توازن پیدا کر دیا

جائے کہ مشترکہ انتخاب رائج ہونے کی صورت میں ایک جماعت کی اکثریت دوسری جماعت کی اقلیت کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ کرسکے۔ مشترکہ انتخاب کے طریقہ میں قلیل التعداد جماعت ہمیشہ کثیر التعداد جماعت کے رحم پر ہوتی ہے۔ اگر کثیر التعداد جماعت میں عصبیت موجود ہو اور کوئی ایسا دباؤ بھی نہ ہو جو اس کو اقلیت کے حقوق کا لحاظ رکھنے پر مجبور کرسکے تو اس طریق انتخاب میں وہ عملاً اقلیت کو نمائندگی کے حق سے محروم کردے گی اور اس کے سیاسی حقوق سلب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں میں عصبیت تو موجود ہے اور گذشتہ پانچ چھ سال کے ہولناک مناقشات کو دیکھتے ہوئے کوئی بے وقوف آدمی بھی اس کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا۔ پس یہاں مشترکہ انتخاب رائج کرنے کے لئے دوسری صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اکثریت پر اس قسم کا کوئی دباؤ رکھا جائے جو اگر انصاف پسندی کی بنا پر نہیں تو کم از کم انتقام اور جوابی کارروائی کے خوف ہی سے اقلیت کے حقوق پر تعدی کرنے سے باز رکھے۔ چنانچہ مسلم لیڈروں نے اسی غرض کے لئے یہ دباؤ تجویز کیا ہے کہ ہندوستان کے پانچ صوبوں میں مسلمانوں کو بھی اکثریت کے حقوق دیئے جائیں تاکہ ہندو ملک کے چھ بڑے اور تین چھوٹے صوبوں میں مسلمان اقلیت کے ساتھ وہی سلوک کرنے پر مجبور ہوں جو دو بڑے اور تین چھوٹے صوبوں میں وہ خود اپنی ہم قوم اقلیت کے ساتھ مسلمانوں سے کرنا چاہتے ہیں اس اسکیم کے مطابق ہندوستان عملاً دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک حصہ میں ساڑھے تیرہ کروڑ ہندو حاکم ہوں گے اور پونے دو کروڑ مسلمان محکوم اور دوسرے حصہ میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان حاکم ہوں گے اور پونے تین کروڑ ہندو محکوم ہندوؤں کو اپنے مسلمان محکوموں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ہر وقت اسلامی صوبوں کی ہندو اقلیت کا خیال رکھنا پڑے گا اور مسلمانوں کو بھی اپنے محکوم ہندوؤں سے معاملہ کرنے میں یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ دوسرے صوبوں میں ان کے مسلمان بھائی ہندوؤں کے زیر اثر ہیں ان کے ہر غلط فعل کا ردِ فعل ان قلیل التعداد مسلمانوں کی قسمت پر منعکس ہونے والا ہے۔ اس مجوزہ نظام توازن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی جدید مطالبہ پیش نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہی صورتیں تجویز کی گئی ہیں جن کو اس سے پہلے کبھی نہ کبھی تسلیم کیا جا چکا ہے۔ سندھ کو کانگریس ایک الگ صوبہ قرار دے چکی ہے اور ۱۹۱۴ سال پہلے خود ہندو اس کا مطالبہ کرچکے ہیں۔ صوبہ سرحد پہلے سے ایک مستقل صوبہ ہے اور اس میں اصلاحات کی ترویج کو اس حیثیت سے ہندوؤں نے بھی حق بجانب تسلیم کرلیا ہے کہ گذشتہ فروری کے مباحثہ میں وہ اس کو پنجاب سے ملحق کرنے کے مؤید تھے اسی طرح بنگال اور پنجاب میں بھی تناسب نیابت کو تناسب آبادی پر قائم کرنے کو اصولاً تسلیم کیا جا چکا ہے۔

اس اجتماع کے صدر کی حیثیت سے میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ جن اُمور میں آپ کو غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنا ہے ان پر پہلے ہی سے ایک قطعی رائے ظاہر کردوں لیکن شخصی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر

دہلی کی تجویز مفاہمت کے مطابق سندھ کی علیحدگی، سرحد بلوچستان میں نفاذِ اصلاح اور پنجاب و بنگال میں تناسب آبادی کے لحاظ سے تناسب نیابت قائم کرنے کو مشترکہ انتخاب کے لیے ایک لازمی شرط کے طور پر تسلیم کر لیا جائے اور جداگانہ انتخاب کی تنسیخ سے پہلے ان شرائط کے ایفا کا انتظام ہو جائے نیز ہندو مسلمانوں کے درمیان سیاسی و تمدنی اور مذہبی حقوق کے متعلق ایک اطمینان بخش میثاقِ مفاہمت مرتب ہو جائے تو ایسی صورت میں مشترکہ انتخاب کو تسلیم کر لینے میں مسلمان بھی تامل نہ کریں گے اور جبکہ ایک اہم اختلافی مسئلہ کے حل سے ملک کی سیاسی ترقی کا راستہ صاف ہو سکتا ہے تو مسلمان اس کے لئے اتنا ایثار کر سکیں گے۔

لیکن حضرات! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس صلح پسندانہ تجویز کا جو جواب ہمارے ہندو ہموطنوں کی طرف سے دیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی ہمت افزا نہیں ہے انہوں نے ۲۰ مارچ کی تجویز شائع ہونے کے تیسرے ہی دن ایک جوابی تجویز شائع کی جس میں توازن قوی کے اصول کو قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مشترکہ انتخاب کو بغیر کسی شرط کے منظور کرنے کا مطالبہ کیا اور مسلمانوں کی پیش کردہ شرائط کو آئندہ کے غور و بحث کے لئے ملتوی کر دیا۔ اس کے بعد پٹنہ میں بھی ہندو مہاسبھا کی مجلس عاملہ نے دہلی کی تجویز اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے فیصلہ کے ساتھ کچھ اسی قسم کا سلوک کیا۔ اس طرزِ عمل کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان لیڈر اپنے نقطۂ نظر سے ہٹ کر ایک درمیانی نقطہ پر ہندوؤں سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس طرح ہندو اپنے نقطہ سے ہٹ کر ان سے ملنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ انہیں اپنے نقطہ پر کھینچ لانے یا بصورت دیگر نزاع و اختلاف کو بدستور جاری رکھنے پر اصرار کر رہے ہیں۔

سندھ کی علیحدگی

حضرات! تجویز دہلی کے سلسلہ میں سندھ کی علیحدگی کا مسئلہ خصوصیت کے ساتھ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ تاریخ کے اعتبار سے اس صوبہ کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق ہندوستان کے تمام صوبوں سے زیادہ گہرا ہے کیونکہ اسلام نے سب سے پہلے ہندوستان کی جس سرزمین سے رشتہ جوڑا ہے وہ یہی سندھ کی سرزمین ہے۔ اسی طرح آبادی کے لحاظ سے بھی سندھ ان چند صوبوں میں سے ایک ہے جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے یہاں تقریباً ۷۵ فی صدی مسلمان آباد ہیں اور ان کا مفاد مسلمانان ہند کے مجموعی مفاد کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ نسل، زبان، روایات، جغرافیائی حالات، انتظامی ضروریات غرض ہر حیثیت سے یہ ایک جداگانہ صوبہ ہے اور اس میں مستقل اقطاعی خصوصیات ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے بہت زیادہ پائی جاتی ہیں لیکن بدقسمتی سے انگریزی حکومت نے اس کو صوبہ بمبئی میں مدغم کر رکھا ہے جس کے باعث صرف یہی

بنہ کہ اس کی اسلامی اکثریت بمبئی کی عظیم الشان ہندو اکثریت میں فنا ہو کر رہ گئی ہے بلکہ تعلیمی، انتظامی اور سیاسی حیثیات سے بھی وہ بے توجہی اور سرد مہری کا شکار ہو رہا ہے۔ حکومت بمبئی کی توجہ زیادہ تر مہاراشٹر اور گجرات کی طرف منعطف رہتی ہے اور سندھ اس کے مرکز سے سینکڑوں میل دور ہونے کے باعث اصلاح و ترقی کی سرگرمیوں سے محروم رہتا ہے۔ چند سال ہوئے کہ ان ہی وجوہ کی بنا پر اہل سندھ نے بمبئی سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تھا اور اس وقت مسلمانوں سے زیادہ ہندو سیاسیین اس تحریک میں پیش پیش تھے مگر اب جو مسلمانوں کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے تو حیرت ہے کہ اس سختی کے ساتھ مخالفت کی جاتی ہے اور پٹنہ سے لے کر سکھر تک ایک آواز بلند ہو رہی ہے کہ سندھ کو ہرگز بمبئی سے علیحدہ نہ ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں سے جب اس مخالفت کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو مسئلہ سرحد کی طرح بہت سے سیاسی و اقتصادی عذرات بیان کر دیتے ہیں مگر حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ہمارے یہ ہندو دوست کسی چھوٹے سے چھوٹے صوبہ میں بھی اسلامی اکثریت کو با اختیار دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔

سندھ کی علیحدگی پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اور ایک علیحدہ حکومت کے مصارف برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ یہ اعتراض وارد کرتے وقت آسام کی مثال بھول جاتے ہیں جو رقبہ اور آبادی میں اس سے کم ہونے کے باوجود ایک مستقل حکومت کے مصارف برداشت کر رہا ہے۔ سندھ کا رقبہ ۴۷،۰۶۶ مربع میل ہے اور آسام کا ۵۲۹۵۹، سندھ کی آبادی ۳۲،۹۳۷۷ ہے اور آسام کی آبادی ۷،۶۰۶۲۳۰، مگر اس کے باوجود سندھ کی آمدنی تقریباً ۴ کروڑ ہے اور آسام کی آمدنی صرف ۲ کروڑ ۳۴ لاکھ، پھر جب آسام اپنی حکومت آپ چلا رہا ہے تو سندھ کیونکر نہیں چلا سکتا۔ اس تقابل سے مالیات کے متعلق ان معترضین کے عذر لنگ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ آج جو لوگ سندھ کی علیحدگی کے سب سے زیادہ مخالف ہیں کل وہی اس کی موافقت میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ میں خصوصیت کے ساتھ مسٹر ہرچند رائے وشن داس کا حوالہ دوں گا جو لیجسلیٹو اسمبلی میں سندھ کے غیر مسلم حلقہ کی نمائندگی کر رہے ہیں اور آج کل علیحدگی کی تجویز کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ انہوں نے ۱۹۱۳ء میں کانگریس کے اٹھائیسویں اجلاس منعقدہ کراچی کے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو ذمہ دارانہ خطبہ دیا تھا اس میں اسی مسئلہ کے متعلق یہ خیالات ظاہر فرمائے تھے:

۱۸۴۳ء میں برطانیہ نے سندھ کو فتح کر لیا تو سر چارلس نیپئر کی گورنری میں اس صوبہ کا الگ انتظام ہوتا رہا۔ ۱۸۴۷ء میں ان کے بعد اُسے بمبئی کے صوبے سے ملحق کر دیا گیا جو اب تک ہے گو سندھ کے کمشنر کو

صوبہ بمبئی کے دوسرے کمشنروں کے خلاف لوکل گورنمنٹ کے بہت سے اختیارات حاصل ہیں۔ صوبہ سندھ اس وقت بھی باعتبار جغرافیہ اور باعتبار اپنے باشندوں کے اس قسم کی تمام خصوصیات رکھتا ہے جو اس کے ایک الگ صوبہ بننے کے لئے کافی ہیں۔ صوبہ پنجاب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی ہیں اور وہ اُسے اپنے ساتھ شامل کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ دہلی دربار کے بعد سے اور پُرزور صورت اختیار کر لی ہے لیکن سندھ نے ان تمام مطالبات کی مخالفت کی اور صوبہ بمبئی سے ملحق رہنا پسند کیا، تاوقتیکہ اس کے اچھے دن نہ آجائیں اور وہ الگ ایک صوبہ کے اختیارات کو حاصل نہ کر سکے پھر ۱۹۱۷ء میں ان ہی ہرچند رائے نے اسپیشل سندھ پراونشل کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے مسٹر مانٹیگو [MR. E. S. MONTAGU] اور لارڈ چیمس فورڈ [LORD CHELMSFORD] کو ایک عرضداشت بھیجی تھی جس کے دسویں پیراگراف میں انہوں نے سندھ کی علیحدگی کا اس طرح پُرزور مطالبہ کیا ہے۔

"ہم یہ محضر پیش کرنے والے آپ کے سامنے اپنے اس خیال کو پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کا مفاد ساڑھے تین لاکھ باشندگان سندھ کے لئے جو ستر سال سے ایک ایسی مطلق العنان حکومت کے ماتحت ہیں جو صوبہ سرحد اور بلوچستان کے سوا اور کہیں نہیں ہے، کوئی حقیقت رکھتا ہے تو ضرورت ہے کہ اگر اس صوبہ کو ایک آزاد اور خود مختار صوبہ بنانا اور اُسے ایک مستقل عدالت عالیہ دینا منظور نہیں ہے تو کم از کم اُسے حکومت بمبئی کے براہ راست ماتحت کر دیا جائے اور ان تمام قواعد و ضوابط کو جن کی رو سے کمشنر سندھ کو اختیارات خصوصی حاصل ہیں اس طرح ترمیم کر دیا جائے یا انہیں اس طرح بدل دیا جائے کہ کمشنر سندھ کا درجہ اس صوبہ میں وہی ہو جو صوبہ بمبئی کے دوسرے کمشنروں کا ہے اور جو اختیارات انہیں حاصل ہیں وہ کمشنر سندھ کو بھی ہوں نیز گورنر بمبئی سال کا کچھ حصہ کراچی میں بسر کیا کریں گورنر کی مجلس منتظمہ کے ارکان سندھ میں دورہ کرنے کے لئے اب سے زیادہ وقت نکالیں اور بمبئی کونسل کا کم از کم ایک اجلاس ہر سال کراچی میں ہوا کرے۔"

یہ الفاظ اپنی تشریح آپ کر رہے ہیں اور ہر شخص خوب سمجھ سکتا ہے کہ آج سندھ کی علیحدگی کے خلاف جو آواز بلند کی جا رہی ہے کہ اُس کی تہ میں کون سا جذبہ کارفرما ہے بہرحال میں اس امر کا صاف طور پر اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ اب سندھ کی ۳۲ لاکھ آبادی کے مفاد سے ہم کو ہرگز غفلت نہ کرنی چاہیئے اور بالاتفاق یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ اُسے ایک علیحدہ صوبہ کے ماتحت ترقی کرنے کا موقع دیا جائے۔

ضروریات اسلامیہ حاضرہ

حضرات! یہاں تک تو ان مسائل کا ذکر تھا جو ہندوستان کے مشترک وطنی مفاد کے متعلق تھے اب میں مختصر طور پر ان ضروریات کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں جو خاص اسلامی معاشرت کے بقا و ترقی کی کفیل ہیں اور ان کے انصرام و تکمیل کے بغیر مسلمانوں کے بہت سے کام ناقص اور نظام مضمحل ہے۔

دار القضاء شرعی کا فقدان

اور

مسلمانوں کی مصیبت

سب سے زیادہ اہم مصیبت ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ ہے کہ ہندوستان میں دار القضاء شرعی مفقود ہے۔ مذہبی احکامات و معاملات میں بہت سے اُمور ایسے ہیں جن میں قاضی شرعی کے فیصلہ کی ضرورت ہے اور بغیر اس کے فیصلہ اور حکم کے وہ نافذ بلکہ جائز العمل نہیں ہوتے۔ نکاح، طلاق، خلع، میراث وغیرہ کے بہت سے معاملات ہیں جو ابنارِ زمانہ کی مذہبی تعلیم اور مذہبی تربیت نہ ہونے اور ہوائے نفسانی کے اتباع کی وجہ سے ایسے اُلجھے ہوئے ہیں کہ بدون تنفیذی قوت کے ان کا سلجھاؤ نہیں ہو سکتا۔ علماء و مفتیانِ دین کا کام صرف حکم شرعی ظاہر کر دینا ہے لیکن اس حکم کو جاری کرنے کی کوئی طاقت علماء اور مفتیوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اس لئے تمام ایسے معاملات جن کو قاضی شرعی کی عدالت سے فیصل ہونا چاہیئے تھا غیر مسلم ججوں کی عدالتوں سے فیصل ہوتے ہیں اور شرعی احکام کے موافق وہ فیصلہ نافذ اور جائز العمل نہیں ہوتا اس کے علاوہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں موجودہ قانونِ وقت مسلمانوں کی ضرورت کے لئے ناکافی یا اُن کی ضرورت کے بالکل منافی واقع ہوا ہے اور اس لئے حکومت کی عدالتوں سے ایسے فیصلے ہو جاتے ہیں جو مصالح اسلامیہ کے بالکل خلاف اور احکام مذہبیہ سے متضاد واقع ہوتے ہیں۔

ان تمام وجوہ پر نظر کر کے جمعیۃ علماء ہند کئی سال سے متواتر جمہور مسلمین کو متنبہ کر رہی ہے کہ وہ جلد از جلد اس فریضہ کو ادا کریں کہ اپنے معاملات اور قضایا کے فیصلہ کے لئے شرعی قاضی مقرر کریں اور تمام ایسے معاملات جنہیں قاضی شرعی کے فیصلہ کی ضرورت ہے اس کی عدالت میں رجوع کر کے اس کے شرعی فیصلے پر کاربند ہوا کریں۔

اس میں حکومت وقت کی کوئی مخالفت اور مزاحمت بھی نہیں ہے بلکہ آج بھی صوبہ مدراس میں قاضی شریعت الملت کے لئے منجانب حکومت مقرر ہے اور وہ ان کے نکاح وطلاق وغیرہ کے معاملات میں فیصلے دیتا ہے اور اس کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں ۲ اسی طرح سورت کے علاقہ میں فرقہ اسمٰعیلیہ کے لوگ اپنے تمام مذہبی معاملات اپنے امام کے سامنے پیش کرتے اور اس کے فیصلے پر کاربند ہوتے ہیں اور حکومت وقت کی جانب سے کوئی مزاحمت نہیں کی جاتی۔

پس ہندوستان کے جمہور مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ متفقہ طور پر حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے ایسے معاملات کے لئے دار القضاء قائم کرے اور مسلمانوں کے انتخاب سے قاضی مقرر کئے جائیں اور ان کو فیصلے کا اختیار دیا جائے اور ان کے فیصلے قانوناً واجب النفاذ ہوں اگر مسلمانوں نے متفقہ مطالبہ کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ گورنمنٹ اس مطالبہ کو مسترد کردے۔ دوسرے یوروپین و امریکن سلطنتوں میں بھی اس کی نظیر موجود اور رائج ہے جزائر فلپائن میں حکومت امریکہ کی جانب سے مسلمانوں کے لئے شیخ الاسلام کا عہدہ مقرر اور ایک مسلمان عالم اس پر متعین ہوتا ہے اور مسلمانوں کے تمام مذہبی معاملات کے فیصلے کرتا ہے اور اس کے فیصلے قانوناً نافذ ہوتے ہیں :

لیکن جب تک کہ حکومت اس کو منظور اور نافذ کرے اس وقت تک کے لئے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود اپنے اتفاق اور کثرت رائے سے امیر منتخب کریں ایسے امراء صوبہ وار ہونے چاہئیں اور پھر ان امراء کے اتفاق یا کثرت رائے سے تمام ہندوستان کے لئے ایک امیر اعظم ہو۔ اگرچہ حکومت برطانیہ کے قیام اور تسلط کی وجہ سے ان صوبہ وار امراء اور امیر اعظم کی کوئی سیاسی حیثیت نہ ہوگی مگر مذہبی ضروریات ان کے فیصلوں اور ان کے احکام سے صحیح طور پر واقع اور نافذ ہو سکیں گے اور مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی فرض (منصب امارت) ادا ہوجائے گا اور ان کی تمام مصیبتوں کا حل نکل آئے گا جن میں وہ آج کل مبتلا ہیں اور ان میں سے سب سے بڑی مصیبت یہے۔

مسلمان عورتوں کی بے کسی اور فتنہ ارتداد

آج اگر اعداد و شمار سے کام لیا جائے اور نظر تدقیق و تفتیش سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں ایسی عورتوں کی تعداد جو اپنے خاوندوں کے جور و ستم کی تختہ مشق بنی ہوئی ہیں یا خاوندوں کے مفقود اور لاپتہ ہوجانے کی وجہ سے نان شبینہ کو محتاج ہیں یا ظالم خاوندوں نے ان کو معلقہ بنا کر چھوڑ رکھا ہے لاکھوں تک پہنچتی ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ میں ہر مرض کی دوا اور ہر ظلم و ستم کا علاج موجود ہے وہ تمام انسانی ضروریات کے لئے کافی اور ہر مصیبت کا دفعیہ بتاتی ہے مگر افسوس کہ انگریزی حکومت میں جو محمڈن لا یعنی قانون شرع محمدی زیر عمل ہے وہ اس قدر ناقص ہے کہ اس کو قانون شرع محمدی کہنا ہی شریعت اسلامیہ کی توہین کے برابر ہے کیونکہ اس

کے نقصان کو دیکھ کر ایک ناواقف شخص شریعت محمدیہ کے متعلق قصور و نقصان کا عقیدہ جما سکتا ہے۔

ایسی مظلوم عورتیں جب کہ کسی طرح اپنے خاوندوں کے جور و ستم سے خلاصی حاصل نہیں کر سکتیں تو وہ بے بسی اور بے کسی کے عالم میں بدحواس ہو کر ارتداد کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں اس قسم کے دل خراش اور ناگفتہ بہ کتنے ہی کیس ہو چکے ہیں جو مسلمانوں کی بدقسمتی میں ایسا اضافہ کرتے ہیں جس کا جبر ناممکن ہے ایک مسلمان کا مرتد ہو جانا بھی مسلمانوں کے لئے مصیبت کبریٰ ہے پھر بالخصوص عورتوں کا ارتداد۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ نہایت سخت مہلکہ ہے۔

خدا نہ کرے کہ عورتوں میں اس قسم کی تحریک سرایت کرے کیونکہ ان کی مذہبی ناواقفیت اور فطری کم عقلی خدا جانے کیا رنگ لائے گی اور مسلم قومیت کو کس قدر تباہی اور بربادی کے قریب کر دے گی۔ دردمند مسلمانوں کا اس وقت سب سے بڑا فریضہ ہے کہ وہ ان بے کس اور بے بس مظلوم عورتوں کی گلو خلاصی کا پہلی فرصت میں سامان کریں اور اس کی ایک ہی سبیل ہے کہ محکمۂ قضاء قائم کرانے کی کوشش کریں اور محکمۂ قضا ان بیچاریوں کی مصیبت کا علاج کرے اور جب تک کہ حکومت اس سکیم کو منظور کرے خود امیر کا انتخاب کر کے اس سے فیصلہ کرائیں یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا منتخب کیا ہوا امیر بھی اس مصیبت کا علاج ہو سکتا ہے یا نہیں کیونکہ اس کو زوج کے نفقہ نہ دینے اور معلقہ بنا دینے یا مفقود ہونے کی صورت میں حکم فسخ کا اختیار نہیں ہوگا اور اس صورت میں یہ مصیبت سالہا سال باقی رہے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

منتخب امیر یا قاضی کے اختیارات

راہ میں اگرچہ ائمہ کا اختلاف ہے مگر ہندوستان کی موجودہ حالت اور دار السلام اور دار الامان اور دار الحرب کے احکام کا اختلاف اور حکومت اجنبیہ غیر مسلمہ کے تسلط کی مجبوری، ان تمام باتوں پر نظر رکھتے ہوئے علمائے امت اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں کیونکہ کوئی چیز شریعت میں لاینحل نہیں چھوڑی گئی ہے۔

میں اشارتاً چند باتیں ذکر کر دیتا ہوں جن سے اس مسئلہ کے حل کی سبیل سمجھ میں آ جائے گی۔ حنفیہ نے بحالت ضرورت اور حاجت کے وقت حضرت امام شافعی اور امام مالک کے اقوال پر بعض مسائل میں فتویٰ دیا ہے۔ ہندوستان کے علماء کو باہمی اتفاق اور اجتماع آراء کے ساتھ ایسی صورتوں پر غور و بحث کر کے راہِ عمل متعین کر لینا ضروری ہے یہ نہ ہو کہ ایک عالم زوجہ مفقود میں حضرت امام مالک رحؒ کے مذہب پر حکم کرے تو دوسرا سادات احناف کے مسلک کو آڑ بنا کر اس کی مخالفت کے درپے ہو جائے ایسے وقتی فروعی مسائل کا ایک دفعہ پورا فیصلہ کر دینا چاہیئے۔ مثلاً حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک شوہر کی تنگدستی

اور نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی کو تفریق کا اختیار ہے جبکہ زوجین میں نا اتفاقی ہو اور نباہ کی کوئی صورت نہ ہو سکتی ہو تو زوجین کی جانب سے ایک ایک حکم مقرر کرنے کا قرآن پاک میں حکم موجود ہے:۔

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما۔

اگر تم کو زوجین میں نا اتفاقی کا خوف ہو تو زوج کی جانب سے ایک ثالث اور زوجہ کی جانب سے ایک ثالث مقرر کر دو اگر فریقین اصلاح کرنی چاہتے ہوں اللہ تعالیٰ ان کو اس کی توفیق عطا کرے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قال الشیخ ابو عمر بن عبد البر اجمع العلماء علی ان الحکمین اذا اختلف قولهما فلا عبرۃ بقول الاخر واجمعوا علی ان قولهما نافذ فی الجمع وان لم یوکلهما الزوجان واختلفوا هل ینفذ قولهما فی التفرقۃ ثم حکی عن الجمهور انه ینفذ قولهما فیها ایضاً من غیر توکیل۔

یعنی شیخ ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر دونوں پنچوں میں اختلاف رائے ہو جائے تو پھر دونوں کا فیصلہ غیر معتبر ہے اور اس پر بھی متفق ہیں کہ اگر دونوں پنچ زوجین میں ملاپ کا فیصلہ کریں تو یہ فیصلہ نافذ ہوگا۔ اگرچہ زوجین نے ان کو اس کا وکیل نہ بنایا ہو۔ البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر دونوں مل کر تفریق کا فیصلہ کریں تو نافذ ہوگا یا نہیں تو انہوں نے جمہور کا اتفاق اس پر بھی نقل کیا کہ نافذ ہو جائے گا اگرچہ ان کو اس پر وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

مگر اس قول میں جمہور کے لفظ سے ائمہ اربعہ کے تین امام باہر ہیں یعنی ان کا یہ قول نہیں ہے صرف امام مالک اس کے قائل ہیں بہر حال علماء کو تمام گرد و پیش کے حالات کو مد نظر رکھ کر فتویٰ دینا لازم ہے۔

دیکھئے اگرچہ ہمارے فقہائے احناف رحمہم اللہ کا یہ اصول ہے کہ یتیموں کے مال کی نگرانی اور تولیت صرف وصی یا قاضی کر سکتا ہے مگر باوجود اس کے مفتیانِ حقیقت شناس نے ضرورت کے مواقع میں اس اصول سے تنزل کر کے فتویٰ دیدیا ہے:۔

وانما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی ماله ای مال الصغیر فانه یجوز لواحد من اهل السکۃ ان یتصرف فیه ضرورۃ

تصرف کو وصی کے متعلق اس لئے منحصر نہیں کیا تاکہ وصی کے علاوہ دوسروں کے تصرف کا جواز معلوم ہو جائے جیسے کہ اگر کبھی یہ خوف ہو کہ قاضی یتیم کا مال ضائع کر دے گا تو محلہ والوں میں سے کسی خیر خواہ یتیم کو جائز ہے کہ

استحساناً وعلیہ الفتوےٰ۔ قہستانی (ردالمختار من باب الوصی)

وہ یتیم کے مال میں اس کی بھلائی کے لئے تصرف کرے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسی ضرورت پیش آجاتی ہے اور استحساناً اس پر فتویٰ بھی دیدیا گیا ہے۔

مسلمان جبکہ باہمی اتفاق سے اپنے امیر اور قاضی منتخب کرلیں گے تو ان پر ان کے احکام اور فیصلوں کا تسلیم کرنا بھی لازم ہوگا اور ان امیروں اور قاضیوں کو فیصلے دینے کا شرعی حق ہوجائے گا اور اس طرح مسلمانوں کے شرعی معاملات قضاءِ شرعی کے ماتحت انجام پذیر ہوتے رہیں گے۔

جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے گذشتہ اجلاسوں میں بھی اس مسئلہ پر متعدد مرتبہ زور دیا ہے اور اس نے دارالامارۃ اور دارالقضاء کے اصول و قواعد بنانے کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر کرکے مسودے بھی تیار کرائے ہیں لیکن چونکہ امیر کا انتخاب جمہور مسلمین کے اتفاق سے ہی ہوسکتا ہے اس لئے آج تک بوجہ خوف افتراق اس کے عمل پر اقدام نہیں کیا گیا۔ ہندوستانی صوبوں میں سے صوبہ بہار قابلِ مبارکباد ہے کہ اس نے امارتِ شرعیہ کا ایک نظام قائم کر رکھا ہے اور اس کے ماتحت بہت سے عظیم قومی اور مذہبی کام انجام پاتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی اس فرض کو ادا کریں تو پھر ان کی اجتماعی قوت سے صوبہ کی مقامی حیثیت بھی بہت قوی ہوجائے گی اور تمام ہندوستان میں ایک منظم محکمہ شرعیہ قائم ہوجائے گا اور اس حالت میں گورنمنٹ سے تنفیذی اختیارات حاصل کرلینا بھی آسان ہوگا۔

فریضۂ تبلیغ

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقاء دین متین کسی طرح متصور نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے اپنی اُمّت کو ہر حرکت وسکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے اس کو دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادیٔ برحق نے اپنی اُمت کے لئے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو۔ آپ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگ اُٹھنے پر اور صبح و شام اور گھر میں داخل ہوتے

اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلا میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازار میں جانے کے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اُس سے اُترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اُن اوقات میں جو انسان پر گذرتے ہیں، خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت لو اور اپنی ہر حالت نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امر وسیع کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بیکار رہتا ہے ؎

راہ تو بہر روش کہ پویند نکوست

ذکر تو بہر زباں کہ گویند خوش است

اَب آپ ہی فرمایئے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے کیا مسئلہ تثلیث کی جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت کو خود بھی نہیں سمجھ سکے -

؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایانِ فرنگ نے جو بالطبع نفع عاجل اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہش مند ہیں جب یہ دیکھا کہ بغیر داموں مفت تین خدا ملتے ہیں تو ان کو اس خریداری میں کوئی تامل نہ ہوا اور بغیر کسی پس و پیش کے بمصداق داشتہ آید بکار، اس کے خریدار بن گئے ورنہ انہوں نے جو تفنن طبع اور جولانی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اُس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا اور بے مغز اور غیر واقعی باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا

؎ شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

اور اگر کسی نے کتاب (العقائد الوثنیہ فی الدیانۃ النصرانیہ) کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول وثنیوں اور بُت پرستوں سے مستفاد ہیں بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امر بداہت کے درجہ میں ثابت ہے۔

اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بہت زمانے بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسبِ تحقیق آج تک اُن کے مولفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے اور کیا ان سے مذہب و ملّت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں جن میں بجز اس کے تم اور کچھ نہ پاؤ گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح گذرے اور فلاں گروہ کے درمیان اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے در پے اس طرح ہوئی اور اُس طرح کیا۔ ان چناں اور چنیں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے یا اس کو کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے!!

نیز اگر آپ اُن کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات طیبات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود کہہ اُٹھیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الٰہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہیئے قطعاً موجود نہیں ہے اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوت سے نکلے ہوئے نہیں اور ان کے مطالعہ سے بجز کوہ کندن و کاہ برآوردن کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

نصاریٰ کے مذہب کا تو یہ حال ہے۔ باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے اور اُس کو مذہب و ملت سے تو کجا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا، بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق و تدقیق سے کام لیں اور ہستی باری تعالےٰ کا وجود بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے کہ ہستی باری پر تو اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی ہے تو وہ یہی ہے کہ یہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے غیر کے ہاتھوں قائم ہوتا ہے اور جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج ہو تو اس کے لئے یقیناً اسی قیوم کی ضرورت ہے جو قدیم بالذات ہو اور دوسرے کا محتاج نہ ہو اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دینگے۔

ممکن ہے کہ اس موقعہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں اور ضرورتِ نظامِ عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود ہو جو قدیم بالذات کے ساتھ تمام صفات میں کامل ہو تاکہ وہ ان سے کام لے۔

تو یہ خدشہ کم علمی اور نقصان فہم پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا کہ جو شے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی ہو کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کوئی شے وجود میں جو کہ صفات میں سب سے اعلیٰ اور اعظم صفت ہے تو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ خود ہی اپنی ذات سے موجود ہو تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دوسری صفات میں ناقص رہ جائے اور ان میں کامل نہ ہو سکے اور کسی دوسری قدیم بالذات کی محتاج رہے۔ کیا دنیا کی کوئی شے بھی اپنے کو بحالت خود مختاری ناقص رکھنا گوارا کر سکتی ہے اور اگر وہ ان طبقات کے ناقص رکھنے میں مجبور ہے تو سب سے اعلےٰ و اکمل صفت وجود میں وہ کس طرح دوسرے کی احتیاج سے مستغنی ہو گی۔ واقعہ یہ ہے کہ روح و مادہ کو ان کی صفات میں ناقص مان کر کبھی ان کو قدیم بالذات نہیں مانا جا سکتا اور اگر اُن کو ذات و صفات میں مکمل مانا جائے تو پھر واجب الوجود عز اسمہٗ کے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور اگر یہ کہا جائے کہ قدیم بالذات اور قدیم بالغیر دونوں امکانی قسمیں نہیں تو ضرورت تھی کہ بلحاظ استیفائے اقسام یہ دونوں وقوع پذیر ہوں اس لئے دونوں احتمال کو مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا اس استیفاء کو مفید ہو گا تو یہ نہ کوئی

دلیل ہے نہ برہان، بلکہ ایک دل خوش کن خطابتہ ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ احتمالاتِ ممکنہ سب متحقق ہی ہوجائیں۔ ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ عالم کی اکثر اشیاء میں تمام احتمالاتِ ممکنہ کا استیفاء اور تحقق نہیں ہوتا تو پھر عالمِ غیب کی باتوں پر اٹکل کے تیر لگانا کہاں تک درست ہے۔ علاوہ ازیں مادہ میں جو نقائص ہیں کہ تمام اشیاء سے زیادہ ارذل اور بے شعور شمار ہوتا ہے نیز روح پر جو آلام وہموم کے بیش از بیش حوادث گذرتے ہیں جن کو دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ ان کو دیکھتے ہوئے کون عقلمند یہ کہے گا کہ یہ قدیم بالذات ہیں غور تو فرمائیے کہ قدیم بالذات کو ان ذلیل ترین نقائص سے کیا سروکار۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی تمام اشیاء مختلف صورتوں اور نوعیتوں پر قائم ہیں جن کو علمی اصطلاح میں صور نوعیہ کہا جاتا ہے بس اگر ان میں ذراتِ مادہ متشابہ الوجود اور یکساں ہیں تو یہ صورتوں کا اختلاف جو رنگا رنگی عالم میں موجود ہے کس طرح پیدا ہوگیا۔ کیا دنیا میں آپ کوئی نظیر ایسی دکھا سکتے ہیں جو متشابہ الوجود اور یکرنگ ہونے کے باوجود مختلف الوجود اور مختلف الانواع کا موجب ہو۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ صور کا یہ تنوع اور اختلاف بھی قدیم بالذات ہے تو پھر تھوڑی سی سخاوت اور بھی فرمائیے اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ نظامِ عالم اور اس کی ہر شے بھی جو کہ تغیرات وحوادث پذیر ہے قدیم بالذات ہے تاکہ ہستی باری تعالیٰ واجب الوجود کے انکار میں کوئی شے حائل نہ ہو اور اس اہم ترین بار سے سبکدوشی حاصل ہوجائے۔ تعالی اللہ عن ذلک۔

البتہ آپ شبہ کرسکتے ہیں کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو پھر عدم سے وجود کیسے بنا لیکن یہ مغالطہ کوئی دشوار اور امر لاینحل نہیں اس لئے ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان وحیوان کو دیکھئے کہ وہ کبھی حرکت کرتے ہیں اور کبھی ساکن رہتے ہیں اور یہ حرکت وسکون ان کا فعل ہے جس میں وہ کسی مادے کے جو کہ ان کی اس حرکت یا سکون کا محل بن سکے محتاج نہیں۔ ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور کبھی نیچے کرلیتا ہے اور کبھی خاموش کھڑا ہوجاتا ہے تو وہ اپنے ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی، پتھر لوہے کا محتاج نہیں ہے کہ جب تک وہ نہ ہوں یہ شخص ان حرکات کو نہ کرسکے۔ ہاں اگر کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جبکہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی۔ ایک بڑھئی دوسری تجارت یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے تیسری لکڑی ہے چوتھی تخت کی وہ صورت وہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے تو بڑھئی اپنے اس فعل وعمل میں جس کو ہم اس موقع پر نجر یا گھڑنے سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے۔ لکڑی ہو یا نہ ہو البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کو تخت بنادے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے اور ظاہر ہے کہ

خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے اور نہ نجار اس کا فاعل ملکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے اس کا مفعول جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔ الحاصل کوئی فاعل ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے معفول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوسکتی ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو بے شک وہ بغیر تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا اس لئے کہ چوتھی چیز سے پہلے تیسری کا ہونا ضروری ہے جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھیں گے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہوگیا تو اب آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ یہ سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اغراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے اور جس طرح انسان اپنی حرکت و سکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا اور چونکہ حق تعالےٰ یعنی فاعلِ حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز، اس لئے وہ تیسری شئے سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شئے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جبکہ ہر مذہب و ملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہ صمدیت حدود زمانہ سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانے کی حدود میں محدود و محصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا حرج ہے کہ اس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ کبھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ ساتھ آیا ہے احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے ؎

آنکس کہ بابداع زماں رفت نہ فہمید | کز عمر حق ایں حصہ بمخلوق بہ بخشید
چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید | بے مرتبہ ذہن کہ یک گفت بتعدید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم مان لیا اس لئے کہ اُس نے تو اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صفت قدم کا حصہ زمانہ کے حوالے کر دیا۔ جب خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اسی کو واحد مانا جائے ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک بتانا، گنتی میں ایک کہنا ہے نہ کہ حقیقت میں اور شمار میں تو ہر چیز دوسری چیز کے مقابلہ میں اوّل کہلائی جاسکتی ہے قدم تو صفاتِ کمالیہ میں سب سے اُونچی اور اعلیٰ صفت ہے اس میں کسی کو شریک ماننا عقل و انصاف دونوں سے بعید ہے اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو ہم قدیم نہ مانیں تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہونا لازم آتا ہے تو یہ بھی سوءِ فہم اور عقل کی نارسائی ہے وہ اس وقت صفات بانیہ کے وحدت مطلقہ کا ظہور حقِ تعالےٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے۔ عدم تعطل کے لئے یہی ضروری نہیں کہ تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

علمائے محققین نے اس ربط حادث یا قدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔

چنانچہ عارف جامی جو صوفیائے وجودیہ میں سے بہت جلیل القدر مرتبہ پر ہیں فرماتے ہیں ؎

مجموعۂ کون را بقانون سبق   کردیم تصفح ورقاً بعد ورق
حقا کہ ندیدیم ونخواندیم درو   جز ذاتِ حق و شئون ذاتیہ حق

ہم نے کائناتِ عالم کی کتاب کو ایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح پڑھا، سچ تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور کل یوم ھو فی شان کے مظاہر کے سوائے نہ کچھ اس میں دیکھا اور نہ پڑھا۔

اور شیخ مجدد سرہندی کہ صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں ؎

در عرصہ کائنات با دقت فہم   بسیار گذشتیم بسرعت چون سہم
گشتیم ہمہ چشم وندیدیم درو   جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

میدان کائنات میں ہم عقل و فہم اور وقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گزرے کہ سرتاپا چشم حقیقت بن گئے لیکن بجز صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہو سکی۔ اس خاکسار نے بھی اپنی ہیچ مدانی کے باوجود بقدر ہمت اسپر کچھ لکھا ہے۔

مجموعہ کون بود در کتم عدم، از حرف کُن آورد باین دیر قدم ⁂ فعلے ست کہ بے مادہ قدرت او کرد، کز ضرب وجودی بعدم نیست قدم۔ یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردہ عدم میں تھا۔ اس کے بعد کن کے اشارے سے یہ وجود موجود ہوا۔ یہ خدائے قدوس کا فعل ہے جو اس کے دستِ قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے، اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہو سکتا بلکہ حادث ہی نکلے گا۔ یا یوں کہیے کہ جب عدم ذاتی ممکن کو وجودِ واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی اوّل کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جن مذاہب دخیل کا یہ حال ہو کہ نہ ان میں توحید کا پتہ ہے اور نہ ان کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہو سکتا ہے تو پھر وہ کیا تبلیغ حق اور پیغام الٰہی پہنچا سکتے ہیں یہ حق اگر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو ہے۔

خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کر دیں۔

حضرات! حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اولین خدمت علمائے کرام کا حق ہے اور یہ کام ان ہی کے سپرد ہونا چاہیئے تھا اور قوم کا فرض یہ تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور اس عظیم الشان مقصد کے لئے دامے یا درمے

باقدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور ہر جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اصولِ تبلیغ

حضرات جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ پیغام دینِ متین اور نشرو ابلاغ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ اور خلوص نیت اور فراخ حوصلگی اور حسنِ مقال اور راست بازی شیریں کلامی، وسعتِ نظر، ایثار، جاں فشانی کے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے دل میں حرص و طمع غرض نفسانی ریاکاری شوق حصول دنیا نہ آنے پائے۔ ورنہ جو شخص ان اُمور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کلام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الحاصل مبلغ کو چاہیئے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کاربند ہو اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں میں دُوغ بافی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ وقیع نہ ہوگی، خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے:۔

وما اریدان اخالفکم الی ما انھاکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں خود کرنے لگوں میرا ارادہ تو سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں جہاں تک میرے امکان میں ہوگا اصلاح کرونگا اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم

کیا تم لوگوں کی بھلائی کا حکم کرتے اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:۔

یاایھا الذین امنو لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا

ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں خدا کے نزدیک بڑے غصہ کی بات ہے کہ جو باتیں کرتے

مالا تفعلون نہیں وہ کہو۔

تربیت نو مسلمین

نیز یہ بات بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جب نو مسلموں کے تعلقات اپنی قوم سے منقطع ہو جاتے ہیں اور اہل اسلام کی طرف سے کوئی پرسش نہیں ہوتی تو وہ بسا اوقات اپنے پرانے مذہب اور اپنی قوم کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اگر مسلمان تھوڑی سی توجہ ادھر فرمائیں اور جس طرح یتیم بچوں کے لئے یتیم خانے قائم کرتے ہیں اسی طرح نو مسلموں کے لئے بھی کسی جائے قیام کا انتظام کر دیں اور نو مسلم خانے بنا دیں تو اس وقت یہ بات روشن ہو جائے گی کہ دین متین اور ملت حقہ کی قوت کیا ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ بعض لوگ اپنے مال کی حفاظت کے لئے بنک میں روپیہ جمع کر دیتے ہیں اور دینداری کے سبب اس کا سود نہیں لیتے اور بنک اس روپے پر جو سود لگاتا ہے وہ سب کا سب تبلیغ نصرانیت میں خرچ ہوتا ہے اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ وہ سود نہ لیا جائے۔ کیونکہ مسئلہ لا ربوٰ بین المسلم والحربي في دار الحرب مختلف فیہ ہے اور اکثر ائمہ اس کے قائل بھی نہیں ہیں لیکن بقاعدہ من ابتلی ببلیتین یختار اھونھما جو شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے تو ہلکی کو اختیار کر لیتا ہے۔

ضروری ہے کہ اپنی رقم کا سود وصول کر کے نو مسلم خانوں میں دے دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فارس پر روم کے غالب آنے کے متعلق جو شرط کفار سے باندھی تھی جب وہ شرط پوری ہو گئی اور یوم بدر میں رومی فارس پر غالب آ گئے تو ابی بن خلف سے حضرت صدیق اکبر رضؓ نے شرط میں ٹھہرائے ہوئے اونٹ لے لئے لیکن چونکہ یہ مال طیب نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدقہ کرنے کا حکم فرما دیا۔

اگر لوگ اپنے طیب مال سے اس مصرف میں کچھ خرچ کریں تو فی زمانہ خدا کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا اور کون سا ذخیرۂ آخرت اس سے بہتر ہوگا اور کیا چیز اس سے زیادہ خدا اور رسول کی خوشنودی کا موجب ہوگی۔

اصلاح رسوم مہلکہ

اس کے بعد میں آپ حضرات کا تھوڑا سا وقت اور لینا چاہتا ہوں تاکہ رسوم قبیحہ مہلکہ کی اصلاح کے متعلق کچھ عرض کر سکوں۔ مسلمانوں میں بہت سی ایسی رسمیں رواج پا گئی ہیں جو ان کی مذہبی اور معاشرتی حالت کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہیں اور افسوس کہ وہ اس تباہی اور بربادی کا احساس بھی نہیں رکھتے۔ ایسی مہلک اور تباہ کن رسمیں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بہ تبدیل ہیئت تھوڑے تھوڑے فرق سے پھیلی ہوئی ہیں اور ہر جگہ

کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے مٹانے میں پوری متعدی اور سرگرمی سے کام لیں اور خدا و رسول کے احکام کے آگے اپنے آبائی رسم ورواج کو نہ پکڑیں بعض رسمیں تو کھلم کھلا احکام شرعیہ سے بغاوت کے برابر ہیں مثلاً:۔

عورتوں کو میراث سے محروم کرنا

یہ اتنا بڑا ظلم اور گناہ ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے اور غضب یہ ہندوستان کے بعض حصوں میں مسلمانوں نے اس کو بطور قانون اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل دینِ الٰہی سے مقابلہ کرنا اور خدا و رسول سے جنگ کرنا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ رسم اسلامی عمل اور اسلامی روایت اور مسلمانوں کے قومی توارث اور تواتر کے خلاف ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ رسم ہندوؤں کی رسوم میں سے داخل ہوگئی ہے اور زمانہ جاہلیت کی طرف رجعت قہقری ہے۔ حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ والدین اپنی لڑکیوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے لیکن اسلام نے اپنے دور میں اس ظالمانہ رسم کو مٹا کر میراث و فرائض کا قانون پیش کیا۔ قرآنِ پاک میں حق تعالےٰ نے اس کے لئے صریح آیات نازل فرمائیں۔ علماء اسلام نے اس علم کا ایسا اہتمام کیا کہ فن میراث و فرائض ایک مستقل فن بن گیا۔ کتاب الفاروق بین المخلوق والخالق میں جو رد نصرانیت میں نہایت گرانقدر تصنیف ہے، لکھا ہے کہ بعض اوقات یورپ کے لوگوں نے میراث کے متعلق ایشیائی مسلمان علماء سے فتوے دریافت کیے اور شریعت اسلامیہ کے قانون و فرائض کے موافق اپنے یہاں عمل کیا۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ جس چیز میں عقلاً" یورپ نے اسلام کی طرف رجوع کیا اور اس سے مدد لی اور اس کے موافق عمل کیا ہو اسی میں مسلمان دور جاہلیت کی طرف رجعت قہقری کریں اور ہندوستان کی بت پرست قوموں کے قانون رواج کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

پھر جائے غور ہے کہ آخر لڑکیاں بھی تو انہیں ماں باپ کی اولاد اور انہیں کے اجزا ہیں۔ اُن کے ساتھ یہ تنگدلی کا برتاؤ کس طرح جائز رکھا جاتا ہے:۔

عن جابر قال جاءت امرأة سعد بن الربیع الی رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم فقالت یارسول اللّٰہ ھاتان ابنتا سعد الربیع قتل ابوھما معک یوم احد شھیدا وان عمھما اخذ مالھما فلم یدع لھما مالاً ولاتنکحان الاولھما مال قال فقال یقضی اللّٰہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ دونوں لڑکیاں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں ان کا باپ آپ کے ساتھ جنگ اُحد میں شہید ہو گیا اور ان کے چچا نے اپنے بھائی کا تمام ترکہ لے لیا۔ ان لڑکیوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور

فی ذلك فنزلت اٰیۃ المیراث فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عمهما فقال اعط ابنتی سعد الثلثین واعط امهما الثمن وما بقی فهولك

رواہ احمدؒ وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والحاکم فی مستدرک وصححہ واقرہ الذہبی۔

بغیر مال کے تو اُن کا نکاح بیاہ بھی نہیں ہو سکتا۔ حضور نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ اس کے بارے میں کوئی حکم نازل فرما دے گا۔ پھر آیت میراث نازل ہوئی تو حضور نے سعد کے بھائی کو بلایا اور فرمایا کہ سعد کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو اور دو تہائی دونوں لڑکیوں کو دیدو اور باقی ۵/۲۴ تم لے لو۔

اس رسم کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ جو لوگ مسئلہ شرعیہ کو جانتے ہوئے عدالتوں میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم شریعت کے مقابلہ میں اپنے رواج کو مانتے ہیں۔ ان کے ایمان کے باقی رہنے میں بھی خطرہ ہے کیونکہ اس میں ایک صریح قرآنی حکم کا انکار لازم آتا ہے اور انتہائی ظلم اور سنگ دلی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

پس علماء کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کی تبلیغ اور نشر واشاعت میں تمام امکانی کوشش صرف کر دیں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس قبیح رسم کو جلد از جلد مٹانے میں سرگرم عمل ہو جائیں اور عورتوں کے حقوق غصب کر کے اپنے لئے نارِ جہنم نہ خریدیں۔

تحفظ جائداد کا عذر ایسا لغو اور بیہودہ ہے کہ اس کے متعلق خامہ فرسائی کرنا عبث ہے اول تو حطام دنیا کی بمقابلہ احکام خدا اور رسول حقیقت ہی کیا ہے۔ دوسرے لڑکیوں کے حقوق غصب کرنے والوں نے کونسا قیامت تک تحفظ جائداد کا پٹہ لکھوا لیا ہے۔ ان کے لڑکے جائدادوں کو ایسا تباہ اور برباد کر دیتے ہیں کہ نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح ایک دوسری ظالمانہ رسم ہے۔

لڑکیوں کی شادیوں پر روپیہ لینے کی رسم

یہ رسم تو احکام شرعیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ شرافت و انسانیت کے بھی خلاف ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے موجب عار و ننگ ہے کس قدر غضب اور ظلم کی بات ہے کہ جوان لڑکیوں کو اس لئے رکھتے ہیں کہ جب تک اس ون کے اُوپر ایک معتدبہ رقم نہ لے لیں نکاح نہ کریں۔ مظلوم لڑکیوں کا بہترین زمانہ بسا اوقات ان کے اولیاء کے حرص و طمع و سنگدلی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور وہ بے زبان بے بس پڑی رہتی ہیں۔

ان ظالموں کو نہ شریعت کا پاس ہوتا ہے نہ اپنی شرافت اور عزت کا۔ ایک طرف تو ان کو میراث سے محروم کرتے ہیں گویا یہ ان کی اولاد ہی نہیں ہیں۔ دوسری طرف جب تک ان پر پوری رقم نہ لے لیں نکاح نہیں کرتے

گویا یہ ان کی لونڈیاں ہیں۔ اگرچہ اس حرکت کو قانونی طور پر بردہ فروشی نہ قرار دے دیا جائے مگر اس کا طرزِ عمل اخلاقاً بردہ فروشی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر جو آزاد شخص پر قیمت وصول کریں جو لعنت فرمائی ہے اس لعنت میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ان لوگوں کو ضرور پہنچتا ہے جو یہ عمل کرتے ہیں۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے:۔

اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة۔

یعنی اگر عورت کے اولیاء شوہر سے کچھ مال رخصتی کے وقت لے لیں تو اس کو اس کی واپسی کا حق ہے کیونکہ یہ لیا ہوا مال رشوت ہے۔

مسلمانوں کی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شوہر میں صرف دیانت کا لحاظ رکھیں اور شرافت کا تقاضا یہ تھا کہ شرافت تلاش کرتے اور انسانیت کا تقاضا یہ تھا کہ وصف مروت اور اخلاقِ حسنہ کی جستجو ہوتی، مگر افسوس کہ دیانت و شرافت و انسانیت سب کو بالائے طاق رکھ کر روپیہ وصول کرنے کا لحاظ کیا جاتا ہے اور لڑکیوں کو سامانِ تجارت بنا لیا ہے لڑکیوں پر روپیہ لینے کے رواج نے ایک طرف تو لڑکی والوں کی دیانت و شرافت و انسانیت کو تباہ کیا، دوسری طرف لڑکوں میں ایک زبردست رکاوٹ کر دی۔ وہ بیچارے جب تک کافی رقم جمع نہ کر لیں اس وقت تک بیوی نہیں مل سکتی۔ خیال کیجئے کہ اس رسم بد کے نتائج کس قدر خطرناک ہیں۔

اس لئے زعمائے قوم کا اولین فرض ہے کہ اس رسم بد کے استیصال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور اسلامی سادگی اور شرعی طریقہ ازدواج کو اپنا دستور العمل بنا کر دین و دنیا کی سرخروئی حاصل کریں۔

شادی اور غمی کی قبیح رسمیں

بزرگانِ محترم! ہماری بدقسمتی کی داستان بہت طویل ہے ہم نے خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی شادیوں کو اپنے لئے پھانسی کا پھندا بنا رکھا ہے اور غمی کی طبعی اور وقتی مصیبت کو اس سے زیادہ خطرناک اختیاری اور دائمی مصیبتوں سے گھیر رکھا ہے۔

شادیوں میں اسراف اور تبذیر کی کوئی حد و انتہا نہیں رکھی اور محض شہرت و نمود، گھمنڈ اور غرور یا عیش و طرب کے لئے ہزاروں روپے برباد کر کے بحکم قرآن کریم اخوان الشیاطین کی فہرست میں شامل ہوتے ہیں اور گھر پھونک کر تماشہ دیکھنے کی مثل صادق ہو جاتی ہے۔

برادری میں ناک کٹ جانے کے ڈر سے بڑی بڑی شاندار دعوتیں دی جاتی ہیں لڑکیوں کے جہیز میں

حد طاقت سے زیادہ ایسا سامان دیا جاتا ہے جس کا اکثری حصہ اس غریب کے کام کبھی نہیں آتا یا تو رکھے رکھے خراب ہو جاتا ہے یا دوسروں کے زیب تن ہوتا ہے۔

وقت پر تو اس فضول خرچی کا خیال نہیں آتا، یا آتا ہے تو برادری کا رسم و رواج مجبور کرتا ہے مگر بعد میں اس کے نتائج و عواقب وبالِ جان ہو جاتے ہیں۔

میرے سامنے کتنی ہی مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے صاحب جائداد و ثروت اپنے بیٹے کی شادی یا بیٹی کی شادی کر کے نان شبینہ کو بھی محتاج ہو گئے اور ساری عمر تباہی و خلاکت میں گزارنی پڑی۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اپنی نجات کے راستوں کو خود چھوڑ دیا ہے اور ہلاکت کے عمیق گڑھے خود اپنے ہاتھ سے اپنے لئے کھود رہے ہیں۔

حالانکہ قرآن کریم میں ایسے صاف اور کھلے الفاظ میں ان کو بتا دیا گیا تھا کہ :-

وات ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا. ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا۔ واما تعرضن عنہم ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوھا فقل لھم قولا میسورا ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا

قرابت داروں اور مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو، بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے۔

اور اگر تم کسی رحمت کے انتظار میں جس کی خدا کی طرف سے اُمید ہو ان لوگوں سے اعراض کرو تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو اور نہ تو اپنے ہاتھوں کو گردن کی طرف سمیٹ لو اور نہ بالکل دراز کر دو ورنہ تہی دست اور ہدفِ ملامت ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔

بے شک تمہارا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف اور نگراں کار ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین

اے اولادِ آدم ہر مسجد کے پاس تم اپنی زینت کا اظہار کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

غالباً حق تعالیٰ جل شانہ کو مساجد کے علاوہ دوسری جگہ زینت کرنے کا امر اور تصریح فرمانا منظور نہ تھا اگرچہ دوسرے مواقع میں بھی زینت جائز ہے۔ مگر اس کا اتنا اہتمام مد نظر نہیں تھا کہ اس کا ذکر فرمایا جاتا۔ اس لئے اس کو اصل اباحت پر چھوڑ دیا گیا اور عند کل مسجد فرما کر عموم کے مزید اہتمام کو موکد فرما دیا جس سے معلوم ہوا کہ زینت مساجد کے حقوق و آداب میں سے ہے اور نہ فی حد ذاتہ زینت کوئی مامور بہ نہیں ہے۔

الحاصل مجھے تو یہ عرض کرنا تھا کہ رسوم میں انہماک اور تعدی اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ مسلمانوں کی اقتصادی اور مذہبی حالت تباہ و برباد ہوتی جا رہی ہے اور یہ مسلمانوں کی مذہبی و قومی موت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ صوبہ سرحد یا ماورائے سرحد کے بعض مقامات میں یہ رواج ہے کہ کسی گھر میں موت ہو جانے پر تجہیز و تکفین سے پہلے اہلِ میت کو برادری کی دعوت کا سامان کرنا پڑتا ہے اور جب تک یہ دعوت کا سامان اس کے دروازے پر نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک جنازہ اُٹھانے بھی نہیں آتے۔ اہلِ میّت اپنے ننگ و ناموس یا شہرت و نمود کی وجہ سے سودی قرض لے لے کر بڑی بڑی دعوتیں کرتے ہیں اور اس کے بعد عمر بھر مصیبت و تباہی اٹھاتے ہیں یہ صریح طور پر خدا اور رسول کا مقابلہ ہے۔ امام احمدؒ نے اپنے مسند میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضؓ سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں اس قسم کے عمل کو ہم نیاحت میں داخل سمجھتے تھے۔ جو شرعاً ناجائز اور عمل جاہلیت میں داخل ہے۔

اور یہ مسئلہ کتب فقہ حنفیہ میں صاف و صریح طور پر موجود ہے۔ فتح القدیر اور دوسرے معتبرات کو ملاحظہ فرمائیے۔ علماء ربانیین نے ہمیشہ اس پر انکار فرمایا ہے مگر مسلمانوں کی بدقسمتی عمل کرنے کی توفیق نہیں دیتی۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لان الدعوۃ شرعت فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ	اہلِ میّت کا لوگوں کی دعوت کرنا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ دعوت خوشی کے موقعہ پر مشروع ہے نہ غمی میں یہ بدعت قبیحہ ہے۔
روی امام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبداللہ البجلی قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ	امام احمد اور ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ جریر بن عبداللہ صحابی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (یعنی صحابہ کرام) اہلِ میّت کے گھر کھانے کیلئے جمع ہونے اور دعوتیں کرنے کو نیاحتِ ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے۔

اسی طرح شوافع اور حنابلہ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے۔ ہاں میّت کے ایصالِ ثواب کے لئے اخلاص کے ساتھ حدود شرعیہ کے اندر اپنی استطاعت کے موافق صدقہ و خیرات کرنا ہر وقت جائز اور مستحسن ہے اس میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ ہمارا مقصد تو اس اسراف و نمود کو روکنا ہے جو محض نام و نمود

کے لئے ہزاروں روپیہ برباد کر دیا جاتا ہے، اور پیسہ نہ ہونے کی صورت میں سودی قرض لے لے کے خرچ کیا جاتا ہے اور دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی مول لی جاتی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے :-

عن عبد اللہ بن سرجس المزنی ان النبی صلعم قال السمت الحسن والتؤدۃ والاقتصاد جزء من اربعۃ وعشرین جزءً من النبوۃ	عبد اللہ بن سرجس مزنی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیک سیرت اور بہ صورت اخلاق اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے۔

الغرض جب تک یہ رسوم مہلکہ قبیحہ ترک نہ کی جائیں گی اور میانہ روی اور کفایت شعاری اختیار نہ کی جائے گی اس وقت تک مسلمانوں کی حالت نہ سنبھلے گی۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

سودی قرض اور مسلمانوں کی بربادی

بزرگانِ محترم، مسلمانوں کی ہلاکت اور ان کی تباہی کے اسباب میں سے ایک ہولناک سبب جس نے کہ عالم اسلامی کو زیر و زبر کر دیا اور مسلم قومیت کی جڑوں کو کھوکھلا بنا دیا اور ان کی کمرِ ہمت کو توڑ دیا اور آخر کار نرم بستر سے اُتار کر گرم خاکستر پر بٹھا دیا اور گھروں کو بلکہ ملکوں کو ویران کر ڈالا اور جس نے مسلمانوں کے گھر بار مال و اسباب اور جائدادیں ہنود کے قبضہ میں دیدیں اور ان کو قعرِ ذلت و رسوائی میں گرا دیا اور ہنود کو اوجِ ثروت و رفعت پر پہنچا دیا۔ غرضیکہ دنیا کی تمام مصیبتیں اور آفتیں جس کی بدولت آئیں وہ قرض ہے جو ہندوؤں سے سود دے کر لیا جاتا ہے یہی وہ قرض ہے جو ہم کو بجائے عیش و آرام کے ہلاکت کی طرف لئے جا رہا ہے اور ہماری خودداری و غیرت و حمیت کو فنا کئے ڈالتا ہے۔

حضرات! سود کی مثال مرض جذام جیسی ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی رہتا ہے اور کسی طرح کم نہیں ہوتا اور درحقیقت یہ معاملہ حسبِ قواعد شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لعنت ہے اور جو دینے والے اور لینے والے، کھانے والے اور کھلانے والے، اس پر گواہی کرنے والے اور اس کو لکھنے والے سب پر مساوی تقسیم ہوتی ہے اور دنیا میں روحانی و اخلاقی جذام اور آخرت میں جہنم کا سبب ہے، سُنا جاتا ہے کہ صرف صوبہ پنجاب میں کئی کروڑ روپے مسلمانوں کے ذمہ اہلِ ہنود کا بسلسلہ سود واجب ہے اگر آپ سوچیں اور غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک بلائے بے درماں اور قہر الٰہی محض اتنی ناعاقبت اندیشی اور شریعت غرا کے احکام سے انحراف کرنے اور دین و عقل سے بیگانہ ہو جانے سے ہم پر نازل ہوئی ہے کہ فضول رسموں اور بیہودہ کاموں پر شادی اور غمی میں بے حد روپیہ خرچ کر دیتے ہیں یا عیاشی و اوباشی میں چند دن کے اندر کھو بیٹھتے

ہیں اور آخر کار زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور زندگی کی جگہ موت پسند کرنے لگتے ہیں۔ اگرچہ وقت ہاتھ سے گذر گیا لیکن اب بھی علمائر خطبار ائمہ مساجد اور رہبرانِ مذہب وقوم کے ذمّہ واجب ولازم ہے کہ وہ اس آخری وقت اور آخری لمحوں میں مسلمانوں کو اس کی نصیحت ووصیت کرتے رہیں اور صاحب شریعت مقدسہ نے جو وعیدیں فرمائی ہیں وہ ان کے کانوں تک پہنچاتے رہیں، بالخصوص شادی وغمی کے وقت سلف صالحین کی سیرت ان کو سنائیں اور کفائت شعاری کی تعلیم دیں جس کو اجزار نبوت میں سے ایک جزو بتایا گیا ہے ممکن ہے کہ ابھی ان کی قسمت میں بھلائی کا کوئی حصہ باقی ہو اور وہ ان باتوں کو سن کر اس خودکشی سے باز آجائیں اور اپنے آپ کو زندہ درگور نہ کریں۔

ہمارے ایک معاصر کا یہ قول ہے کہ خدا کے ساتھ جنگ کرنے اور قہر الٰہی نازل ہونے کے آثار میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش سلاطینِ اسلام نے اپنے ملکوں پر نصاریٰ سے قرضہ لیا اور امیر کثیر رقم سود کی مقرر کی چونکہ سود جذام کی طرح بڑھتا رہتا ہے اور وہ کسی طرح ادا ہونے میں نہیں آتا، سلاطین بھی ادا نہ کرسکے اور بالآخر نصاریٰ نے ان کے ملکوں پر قبضہ کرلیا اور رفتہ رفتہ ان مقامات سے اسلامی شان وشوکت کا بالکل استیصال ہوگیا صدق اللہ ورسولہٗ۔

رہبران قوم! پہلے اپنی قوم کو اس عالمگیر آگ سے بچاؤ اور ان کے تحفظ کی فکر جلد از جلد کرو۔

؎ من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

تحفظ اوقاف مسلمین

اس وقت جن مسائل کی طرف مسلمان رہنماؤں کی توجہ منعطف ہونی ضروری ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ اسلامی اوقاف کی صحیح تنظیم کا ہے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اسلامی اوقاف کی لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ سالانہ آمدنی اپنے صحیح مصرف میں صرف ہونے کی بجائے خود غرض متولیوں کے تنور شکم کی آگ بجھا رہی ہے یا اُمور خیر کی جگہ فواحش ومعاصی میں بیدریغ صرف کی جارہی ہے۔

علمائے اسلام نے بیان کیا ہے کہ طریقہ وقف اسلامی خصوصیات میں سے ہے دورِ جاہلیت میں اس کا وجود نہیں تھا اور وقف کی حقیقت یہ ہے کہ واقف اپنی مملوکہ جائداد کو خدا تعالیٰ کے پاس امانت رکھدے اور اس کی آمدنی کو صدقہ کردینے کی منت مان لے کہ قیامت تک وہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتا رہے اور اسلامی مہمات اس کی آمدنی کی مدد سے انجام پذیر ہوتی رہیں۔ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ خانقاہیں، مہمان خانے مسافر

خانے، مدارسِ اسلامیہ، کنوئیں، پُل اور ہر قسم کی رفاہِ عام کی چیزیں بنائی جائیں اور مسلمانوں کی اس فائدہ رسانی کے ساتھ ساتھ واقف کو ہمیشہ ہمیشہ ثواب پہنچتا رہے۔

علمائے نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ واقف کے اغراض کی حفاظت نصِ شارع کی طرح ضروری ہے۔ وقف کی اسی عظیم الشان حیثیت کی وجہ ہے کہ آج بھی عالم اسلامی میں باایں ہمہ نکبت و افلاس کروڑوں روپے کی جائداد کے اوقاف موجود ہیں اور مسلمانوں کی فراخ دلی اور بلند حوصلگی کی زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں۔

؎ از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

مگر افسوس کہ اسلام کی اس عظیم الشان قربانی کی یادگاروں یعنی اوقافِ اسلامیہ کو طامع اور حریص متولیوں اور غیر متدین و خائن نظار نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی جولانگاہ بنا رکھا ہے اور اغراض واقفین کو درہم برہم کر دیا۔ آج اوقاف کی یہ حالت ہے کہ ان متولیوں کے خود غرضانہ تصرفات میں دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں پہچان سکتا کہ یہ اوقاف ہیں یا شخصی اور خالص مملوکہ جائدادیں۔

ہم نے ایک مقولہ سنا تھا کہ وقف تین پشتوں کے بعد ملک بن جاتا ہے ہم نے تو اپنی عمر میں اوقاف کی یہ حالت بلکہ صرف یہی حالت دیکھی شکم پرور متولی اوقاف کے مصارف واقعیہ کے بارے میں بالکل شاعر کے اس قول پر عامل ہیں ؎

ہیزم زمن دار و در روغن از تو
خوردن زمن و لقمہ شمردن از تو

اسی خیال اور اسی طرزِ عمل سے اکثر اوقاف ذاتی جائداد بن گئے ہیں اور اگر مسلمانوں نے قومیت اسلامیہ کے مقومات یعنی اوقاف کی طرف سے اسی طرح غفلت برتی تو وہ دن دُور نہیں کہ اوقاف کی حیثیت وقف کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

تاہم ابھی موقعہ ہے کہ اگر اوقاف کی صحیح تنظیم کر لی جائے اور متولیوں کو حساب رکھنے اور پھر حساب فہمی کا طریقہ متعین ہو جائے اور جماعت مسلمین متولیوں سے بازپرس کرتے رہیں اور متولیوں کا تعین اہلیت اور استحقاق کی بنا پر کیا جائے اور جب کوئی خیانت یا غفلت معلوم ہو تو ان سے تولیت کے اختیارات چھین لئے جائیں یا تولیت ہی موقت طور پر دی جایا کرے اور دوسرے یا تیسرے سال نیا متولی منتخب کیا جائے اور اوقاف کے لئے اہل صلاح و علم میں سے ارکان منتخب کرکے نگران مجالس مقرر کی جائیں جو اغراض واقف کی رعایت اور وقف کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیں۔

چونکہ وقف میں عبادت اور صدقہ کی حیثیت ہے اس لئے یہ خالص مذہبی حیثیت رکھتا ہے اور اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے انتظام میں اہلِ اسلام اور اہلِ علم کے سوا اور کوئی طاقت دخیل نہ ہو تاکہ اسلامی احکام کی مخالفت کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

اسلامی اخوت
اور
مسلمانوں کا باہمی تعاون

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون

تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں میں صلح کراؤ اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تمہارے اوپر رحم کیا جائے۔

عن سھل بن سعد الساعدی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المومن من اھل الایمان بمنزلۃ الراس من الجسد یالم المومن لاھل الایمان کما یالم الجسد لما فی الراس
رواہ احمد

سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ حضور رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی مثال باقی مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے کہ سر کی باقی جسم کے ساتھ۔ مسلمانوں کو مسلمان کے درد سے ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ سر کے درد سے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ

اور حضور نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے دشمن کے حوالے کرتا ہے۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ

اور حضور نے فرمایا کہ خدا اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے۔

ان نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ سے صاف ثابت ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اسلام اور ایمان کا

ایسا مضبوط رشتہ قائم ہے جس نے تمام مختلف افراد و اشخاص کو جسم واحد کے حکم میں کر دیا ہے اور جس قدر یہ تعلق قوی اور مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر جسم واحد کے آثار اس پر تشریح ہو جاتے ہیں۔

اسلامی قومیت کے مختلف اعضا و ارکان اپنی اپنی جگہ کام میں مشغول ہوں مگر ایمان و اسلام کی ایک مشترک قوت ان سب پر حاکم رہے اور سب اسی کے اشارہ پر کام کریں تو یہ شیرازہ محفوظ رہ سکتا ہے جس طرح جسم کے تمام اعضا ر باوجود علیحدہ علیحدہ اپنا کام کرنے کے ایک قوت واحدہ کے ماتحت رہتے ہیں اور اسی کے بل پر کام کرتے اور اسی کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو لازم ہے کہ اسلام اور ایمان کی قوت کے ماتحت رہ کر کام کریں اور تمام مسلمانوں کو ایک ہی جسم کے اعضار و جوارح کی طرح سمجھیں ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کریں۔ چھوٹے بڑوں کا احترام اور توقیر اور بڑے چھوٹوں کے ساتھ رحم و شفقت کا برتاؤ کریں۔ مظلوم کی حمائت کریں۔ ظالم سے ظلم کا انتقام دلوائیں۔ دوسرے کی عزت و آبرو کو اپنی عزت و آبرو سمجھیں۔ اپنے سینے کو کینہ اور بغض و حسد سے پاک و صاف رکھیں اور ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔

میں پھر یہی گذارش کروں گا کہ یہ صفاتِ فاضلہ اور اخلاق کاملہ بغیر مذہبی پابندی اور خشیۃ ربانی کے حاصل ہونے مشکل ہیں۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو دینِ الٰہی کی پابندی اور مذہبی احکام کی اطاعت کرنی چاہیئے کیونکہ ان تمام خوبیوں کی اصل جڑ ایمان ہے۔

اگر آج بھی مسلمان ان صفاتِ ایمانیہ کے ساتھ متصف ہو جائیں تو اُن کو وہی عروج وہی ترقی، وہی رفعت، وہی بلندی حاصل ہو جائے جو قرونِ اولیٰ میں حاصل تھی ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا میکرد

کتب سیر میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صحابیہ کے والد اور بھائی اور لڑکا اور شوہر چاروں شہید ہو گئے وہ صحابیہ بھی خبر لینے کے لئے میدانِ جنگ کی طرف گئیں راستہ میں ہی کسی شخص نے ان کو خبر دی کہ تمہارے والد شہید ہو گئے انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر شوہر کا پوچھا معلوم ہوا کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ غرض ایک ایک کر کے چاروں کا شہید ہونا معلوم ہوا مگر وہ انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھتی رہیں اور نہایت استقامت اور صبر کے ساتھ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ تو بتاؤ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سلامت ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہاں حضورؐ سلامت اور بعافیت ہیں انہوں نے الحمد للہ کہا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی سلامتی کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ یہ کیا تھا صرف قوتِ ایمانیہ کا کرشمہ، جس کی نظیر آج ملنی مشکل ہے۔

غزوۂ یرموک میں جو فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوا تھا مسلمانوں کا لشکر صرف ۴۶ ہزار اور رومی کافروں کا سات

لاکھ کے قریب تھا، عین معرکہ کارزار گرم ہونے کی حالت میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت ضعیف اور بوڑھے بھی ہو گئے تھے، صفوں کے درمیان میں جاتے اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ لوگو! یہ موقعے روز روز نصیب نہیں ہوتے تم اپنے دین کی مدد کرو خدا تمہاری مدد کریگا صحابی کہتے ہیں کہ ان کے ان کلمات سے لشکر اسلام ثابت قدم رہا اور خدا نے دشمنوں پر فتح دی۔

الحاصل اگر مسلمانوں کو اپنی قومی زندگی مطلوب ہے تو آپس کے اتفاق و اتحاد اور تعاون و تناصر میں منحصر ہے بہت سا وقت غفلت میں گزر گیا تاہم ابھی بیداری اور عمل کا وقت باقی ہے۔ خدارا جاگو اور اسلامی کشتی کو تباہی کے گرداب سے اپنی متفقہ جدوجہد سے نکالو۔

یہ چند کلمات نہایت مختصر طور پر سخت مشغولی اور تنگ وقت میں لکھ کر حاضرین کی خدمت میں پیش کئے ہیں اس میں طویل طویل بحثیں اور بلند پایہ تجاویز نہیں ہیں صرف ایک دردمند دل کے پریشان خیالات ہیں۔ تجاویز پیش کرنا اور مداوا کے طریق نکالنا اب آپ کی مجلس کا کام ہے۔

جمعیۃ علماء ہند نے جن مالی اور ماحولی مشکلات میں مسلمانوں اور اسلام کی خدمت انجام دی ہے وہ لائق صد تبریک و تہنیت ہے اور اس کا ان مشکلات میں اب تک قیام و بقا حضرت صدر جناب مستطاب علامہ دین و دنیا مولانا مولوی مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دام ظلہ کی دقیقہ رسی اور دقت نظر و متانت اور جناب مولانا حافظ احمد سعید صاحب اور حضرت مولانا محمد عرفان صاحب کی محنت و ایثار کا نتیجہ ہے اگر تمام اعضاء و ارکان جمعیۃ ذرا بھی امداد اور توجہ فرمائیں تو یقیناً جمعیۃ وہ کارہائے نمایاں کر سکتی ہے جو ابد الآباد تک قائم رہیں اور مسلمانوں کی بہتری اور فلاح کی کفیل ہوں۔

تاہم جناب صدر و ناظم کے ہم ممنون ہیں کہ انہوں نے جمعیت کو کسی نہ کسی طرح یہاں تک پہنچایا۔ انہوں نے فی الحقیقت اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

درد سر ماہمیں سر ماست ۔۔۔ بارے کہ بدوش ہست دوش است

میں آخر میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جلسہ میں تشریف لا کر اجلاس کو رونق و عزت بخشی اور اس اجلاس کی صدارت کے لئے ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند، میری عزت افزائی فرمائی والحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(حقیر انور شاہ عفرلہٗ)

مآخذ: مولانا سید محمد انور شاہ، خطبۂ صدارت، اجلاس ہشتم، جمعیت العلماء ہند، منعقدہ ۲-۳-۴ دسمبر ۱۹۲۷ء مطابق ۶-۷-۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ بمقام پشاور، دہلی، ت ن، ۴۰ ص۔

۲۲

تجاویز

تجویز نمبر ۱ :-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ حضرت مولانا شاہ محمد علی صاحب مونگیری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث و مدرسِ اعلیٰ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے انتقال پرملال پر اپنے دلی رنج وغم اور ان کے اعزاو متوسلین کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے، کہ حق تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے علمی فیوض سے مسلمانوں کو تا دیر مستفید رکھے۔

تجویز نمبر ۲ :-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مجاہدانِ اسلام و عاشقانِ رسول مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری و خواجہ عبیدالرحمٰن غازی و مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی کے ساتھ حکومت کی سخت گیری اور بغیر کسی جرم کے جیل کے مصائب میں ڈال دینے کو صرف جبر و تشدد کا مظاہرہ سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس قسم کی جابرانہ کاروائی جاں نثارانِ مذہب اور فدا کارانِ رسول کے دلوں میں حکومت کے خلاف غصہ اور ناراضی کے جذبات کو بھڑکانے کا قوی سبب ہو جاتی ہے۔

تجویز نمبر ۳ :-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ حکومت صوبہ سرحدی کی اس مصلحت شناسی کو نظرِ استحسان سے دیکھتا ہے جو اس نے مولانا محمد عرفان صاحب ناظم مالیات جمعیۃ العلماء ہند کو شرکت اجلاس کی اجازت دے کر ظاہر کی ہے۔

مگر اس کے ساتھ مولانا محمد اسحٰق صاحب مانسہروی کو اجازت نہ دینے پر اپنے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے، اور توقع رکھتا ہے کہ حکومت ان دونوں مذہبی پیشواؤں کے متعلق جلاوطنی کے حکم کو جلد از جلد واپس لے کر اپنی معاملہ فہمی اور مزید دانشمندی کا ثبوت دے گی۔

تجویز نمبر ۴ :۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ ہندوؤں کی اس غارتگری اور لوٹ پر جو گنگا اشنان کے میلہ گڑھ مکتیسر میں مسلمانوں کی دکانوں پر منظم طریقہ سے ڈال کر ان کو شدید نقصان پہنچایا ہے، نفرت و ملامت کا اظہار کرتا ہے، مزید افسوس کا باعث یہ ہے کہ لوٹ عین اس وقت ہو رہی تھی جبکہ صاحب گورنر بہادر یو پی کی سواری میلہ میں سے گزر رہی تھی۔ لاکھوں جاتریوں کے انبوہ میں قلیل التعداد مسلمانوں میں جو خوف و ہراس اور افراتفری پیدا ہو گئی ہو گی، اس کا تصور بھی تکلیف دہ ہے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس غارتگری کے اسباب اور واقعات کی غیر جانبدار افسروں سے مکمل تحقیقات کرائے، اور اصلی مجرموں اور جرم پر برانگیختہ کرنے والوں کو قرار واقعی سزائیں دے، اور مسلمانوں کے مالی نقصانات کا معاوضہ دلوائے تاکہ آئندہ اس قسم کی شرارتوں کی جرأت نہ کی جاسکے۔

تجویز نمبر ۵ :۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ بتیا کے ہولناک واقعہ پر اپنے رنج و اندوہ اور نفرت کا اظہار کرتا ہے بتیا کے ہندوؤں نے جس سفاکی اور بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا اور ان کے گھر جلا دیئے اور مسجد اور قرآن پاک کی بے حرمتی کی وہ ہندوستان کے فسادات میں ایک خاص اور اہم واقعہ ہے۔ بتیا کے مسلمان اس ظلم و سفاکی کے نتائج سے مدت تک نپٹ نہ سکیں گے۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس معاملہ میں پوری بیدار مغزی اور کامل تحقیق سے کام لے کر مجرموں کو عبرتناک سزائیں دے، اور مسلمانوں کے شدید نقصانات کا معاوضہ دلا کر امکانی تلافی کرے۔

تجویز نمبر ۶ :۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مدارس عربیہ اسلامیہ کے بانیوں، منتظموں اور کارکنوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کراتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مشغولیت اور کم فرصتی اور ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے مدارس عربیہ دینیہ کے نصاب کو ایسے طور پر مرتب کریں جو ان کی مذہبی حالت کو درست کرنے اور مذہبی واقفیت بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ زمانہ کی ضرورتوں کو بھی ایک حد تک پورا کر سکے، اور تمام مدارس عربیہ دینیہ کا ایک نظام ہو، اور سب اسی نظام کی پابندی کریں تاکہ یہ تفرق اور انتشار جو مذہب و قوم کے لئے سب سے زیادہ مضرت رساں ہے، دور ہو اور منظم طور پر دینی تعلیم عام ہو جائے، اور تعلیم کا حقیقی فائدہ حاصل ہو۔ اس ریزولیوشن کو عملی جامہ پہنانے

کے لئے یہ اجلاس مفصلۂ ذیل حضرات کی کمیٹی معین کرتا ہے۔ کہ وہ نصاب تجویز کرکے جمعیۃ العلماء کے سامنے پیش کرے تاکہ جمعیۃ اسے منظور کرکے مدارسِ عربیہ میں رواج دینے کی سعی شروع کردے۔ کمیٹی کے ارکان یہ ہیں
مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔
مولانا حبیب الرحمان صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر الشریعۃ بہار، مولانا ظفر علی خاں صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی، مولانا فضل حق صاحب رام پوری۔ اس کمیٹی کو اختیار ہوگا، کہ اگر ضرورت سمجھے تو دوسرے ماہرین تعلیم کا اضافہ کرلے۔

تجویز نمبر ۷:-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس عربی مدارس کے بااختیار کارکنوں سے درخواست کرتا ہے کہ طلباء کی جسمانی صحت کے قیام و ترقی کے لئے جسمانی ورزش لینے کا طریقہ جاری کریں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ورزش بھی لازم کردی جائے، تاکہ طلباء کا ذوق ورزش اساتذہ کی نگرانی میں شرعی حدود سے بھی متجاوز نہ ہو، اور ان کی صحت و قوت کے بقاء و ترقی کا بھی کفیل ہو۔

تجویز نمبر ۸:-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مسلمانانِ صوبہ سرحد سے عموماً اور علمائے کرام صوبہ سرحد سے خصوصاً پرزور استدعا کرتا ہے کہ مذہبی احکام کی تعمیل اور اطاعت کو اپنی مذہبی اور قومی نجات کا واحد ذریعہ سمجھیں، اور تمام ان مہلک اور تباہ کن رسوم کی اصلاح کے لئے کھڑے ہو جائیں جنھوں نے مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی اور مالی حالت کو تباہ کر رکھا ہے اور مسلمانوں کو تباہی اور بربادی اور افلاس و فلاکت کے گڑھے میں دھکیل رہی ہیں۔

شادیوں میں دعوتوں اور جہیزوں کی حدود معین کردی جائیں اور ان حدود سے کوئی تجاوز نہ کرسکے۔

اسی طرح غمی کی رسوم میں قوم کی مالی حالت اور احکام مذہبی کے موافق اصلاح کی جائے۔ ان رسوم کی ادائیگی کے لئے سودی اور غیر سودی قرضے لینے کا طریقہ قطعاً بند کردیا جائے۔

یہ تمام فضول اور لایعنی امور جو محض عار و ننگ کے خیال یا محض نام و نمود کی نمائش کیلئے لازم کردیئے گئے ہیں، ترک کردیئے جائیں، غیر مشروع تماشوں اور تھیٹروں اور ہر قسم کی بدعمالیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف منظم طور پر جدوجہد کی جائے۔

ان تمام امور کی انجام دہی اور نگرانی اور ضبط قائم رکھنے کے لئے قومی کمیٹیاں مقرر کی جائیں، اور مشروعہ اور غیر مشروعہ کے امتیاز کے لئے علمائے کرام ان کمیٹیوں میں داخل ہوں اور ان کی رہنمائی کریں۔ کمیٹی کے فیصلے قوم کی متفقہ طاقت سے نافذ کئے جائیں اور اس فیصلے کے خلاف کرنے والے قومی مجرم قرار دیئے جائیں۔

تجویز نمبر ۹:- جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ اس آسمانی فیصلہ اور احکام الٰہی کا اعلان کرتا ہے کہ خدا کے برتر

نے میت کے ترکہ میں مردوں اور عورتوں کے جو حقوق متعین فرما دیے ہیں، ان کی تسلیم اور ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں شرعی قانون میراث کے خلاف اس رواج پر عمل کیا جا رہا ہے کہ عورتوں کو میراث نہ دی جائے وہاں کے علمائے کرام سے جمعیۃ کا یہ اجلاس پُرزور طریقہ سے استدعا کرتا ہے، کہ مسلمانوں کو اس قانون الٰہی کی خلاف ورزی کے سخت عذاب اور قہر خداوندی سے آگاہ کریں اور تمام مسلمانوں سے درخواست کرتا ہے کہ اس رواج کو مٹانے اور اس کی جگہ شرعی قانون میراث کو جاری کرنے کے لئے متفقہ کوشش شروع کر دیں، اور جس قدر جلد ممکن ہو اس ہندوانہ رواج اور دورِ جاہلیت کے سیاہ داغ کو مسلمانوں کے چہروں سے مٹا دیں۔

تجویز نمبر ۱۰:-

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی پر روپیہ لینے کی رسم کو بہت جلد مٹا دیں، اور متفقہ طور پر فیصلہ کر دیں کہ لڑکی کے معاوضہ میں شوہر سے کوئی رقم وصول نہ کی جائے۔ اور شادیوں میں اسلامی سادگی اور شریعتِ مقدسہ کی پابندی کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

ہاں اگر نکاح کے وقت شوہر سے مہرِ معجّل کے طور پر رقم لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ مہر کی رقم لڑکی کا حق اور خالص اسی کی ملک ہے، لڑکی کے اولیاء کو ہرگز یہ حق نہیں کہ وہ مہرِ معجّل وصول کرکے برادری کو کھلائیں یا لڑکی کی رضامندی کے بغیر کسی دوسرے کام میں لائیں۔ اگر ایسا کریں گے تو صریح ظلم ہوگا۔

تجویز نمبر ۱۱:-

عموماً ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اخلاقی پستی اور مذہب سے بیگانگی اور طرح طرح کے جرائم کے ارتکاب کا بڑا سبب ان کا روز افزوں افلاس ہے۔

اس لئے یہ اجلاس تمام باشندگانِ ہند سے عموماً اور خصوصاً مسلمانوں سے پُرزور استدعا کرتا ہے کہ وہ ملکی اور صرف ملکی تجارت و صنعت کو اپنے ہاتھ میں لیں اور اس کو فروغ دینے کی پوری سعی کریں۔ خصوصاً لباس میں وہ دیسی کپڑا استعمال کریں، جس کا سوت ہندوستان کی بوڑھیوں اور بیواؤں اور غرباء کے ہاتھوں کا تیار کیا ہوا ہو تاکہ ان مفلوک الحال ہم وطنوں کی زندگی آرام سے گزرے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ ایسے تاجروں کی ہمت افزائی کریں۔ جو دیسی تجارت و صنعت کو فروغ دے رہے ہوں۔

تجویز نمبر ۱۲:-

جمعیۃ العلماء ہند نے اس امر کو نہایت افسوس کے ساتھ محسوس کیا ہے، صوبہ سرحدی میں باوجود

بیس بائیس لاکھ مسلمان آبادی کے کوئی عربی دار العلوم کو جو مسلمانانِ صوبہ کی مذہبی اعلیٰ تعلیم کی کفالت کر سکے، موجود نہیں ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مسلمانانِ صوبہ سے پُر زور اپیل کرتا ہے کہ جلد از جلد بڑے پیمانہ پر ایک اعلیٰ دینی درسگاہ قائم کرنے کا اہتمام کریں، اور چھوٹے چھوٹے عربی مدارس کو اس کے ساتھ منسلک کردیں۔ اسی کے ساتھ نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی ایک شعبہ قائم کیا جائے جو دینِ حنیف میں شامل ہونے والوں کی تعلیمی ضرورت کو پورا کرے، اور ان کی ضروری کفالت کر سکے، ضروری ہے کہ اس کی تاسیس کے ابتدائی مراتب پر غور کرنے کے لئے جلد از جلد ایک کمیٹی منتخب کر کے فوراً کام شروع کردیا جائے تاکہ پانچ چھ مہینے کے اندر دار العلوم کے قیام کی توقع کی جاسکے۔

تجویز نمبر ۱۳ :-

جمعیۃ العلماء ہند کے اس جلسہ کی رائے میں اصلاحی اسکیم کی نفس الامری حالت جو کچھ بھی ہو تاہم صوبہ سرحدی کو اس سے محروم رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ صوبہ اپنی جغرافیائی اور سیاسی اقتصادی اور تعلیمی غرض ہر حیثیت سے اصطلاحات کے استحقاق میں دوسرے صوبوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس صوبہ کے باشندوں کی طرف سے اصطلاحات کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد صوبہ سرحدی کو مکمل آئینی اصطلاحات دے دے اور باشندگانِ صوبہ سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے اس فطری حق کا برابر مطالبہ کرتے رہیں گے اور جب تک اسے حاصل نہ کرلیں۔ اس وقت تک نہایت زوردار آئینی ایجی ٹیشن جاری رکھیں گے۔

تجویز نمبر ۱۴ :-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ صوبہ پنجاب کی حکومت کے اس متشددانہ رویہ کو سخت غم و غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے جو اُس نے اسلامی اخبارات کو گلو گیری اور ان کو تباہ کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ زمیندار، سیاست پر اس کے وار ہو چکے ہیں اور اب ایک ہونہار نوخیز جریدہ "شہاب" کی باری ہے۔ جلسہ کو سید حبیب شاہ اور سید عنایت شاہ، سید لعل شاہ کے ساتھ ان مصائب میں دلی ہمدردی ہے جو ان پر حکومت کی سخت گیری سے عائد کی گئی ہیں۔ اس جلسہ کی قطعی رائے ہے کہ حکومت کا یہ طرزِ عمل اخبارات کی آزادی پر افسوسناک حملہ ہے اور ایسی سخت گیری سوائے بے چینی پھیلانے کے اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔

تجویز نمبر ۱۵ :-

چونکہ مسلمانوں کے بہت سے مذہبی معاملات ایسے ہیں جن میں حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے اور غیر مسلم حاکم کا فیصلہ شرعی طور پر نافذ نہیں ہوتا اور حکومت موجودہ نے مسلمانوں کی اس ضرورت کو اب تک پورا

نہیں کیا اس بنا پر مسلمان سخت مذہبی مشکلات میں مبتلا ہیں، مثلاً ظالم اور جاہل شوہروں سے ان کی مظلوم اور زندہ درگور عورتوں کی گلوخلاصی نہیں ہو سکتی۔ مرتدہ کے نکاح فسخ ہونے میں اس کے شوہر کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں۔ خیار بلوغ میں شرعی طور پر حکم فسخ حاصل نہیں ہو سکتا۔ طلاق کے بہت سے مسائل الجھے رہ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ جلسہ گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کی ان مذہبی مشکلات کے حل کے لئے باختیار شرعی قاضی مقرر کرے جن کے انتخاب کا حق مسلمانوں کو ہو تا کہ ان قضاۃ کی عدالتوں میں ایسے معاملات کا شرعی فیصلہ ہو سکے۔ جمعیۃ علماء کا یہ جلسہ حسب ذیل حضرات کی کمیٹی مقرر کرتا ہے تاکہ وہ اس قسم کے تمام مسائل کو معین کر کے ان قضاۃ کی حد عمل معین کر دیں تاکہ ان مسائل میں گورنمنٹ سے اختیارات دینے کا مطالبہ کیا جائے۔

مولانا حسین احمد صاحب۔ مولانا ثناء اللہ صاحب۔ مولانا محمد سجاد صاحب۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب۔ مولانا محمد نعیم صاحب۔ مولانا قطب الدین صاحب۔ مولانا عبد الماجد صاحب بدایونی۔ مولانا شبیر احمد صاحب۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ مولانا عبد الحکیم صاحب پشاوری۔

تجویز نمبر ۱۶:-

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ علماء صوبہ سرحد کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ زکوٰۃ و عشر و صدقات و خیرات کے لئے ایک شرعی بیت المال قائم کرے، جس میں مذکورہ بالا مدات کی آمدنی جمع کی جائے۔ اور جمعیۃ صوبہ کی نگرانی میں پورے اہتمام سے اپاہجوں، بیواؤں، یتیموں، لاوارث بچوں، مدارس دینیہ کے طلبا مد وظائف اور سامان تعلیم و نو مسلموں کی تربیت و کفالت میں ضرورت اور استحقاق کی رعایت کے ساتھ صرف کی جائے۔ اسی سلسلہ میں گورنمنٹ سے استدعا کی جائے کہ لاوارثی ترکہ کو وہ اس قومی بیت المال میں داخل کرنے کی اجازت دیدے تاکہ لاوارث بچوں کی کفالت و تربیت میں خرچ کی جائے۔

نیز جمعیۃ صوبہ کو لازم ہے کہ ایک تبلیغی جماعت قائم کرے جس کے ذریعے سے سرحدی مقامات کے باشندوں کی معاشرت اور اخلاق و اعمال کی اصلاحی خدمت انجام دی جائے۔

تجویز نمبر ۱۷:-

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید تمام اسلامی برکات کا سرچشمہ اور دین و مذہب کا اصل الاصول ہے۔ مسلمانوں کا سب سے مقدم فرض اس کی اشاعت و تبلیغ ہے، مگر افسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کو قرآن مجید کے نشر و تبلیغ کے ساتھ چنداں شغف و اہتمام نہیں ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں غیر مسلم مطابع کے چھپے ہوئے قرآن مجید ہدیہ ہوتے ہیں جو صرف تجارتی اغراض کے لئے چھاپے جاتے ہیں اور ان کی تصحیح اور احترام و تکریم سے چھاپنے والوں کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ جمعیۃ العلماء ہند اس معاملہ کو رنج و افسوس

کی نظر سے دیکھتی ہے اور مسلمانوں سے توقع رکھتی ہے کہ وہ قرآن مجید کی صحت وصفائی کا پورا لحاظ کرکے صاف وصحیح قرآن مجید چھپوائیں اور مسلمان ان قابلِ اعتماد صحت شدہ قرآنوں کو تعلیم وتلاوت کے کام میں لائیں۔

نیز جمعیۃ العلماء ہند کے اس اجلاس کی رائے میں ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمی تبلیغ کے لئے دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے صحیح ومستند ترجمے شائع کئے جائیں، تاکہ اس الحاد و زندقہ کے دور میں لوگ اس آسمانی روشنی سے مستفید ہوں۔ سب سے زیادہ ضرورت انگریزی ترجمہ کی ہے جو مسلمان انگریزی خوان، نوجوانوں کی تعلیم وتصحیح خیال کے لئے بیحد ضروری ہے۔ جمعیۃ اس مہتم بالشان کام کو پوری مستعدی کے ساتھ انجام دینے کو تیار ہے اور کلکتہ کے اجلاس میں اپنے اس ارادے کا اظہار کر چکی ہے۔ مگر اس عظیم الشان کام کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور جب تک کم از کم پچاس ہزار روپیہ کے سرمایہ کا اطمینان نہ ہو جائے کام شروع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مسلمان اس نہایت ضروری اور اعلیٰ دینی خدمت کے لئے توجہ کریں تو جمعیۃ اس کا اہتمام کرنے کے لئے تیار ہے۔

تجویز نمبر ۱۸:۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اپنی منظور شدہ تجاویز کا اعادہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تمام باشندگان ہند بالخصوص مسلمان پُر امن طریقہ سے حصولِ آزادی کی پوری کوشش کریں، جو ان کا واقعی اور فطری حق ہونے کے علاوہ ان کے روز افزوں افلاس غیر منقطعہ قحط و گرانی بیکاری و فاقہ کشی اور گداگری کثرت تعداد اموات پیداوار اور تعلیم کی کمی ٹیکسوں اور قومی قرضوں کی گرانباری، صحت وقوت کے انحطاط، صنعت وتجارت کی بربادی اور ہزاروں قسم کے مالی نقصانوں، اور تباہیوں کا واحد علاج ہے۔ مسلمانوں پر تحصیل آزادی کی کوشش نہ صرف وطنی بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے، جو ان کو پوری تندہی اور سرگرمی سے انجام دینا چاہیئے۔

تجویز نمبر ۱۹:۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس تمام مسلمانوں کی خدمت میں نہایت دلسوزی اور اخلاص کے ساتھ عرض کرتا ہے، کہ وہ اپنی روز افزوں پستی اور انحطاط کو تیقظ اور عبرت کی نظر سے دیکھیں اور فرصت کا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی نجات کا راستہ تلاش کریں اور یقین کریں کہ ان کی تباہ حالی کے اسباب میں سے جو سبب کہ زیادہ مہلک اور پوری تباہی اور بربادی لا رہے ہیں، وہ ان کی مذہبی بے پرواہی بلکہ احکام مذہب کی خلاف ورزی اور بری عادتوں اور بد اخلاقیوں میں مشغولی اور انہماک ہے اور آپس میں بغض و کینہ دور جاہلیت کے انتقامی جذبات جو پشتہا پشت تک باقی رہتے اور اصل مجرم سے گزر کر اس کے اعزاد اقارب تک تعدی اور ظلم کے باعث ہوتے ہیں، آپس میں قتل و

خونریزی، جوا کھیلنا، مسکرات کا استعمال کرنا، دوسروں کی جایدادیں غصب کرنے کے لئے عدالتوں میں مقدمات لے جانا اور جھوٹی گواہیاں دینا اور جھوٹے گواہ بنانا اور اسی قسم کی بہت سی خرابیاں ہیں جنہوں نے قوم کے اندر جڑ پکڑ لی ہے اور اندر ہی اندر تباہ کئے ڈالتی ہیں۔ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ بزرگوں کے مزارات پر سالانہ عرسوں میں بداخلاقیوں بالخصوص قمار کا پورا مظاہرہ کیا جاتا ہے جیسا کہ زیارت کاکا صاحب کے متعلق معلوم ہوا ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس نہایت زور کے ساتھ مسلمانوں کو ان ہلکات کے عواقب بد سے متنبہ کرتے ہوئے درخواست کرتا ہے کہ وہ جلد سے جلد ان تباہیوں اور بربادیوں کے خلاف پوری جدوجہد شروع کر دیں اور اسلامی اخوت و مناصرت کا طریقہ اختیار کر کے قوم کے مفلس افراد کی معاونت کریں اور پیشہ ور مال دار گداگروں کو خیرات و صدقات ہرگز نہ دیں۔ اسقاط کا غیر شرعی طریقہ جو یہاں اکثر مقامات میں رائج ہے موقوف کر دیں۔ ان تمام امور کی انجام دہی کے لئے موثر علماء و عمائد کی جماعتیں بنا کر ان کے فیصلوں پر کاربند ہوں۔

تجویز نمبر ۲۰:۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ تیراہ میں سنیوں اور شیعوں کی باہمی مخاصمت پر اپنے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے اور دونوں فریقوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو باہمی صلح سے جلد از جلد رفع کر لیں۔ مسلمان اس امر کو برداشت نہیں کر سکتے کہ بیچ بچاؤ کے لئے گورنمنٹ مداخلت کرے اور تیراہ کی آزادی بھی دوسرے علاقوں کی طرح انگریزی اثر میں آجائے۔

تجویز نمبر ۲۱:۔

جمعیۃ العلماء کا یہ جلسہ اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ صوبہ سرحد میں باوجود مسلمانوں کی اکثریت اور تعلیمی پستی کے گورنمنٹ نے ان کی اعلیٰ تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی اور نسبتاً ان کو تعلیمی امداد بھی بہت کم دی جاتی ہے۔

تمام صوبہ میں صرف ایک اسلامیہ کالج اعلیٰ تعلیم کا کفیل ہے اور وہ بھی مالی پریشانیوں میں مبتلا ہے، اسی طرح اسلامیہ اسکول شہر بھی تنگی کی حالت میں ہے۔

یہ جلسہ گورنمنٹ کا فرض سمجھتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کا ان کی کثرت آبادی و شدت حاجت کے لحاظ سے بندوبست کرے اور اعلیٰ تعلیم کے لئے آسانیاں بہم پہنچائے۔

تجویز نمبر ۲۲:۔

چونکہ مغربی تہذیب اور تمدن کا سیلاب روزانہ تیزی سے بڑھتا آرہا ہے اور ایشیائی قومیں اپنی شاندار روایات اور مذہبی احکام سے بیگانہ ہوتی جا رہی ہیں مسلمان بھی اسلامی تہذیب اور قومی وضع چھوڑ کر یورپین تہذیب

اور وضع اختیار کر رہے ہیں۔

عورتوں کی بے پردگی بے حیائی کے درجہ تک پہنچ رہی ہے۔ ایک طرف انگریزی خواں طبقہ میں یہ باتیں نہایت سُرعت کے ساتھ سرایت کر رہی ہیں۔ دوسری طرف یورپین تجارتی تعلقات نے تجارتی معاملات میں طرح طرح کی الجھنیں جن سے سود اور نشونسل وراسی قسم کے بہت مسائل پیدا ہوئے ہیں اس لئے جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ علمائے کرام سے پُرزور استدعا کرتا ہے کہ اس آنے والے خطرہ کا پورا احساس کریں اور اپنی منتشر قوت کو جمعیۃ العلماء کے مرکزی دائرہ میں جمع کرکے پوری طاقت کے ساتھ دہریت والحاد کا مقابلہ کریں۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ اس اعلان کے ساتھ کہ سود کی حرمت قرآن پاک کی نص قطعی سے ثابت ہے، اور کوئی شخص کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ علماء و واقفین معاملاتِ تجارت کی حسب ذیل کمیٹی منتخب کرتا ہے جو حالاتِ حاضرہ کی تنقیح و تحقیق کرے اور شرعی تیسر کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں جمہور مسلمین کی رہنمائی کرے اور ظاہر کردے کہ حوادث جدیدہ میں کتنے امور جائز اور حلال ہیں اور کتنے ناجائز اور حرام۔

کمیٹی کے ارکان یہ ہوں گے:۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب۔ مولانا سید حسین احمد صاحب۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ مولانا عبدالقہار صاحب (مروت کلا) مولانا عبدالحکیم پشاوری۔ مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی۔ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی۔ مولانا قطب الدین صاحب فرنگی محلی۔ مولانا نثار احمد صاحب کانپوری۔ مولانا معین صاحب اجمیری۔ مولانا محمد علی صاحب، سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب۔ میاں ہاشم غلام علی مصطفےٰ صاحب۔

جمعیۃ العلماء ہند کے صدر اور سیکرٹری اس کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری ہوں گے اور کمیٹی کو اضافہ ممبران کا اختیار ہوگا۔

تجویز نمبر ۲۳:۔

وقف اسلامی خصوصیات میں سے ہے اور اوقافِ مسکین کے ساتھ مذہب و قوم کے بڑے بڑے مصالح وابستہ ہیں۔ اس لئے مسئلہ اوقات خاص طور پر توجہ کا مستحق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں وقف کے احکام پوری صراحت کے ساتھ موجود ہیں اس کی حدود متعین ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے اوقاف متولیوں کی دست برد میں آجاتے ہیں اور ان کی آمدنی حقیقی مصرف میں صرف ہونے کی جگہ متولیوں کے ذاتی مصارف میں صرف ہوتی ہے اس لئے جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ جمہور اہلِ اسلام کو توجہ دلاتا ہے

اوقاف کی نگرانی کے لئے عام انتخاب کے ذریعہ سے ایسی کمیٹیاں مقرر کریں جن کے ممبروں میں معتبر علماء اور بااثر اہل الرائے اصحاب شامل ہوں۔ وہ تحقیق کریں اور جس متولی کی خیانت اور نا اہلیت ثابت ہو اس کے قبضہ سے وقف کو نکال کر کسی متدین صالح شخص کو متولی مقرر کریں۔ کسی ایسی کمیٹی کو جس میں معتبر علماء و صلحا شامل نہ ہوں اور اس کے فیصلے وقف کے احکام شرعیہ اور شرائط واقف کے موافق نہ ہوں تو اس کو وقف کی نگرانی کا کوئی حق نہ ہوگا اور نہ متولیوں کو اس کے احکام کی پابندی ضروری ہوگی۔

تجویز نمبر ۲۴:۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اپنے اس اذعان ویقین کا اعلان کرتا ہے کہ آزادی عطا نہیں کی جاتی بلکہ اپنی جدوجہد سے حاصل کی جاتی ہے اور یہ کہ ہندوستان کی حکومت کا دستورِ اساسی وضع کرنے کا حق صرف ہندوستانیوں کو ہے اور کسی اجنبی قوم کو ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہندوستانی گول میز کانفرنس کے مطالبہ کے جواب میں برطانوی پارلیمنٹ نے جس اساس و اصول پر رائل کمیشن مقرر کیا ہے، اس سے ہندوستان کی عزت و خودداری کی سخت توہین و تذلیل کی گئی ہے۔

برطانیہ کی طرف سے یہ کارروائی محل تعجب نہیں ہے۔ ہاں ہمارے لئے ایک قدرتی تازیانہ ہے کیونکہ ہمارے باہمی کشت و خون اور بے اعتمادی کا یہی نتیجہ تھا جو اس وقت انتہائی ذلت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اب ہندوستان کی طرف سے اس تذلیل کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ پہلے ہندوستانی جلد از جلد باہمی سمجھوتہ کر کے حکومت خود اختیاری کی ایسی اسکیم مرتب کرلیں جس میں اقلیت کے حقوق کا تحفظ اس کے اطمینان کے موافق کر دیا گیا ہو اور پھر اس صحیح اصول کے ماتحت کہ ہندوستان کی حکومت کا دستورِ اساسی بنانے کا حق صرف ہندوستانیوں کو ہے، ہندو مسلمان سب مل کر متحدہ قوت کے ساتھ آنے والے کمیشن کا مقاطعہ کریں۔

لیکن اگر بدقسمتی سے باہمی سمجھوتہ نہ ہو سکے اور یہ صورت واقع ہوتی نظر آئے کہ اس خلافِ اصول اور ناقص کمیشن کے سامنے مسلم مفاد کے خلاف مطالبات پیش ہونے کا خطرہ ہو تو یہ اجلاس معاملہ کی اہمیت کے لحاظ سے مسلم مفاد کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ جمعیت خلافت کمیٹی، مسلم لیگ اور دوسری قومی کارکن جماعتوں کا مشترک جلسہ منعقد کیا جائے اور پورے غور و بحث کے بعد مسلم طرزِ عمل کے متعلق قطعی طور پر متفقہ فیصلہ صادر کیا جائے۔

تجویز نمبر ۲۵:۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ ہندوستان کے موجودہ حالات و گرد و پیش کے تمام واقعات پر پورے غور و امعان نظر کے بعد اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہیں اور وہ اپنے اس حق پر مضبوطی سے قائم رہیں گے اور کسی ایسی تجویز کو منظور نہ کریں گے جس میں اس حق سے دست برداری کرنی پڑے۔

ہو تاوقتیکہ ہندوستان کی ہندو اکثریت مسلم اقلیت حقوق کے تحفظ کے لئے حسب ذیل مطالبات کو بطور بنیادی اصُول کے تسلیم نہ کرے اور مسلمانوں کے ساتھ مِل کر اِن کے حصُول میں کوشش نہ کرے اور حکومت کی منظوری کے بعد یہ مطالبات حاصل نہ ہوجائیں۔ مُطالبات یہ ہیں:۔

۱:۔ سندھ کو مستقل صُوبہ بنا دیا جائے۔

۲:۔ صوبہ سرحدی و بلوچستان میں مکمل اصلاحات نافذ کردی جائیں۔

۳:۔ پنجاب و بنگال میں بھی حق نمائندگی آبادی کے لحاظ سے دیا جائے۔

۴:۔ رائے دھندگی کا حق بھی تعداد آبادی کے لحاظ سے قائم کیا جائے۔

۵:۔ کسی انتخابی مجلس میں کوئی ایسا بِل زیرِ غور نہ آسکے جس کو کسی اقلیت کے نمائندوں کی ۳/۴ تعداد اپنے مذہبی یا قومی مفاد کے خِلاف قرار دے۔

۶:۔ مرکزی مجالسِ قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ۱/۳ سے کم نہ ہو۔

۷:۔ اگر کسی صُوبہ میں کسی اقلیت کو رعایت دی جائے تو دوسرے صوبوں میں دوسری اقلیتیں بھی اس کی مستحق سمجھی جائیں۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۳۳-۱۳۶۔

ضمیمہ جات

(۱)

رپورٹ تحقیقات حوادثِ مالابار

اکتوبر ۱۹۲۲ء

اسی سال مجلسِ منتظمہ جمعیۃ العلماء منعقدہ ۱۸/ ۱۹/ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۲ء بمقام دہلی۔ حوادث مالابار کے متعلق ایک کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی جس کا تقرر مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ نے کیا تھا۔ مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی کانپوری امیر الوفد نے یہ رپورٹ مرتب کی تھی جو اس جلسہ میں منظور ہوئی۔ چونکہ حوادث مالابار کا تعلق قومی تحریک سے تھا۔ اس لئے اس کے مختصر واقعات رپورٹ مذکور سے اخذ کر کے درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

"یہ بلوے موپلوں نے کئے تھے جو عرب کی نسل سے ہیں اور مالابار میں نویں صدی سے شروع ہو کر فروری ۱۹۳۰ء تک جاری رہے۔ موپلے کچھ تجارت پیشہ اور زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں اور ہندو زمینداروں کی اراضی کاشت کرتے ہیں۔ ہندوستان میں جب تحریک خلافت شروع ہوئی تو موپلوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اس تحریک میں کانگریسی ہندو بھی شریک تھے اور وہ بھی موپلوں کے ساتھ کام کرتے تھے مگر حکام کو یہ سیاسی تحریک ناگوار تھی۔ چنانچہ مسٹر تھامس [MR. THOMAS] کلکٹر مالابار نے تحریک خلافت کو دبانے کی غرض سے موپلوں کے خلاف نہایت زور شور سے دفعہ ۱۴۴ کا استعمال کیا۔ خلافت کے متعلق

؎ حوادث مالابار کی مفصل رپورٹ دفتر مرکزیہ جمعیت علماء ہند میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہے جو صاحب چاہیں ۴ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں۔ مگر رپورٹ کا یہ خلاصہ روشن مستقبل سے لیا گیا ہے۔ (محمد میاں)

تمام مطبوعات ضبط کرلئے سیٹھ یعقوب حسن اور دوسرے لیڈروں کو گرفتار کیا اور ہر طرح لوگوں کو پریشان کر کے حکومت کی طرف سے ان کے دلوں میں نفرت و دہشت پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کیں جب لیڈر پکڑے گئے تو کالی کٹ میں ہزاروں موپلے جمع ہوگئے، مگر سب نے عجیب ضبطِ نفس سے کام لیا۔ گرفتاری کے دوسرے دن کالی کٹ پولیس نے کئی پُرامن رضا کاروں کو پیٹا اور اُن کی وردیاں اُتاریں۔ ایک موپلا کارکن کو مکان سے کھینچ کر اسی کے باپ کے سامنے پیٹا۔ خلافت اور کانگریس کمیٹیوں پر امتناعی احکام جاری کئے کرالا کانفرنس کے زمانے میں موپلوں کو مشتعل کرنے کی تیز و تند کوششیں کیں۔ بلا امتیاز گرفتاریوں کا تانتا باندھ دیا اور آزاد قومی کارکنوں کا بے تیزانہ تعاقب جاری کیا۔ قیدیوں کے ساتھ بے رحمانہ برتاؤ کیا۔ فوج نے ساجد کا محاصرہ کرلیا اور مساجد کے اندر سے ہر دلعزیز لوگوں کو گرفتار کرکے لے گئے۔ حتیٰ کہ سب سے بڑے مذہبی پیشوا تشکل کو گرفتار کرلیا۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر جب موپلے جمع ہوئے اور انہوں نے گرفتار شدہ لوگوں کی رہائی پر اصرار کیا تو اُن پر فائر کیا گیا جس میں چار سو موپلے ہلاک ہوگئے۔ اس حادثہ کے بعد جب موپلوں نے تار گھر جاکر تار دینا چاہا تو تار قبول نہیں کیا گیا۔ اس آخری پُرامن تدبیر سے تھک کر موپلے مشتعل ہوگئے اور چونکہ اُن کے پُرامن لیڈر جو انہیں تشدد سے روک سکتے تھے گرفتار ہو چکے تھے اس لئے غصہ سے بے قابو ہو کر انہوں نے تار کاٹ ڈالے تاکہ تار اُن کے خلاف استعمال نہ کئے جائیں۔ اسی طرح ریل کی پٹریاں اُکھاڑ ڈالیں تاکہ ریل ان کے خلاف استعمال نہ کی جاسکے۔ اس کے بعد موپلوں نے پورا ہنگامہ کیا افسروں کو قتل کیا۔ جیل سے قیدی چھڑالائے۔ پولیس کے ہتھیار لوٹ لئے۔ شراب کی دکانیں جلادیں۔ کچہریاں لوٹ لیں تمام پل اور راستے توڑ ڈالے۔

موپلوں کی نسبت رپورٹ میں تحریر ہے کہ وہ حد درجہ خوش خلق، بردبار اور وفادار ہیں اور امن و سکون کی حالت میں اگرچہ وہ بلا مبالغہ بھیڑیں ہیں مگر جوش و ہیجان کی حالت میں خونخوار بھیڑیئے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر ان کی یہی حالت ہوگئی۔ ان حالات میں حکام نے مارشل لا جاری کردیا۔ ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم ہوگیا۔ موپلوں پر مقدمات چلائے گئے۔ مگر خاص بات یہ تھی کہ سزایاب لوگوں میں اسٹرا چھوتن نائر بھی تھے جو سیکریٹری خلافت کمیٹی ترور لیا تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موپلوں کی یہ شورش حکام وقت کے خلاف تھی جنہوں نے انہیں مشتعل کر دیا اور ان کی تحریک کو مٹایا تھا نہ کہ ہندوؤں کے خلاف تھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ موپلوں نے ہندوؤں کو لوٹا، مندروں کو مسمار کیا، مگر یہ سب یا تو جابر ہندو زمینداروں کے ساتھ برتاؤ کیا یا ان ہندوؤں کے ساتھ، جو ترک موالات کے مٹانے میں حکام کے

ساتھ تھے اور تارکین موالات کے دشمن تھے مگر اسی کے ساتھ ایسے ہندو بھی تھے جنہوں نے اس موقعہ پر موپلوں کی پوری امداد کی اور ان کے کاموں میں شریک رہے۔

زنکاڈی پورم کے راؤ صاحب کرونا کر مسن نے اخبارات کو اطلاع دی تھی کہ موپلوں پر مجھے اتنا اعتقاد و اعتماد ہے کہ میں انگڈی پورم میں اپنے سولہ سالہ لڑکے اور تین ملازموں کو چھوڑ کر آیا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ فسادیوں سے ان کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا میرے ملازمین میں ایک موپلا بھی ہے جو گزشتہ اٹھارہ سال سے میری ملازمت میں ہے وہ نہایت وفاداری سے کام کر رہا ہے۔

رپورٹ مذکور میں بہت سے ایسے ہندوؤں کے نام دیئے گئے ہیں جنہوں نے پل وغیرہ توڑنے میں موپلوں کے ساتھ شرکت کی۔ ان کے کھانے کے لئے چندہ جمع کیا گیا اور اسی بنا پر سزائیں پائیں۔ غرض کہ پرامن ترکِ موالات کو حکام کی طرف سے دبانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں موپلے مارے گئے۔ ان سے جیل بھر گئے اور ہر طرح برباد ہوئے۔ مگر ایک واقعہ ایسا دردناک ہوا جس نے لوگوں کے دلوں کو ہلا دیا۔ وہ یہ کہ گرمیوں کے موسم میں ایک سو موپلہ قیدیوں کو مال گاڑی کے ڈبے میں بند کر کے بھیجا گیا۔ جن میں سے چھپن آدمی تو ریل میں اور چودہ آدمی بعد میں ہلاک ہوگئے یعنی ایک سو میں سے ستر آدمی گرمی سے دم گھٹ کر مر گئے۔

ان تمام ہنگاموں کے فرو کرنے میں گورنمنٹ کے اکیاون لاکھ روپے صرف ہوئے، مگر جس جماعت یعنی حکام گورنمنٹ کے ہاتھوں یہ ہوا۔ اُن سے باز پُرس کرنا یا انہیں سزائیں دینا تو درکنار اُن پر حرف گیری کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ (خلاصہ)

ماخذ: محمد میاں "جمعیت العلما کیا ہے؟" حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۶۷ - ۱۶۹۔

(ب)

مسودہ فرائض واختیارات امیر الشریعت فی الہند

۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء

یہ مسودہ جمعیت علماء ہند کے اجلاس لاہور کی تجویز کے بموجب ماتحت مجلس (سب کمیٹی) نے مرتب کیا تھا۔ اگرچہ متعدد مشکلات کے باعث کوشش اور جدوجہد کے باوجود امارت شرعیہ کا خاکہ اب تک رنگ آمیزیٔ عمل سے خالی ہے مگر چونکہ شرعی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت کو کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اس مسودہ کے مضامین سے بہت سے ان شکوک کا ازالہ ہوسکتا ہے جو قیام امارت کے مخالف حضرات پیش کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ تجاویز میں اس مسودہ کو شائع کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(محمد میاں عفی عنہ)

؎ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی نے ۱۳۴۱ھ میں اس مسودہ کو جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روداد جلسہ سب کمیٹی

منعقدہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ [۹ دسمبر ۱۹۲۱ء]

بمقام بدایوں

اسمائے حاضرین

مولانا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند۔ مولانا سبحان اللہ صاحب۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب۔ مولانا محمد فاخر صاحب۔ مولانا عبد الماجد صاحب۔ مولانا محمد سجاد صاحب۔ مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی نائب ناظم جمعیۃ علماء ہند۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ [۹ دسمبر ۱۹۲۱ء] روز جمعہ کو بعد نماز جمعہ سب کمیٹی کے ارکانِ موجودہ نے اجلاس کیا۔

اس اجلاس میں علاوہ ارکان سب کمیٹی کے حضرات ذیل بھی موجود تھے۔

حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، سید ظہور احمد صاحب سکریٹری مسلم لیگ۔ مولانا غلام محمد صاحب شملوی، مولانا احمد مختار صاحب صدیقی، مولانا نذیر احمد صاحب خجندی مولانا یعقوب بخش صاحب بدایونی، مولانا اعجاز احمد صاحب، مولانا سراج احمد صاحب، مولانا عبد الوہاب صاحب، مولانا عبد الودود صاحب۔ مولانا نور الحسن صاحب، مولانا فرخندہ علی صاحب

(۱)

سب کمیٹی نے موافق تجویز منظور شدہ اجلاس جمعیۃ علماء ہند منعقدہ ۲۲ نومبر ۲۱ء بمقام لاہور امیر الہند کے فرائض و اختیارات کا حسب ذیل مسودہ تیار کیا۔

امیر الہند کے فرائض

دفعہ ۱۔ فرائض اسلامیہ کی تعمیل کرانا۔ منہیات شرعیہ سے روکنا یعنی احکام شرعیہ کو بقدر استطاعت

عملاً نافذ کرنا۔

تشریح

فرائض اور منہیات اور احکام شرعیہ سے مراد وہ فرائض اور منہیات اور احکام ہیں جو متفق علیہا ہوں۔

دفعہ ۲۔ اقامت بیوت مال۔

دفعہ ۳۔ اقامت محکمہ جات قضا۔

دفعہ ۴۔ اقامت نظارۃ اوقاف اسلامیہ۔

دفعہ ۵۔ اقامت نظارۃ التعلیمات۔

دفعہ ۶۔ اقامت نظارۃ التبلیغ والارشاد۔

دفعہ ۷۔ اقامت نظارۃ منافع عمومیہ۔

دفعہ ۸۔ اقامت محکمہ احتساب۔

نوٹ: امیر کو ان تمام فرائض میں سے کل یا بعض کو جاری کرنے یا مقدم و مؤخر کرنے کا حسب تفویض جمعیۃ علماء ہند اختیار ہوگا۔

اختیارات امیر الہند

دفعہ ۹۔ امیر اپنے فرائض میں سے اُن فرائض کو جن کی تنفیذ اصولاً جمعیۃ علماء ہند اس کے سپرد کرے گی نافذ کرنے کا مجاز ہوگا۔

دفعہ ۱۰۔ صوبجات کے اُمراء شریعت اور محاکم شرعیہ کے نظّار و اعلیٰ افسر مقرر کرنے یا معزول کرنے کا اختیار امیر الہند کو ہوگا۔

دفعہ ۱۱۔ امیر الہند بشرکت جماعت انتظامیہ جمعیۃ علماء ہند سالانہ بجٹ تیار کرے گا۔ اس کے موافق خرچ کرنے کا مجاز ہوگا۔

دفعہ ۱۲۔ امیر الہند اپنے تمام اختیارات کو اس مجلسِ شوریٰ کے مشورے کے مطابق استعمال کرے گا جو جمعیۃ علماء ہند معین کرے گی۔ دستخط۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

محمد سبحان اللہ گورکھپور ۔ فقیر سید محمد فاخر بےخود محمدی الہ آبادی غفرلہ،

بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ: امیر کی مدت امارت مقرر ہونی چاہیے۔

(۲)

فرائض واختیارات کے بعد بغرض سہولت کار سب کمیٹی مناسب سمجھتی ہے کہ امارت شرعیہ کے دیگر متعلقات کی نسبت بھی اپنے خیالات کا اظہار کرے۔

امیر الہند کے اوصاف لازمہ

دفعہ ۱ - امیر الہند کی منزلت شرعیہ امیر الناحیہ کی ہوگی اور مسلمانان ہند پر اُن کی اطاعت لازم ہوگی۔
دفعہ ۲ - علوم شرعیہ بالخصوص تفسیر وحدیث و فقہ میں متبحر عالم ہو۔
دفعہ ۳ - اعمال واخلاص کے لحاظ سے اُمّت کے لئے اسوۂ حسنہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔
دفعہ ۴ - سیاسیات میں حسب ضرورت وقت، واقفیت رکھتا ہو۔
دفعہ ۵ - اس کی انتظامی قابلیت اور ایمانی جرأت کا تجربہ ہو چکا ہو۔
دفعہ ۶ - ذاتی قابلیت اور اسلامی خدمات کی وجہ سے عوام وخواص کے اکثر طبقات کی معتدبہ جماعت پر اس کا اثر ہو۔

نصب وعزل امیر الہند

جمعیتہ علماء ہند کا اجلاس عام ہی امیر الہند کا تقرر وعزل کر سکتا ہے۔

امیر الہند کی مجلس شوریٰ

جمعیتہ علماء ہند ایک مجلس منتخب کرے گی جس کے ارکان کی تعداد کم از کم سات ہوگی اور جس میں پانچ عالم اور دو غیر عالم ماہرین سیاست ہوں گے۔ یہ مجلس امیر الہند کی مجلس شوریٰ کہلائے گی اور امیر الہند اس کے مشورہ کے مطابق کام کرنے کے پابند ہوں گے۔

(۳)

یہ صرف اصولی طور پر خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ فرعیات کے ابواب جداگانہ جمعیتہ علماء ہند کی ہدایت کے بموجب جمعیتہ التشریح مرتب کرے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسودہ

نظامنامہ

امیر الشریعت فی الہند

از حضرت مولانا محمد سجاد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

تشریح امیر الہند

(۱)

تمام مسلمانانِ ہند خصوصاً اہل سنت والجماعت کی سیادت وقیادت وتنفیذ واجرائے احکام شرعیہ وانتظام وانصرام اُمور مذہبی کے لئے ایک شخص واحد والی با اختیار امیر الشریعۃ للہند ہونا ضروری ہے جس کا منصب امیر الہند ہوگا اور اُس کی تمام مسلمانوں پر پابندی اصول مقررہ پیروی لازم ہوگی اور اس سے انحراف معصیت لیکن اس کے ہر خیال اور ہر عمل کی اتباع ہر شخص کے لئے ضروری نہیں۔

امیر کے لئے ہر حسب ذیل صفات کا ہونا لازمی ہے اور یہی صفات اس کی شرائط ہوں گی۔

شرائط امیر الہند

الف۔ مسلم مرد عاقل بالغ آزاد ہو۔

ب۔ عالم باعمل ہو۔ یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی اور حقائق کا معتد بہ علم رکھتا ہو۔ اغراض ومصالح شریعت اسلامیہ وعلم الفقہ وغیرہ سے واقف ہو اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنا اُس کا شیوہ ہو۔

ج۔ سیاسیاتِ ہند وسیاسیاتِ عالمِ اسلامیہ سے واقفیت تامہ رکھتا ہو اور حتی الامکان تجربہ سے اکثر صائب الرائے ثابت ہو چکا ہو۔

د۔ ذاتی قابلیت ووجاہت کی وجہ سے عوام وخواص کے اکثر طبقات کی ایک معتد بہ جماعت پر اس کا اثر ہو۔

ہ۔ حق گو، حق شنو، قوی القلب، صاحب عزیمت ہو اور اُس کی ذات سے مادی طاقتوں سے کسی حال میں مرعوب ہونے کا اور حکومت کافرہ سے ساز باز کرنے کا بظاہر اندیشہ نہ ہو جس کا اندازہ اس کے گذشتہ و موجودہ زندگی سے کیا جائے گا۔

و۔ سیئ الخلق، غلیظ القلب، سریع الغیظ نہ ہو۔

فرائض امیر الہند

(۲)

امیر الہند حقیقتاً شرعاً نائب خلیفۃ المسلمین ہوگا۔ اس لئے ازروئے احکام شرع جتنے فرائض خلیفۃ المسلمین کے ہیں وہ سب امیر الہند کے ہوں گے اور اس طرح اسکی تفصیل و تجدید کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر ہندوستان کے مسلمانوں کی حدیث النوعیت زندگی اور باہم مختلف الخیال فرق کا اجتماع حکومت کافرہ کا تسلط غیر مذہبوں کی بحالت بے چارگی ہمسائگی اس امر کی مقتضی ہے کہ نظر بحالت موجودہ بغرض حصول مقصود شرعی و سدباب مفاسد و فتن فرائض امیر الہند اصولاً حسب ذیل اُمور تک محدود رہیں گے۔

الف۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا اور اس کے لئے اصلح وسائل اباب مہیا کرنا۔

ب۔ عالم اسلامی کے داخلی و خارجی تغیراتِ احوال کے وقت مذہبی نقطۂ نظر سے بمشاورہ اہلِ شوریٰ ایسے احکام جاری کرنا جس سے مسلمانانِ ہند اور اسلام کا فائدہ متصور ہو اور جس کا ماخذ کتاب و سنت و آثار صحابہ کرام و فقہ ائمہ عظام ہوگا۔

ج۔ مسلمانانِ ہند کو (باوجود مذہباً مختلف الخیال ہونے کے ان کی مذہبی آزادی کو قائم رکھتے ہوئے) متحد رکھنا۔

د۔ حقوقِ مسلمین و احکام شرع و وقار اسلام کو کلیتہً محفوظ رکھتے ہوئے بہ نظر تکمیلِ مقاصد شریعت ہندوستان کی دیگر اقوام کے ساتھ صلح و آشتی کا برتاؤ کرنا۔

ہ۔ بشرط امکان غیر مسلم مختلف المذاہب جماعتوں کے ذمہ دار قائم مقاموں سے موافق سنتِ اسلام تحریری موادعت نامہ مکمل کرنا۔

د۔ بنابر اخوتِ اسلامی و احکام شرع ممالکِ اسلامیہ کے ذمہ دار اصحاب کے ساتھ موثق و مستحکم طریقہ پر ارتباط و تعلقات قائم کرنا۔

ذ۔ مسلمانوں کی مذہبی و اخلاقی و تعلیمی و اقتصادی حالت کے درست ہونے کی کوشش کرنا

ح۔ مسلمانوں کو احکام منصوصہ متفق علیہا پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرنا۔

ط۔ جن احکام شرع کا نفاذ حکومت کافرہ کی وجہ سے اس وقت تک مسدود ہے ان سب کو جاری کرنے کی کوشش کرنا۔

ی۔ مسلمانوں کے باہمی مذہبی مناظرات تحریری و تقریری جس سے محض اظہار حق ہو جاری رکھتے ہوئے اس کے ان عنوانوں و کارروائیوں کو روکنا جن سے نفاق و شقاق بین المسلمین پیدا ہو اور تفریق جماعت ہو۔

یا

نظام محکمۂ شرعیہ قائم کرنا جس کے مفصلۂ ذیل شعبے ہوں گے اور حسب ضرورت دیگر شعبے قائم کئے جائیں گے۔

۱۔ بیت المال المرکزی للہند جس کے ماتحت صوبہ وار بیت المال ہوگا

۲۔ انفصال خصومات کے لئے محکمہ دار القضاء قائم کرنا۔

۳۔ نظارت التعلیمات۔

۴۔ دار التبلیغ والاشاعت۔

۵۔ دائرۃ الاحتساب۔

۶۔ نظارت الاوقاف۔

۷۔ نظارت المساجد والائمہ۔

۸۔ دائرہ منافع عامہ۔

ب۔ آزادی ہند و جمہوریت ہند کے قائم ہونے کے بعد ملکی انتظام میں صدر جمہوریت سے کامل اتحاد و اتفاق کیساتھ مل کر کام کرنا اور اسلامی محکمہ شرعیہ کے نظام کو مستقلاً محض مسلمانوں کے اختیار میں رہنے کو جمہوریت سے تسلیم کرانا۔

اصول کار

(۳)

محکمہ امارت میں تین قسم کی مجلسیں ہوں گی۔

الف۔ مجلس دار الخواص جس کے اندر کم از کم چار ارکان ہوں گے تین جیّد عالم متورع، مدبر اور ایک انگریزی داں قابل دیندار۔

ب۔ مجلس دار العوام جو جمعیۃ علمار کے ارکان منتظمہ و اصحاب الرائے صوبہ ہائے ہند و وزرائے شعبہ ہائے دوائر سے مرکب ہوگی۔

ج۔ مجلسِ قوانین جس کے پانچ ارکان ہوں گے۔

(۴)

ہر صوبہ میں ماتحت امیر الہند ایک ایک حاکم شریعت ہوگا بطریق امیر البلد، امیر الناحیہ جس کا لقب امیر صوبہ ہوگا اور اس کے تمام کام بھی ان ہی اصولوں پر مبنی ہوں گے جو امیر الہند اور اس کے نظام کے متعلق طے پا چکے ہیں یا آئندہ طے پائیں۔

(۵)

نظامِ محکمہ شرعیہ کے ہر شعبہ میں ایک ایک افسر ہوگا جس کا لقب وزیر (ناظر) ہوگا اور ہر وزیر کی وزارت اسی شعبہ کی طرف منسوب ہوگی۔

(۶)

ارکان مجلس دار الخواص و مجلسِ قوانین کو جمعیۃ علمار اپنے اجلاس میں منتخب کرے گی اور ان دونوں مجلسوں کو اختیار ہوگا کہ حسب اجازت امیر الہند کسی اہل الرائے والعلم کو اپنی مجلس میں اضافہ کرلیں۔

(۷)

جب تک امرار صوبہ و وزرار کا تعین نہ ہو صرف ارکانِ منتظمہ جمعیۃ علمار مجلس دار العوام رہے گی اور جن جن صوبوں میں امرار کا تعین اور وزرار کا تقرر ہوتا جائے گا۔ دار العوام کے ارکان میں وہ شامل ہوتے جائیں گے۔

(۸)

تقرر قضات میں حنفی المذہب کے علاوہ جس علاقہ میں اہل حدیث وغیرہ کی ایک معتد بہ جماعت ہوگی وہاں حسب ضرورت اہلِ حدیث وغیرہ بھی قاضی مقرر کئے جائیں گے۔

طریقِ کار

(۹)

مجلس قوانین شعبہ ہائے محکمہ شرعیہ کے لئے مفصل قواعد و ضوابط مرتب کرے گی۔

(۱۰)

مجلس قوانین کے مرتب کردہ قوانین مجلس دار العوام میں پیش ہوں گے اور دار العوام کی رائے ظاہر ہونے کے بعد دار الخواص میں پیش ہوں گے اور وہاں جو فیصلہ ہوگا وہی منظور شدہ سمجھا جائیگا اور اسی پر عمل درآمد ہوگا۔

(۱۱)

تمام شعبوں اور تمام قومی و مذہبی کاموں کے مصارف کا متحمل صرف بیت المال ہوگا حتیٰ کہ جمعیۃ علمار کے مصارف بھی اسی سے ہوں گے۔

(۱۲)

جس مقام میں دار الامارت شرعیہ الہند ہوگا۔ امیر الہند و ارکانِ مجلس دار الخواص کا قیام بھی وہیں رہے گا اور جہاں جہاں حسبِ ضرورت امیر کی نقل و حرکت ہو ارکان دار الخواص اس کے ساتھ ہوں گے۔

اختیارات

(۱۳)

امیر الہند تمام کام حسب قواعد و اصول مجلس دار الخواص سے مشورہ کر کے انجام دیں گے اور احکام صادر فرمائیں گے لیکن مہماتِ اُمور میں دار العوام سے بھی مشاورہ کے بعد احکام صادر فرمائیں گے۔

(۱۴)

مجلس دار الخواص و دار العوام کے اندر مسائل شرعیہ کا فیصلہ کثرت رائے سے نہ ہوگا بلکہ دلائل کے بعد قوت یا ترجیح دلیل کی بنا پر جو فیصلہ ہوگا وہی قول فیصل ہوگا اور حق فیصلہ صدر مجلس کو ہوگا۔

(۱۵)

انتظامی قواعد و مصالح کے متعلق بنا بر کثرت آرار صدر مجلس کو حق فیصلہ ہوگا۔

(۱۶)

امیر الہند کو اختیار ہوگا کہ مجلس دار الخواص کے علاوہ جمعیۃ علمار صوبہ وار سے مشورہ کر کے اس صوبہ کا والی کسی کو مقرر کرے یا مقرر شدہ کو معزول کر دے لیکن اگر جمعیۃ علمار صوبہ باتفاق کسی کے عزل سے اختلاف کرے یا کسی کو والی مقرر کرنے کے خلاف ہو تو اس صورت میں امیر الہند جمعیۃ علمار

صوبہ کے مشورہ پر عمل کریں گے۔

(۱۷)

شعبہ ہائے محاکم شرعیہ کے تمام ملازمین کا تقرر و برخواست مجلس دارالخواص سے مشورہ کرکے کلیتہً امیرالہند اور ان کے نائبین (امرائے صوبہ) کے اختیار میں ہوگا۔

(۱۸)

اگر کسی مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق کلیتہً حکم صادر کرنے کی ضرورت ہو تو مجلس دارالعوام میں کامل گفتگو اور بحث کے بعد امیرالہند باصول نمبر ۴ فیصلہ کرکے حکم دیں گے۔

(۱۹)

امیرالہند اگر منصب امارت سے علیحدہ ہونا چاہے تو اعلانِ عزل سے پہلے دارالعوام سے مشاورت ضروری ہوگی۔ اگر دارالعوام باتفاق یا بکثرت آرار عدم عزل کی رائے قائم کرے یا بصورت تعلقات خلافت خلیفہ بھی عزل پر رضامند نہ ہوں تو امیر کو اپنا ارادہ فسخ کرنا ہوگا۔

(۲۰)

اگر امیرالہند از خود اپنے عزل کا فیصلہ کرے اور دارالعوام اس میں متفق ہو جائے (اور خلافت سے تعلقات قائم نہ ہوں)، اور عزل سے پہلے اپنا قائم مقام کسی جامع الشروط کو امیرالہند نامزد کرنا چاہے تو یہ اختیار ہوگا مگر جمعیتہ علمار و دارالعوام سے مشورہ لینا ضروری ہوگا۔

حق انتخاب و نصب و عزل

(۲۱)

امیرالہند کے انتخاب و نصب و عزل کا حق کلیتہً جمعیتہ علمار ہند کو حاصل ہوگا اور اس وقت تک رہے گا جب تک کہ خلیفۃ المسلمین کلیتہً غیروں کے اثر سے آزاد اور با اقتدار خود مختار نہ ہو۔

(۲۲)

جس وقت خلیفۃ المسلمین غیروں کے اثر سے آزاد و با اختیار و اقتدار ہو جائیں گے اور جمعیتہ علمأ ہند براہ راست ان سے تعلقات قائم کرے گی اُس وقت خلیفۃ المسلمین جمعیتہ علمار الہند کے مشورہ سے جس شخص کو نامزد کر دیں گے اور اس کے نام سندامارت عطا فرمائیں گے وہی شخص امیرالہند ہوگا اور اس

صورت میں امیر الہند کا عزل بھی خلیفۃ المسلمین کے اختیار میں ہوگا جس کو حضرت خلیفۃ المسلمین بمشورہ جمعیۃ العلماء للہند عمل میں لائیں گے۔

وجوہ عزل

(۲۳)

امیر الہند بوجوہ ذیل معزول یا مستحقِ عزل ہوگا:۔

الف۔ اگر امیر الہند سے خدانخواستہ کفر بواح کا ظہور ہو (نعوذ باللہ منہ) تو فی الفور معزول ہوگا۔

ب۔ امیر الہند کے ذاتی اعمال میں اس حد تک تغیر ہوجائے کہ محارم متفقہ علیہ کا ارتکاب کرنے لگے تو مستحق عزل ہوگا تنبیہ کے بعد بھی اس سے باز نہ آئے تو اس صورت میں معزول کیا جائے گا۔

ج۔ اگر امیر الہند کے رویہ و طریق عمل سے فساد دین یا افتراق جماعت مسلمین کا نہایت سخت اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں اصلاح نہ ہونے پر مستحق عزل ہوگا۔

د۔ اگر امیر الہند اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر و عاجز ثابت ہو بسبب عدم اہلیت یا بسبب غفلت اور اس سے بہتر شخص ملک کے اندر متصف بجمیع صفات مذکورہ دفعہ نمبر ا الف تا واؤ موجود ہو تو اس صورت میں بھی مستحق عزل ہوگا بشرطیکہ بغیر اس کے عزل میں اثارت فتنہ و اختلال جماعت مسلمین کا غالب اندیشہ نہ ہو۔

ہ۔ جو اختیارات شریعت اسلامیہ سے امیر کو حاصل ہیں اگر اس سے تجاوز کرے یا جو طریق کار جماعت علماء نے اصولاً اس کے لئے متعین کر دیئے ہیں اُن کی خلاف ورزی خود رائی سے کرے اور بعد تنبیہ بھی اس سے باز نہ آئے تو اس صورت میں بھی مستحق عزل ہوگا

طریق عزل

(۲۴)

امیر الہند منتخب یا نامزد ہونے کے بعد خدانخواستہ عزل کی وجوہات میں سے کوئی وجہ پائی جائے تو حسب ذیل طریق پر اس کا عزل عمل میں آئے گا:۔

الف ۔جس وقت تک امیر الہند کا عزل و نصب کلیتہً مستقلاً جمعیۃ علماء کے اختیار میں ہے اس وقت تک جمعیۃ علماء اس کے عزل کا یہ طریق اختیار کرے گی۔

کہ وجوہ عزل کے محقق و مبرہن ہونے کے بعد جمعیۃ علماء ہند ایک خاص اجلاس کسی مقام پر منعقد کرے گی اور کامل غور و خوض کے بعد اگر اُس کے عزل کا فیصلہ علماء کے خاص اجلاس میں ہو تو اجلاسِ عام میں اس کا اعلان کر دے گی اور اسی اجلاس میں کسی دوسرے شخص کو حسب شرائط امیر الہند منتخب کر کے اس کا اعلان کر دے گی۔

ب ۔جس وقت عزل و نصب کا اختیار خلیفۃ المسلمین کو بمشاورت جمعیۃ علماء حاصل ہوگا تو اس وقت بصورت تحقق وجوہ عزل بمشاورت جمعیۃ علماء خلیفۃ المسلمین معزول فرمائیں گے۔

(۲۵)

جس وقت خلیفۃ المسلمین کو عزل و نصب کا اختیار ہوگا تو اس صورت میں جو وجوہات عزل تذکرۂ صدر بھی کسی مصلحت یا کسی ضرورت سے خلیفۃ المسلمین معزول کر سکتے ہیں مگر اس وقت بھی حضرت خلیفۃ المسلمین کو جمعیۃ علماء الہند سے مشورہ کر لینا مناسب ہوگا۔

انتخاب یا تقرر امیر

(۲۶)

جس وقت تک جمعیۃ العلماء کو حقِ انتخاب امیر کلیتہً حاصل ہے اس وقت تک جمعیۃ علماء ہند انتخاب امیر کے لئے ایک خاص (اسپیشل) اجلاس منعقد کرے گی اور اس اجلاس کے مجلسِ شوریٰ میں غور و خوض کے بعد جس شخص کو انتخاب کرے گی اس کا نام اجلاسِ عام میں ظاہر کیا جائے گا اور تمام اراکین جمعیۃ علماء و اعیان جو اس وقت موجود ہوں و دیگر حاضرین کو اسی وقت بیعت سمع و طاعت کرنی ہوگی۔

(۲۷)

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس شوریٰ میں جس شخص کے متعلق اکثر رائیں ہونگی وہی شخص منتخب ہوگا اور اس صورت میں بعد انتخاب اختلاف کرنیوالوں پر بھی اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہوگا۔

(۲۸)

اجلاس انتخاب امیر کا اعلان تاریخ اجلاس سے کم از کم پندرہ روز قبل ہوگا۔

(۲۹)

جب جمعیۃ کا اجلاس عزل امیر پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوگا تو اس کا اعلان بھی پندرہ روز قبل ہوگا اور اس وقت اس امر کا بھی اعلان کرنا ضروری ہوگا کہ بشرط فیصلہ عزل امیر کا جدید انتخاب بھی ہوگا۔

(۳۰)

امیر الہند از خود معزول ہونے کے پہلے یا مرض الموت میں کسی جامع الشروط کو حسب دفعہ ۲۰ امیر الہند نامزد کر دیں تو وہی شخص امیر الہند ہوگا۔

(۳۱)

جس وقت امیر الہند کا عزل. نصب خلیفۃ المسلمین کے اختیار میں ہوگا تو اس وقت جمعیۃ علمار کے مقرر کردہ امیر الہند کے لئے جمعیۃ کی سفارش کی درخواست پر خلیفۃ المسلمین سندِ امارت مرحمت فرمائیں گے اور جدید تقرری کے وقت (حسبِ ضرورت) جمعیۃ علمار اپنے اجلاس میں حسبِ قاعدہ کسی ایک شخص کو متعین کر کے خلیفۃ المسلمین سے تقررِ امیر الہند کی سفارش کرے گی اور سند آنے پر جمعیۃ اس کا اعلان کرے گی۔

جمعیۃ علمار کا منصب

(۳۲)

جمعیۃ علمار امارت کی ایک زبردست طاقت ہوگی اس کا طریق عمل بعد انعقاد امارت حسب ذیل ہوگا۔

الف: فرامین و احکامِ امیر پر عمل درآمد کرانے میں اپنی تمام اجتماعی قوت صرف کریگی۔

ب: ضروریات دینی و ملکی پر غور کر کے امیر الہند کے سامنے تجاویز پیش کرتی رہے گی۔

ج: ابواب عبادات و معاملات میں جدید تالیفات کا سلسلہ بزبانِ عربی اس طرح پر شروع کرے گی کہ ہر باب کے مسائل نمبروار ہوں۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے؟، حصہ دوئم، دہلی ۱۹۴۶ء، ص ص ۷۹-۹۳۔

ترک موالات کے پروگرام کے متعلق
جمعیت علمار ہند کا فیصلہ
۲۱ ستمبر ۱۹۲۶ء

تجاویز منظور شدہ، اجلاس مجلس عاملہ جمعیۃ علمار ہند منعقدہ دہلی
بتاریخ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۲۶ء

ترکِ موالات کے پروگرام کے متعلق جمعیت علماء ہند کا فیصلہ

ترک موالات کے پروگرام کے متعلق جمعیۃ علمار ہند کی مجلس مرکزیہ کے سامنے عرصے سے یہ تجویز در پیش تھی کہ موجودہ صورت میں مسلمانوں کے لئے راہِ نجات کیا ہے۔

مراد آباد کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۴ ر جنوری ۱۹۲۵ء میں اس امر پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی گئی۔ سب کمیٹی کے ارکان حسب ذیل تھے۔

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمار ہند۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دار العلوم دیوبند۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی جانشین حضرت شیخ الہند قدس سرہ۔

مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر الشریعۃ صوبہ بہار واڑیسہ۔
مولانا ثنار اللہ صاحب سیکریٹری جمعیۃ اہل حدیث۔

اس سب کمیٹی کا جلسہ ۲۰ر اپریل ۱۹۲۶ء کو منعقد ہوا اور اس نے ایک تجویز کا مسودہ[1] مرتب کیا جس کے علاوہ اسی جلسہ میں طے ہوا کہ اُسے ممبرانِ مرکزیہ کے پاس بغرض استصواب بھیجا جائے چنانچہ مسودہ مذکور ممبران کے پاس بھیجا گیا اور ۸ر مئی ۱۹۲۶ء کو حاصل شدہ آرار مجلسِ عاملہ کے جلسہ میں پیش کی گئیں۔ اُسوقت تک صرف ۳۲ رائیں آئی تھیں جن میں سے ۳۰ موافق اور صرف ۲ مخالف تھیں مگر مجلسِ عاملہ نے مزید آرار حاصل کرنے کے لئے اس کی اشاعت کو ملتوی رکھا پھر ۲۲ر ستمبر ۱۹۲۶ء کو مجلسِ عاملہ کے دوسرے جلسہ میں یہ معاملہ پیش ہوا۔ اب حاصل شدہ آرار کی تعداد ۵۳ تک پہنچ چکی تھی اس میں سے صرف تین مخالف تھیں دو ترمیمی تھیں اور باقی ۴۸ موافق تھیں۔ اس لئے مجلسِ عاملہ نے اُسے منظور اور شائع کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ لہٰذا تجویز مذکور شائع کی جاتی ہے۔

تجویز نمبرا

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس فتوئ[2] ترکِ موالات کے سلسلہ میں یہ اعلان کرتا ہے کہ (جیسا کہ مطبوعہ متفقہ فتوے میں تصریح کر دی گئی تھی) لفظ موالات محاورۂ عرب و اصطلاحِ شرع میں بمعنی محبت (دوستی) ومناصرہ (باہمی امداد) مستعمل ہوتا ہے اور اعدائے دین سے موالات دونوں معنی کے اعتبار سے حرام ہے۔

کفارِ محاربین سے ترکِ موالات کرنے کا حکم قرآن وسنت کا ایک منصوص محکم دائمی۔ اجماعی۔ غیر متبدل اور عام حکم ہے اور جو قوم یا افراد مسلمانوں کی جان ومال۔ آبرو، دین اور شعائرِ اسلام پر حملے کریں یا اس کے لئے سازشیں کر کے ترغیب اور دعوت دیں اور اسلامی قومیت اور مسلمانوں کے مٹانے یا ضعیف بنانے اور کلمۂ اسلام کو پست کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں یا بلادِ اسلامیہ پر قبضہ کریں یا قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ ایسے غیر مسلموں اور دشمنانِ دین سے رشتہ موالات قائم کرنا حرام ہے یہ حکم دائمی ہے لیکن استطاعت کے مدارج اور ماحول کے تفاوت کے لحاظ سے اس کی تاکید وتخفیف میں تفاوت ہونا بھی شرعی حکم ہے۔ اسی طرح دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جانے کے وقت اہون البلیتین (کم ضرر والی مصیبت) کو اختیار کر لینے والا شرعاً معذور ہے۔ متفقہ فتوے کی تنفیذ واشاعت کے وقت اوّل تو حکومت

---

[1] تمہید۔
[2] اس تجویز کی تمہید میں کہا گیا تھا۔

موجودہ کی مسلمان حکومتوں کے ساتھ بالفعل جنگی حالت قائم تھی اور مسلمانوں کو قتل کرنے، اُن کا مال لوٹنے، گھروں سے نکالنے، بلادِ اسلامیہ پر قبضہ و تسلط جمانے کی کارروائیاں ہو رہی تھیں۔ دوسرے مسلمانانِ ہند بھی حکومت جابرہ کے جبر و تشدد سے خلاصی حاصل کرنے اور اپنے وطن کو (جو صدیوں تک دارالاسلام رہ چکا ہے) آزاد کرانے کے شرعی فریضہ پر عمل کرنے کے لئے متحدہ جذبۂ وطنیت کی فضا پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہمہ تن مستعد ہو گئے تھے اور اس اجتماعی مستعدی نے صورت استطاعت پیدا کردی تھی۔ اس ماحول کی موافقت اور امکانِ استطاعت کی وجہ سے خاص خاص مدارج کے متعلق ترکِ موالات کا تاکیدی حکم متفقہ فتویٰ کی صورت میں شائع کیا گیا تھا مگر بدقسمتی سے آج ہندوستان کی حالت متغیر ہو گئی اور خود ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہب اور جان و مال کو خطرات نے گھیر لیا اور ماحول کی ہیبت ناک حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمانوں کے بہت سے بیدار مغز، موقعہ شناس اہل الرائے اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ اگر وہ اب بھی اسلامی قومیت کی حفاظت کے لئے سعی نہ کریں اور اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دینے کی کوششوں کے مدافعت کے وسائل اختیار نہ کریں تو اسلامی قومیت کے استیصال اور مسلمانوں کی تضعیف و توہین کی ذمہ داری خود ان پر عائد ہوگی۔

جمعیۃ علماء ہند کامل غور و احتیاط کے ساتھ تمام جدید حالات کا معائنہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اگر موجودہ تاریک فضا میں اہل الرائے اور مخلص مسلمان اپنے مذہب اور اپنی ہستی کو محفوظ رکھنے کے لئے کوئی ایسا عمل اختیار کرلیں جو اس مقصد کے لئے ضروری ہو۔ اگرچہ صورۃً موہم موالات ہو لیکن حقیقۃً و معنیً و نیتہً موالات مقصود نہ ہو اور اعدائے دین کی اعانت و امداد نہ ہوتی ہو۔ نیز مذہب اور قوم و وطن کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہو تو اس عمل میں وہ بقاعدہ اختیار "اہون البلیتین" معذور ہونگے۔ اور شرعاً قابلِ مواخذہ نہ ہوں گے۔

یہ حکم معذوری بھی اسی وقت تک ہے جب تک فضا کی تاریکی دُور نہ ہو یا کوئی اور زیادہ مہتم بالشان خاص حالت پیدا نہ ہو جائے۔

تجویز نمبر ۲

مجلسِ عاملہ کا یہ جلسہ مصارفِ وفد کو منظور کرتا ہے اور ارکانِ وفد کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے نہایت کفایت شعاری اور ایثار سے کام لیا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

تجویز نمبر ۳

چونکہ بحالت موجودہ شعبۂ تبلیغ کی علیحدہ حیثیت قائم رکھنی ناممکن ہے اس لئے شعبۂ تبلیغ کو جمعیۃ کے مختلف شعبہ جات میں سے ایک شعبہ سمجھا جائے اور حساب وکتاب اور دفتری امتیازات کو ختم کرکے جمعیۃ کے عمومی مداخل ومخارج میں شامل کردیا جائے۔

اور چونکہ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم مالیات شعبۂ تبلیغ نے اس تبدیلی کے بعد آئندہ اپنی خدمات منظوعانہ جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے جمعیۃ عاملہ مولانا کے اس نیک ارادہ کا شکریہ ادا کرتی ہے اور طے پایا کہ جمعیۃ علماء کی مالی حالت درست کرنے کے لئے اپیل کی جائے اور تمام ممبرانِ مرکزی کو توجہ دلائی جائے کہ ہر ممبر کم ازکم پچاس روپے جمعیۃ کے فنڈ کے لئے اپنے حلقہ اثر سے جمع کرے۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی ۱۹۴۶، ص ۱۲۷ - ۱۳۰۔

(د)

نہرو رپورٹ پر تنقید و تبصرہ

سنہ ۱۹۲۸ء

تجاویز مجلس عاملہ جمعیۃ علمائے ہند بمقام لکھنؤ

۱۶ راگست سنہ ۱۹۲۸ء کو نہرو رپورٹ شائع ہوئی اور ۲۸ راگست سنہ ۱۹۲۸ء کو لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ہونے والی تھی لہٰذا مجلسِ عاملہ جمعیۃ علمار ہند کا اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا گیا کہ نہرو رپورٹ پر غور وخوض کیا جاسکے۔ پھر اگر آل پارٹیز میں شرکت منظور ہو تو طے شدہ نظریہ کے ساتھ آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت کی جائے۔ چنانچہ ۲۷ راگست سنہ ۱۹۲۸ء کو بعد نماز ظہر بوقت ۲½ بجے زیرِ صدارت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مجلسِ عاملہ کا اجلاس شروع ہوا۔ ارکان ذیل نے شرکت فرمائی۔

۱۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمار ہند۔

۲۔ مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علمار ہند۔

۳۔ مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی۔

۴۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر الشریعۃ بہار۔

۵۔ مولانا ظفر علیخاں صاحب مالک اخبار زمیندار لاہور۔

۶۔ مولانا سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی۔

۷۔ مولانا ابوالمعارف محمد عرفان صاحب ناظم مالیات جمعیۃ علمار ہند۔

۸۔ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب صدیقی ادیب دار العلوم ندوۃ العلمار۔

۹۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی۔

حسب ذیل تجاویز پاس ہوئیں :۔

تجویز نمبر ا

جمعیۃ علمار ہند کی مجلسِ عاملہ کا یہ اجلاس اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ آل پارٹیز کمیٹی نے نہرو رپورٹ کا کوئی نسخہ جمعیۃ کے دفتر کو نہیں بھیجا اور نہ جمعیۃ علمار کو آل پارٹیز کمیٹی نے ہندوستانی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا۔

تاہم باب سفارشات میں جو چیزیں مذکور ہیں ان میں چند اہم بنیادی امور پر یہ جلسہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور حسب ذیل ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کرتا ہے کہ وہ رپورٹ پر کامل طور سے غور کر کے مکمل تبصرہ کرے اور وہ تبصرہ جمعیۃ مرکزیہ کے ارکان کی خدمت میں بھیج کر اُن کی قطعی رائے حاصل کرے۔

جن اہم بنیادی اُمور پر یہ جلسہ اظہار خیال کرتا ہے وہ حسب ذیل ہیں

(الف) نہرو رپورٹ میں ہندوستان کے لئے حکومت بطرز نوآبادیات کے مطالبہ پر قناعت کی گئی ہے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس میں کسی جماعت کے لئے آزادی کامل کی جدوجہد کرنے کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے تاہم مجلسِ عاملہ کے لئے اس کی تصدیق مشکل ہے کیونکہ جمعیۃ علمار اپنے اجلاسوں میں ہندوستان کی مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دے چکی ہے اور جمعیۃ عاملہ کے اختیار سے یہ باہر ہے کہ وہ اس نصب العین کے خلاف کسی تجویز کی تصدیق کرے۔

(ب) نہرو رپورٹ میں صوبوں کے گورنروں اور گورنر جنرل کو کونسلوں اور ایوانوں کے منظور شدہ قوانین کو مسترد کر دینے کا اختیار دے دیا گیا ہے اور بادشاہ کی منظوری کی شرط اس پر مستزاد کی گئی ہے جو شخصی استبداد کی قبیح صورت ہے۔

(ج) رپورٹ میں صوبوں کے اختیارات بہت محدود رکھے گئے ہیں اور جو اختیارات ان کو تفویض بھی کئے ہیں ان میں بھی صوبوں کی آزادی تسلیم نہیں کی گئی بلکہ گورنر جنرل کے اختیارات میں اس قدر توسیع کر دی گئی ہے کہ صوبوں کی برائے نام خود مختاری محض ایک کھلونا بن گئی ہے حالانکہ ہندوستان کی فلاح و بہبود اور قیام توازن کے لئے صوبوں کی آزادی نہایت ضروری ہے۔

د۔ رپورٹ میں مختلف اقوام بالخصوص ہندو مسلم تنازعات کے مسئلہ کا کوئی صاف اور مکمل حل پیش نہیں کیا گیا بلکہ اس مسئلہ کے حل کے لئے ملک کی مشترکہ ذمہ دار جماعت انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے اجلاس منعقدہ مدراس میں جو صورتیں پیش کی تھیں ان کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ہ۔ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی نشستیں غیر محفوظ رکھ کر ان کی تھوڑی سی اکثریت کو خطرہ میں ڈال دیا گیا ہے۔

و۔ صوبہ سندھ کی علیحدگی کو مشروط کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ کانگریس کی منظور کردہ اور دلائل و براہین سے ثابت شدہ اور سندھ کی اکثریت کا حتمی مطالبہ تھا اور تعجب ہے کہ اندھرا، کرناٹک، اُٹکل وغیرہ کی علیحدگی کے بغیر کسی شرط کی سفارش کی گئی ہے۔

ز۔ اقلیتوں کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے خلافت کمیٹی، جمعیۃ علماء، کانگریس سب نے اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا کہ قانون ساز جماعتوں میں کوئی ایسا بل ریزولیوشن ترمیم زیر بحث نہ آسکے جس کو کسی فرقہ کے نمائندوں کی ¾ اکثریت اپنے مذہبی مفاد کے خلاف قرار دے۔ رپورٹ میں اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس کے قائم مقام کوئی دوسرا قاعدہ بھی حفاظت کا نہیں بتایا۔ حالانکہ ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ اقلیتوں کے مفاد کے تحفظ اور اس کا اطمینان دلانے پر موقوف ہے۔

ح۔ مرکزی مجالس میں مسلمانوں کی نمایندگی ¼ کر دی گئی ہے حالانکہ اس وقت ان کو ⅓ کی نمائندگی حاصل ہے جس کا قائم رکھنا ضروری ہے۔

ط۔ حق رائے دہندگی کو دفعتہً اس قدر وسعت دے دی گئی ہے جو ہندوستان کے موجودہ حالت کے لحاظ سے ناقابلِ عمل ہے۔ ضرورت تھی کہ سردست حق رائے دہندگی بالغ مردوں تک محدود رکھا جاتا۔

ی۔ مرکزی حکومت کی سرکاری زبان اور رسم الخط کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

ای۔ صوبہ بلوچستان کی علیحدگی اور مساویانہ حق حکومت کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔

ان مجمل اشارات کے ساتھ اس جلسہ کی قطعی رائے ہے کہ ان حالات میں کہ ۱۵ اگست ۱۹۲۸ء کو رپورٹ شائع ہوئی اور آج ۲۰ اگست تک بھی کسی ہندوستانی زبان میں اس کا مکمل ترجمہ شائع نہیں ہوا اور ملک کی غالب اکثریت اس کے مضامین سے قطعاً ناواقف ہے۔ آل پارٹیز کانفرنس کے ۲۸، ۲۹ اگست کے اجلاس میں اس پر کافی غور نہ ہو سکے گا اور نہ اس کانفرنس کا کوئی فیصلہ ہندوستان کی اکثریت کا فیصلہ ہو گا۔

رپورٹ پر مفصل تبصرہ کرنے کے لئے جو سب کمیٹی معین کی گئی اس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

۱۔ صدر جمعیتہ علماء ہند۔

۲۔ ناظم جمعیتہ علماء ہند۔

۳۔ مولانا سید حسین احمد صاحب۔

۴۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب۔

۵۔ مولانا سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی۔

تنقید و تبصرہ

مذکورہ بالا کمیٹی نے نہرو رپورٹ پر جو تنقید کی اُس کو ذیل میں بلفظہ نقل کیا جاتا ہے یہ تنقید و تبصرہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں جید برقی پریس میں طبع کرا کر شائع کیا جا چکا ہے۔

نہرو کمیٹی کی رپورٹ اور لکھنؤ کانفرنس کی روداد میں جانبداری یا فرقہ وارانہ احساس کی جھلک

ہم دیکھتے ہیں کہ نہرو کمیٹی نے رپورٹ کی ترتیب بھی اس انداز سے کی ہے جس میں فرقہ وارانہ جھلک موجود ہے اور مسلمانوں کے مطالبات کو کمزور کرنے یا اُن پر تعریض کرنے یا اُن کی وقعت گھٹانے یا مسلم قومیت کو فرقہ وارانہ مناقشات کا ذمہ دار ٹھہرانے کی نہایت ہوشیاری سے کوشش کی گئی ہے جو ہمارے لئے تکلیف دہ ہے۔

۱۔ باب اوّل میں مختصر تاریخ کے عنوان میں گوہاٹی کانگریس سے ابتدا کی گئی اور فرقہ وارانہ منافرت کا ایک اندوہناک منظر پیش کرنے کے لئے ایسے واقعہ کا ذکر کیا گیا جس کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کی جاتی ہے۔ حالانکہ فرقہ وارانہ منافرت ۲۳ء سے شروع ہوئی ہے اور گوہاٹی کانگریس سے پہلے کتنے ہی واقعے ایسے ہو چکے تھے جن میں بیسیوں جانیں ضائع ہوئیں اور جائدادیں جلائی گئیں اور طرح طرح کی تباہیاں آئیں اور اُن کی وجہ سے دہلی میں یونیٹی کانفرنس بیٹھی۔ گاندھی جی نے اکیس روز کا برت رکھا وغیرہ وغیرہ۔ مناسب تو یہ تھا کہ اس وقت سے سعی اتحاد کا ذکر کیا جاتا اور لیڈروں کی مساعی اور مختلف مجالس کی تجویزیں بھی سامنے لائی جاتیں لیکن اگر گوہاٹی کانگریس سے شروع کرنا کسی وجہ سے ضروری تھا تاہم اس

عبارت کی بجائے نیشنل کانگریس گوہاٹی کا اجلاس دسمبر ۱۹۲۶ء میں ایسے زمانہ میں ہوا جبکہ ایک سخت اندوہناک حادثہ نے فضا کو مکدر کر دیا تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات و مناقشات پورے زوروں پر تھے۔"

یہ عبارت ہونی چاہیئے تھی جو ادائے مطلب کے لئے بالکل کافی تھی۔

"نیشنل کانگریس گوہاٹی کا اجلاس دسمبر ۱۹۲۶ء میں ایسے زمانے میں ہوا جبکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات و مناقشات پورے زوروں پر تھے۔"

یعنی اُوپر کی عبارت میں خط کشیدہ فقرہ بالکل نہ ہونا چاہیئے تھا اور اس کے ساتھ یہ فٹ نوٹ "سوامی شردھانند کو ان کے بستر علالت پر ایک مسلمان مذہبی دیوانے نے قتل کر دیا تھا" بھی بالکل حذف کر دینا چاہیئے تھا۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ایک دستوری دستاویز میں قصداً یا ضمناً بھی ایسی چیز نہ آنی چاہیئے تھی جس سے یہ استنباط کیا جا سکے کہ فرقہ وارانہ جذبات اور اُن کو انتہائی حد تک پہنچانے کی ذمہ واری کسی ایک فرقہ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ بات اس رپورٹ کے موضوع سے قطعاً بے تعلق ہے

۲۔ رپورٹ کے باب دوم میں (اردو رپورٹ صفحہ ۲۸) یہ عبارت درج ہے۔

"کل ہندوستان میں چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لئے انہیں خوف ہے کہ اکثریت انہیں دق کرے گی اور اس مشکل کو حل کرنے کے لئے انہوں نے ایک تجویز پیش کی ہے یعنی یہ کہ کم از کم ہندوستان کے بعض حصوں میں ان کا غلبہ رہے۔ تاہم اس جگہ پر ان کے اس مطالبہ پر تنقید کرنا نہیں چاہتے، ممکن ہے کہ فرقہ وارانہ فضا پر نگاہ کرتے ہوئے اس میں کوئی جواز کا پہلو ہو۔"

اوّل تو مسلمانوں کی کسی جماعت نے ان الفاظ میں یہ مطالبہ پیش نہیں کیا کہ بعض مسلمانوں نے انفرادی طور پر اس عنوان سے ذکر کیا ہو تو وہ قابلِ ذکر نہیں تھا۔

دوم مسلمانوں نے کسی جبری اکثریت یا غلبہ کا مطالبہ نہیں کیا ہے کہ خواہ مخواہ ان کو اکثریت دے دی جائے۔

سوم یہ مطالبہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے تین مطالبوں کا نتیجہ ہے وہ تین مطالبے یہ ہیں:

۱۔ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی جو اکثریت ہے وہ قائم رکھی جائے۔

۲۔ صوبہ سرحدی و بلوچستان میں مسلم اکثریت تو ہے مگر دونوں صوبوں کا طرزِ حکومت باقی صوبوں

کی طرح کر دیا جائے

۳۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔

ان تینوں مطالبوں میں سے پہلے دو مطالبے رپورٹ میں بھی معقول قرار دئے گئے ان کے متعلق تو لفظ عجیب تجویز یا فی حد ذاتہ ناجائز و غیر معقول کے الفاظ واضعین رپورٹ نے کہے نہیں ہوں گے تو صرف تیسرا یعنی علیحدگی سندھ کا مطالبہ باقی رہ جاتا ہے۔ مگر رپورٹ میں اصولاً اس کو بھی تسلیم کیا گیا ہے اور علیحدگی کے دلائل کو قوی قرار دیا گیا ہے پھر حیرت ہے کہ جب کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت طبعی طور پر موجود ہے اور ان کا مطالبہ اس اکثریت کو قائم رکھنے کا ہے تو یہ مطالبہ عجیب تجویز اور فرقہ وارانہ فضا کی بنا پر ممکن الجواز ورنہ ناجائز کیسے ہو گیا۔

کیا ہم یہ سمجھیں کہ چونکہ نہرو کمیٹی کو سندھ کی بلا شرط علیحدگی کا فیصلہ کرنا نہیں تھا بلکہ وہ ہندو مہاسبھا سے مرعوب ہو کر کانگریس کمیٹی، کانگریس ورکنگ کمیٹی، کانگریس کی صوبوں کی تقسیم قدیم، مدراس کانگریس مسلم لیگ، خلافت کمیٹی جمعیۃ علمار کے فیصلوں کے خلاف سندھ کی علیحدگی کو مشروط کرنا چاہتی تھی اس لئے اُس نے اس مضمون کو ایسے انداز میں بیان کیا کہ پڑھنے والے ان الفاظ سے متاثر ہو کر نہرو کمیٹی کے فیصلے کو بلا چون و چرا تسلیم کریں۔

۳۔ ترجمہ نہرو رپورٹ کے ساتھ لکھنؤ کانفرنس کی روداد کا جو ضمیمہ شائع ہوا ہے اس میں ڈومینین اسٹیٹس کے ریزولیوشن پر بحث کے بیان میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ جمعیۃ خلافت کی طرف سے مولانا محمد شفیع داؤدی نے اور جمعیۃ علمار کی طرف سے مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمار نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جمعیۃ خلافت اور جمعیۃ علمار حکومت بطرز نو آبادیات کی تائید نہیں کر سکتیں کیونکہ ان دونوں کا نصب العین مکمل آزادی ہے تجویز کے مویدین کے ساتھ ان دونوں ناموں کو ذکر کر کے یہ لکھ دیا گیا ہے کہ انہوں نے بحث میں حصہ لیا یہ صریح تلبیس ہے حالانکہ ان دونوں نے تقریر کے ساتھ تحریری بیان بھی صدر کانفرنس کو دے دیا تھا، اور ریکارڈ میں لانے کی درخواست کی تھی اور وعدہ بھی کر لیا گیا تھا۔

۴۔ کانفرنس کی کارروائی میں صدر کانفرنس کے اس اعلان کا ذکر نہیں کیا گیا کہ کانفرنس میں رائے شماری جماعتوں کی حیثیت سے نہیں ہوئی بلکہ شخصی اور انفرادی طور پر ووٹ لئے گئے حالانکہ کانفرنس کی حیثیت واضح کرنے کے لئے یہ ظاہر کر دینا سخت ضروری تھا۔

۵۔ کانفرنس میں شریک ہونے والی جمعیتوں کے نام لکھے گئے ہیں اُن میں جمعیۃ علمار کا نام بھی درج

ہے لیکن روداد میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ جمعیتہ علمار کے نمائندے ۲۹ راگست کو صدر کانفرنس کو اطلاع دے کر کانفرنس سے چلے گئے اور ریزولیوشن نمبر ۲ کے بعد کی تمام کارروائی میں جمعیتہ علمار کی بحیثیت جماعت شرکت نہیں رہی۔

متحدہ قومیت۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر کسی ملک کو یہ بات حاصل ہو کہ اس کے تمام باشندے ایک مذہب کے پابند ہوں اور ایسی جماعتیں نہ ہوں جن کی تہذیب، طرز معاشرت، اخلاق وعادات، نسل اور زبانیں۔ جذبات وحسیات متبائن ومتضاد ہوں تو وہ بہت بڑا خوش قسمت ملک ہوگا نیز اگر کسی ملک کے باشندے مختلف مذاہب تو رکھتے ہوں لیکن وہ حقیقۃً اپنے اپنے مذاہب کے پرستار نہ ہوں اور مذہب کی بنار پر ان میں جنگ وجدل نہ ہو بلکہ صرف سیاسی خیالات کی بنار پر اختلافات رکھتے ہوں اور مذہب کو سیاسیات میں دخل نہ دیتے ہوں تو وہاں بھی سیاسی ارتقار کے لئے جمہوری اصول کی بنیاد پر قوانین وضع کئے جا سکتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہندوستان کو یہ دونوں حیثیتیں حاصل نہیں ہیں نہ تو یہاں حجاز ونجد کی طرح ایک مذہب رکھنے والی قوم آباد ہے بلکہ اپنی مختلف العقائد اور متبائن ومتضاد مذاہب کی ماننے والی قومیں آباد ہیں جن کے مذہبی خیالات، رسم ورواج، تہذیب وتمدن میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور نہ یہاں کی بڑی اور اہم قومیں اپنے مذہبی عقائد کو کسی حالت میں بھی نظرانداز کرنے اور صرف سیاسی خیالات کے لحاظ سے بحث ونظر کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مسلمان تو اس لئے کہ ان کا مذہب اور سیاست دو الگ چیزیں نہیں ہیں اور ہندو اس لئے کہ وہ مذہبی عقائد اور مذہبی رسم ورواج کو اپنی قومیت کا بہترین محافظ خیال کرتے ہیں۔

اس موقع پر ہم ہندو مہاسبھا کے ایک ذمہ دار افسر کا قول نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں جس نے مذکورہ بالا نظریہ کی صراحت کر دی ہے۔ ڈاکٹر مونجے نے آل پارٹیز کانفرنس میں ہندو مہاسبھا کی پوزیشن ان الفاظ میں واضح کی تھی۔

"جہاں تک ہندوؤں کے ملی معاملات کا تعلق ہے ہندو مہاسبھا فرقہ وارانہ جماعت ہے اور جہاں ملکی معاملات کا تعلق ہے وہ کانگریس کی ہم خیال ہے۔"

(ہمدرد مورخہ ۲۳ رمئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵)

پس یہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کا اوّل اور اعلیٰ درجہ کے تمام باشندے ایک ہی مذہب کے پابند ہوں قدرۃً اور فطرۃً حاصل نہیں ہے۔

دوسرا درجہ کہ مختلف مذاہب کے پابند اپنے اپنے مذاہب کو پس پشت ڈال کر اور ملک کے ارتقا میں مذاہب سے بالکل قطع نظر کر کے شریک ہوں یہ درجہ بھی ہندوستان کو حاصل نہیں ہے اور ڈاکٹر مونجے کا مذکورہ بالا اعتراف اور ماضی قریب میں ہندوستان کے فرقہ وارانہ ہنگامے۔ قربانی گاؤ کے خلاف بلوے مساجد کے سامنے باجے بجانے پر لڑائیاں اس کی شاہد عادل ہیں۔

ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ فرقہ وارانہ مناقشات سخت مذموم اور وطن کی آزادی کے لئے سم قاتل ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان کے دستورِ اساسی بنانے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان حالات کو نظر انداز نہ کریں اور ایک امر واقعہ کو کالعدم فرض کر کے وہ اصول عائد نہ کریں جو ان واقعات کے نہ ہونے کی صورت میں عقلی یا جمہوری یا قومیت متحدہ کے نام سے عائد کئے جاسکتے تھے۔

قومیت متحدہ باہمی شفقت و محبت اطمینان و اعتماد صلح و رواداری کی فضا پیدا کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ دستور اور قانون کی گرفت سے نہیں ہوسکتی۔ دستور اور قانون کا منصب یہ ہے کہ وہ ہر اقلیت بلکہ ہر ہر فرد کے حقوق کی حفاظت کرے اور اس کے لئے دفعات بنائے تاکہ کوئی زبردست زیردست پر ظلم نہ کرسکے۔

ہندوستان کا دستور اس نظریہ کو سامنے رکھ کر بنانا ہے کہ نہ یہاں ایک مذہب کے باشندے آباد ہیں اور نہ مختلف مذاہب کے پابند مذہبی مناقشات جنگ و جدل کو چھوڑ چکے ہیں بلکہ ان میں مذہبی مناقشات کا بازار گرم ہے اور خدا جانے کب تک گرم رہے گا۔ لہٰذا دستور میں ایسی دفعات لازمی طور پر رکھی جانی چاہئیں کہ اکثریت اقلیت پر ظلم و زیادتی نہ کرسکے اور ہر جماعت اپنی اپنی جگہ اپنے حقوق کے حصول پر مطمئن ہو۔

ہندوستان کے دستور کا مسئلہ

ہندوستان کی موجودہ حالت میں اس کی حکومت اور حکومت کی نوعیت اور اس کی کامیابی کا مسئلہ صرف اقلیتوں کے اطمینان و اعتماد کا مسئلہ ہے اگر ہندوستان کی قلیل التعداد قومیں اپنے حقوق کی طرف سے مطمئن نہ ہوں گی، تو نہ آزادی حاصل ہوسکے گی اور نہ کامیاب حکومت قائم ہوسکے گی۔ ہندوؤں کا ایک مذہب ہے اور ان کی جداگانہ تہذیب و تمدن ہے۔ مسلمانوں کا ایک مذہب ہے اور ان کی تہذیب و تمدن جُدا ہے باوجود صدیوں کے میل جول اور قرب و ہمسائیگی کے آج بھی ہندوؤں کی اکثریت مسلمانوں سے اتنی دور ہے کہ اُن کے ہاتھ کا کھانا کھانے، پانی پینے کو تیار نہیں ہے ہندو مہاسبھا کے نمائندے سندھ کی علیحدگی کے

خلاف یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ کسی صوبہ کو فرقہ وارانہ بنیاد پر جُدا کرنا اصول قومیت کے منافی ہے لیکن انہوں نے کبھی ٹھنڈے دل سے اس پر بھی غور کیا ہے کہ ایک ملک، ایک احاطہ، ایک محلے بلکہ ایک گھر میں رہنے والے اور ایک دکان پر بحیثیت شریک بیٹھنے اور ایک کارخانہ میں مل کر کام کرنے کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ کا کھانا نہ کھانا اور پانی نہ پینا یہ کس قومیت متحدہ اور کس جمہوری اصول کے موافق ہے اور کیا یہ علیحدگی، اور اجنبیت اور یہ دوری اور نفرت سیاسی اتحاد اور ملکی ارتقا پر اثر انداز نہیں ہے۔ ضرور ہے اور اس کا انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔

ہندو مسلم مسئلہ۔

پس ہندوستان کے مسئلہ کا نچوڑ صرف ایک ہے اور وہ ہندو مسلم مسئلہ کے مختصر الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندو مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان میں اور کوئی قوم نہیں ہے یا جو ہے وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قوموں کو ہندوستان میں طبعی طور پر یہ درجہ حاصل ہے کہ اُن کا باہمی تصفیہ ہو جانے کے بعد دوسری اقلیتوں کا اعتماد حاصل کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ بعض اقلیتیں مسلمانوں کے ساتھ ہو جائیں گی اور اُن پر اعتماد کریں گی اور بعض ہندوؤں کے ساتھ ہو جائیں گی اور اُن پر اعتماد کریں گی اور اگر بالفرض کوئی اقلیت غیر مطمئن بھی رہی تو ہندو مسلمان اپنے باہمی سمجھوتہ کے بعد متفق ہو کر اس کو مطمئن کرنے میں زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ہندو قومیت کے حقوق۔

ہندوؤں کو ہندوستان میں تقریباً ۳/۴ کی اکثریت حاصل ہے اور اُن کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کے لئے ان کی کثرتِ تعداد اور مالی و تعلیمی قوت پوری ضمانت ہے اس لئے اُن کو تو کوئی اندیشہ کسی اقلیت سے ہو ہی نہیں سکتا۔

مسلم قومیت۔

مسلم قومیت ہندوستان میں تقریباً ۱/۴ کی اقلیت میں ہے اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کے مذہبی مآثر اور گذشتہ دورِ حکومت کی اسلامی یادگاریں اور مذہبی ادارے ایسے ہیں جن کو مسلمان اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو آئندہ ہندوستانی سیاست میں بڑا دخل ہے اس لئے وہ بجا طور پر متفکر ہیں کہ ان کے حقوق مذکورہ بالا کی حفاظت کا اگر پورا قابلِ وثوق انتظام نہ کر دیا گیا تو اُن کی ۱/۴ کی اقلیت قانونی حیثیت سے اپنے حقوق کی حفاظت میں ناکام رہے گی اس لئے وہ اس

وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک کہ دستور اساسی کی بنیادی دفعات میں ان چیزوں کی حفاظت کی ضمانت نہ کردی جائے تاکہ جیسے ہندو اپنی اکثریت کی وجہ سے اپنے حقوق کی حفاظت پر مطمئن ہیں مسلمان دستور کی بنیادی دفعات پر اطمینان کر سکیں۔

حل طلب مسائل۔

ہندوستان کے قوم پرور رہنماؤں اور زعمار قوم کے سامنے اصولی طور پر دو قسم کے مسائل تھے ایک تو وہ جن کا فرقہ وارانہ مذہبی خیالات وجذبات سے تعلق تھا مثلاً قربانی و ذبیحہ گاؤ اور مساجد کی تعمیر۔ مساجد کے سامنے باجا بجانا، شدھی و سنگٹھن تبلیغ وغیرہ۔ اذان اور آرتی، محترم مقامات کی توہین۔

ان مسائل کا حل کرنا زعمار قوم کے ذمے بہرحال ضروری ہے یعنی خواہ ہندوستان پر برطانوی حکومت ہو خواہ حکومت خود اختیاری۔ کیونکہ ان جھگڑوں کا اثر یہ ہے کہ فریقین کی جانیں ضائع ہوں مال کا نقصان ہو۔ تجارت اور صنعت وحرفت تباہ ہو اور آئندہ سیاسی ارتقار کی مساعی میں مشکلات پیدا ہوں پس ان اسباب کو دور کرنا بہرحال زعمار قوم کا فرض ہے جو ان مہلک نتائج کے ذمہ دار ہیں۔

دوسرے وہ مسائل جو اقوام کے سیاسی اور تمدنی حقوق سے متعلق ہیں ان میں اس قسم کے جھگڑے تو پیش نہیں آتے جیسے پہلی قسم کے مسائل میں پیش آتے ہیں مگر ان مسائل کے نتائج بھی اقوام کے قومی نشو و نما اور عروج و زوال میں اثر انداز ہوتے ہیں اور اقوام کی روح قومیت کے بقا یا فنا کے ذمہ دار یہی مسائل ہوتے ہیں

مسائل قسم اول۔

قسم اول کے مسائل کے حل کرنے کے لئے ملک کے رہنماؤں نے بیسیوں مجلسیں منعقد کیں اور باہمی بحث مباحثہ اور داد و ستد کے اصول پر مختلف اوقات میں مختلف تجاویز پاس کیں۔ دہلی میں یونیٹی کانفرنس کا انعقاد ہوا شملہ اور کلکتہ میں زعمار قوم جمع ہوئے اور بالآخر مدراس کانگریس نے ان مسائل کے تصفیہ کے لئے ایک طویل تجویز منظور کی جو بڑی حد تک کلکتہ کی تجویز کے موافق تھی۔

مگر ہم نے نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا کہ نہرو کمیٹی نے ان اہم اور مقدم مسائل کو نہرو رپورٹ میں بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کا تصفیہ بہرحال ضروری ہے اور جب تک یہ پہلا قدم درست نہ ہو جائے دوسرا قدم ہرگز نہیں اٹھ سکتا کیونکہ دوسرے قدم کے لئے ملک کی اقوام کا اتفاق و اتحاد ضروری ہے اور وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ قسم اول کے مسائل کا قابل اطمینان حل نہ ہو جائے اور ملک کی فضا اتنی درست نہ ہو جائے کہ سیاسی ارتقا کے لئے متفقہ جد و جہد کی امید پیدا ہو سکے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ نہرو رپورٹ میں فرقہ وارانہ مسائل کے حل کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور جس کو کافی سمجھا گیا ہے وہ اگر سہتیار بند صلح کا طریقہ نہیں ہے تو یقیناً "پنچوں کا کہنا سر آنکھوں پر مگر پرنالہ یہیں رہے گا" کے قبیل سے ہے۔ رپورٹ میں بڑی بلند آہنگی سے کہا گیا ہے کہ:-

" اگر مذہبی مکمل آزادی دے دی جائے اور اپنی تہذیب وتمدن کو فروغ دینے کا ہر فرقہ کو اختیار دے دیا جائے تو گو لوگ اس کو نہ سمجھ سکیں لیکن عملاً فرقہ بندی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔"

اس میں سوال صرف یہ ہے کہ آج انگریزی حکومت اور اس کا قانون بھی مکمل مذہبی آزادی دے دینے کا دعویدار ہے یا نہیں۔ ضرور ہے اور فی الحقیقت ان مسائل میں جو قربانی گاؤ، ذبیحہ گاؤ، مساجد کے سامنے باجا، شدھی وتبلیغ، سنگھٹن وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مکمل مذہبی آزادی دینے سے انگریزوں کو کوئی مانع بھی نہیں ہے لیکن کیا باوجود اس مکمل آزادی کے ہندوستان میں فرقہ بندی کا مسئلہ حل ہو گیا اور فریقین کے فرقہ وارانہ جھگڑے ختم ہو گئے۔

پھر اگر ان اُمور کی تصریح نہ کی گئی اور دفعات کے ذریعہ سے حدود نہ بتلا دی گئیں تو کیا آئندہ وہی قوم کامیاب نہ ہو گی جس کی قانون ساز جماعت میں اکثریت ہو گی اور آزادی کا مفہوم بھی وہی ہو گا جو اکثریت معین کرے گی تو اس لفظی مکمل آزادی سے فرقہ وارانہ مناقشات کا عملی حل کس طرح ہو جائیگا۔

نیز اقلیت کا اپنی تہذیب وتمدن کو فروغ دینا بہت سے سیاسی اور اقتصادی اسباب پر موقوف ہوتا ہے اور وہ تمام اسباب اور ان کی کنجیاں اکثریت کے ہاتھ میں ہوں گی اس لئے یہ الفاظ کہ ہر اقلیت اپنی تہذیب وتمدن کو فروغ دینے میں مختار ہے محض کاغذ کے پرزے پر ایک خوش کن جملے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

مسائل قسم ثانی۔

دوسرے قسم کے مسائل جن کا قومی سیاسی واقتصادی حقوق سے تعلق ہے اور جن کو لازمی طور پر دستورِ اساسی کا جزو ہونا چاہیئے ایسے تمام مسائل پر پہلے تفصیلی بحث ونظر کا موقعہ نہیں آیا۔ صرف بعض مسائل ایسے ہیں جن پر تبادلہ خیالات یا کسی قسم کا سمجھوتہ ہوا ہے، مثلاً انتخابات جداگانہ یا مخلوط نیابت بہ تناسب آبادی، نشستوں کا اقلیت واکثریت دونوں کے لئے تحفظ یا صرف اقلیت کے لئے صوبہ سندھ کی علیحدگی۔ صوبہ سرحدی وبلوچستان میں باقی صوبوں کے طرز کی حکومت کا قیام۔

مرکزی مجلس قانون ساز میں ⅓ مسلم نیابت کسی قانون ساز مجلس میں کوئی بل تجویز یا ترمیم یا اضافہ

جس کو کسی اقلیت کے ۳/۴ نمایندے اپنے مذہبی مفاد کے خلاف قرار دیدیں، غور کے لئے پیش نہ ہو سکے۔
ان مسائل پر وقتاً فوقتاً غور ہوتا ہے اور مسلمانوں کے محض آزادی وطن کی خاطر ہندوستان کی موجودہ کشمکش اور انتہائی فرقہ وارانہ منافرت کو نظر انداز کر کے بڑی حد تک ان اصول کو تسلیم کر لیا جنہیں ہندوؤں کے زعمار نے خود پیش کیا تھا اور جہاں تک ممکن تھا اپنا آخری نقطۂ نظر پیش کر دیا تھا لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ نہرو رپورٹ میں ان مسائل کے متعلق بھی مدراس کانگریس کے اس فیصلہ کو ٹھکرا دیا گیا ہے۔ جو مدراس کانگریس نے منظور کیا تھا جیسا کہ ہماری تفصیلی بحث سے جو آئندہ آتی ہے معلوم ہوگا۔

مگر ہمیں دکھانا یہ ہے کہ ان چند مسائل کے علاوہ جن پر تبادلہ خیال ہو چکا ہے دستور اساسی چونکہ مسودۂ قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ بھی ایسا قانون جس پر آئندہ قومی موت وحیات کا انحصار ہے اس لئے اس میں سینکڑوں ایسے مسائل بھی آئیں گے جن پر اب تک تبادلہ خیال نہیں ہوا تھا۔

اور ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم یہ کہیں کہ جن مسائل پر تبادلہ خیال ہو چکا ہے اور مسلم اقلیت نے اپنے آخری مطالبات پیش کر دیئے ہیں اور ان مطالبات کا مبنی برحق و انصاف ہونا کانگریس نے بھی تسلیم کر لیا ہے ان کے متعلق بھی نہرو کمیٹی نے فراخدلی کا نمونہ پیش نہیں کیا تو جن مسائل پر اب تک تبادلہ خیال ہی نہیں ہوا ان میں کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ کمیٹی نے مسلم مفاد کی خاطر خواہ حفاظت کر دی ہوگی۔

سفارشات پر بحث۔

سفارشات پر بحث کرنے سے پہلے ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ جمعیۃ علمار کا مطمح نظر اور نصب العین مکمل آزادی ہے اور اس کے نمائندے اس نصب العین کے خلاف کسی تجویز یا قاعدہ یا دفعہ کی تصدیق و تائید نہیں کر سکتے۔

دوسرے یہ کہ ہندوستان میں ایسی حکومت کا قیام جس کی باگ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو اور جس کے ماتحت تمام مذاہب اور اقوام کے حقوق محفوظ ہوں جمعیۃ کے نزدیک لازمی اور ضروری ہے کہ وہ ہر اس سعی کا نہ صرف خیر مقدم کرنے بلکہ اس میں شریک ہونے کو تیار ہے جو ایسی حکومت کے حصول کے لئے ضروری یا مفید ہو۔

ہم آزادی کے دستور اساسی کے مخالف نہیں ہیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ اس میں ایسی ضمانتیں شامل کر دی جائیں جن سے حفاظتِ حقوق کا یقین ہو جائے۔

جمعیۃ علمار مسلمانوں کے لئے کوئی ناواجب اور غیر منصفانہ رعائتیں نہیں مانگتی۔ وہ صرف یہی چاہتی

ہے کہ بروئے قانون، عقل و انصاف مسلمان جتنے حصہ کے حق دار ہیں وہ ان کو دیا جائے اور اس کی حفاظت کا اطمینان ہو جائے۔

طرز حکومت

۱۔ حکومت کا نظام ترکیبی لامرکزی مقرر کیا جائے جس میں صوبے حقیقتاً خود مختار ہوں۔

۲۔ مرکزی حکومت کو وہی اختیارات تفویض کئے جائیں جن کا تعلق تمام ملک کے ساتھ یکساں ہے۔

۳۔ مرکزی حکومت دوایوانی نہیں ہونی چاہیئے

۴۔ ریاست ہائے ہند کے تعلق کو مرکزی حکومت کے ساتھ ایسے اصول پر آزاد صوبجات ہند کے موافق منضبط کیا جائے کہ ان کی اندرونی خود مختاری کی حیثیت میں ناواجب دست اندازی نہ ہو۔

۵۔ صوبوں کے گورنروں اور وائسرائے کو ویٹو کا جو حق دیا گیا ہے اس میں مزید پابندی کی ضرورت ہے۔

بنیادی حقوق

دفعہ ۴ ضمن ۳۔ لفظ امن عامہ حذف کر کے عبارت یوں کردی جائے۔ بشرطیکہ وہ عمل منافی اخلاق نہ ہو۔

دفعہ ۴ ضمن ۱۹۔ بالکل حذف کردی جائے کیونکہ ضمن ۶ کافی ہے۔

دفعہ ۴ ضمن ۴۔ میں لفظ اور بلا اسلحہ کے بجائے بلا آتشیں اسلحہ کردیا جائے۔ اسے حذف کردیا جائے۔

ضمن ۹ کو یوں بدل دیا جائے۔ کوئی جسمانی سزا جس میں سخت اذیت ہو نہ دی جائے گی۔

مذہبی حقوق اور ان کی حفاظت

جمعیۃ علماء کے نزدیک ضروری ہے کہ مذہبی حقوق کی حفاظت کے لئے دستور اساسی میں حسب ذیل دفعات شامل ہوں۔

۱۔ مسلمانوں کے لئے قربانی گاؤ و ذبیحہ گاؤ کی آزادی اور ہندوؤں کے لئے مساجد کے سامنے باجا بجانے کا مسئلہ۔ اس مسئلہ کے متعلق مدراس کانگریس اور مسلم لیگ کلکتہ نے تجاویز پاس کی ہوئی ہیں اُن کی روشنی میں تجویز۔ یا دفعہ کے الفاظ بنانے میں جمعیۃ علماء آل پارٹیز کے ساتھ مل کر کام کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کا اضافہ اصولاً تسلیم کر لیا جائے۔

۲۔ مسلمانوں کی بہت سی مذہبی ضرورتیں بغیر مسلمان قاضی کے پوری نہیں ہوتیں اس لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے دارالقضاء کے قیام کو اصولاً تسلیم کر لیا جائے اور حکومت مشترکہ ہند اس کی کفیل ہو۔ اس قسم کی عملی صورتیں آج بھی موجود ہیں اور جمہوری حکومتیں اس پر عمل کر رہی ہیں۔ جزائر فلپائن میں امریکہ کی طرف سے اور روسی حکومت میں اور کئی غیر مسلم ہندوستانی ریاستوں میں آج بھی یہ طریقہ جاری ہے اور سیلون کے مسلمانوں نے بھی اس کا مطالبہ کیا ہے اور یو۔ پی کونسل میں بھی یہ تجویز پیش کی جا چکی ہے۔

۳۔ مسلمانوں کو آزادی ہو کہ وہ امارۃ شرعیہ کا ادارہ قائم کریں جیسے کہ آج بھی صوبہ بہار میں اس کا نمونہ قائم ہے۔

۴۔ مذہبی تعلیم کی زبان، مذہبی تعلیم کا نصاب، مذہبی ادارے، مذہبی تحریکیں۔ مساجد عید گاہیں، تکیے۔ امام باڑے، کربلائیں، اوقاف، خانقاہیں، مدارس، مقابر و قبرستان، آثار قدیمہ اسلامیہ، عماراتِ اسلامیہ محفوظ رکھی جائیں گی اور آئندہ بھی اُن کی تشکیل و تعمیر و قیام و استعمال کے لئے مسلمان آزاد ہوں گے۔

۵۔ حکومت کے مدارس میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ نصابِ تعلیم، طریقۂ تعلیم، اشیائے متعلقۂ تعلیم میں کوئی ایسی چیز نہ آنے پائے جو مسلمانوں کی تہذیب یا اُن کے مذہب پر بُرا اثر ڈالتی ہو یا ان کے جذبات کو مجروح کرتی ہو۔

۶۔ مسلمان اپنے مذہبی مدارس اور مذہبی اداروں میں ممالک اسلامیہ کے ماہرین سے خدمات لینے اور اس غرض کے لئے ان کو بلانے اور اُن کا تقرر کرنے میں آزاد ہوں گے۔ حکومت اس کے خلاف پابندی عائد نہ کرے گی۔

۷۔ مسلمانوں کو کسی ایسی چیز پر مجبور نہ کیا جائے گا جو ان کے مذہب کے خلاف ہو اور نماز کے اوقات میں بالخصوص جمعہ کے لئے ادائے نماز کی غرض سے ان کو چھٹی دی جائے گی۔

۸۔ مذہبی تبلیغ آزاد رہے گی۔

۹۔ مسلمانوں کے مذہبی معاملات مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، ولایت، حضانت۔ بلوغ، تفریق زوجین۔ خلع فسخ نکاح عنین، مفقود، سفرِ حج و زیارت۔ اوقاف کے لئے اسلامی احکام کے خلاف قانون نہ بنایا جائے گا۔ نہ کوئی غیر مسلم ایسے قانون بنانے والی کمیٹی میں شریک ہوگا اور نہ کوئی ایسا

قانون اسلامی مذہبی اداروں کی تصدیق کے بغیر قابلِ قبول ہوگا۔

۱۰۔ ان تمام امور مذکورہ دفعاتِ بالا کا اہتمام و انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے گا۔

اقتصادی اور سیاسی حقوق اور انکی حفاظت

چونکہ مسلم قوم قلت تعداد کے ساتھ تموّل اور تعلیم میں بھی بہت پیچھے ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اقتصادی اور سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے حسب ذیل دفعات کی دستور اساسی میں تصریح کر دیجائے۔

۱۔ حق رائے دہندگی کا ایسا طریقہ قائم کیا جائے کہ ہر قوم کو اس کی تعداد کے موافق رائے دہندوں کی تعداد حاصل ہو جائے۔ ہم ہندوستان کی موجودہ حالت میں حق رائے دہندگی کی توسیع تمام بالغوں کے لئے ناقابلِ عمل پاتے ہیں اس لئے ہماری قطعی رائے ہے کہ اس حق کو صرف بالغ مردوں تک محدود رکھا جائے۔

۲۔ پنجاب و بنگال کی اکثریت کی پوری طرح حفاظت کر دی جائے کیونکہ وہ بہت تھوڑی تعداد کی اکثریت ہے۔

۳۔ صوبہ سرحدی و بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ اور دوسرے صوبوں کے طرزِ حکومت کے موافق ان دونوں کے قیامِ حکومت کے لئے فوراً متفقہ سعی شروع کر دی جائے اور اس سعی کو کسی دوسری چیز پر معلق و مشروط نہ رکھا جائے۔ کیونکہ بہرحال باشندگان صوبہ سرحد و بلوچستان کا واجبی حق ہے۔

۴۔ صوبہ سندھ کی علیحدگی بلا شرط تسلیم کر لی جائے کیونکہ یہ کانگریس کے دستور اساسی میں مدت سے تسلیم کی جا چکی ہے اور زبان کے لحاظ سے وہ بہرحال مستحق ہے اور وہاں کی اکثریت اس کا پُر زور مطالبہ کر رہی ہے۔

۵۔ مرکزی مجلسِ قانون ساز اور قوت عاملہ میں مسلمانوں کو ایک ثلث نشستیں دی جائیں اس مطالبہ کے خلاف کہا جاتا ہے کہ یہ نیابت باعتبارِ تناسبِ آبادی کے اصول کے خلاف ہے نیز ایک ثلث نشستیں مل جانے پر بھی مسلم اقلیت اقلیت ہی رہے گی اس لئے اس مطالبہ پر اصرار بیکار ہے۔ مگر پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مسلمان قوم کو اس وقت یہ حق حاصل ہے اور وہ اسے قائم رکھنا چاہتے ہیں اور غیر مسلموں پر اس کا کوئی ناگوار اثر نہیں پڑتا نہ اُن کو اپنے حقوق کے خطرہ میں پڑنے کا اس سے کوئی اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو تسلیم کر لینا حب وطنی کے لئے ضروری ہے اور جبکہ نہرو کمیٹی نے مسلم

اقلیتوں کے لئے ان کی آبادی کے لحاظ سے نشستیں محفوظ کر دینے کے ساتھ بھی یہ موقعہ رکھا ہے کہ وہ مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کریں اور تناسب آبادی سے زیادہ نشستیں حاصل کر لیں تو مزید نشستوں کو مقابلہ کر کے حاصل کر لینے کا جواز تسلیم کر لینے کی صورت میں پہلے سے باہمی سمجھوتے سے اس کے حصول کی کوشش کوئی غیر معقول نہیں ہے اور اگر ہندو مقابلہ میں ہار کر مسلمانوں کے لئے مزید نشستیں دے دینے کے لئے تیار ہیں تو اُن کو خوشی سے اتنی نشستیں دے دینا جس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا زیادہ قرین عقل ہے۔

دوسرے خیال کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ½ بن کر بھی مسلمان اقلیت ہی میں رہیں گے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ بجائے ۲۵ کے ۳۳ ممبر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اکثریت سے زیادہ اپیل کر سکیں گے اور اس صورت میں ان کی کسی قدر زیادہ ڈھارس بندھی رہے گی۔

(۶) یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی قانون ساز مجلس میں کوئی مسودۂ قانون۔ تجویز یا ترمیم یا اضافہ پیش نہ ہو سکے گا اگر مسلم یا غیر مسلم جماعتوں کے ¾ ارکان اس کو اپنی ملّت کے مفاد کے خلاف قرار دیں۔

(۷) صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو باہمی سمجھوتے سے اگر اکثریت کوئی رعائت دے تو اسی نسبت سے غیر مسلم اقلیتیں بھی اپنے صوبوں میں رعائت کی متحق ہوں گی اور اس باہمی مفاہمت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیئے۔ بشرطیکہ کوئی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے۔

(۸) اقلیتوں کی نشستوں کو محفوظ کر دینے کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ اس کو دس سال کے ساتھ مقید نہ کیا جائے بلکہ اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک اقلیتیں اس کو ضروری سمجھیں۔

(۹) ملازمتوں کے لئے ایک کم از کم معیار قابلیت معین کر دیا جائے کہ خوش اسلوبی سے کام ہو سکے اور پھر اس معیار کے ماتحت ہر قوم کو اس کی تعداد کے موافق اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کی ملازمتوں میں حصہ دیا جائے۔

(۱۰) ہر ملّت کو اس کی تعلیم و تہذیب کو فروغ دینے کے لئے سرکاری امداد میں اس کی آبادی کے تناسب سے حصہ دیا جائے اور اس کی ملّت کی تعلیم کا انتظام اسی ملّت کے افراد کے سپرد کر دیا جائے۔

(۱۱) حلقہ ہائے انتخاب ایسے طریقے سے قائم کئے جائیں کہ اکثریت کی حیثیت پر کوئی ناگوار اور مضر

اثر نہ پڑے۔

(۱۲) دولت متحدہ کی سرکاری زبان ہندوستانی ہوگی جس کا رسم الخط اُردو اور ہندی ہوگا۔

(۱۳) نیابت متناسبہ کے مذکورہ بالا اصول تمام انتخابی مجالس میں جاری ہوں گے۔

(۱۴) جب تک یہ تمام ضمانتیں دستور اساسی میں داخل نہ ہو جائیں گی اس وقت تک مسلمان انتخاب جداگانہ سے دست بردار نہ ہوں گے اور دستورِ اساسی کو قبول نہ کریں گے۔

ننگ اکابر

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

حسین احمد غفرلہٗ

فقیر حسرت موہانی

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہٗ

احمد سعید عفی عنہ

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلما کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶، ۴۳، ۱۴۷-۱۶۵۔

(۵)

جمعیۃ العلماء کا فارمولا

۱۹۳۱ء

منظور کردہ اجلاس مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند بمقام سہارنپور بتاریخ ۱۰ر اگست ۱۹۳۱ء

(حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے اس فارمولا کو انگریزی اور اُردو میں طبع کرا کر مختلف ملتوں کے نمایندگان کے پاس غور و خوض کے لئے بھیجا تھا۔)

چونکہ ہندوستان کی مختلف ملتوں نے اس نازک ترین موقعہ پر اس وقت کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کیا تھا جس کو کانگریس ہندوستان کے متحدہ فیصلہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں پیش کر سکتی۔ اس لئے کانگریس کی مجلسِ عاملہ نے وقت کی انتہائی نزاکت کے لحاظ سے مختلف ملتوں کے غور و فکر کے لئے ایک فارمولا پیش کیا ہے اور اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ آخری فیصلہ نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر کوئی سکیم مختلف ملتوں کے اطمینان کے ساتھ کانگریس کے سامنے آئے تو اُسے کانگریس بخوشی منظور کرے گی۔

اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت خود اختیاری کے دستور اساسی کی بنیاد آزادی اور ایسے اصول پر ہونی چاہیے جس سے تمام ملتوں کے جائز حقوق اور مفاد محفوظ ہو جائیں اور اقلیتوں کو اکثریتوں کی جانب سے کسی قسم کا خوف و خطرہ نہ رہے اور ہندوستان کے لئے

ترقی اور خوش حالی اور امن و اطمینان کا راستہ کھل جائے نیز اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ موجودہ حالت میں قومیت کے اعلیٰ تخیل پر دستور کی بنیاد رکھنی ناممکن ہے جیسا کہ کانگریس نے بھی اُسے تسلیم کیا ہے تاہم قومیتِ متحدہ کے لئے جہاں تک ممکن ہو راستہ صاف کیا جائے۔

مجلس عاملہ نے کانگریس کے فارمولا پر غور کیا۔ مجلس کی رائے میں کانگریس فارمولا کی دفعہ ۱ کا ضمن (ج) اور دفعہ ۲ کے ماتحت نوٹ کی عبارت کا ابہام اور دفعہ ۳ کا ضمن (ب) اور دفعہ ۴ کی محتمل المعنیین عبارت اور دفعہ ۷ لفظ بشرطیکہ سے آخر تک اور دفعہ ۸ میں اوّل سے آخر تک موجودہ صورت میں ناقابلِ قبول ہے۔

اس جلسہ کی رائے میں مسلمانوں کے اطمینان اور تمام ملتوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے حسب ذیل فارمولے کی منظوری ضروری ہے۔

یہ فارمولا دستور اساسی میں بنیادی دفعات کے طور پر درج کیا جائے گا اور دستور اساسی کا لازمی جزو ہوگا۔

فارمولا

۱- ہندوستان کے مختلف ملتوں کے کلچر، زبان، رسم الخط، پیشہ، مذہبی تعلیم، مذہبی تبلیغ، مذہبی ادارے، مذہبی عقائد، مذہبی اعمال، عبادت گاہیں، اوقاف آزاد ہوں گے۔ حکومت ان میں مداخلت نہ کرے گی۔

۲- دستورِ اساسی میں اسلامی پرسنل لاز کی حفاظت کے لئے خاص دفعہ رکھی جائے گی جس میں تصریح ہوگی کہ اس میں مقننہ اور حکومت کی جانب سے مداخلت نہ کی جائے گی اور پرسنل لاز کی مثال کے طور پر یہ چیزیں فٹ نوٹ میں درج کی جائیں گی (مثلاً احکام نکاح، طلاق، رجعت، عدت، خیار بلوغ، تفریق زوجین، خلع، عنین و مفقود، نفقہ زوجیت، حضانت، ولایت نکاح و مال، وصیت، وقف، وراثت، تکفین و تدفین، قربانی وغیرہ۔

۳- مسلمانوں کے ایسے مقدمات فیصل کرنے کے لئے جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے مسلم قاضیوں کا تقرر کیا جائے گا اور ان کو اختیارات تفویض کئے جائیں گے۔

۴- صوبوں اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کی حفاظت کے متعلق شکایات سننے اور فیصلہ کرنے کے لئے سپریم کورٹ قائم کیا جائے گا جو مختلف ملتوں کے ارکان پر مشتمل ہوگا اس کے فیصلوں کی تنفیذ فیڈرل حکومت کرے گی۔

۵۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان اور ان صوبوں میں جو نئے قائم کئے جائیں طرزِ حکومت وہی ہوگا جو دیگر صوبوں میں قرار دیا جائے گا۔

۶۔ سندھ کو علیحدہ مستقل صوبہ بنا دیا جائے گا اور اس کا نظم اس طرح قائم کیا جائیگا کہ اس کی آمدنی اسکے مصارف کو کافی ہو جائے۔

۷۔ حق رائے دہی تمام بالغوں کو دیا جائیگا اور کسی صورت میں کوئی ایسا طریقہ قبول نہ کیا جائیگا جس سے کوئی ملت اپنی تناسب آبادی کے مطابق رائے دہندگی کے حق سے محروم رہ جائے۔

۸۔ طریقۂ انتخاب مخلوط ہوگا۔

۹۔ پنجاب اور بنگال میں کسی ملت کے لئے ریزرویشن نہیں کیا جائیگا اور اگر کوئی اقلیت ریزرویشن کے لئے اصرار کرے تو تمام ملتوں کی نشستیں تناسب آبادی کے اعتبار سے ریزرو کر دیجائیں گی۔ باقی صوبوں کی انتخابی مجالس اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کی نشستیں تناسب آبادی کے مطابق ریزرو کر دی جائیں گی اور مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا۔

۱۰۔ طرزِ حکومت وفاقی ہوگا۔ تمام صوبے کامل خود مختار ہوں گے۔ فیڈرل اسمبلی کو صرف وہی اختیارات دئے جائیں گے جن کا تعلق تمام ہندوستان کے ساتھ یکساں ہوگا۔ غیر مفوضہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے۔ الّا یہ کہ تمام صوبے بالاتفاق تسلیم کریں کہ غیر مفوضہ اختیارات فیڈرل اسمبلی کو دیئے جائیں۔

۱۱۔ ملازمتوں پر تقرر ایک غیر جانبدار پبلک سروسز کمیشن کی طرف سے کیا جائے گا جو لیاقت کا کم از کم معیار مقرر کر کے اس امر کا لحاظ رکھے گا کہ اس معیار کے ماتحت ہر ملت اپنی تناسب آبادی کے موافق حصہ پانے سے محروم نہ رہے۔ نیز ماتحت ملازمتوں میں بھی کسی خاص فرقہ کی اجارہ داری نہ ہوگی۔ تمام فرقوں کو ان کا واجبی حصہ ملے گا۔

۱۲۔ وفاقی اور صوبجاتی حکومتوں کی وزارتوں میں اقلیتوں کی نمایندگی باہمی تفاہم کے ذریعہ قائم کر دی جائے گی۔

۱۳۔ دستور اساسی کی بنیادی دفعات میں کوئی تغیر، ترمیم، اضافہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک تمام وفاقی اجزاء اُسے منظور نہ کریں۔

۱۴۔ یہ تمام دفعات ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک دفعہ بھی منظور نہ ہوئی تو تمام فارمولا کالعدم ہو جائے گا۔

احمد سعید
ناظم جمعیۃ علماء ہند۔ دہلی

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ دوئم، دہلی، ۱۹۴۶، ۴۳۲، ۱۷۸-۱۸۱۔

(و)

جمعیۃ علماءِ ہند کا دوسرا فارمولا
۱۹۴۵ء

جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس بصدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی مدظلہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند ۳۱ جنوری، یکم۔ ۲ فروری ۱۹۴۵ء کو دفتر جمعیۃ علماء ہند میں منعقد ہوا۔ مجلسِ عاملہ نے تین دن کی بحث وتمحیص کے بعد ہندوستان کے موجودہ جمود و تعطل کو دور کرنے اور مسلمانانِ ہند کے آئینی درجہ کو واضح کرنے کے لئے حسبِ ذیل فیصلہ کیا ہے:

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس جمود و تعطل کی حالت کو قوم وملک کے لئے نہایت مضر اور ملکی حیات وترقی کے لئے مہلک سمجھتا ہے۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ ملک کی تمام معتد بہ جماعتیں اور عام پبلک حصول آزادی کے لئے بے چین ومضطرب ہے اور ہر جماعت اپنی اپنی جگہ اور تمام افراد مختلف خیالات وفارمولے تجویز کر رہے اور شائع کر رہے ہیں۔ مجلسِ عاملہ اپنی رائے اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۴۲ء کی تجویز میں ظاہر کر چکی ہے۔ آج پھر اس کی تجدید کرتی ہے اور اس کے آخری حصہ کی کامل اجمال کی غرض سے قدرے توضیح کر دینی مناسب سمجھتی ہے۔ یہ بات بدیہی اور مسلمات میں سے ہے کہ ہندوستان

آزادی کی نعمت سے اس وقت تک متمتع نہیں ہو سکتا جب تک ہندوستان کی طرف سے متفقہ مطالبہ اور متحدہ محاذ قائم نہ کیا جائے اور ہندوستانی کسی متفقہ مطالبہ کی تشکیل اور متحدہ محاذ قائم کرنے میں جتنی دیر لگائیں گے اسی قدر غلامی کی مدت طویل ہوتی جائے گی۔ جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک تمام ہندوستانیوں کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً یہ صورت مفید ہے کہ وہ حسب ذیل نکات پر اتفاق کریں اور اسی بنیاد پر حکومت برطانیہ کے سامنے متفقہ مطالبہ پیش کردیں۔

(الف) ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج) ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کے حامی ہیں۔ غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

(د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی ، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

تشریح :۔ اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور ان کا مقصد واضح ہے کہ جمعیۃ علماء ہند مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور مرکز پسند کرتی ہے کیونکہ اس کے خیال میں مجموعۂ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہ مفید ہے مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لئے حق خود ارادیت تسلیم کرلیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی ، سیاسی ، تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کر سکے مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا اُن کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے ممکن ہے۔

۱۔ مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو۔ ہندو ۴۵ ، مسلم ۴۵ ، دیگر اقلیتیں ۱۰۔

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثرانداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی۔

(۳) ایک ایسی سپریم کورٹ قائم کی جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو، اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔ یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے گی نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف نہ ہونے میں مرکزی اکثریت مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت کے فیصلہ سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

(۴) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

(نوٹ) تشریح کے ماسوا باقی فارمولا اجلاس لاہور ۱۹۴۲ء میں منظور ہو گیا تھا مجلس عاملہ منعقدہ ۳۱؍ جنوری یکم و ۲؍ فروری نے اس میں تشریح کا اضافہ کیا۔ پھر جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام منعقدہ ۴، ۵، ۶؍ ۷؍ مئی ۱۹۴۵ء میں یہ فارمولا دوبارہ پیش کیا گیا تاکہ اجلاس لاہور کے فارمولے کی تشریح جو مجلس عاملہ نے ۳۱؍ جنوری اور یکم فروری ۱۹۴۵ء کے اجلاس میں کی تھی اس کے متعلق اجلاسِ عام کی رائے حاصل کی جائے چنانچہ بہت کافی بحث و تمحیص کے بعد (جس میں تقریباً ڈیڑھ دن صرف ہو گیا جس کے باعث اجلاس کو مزید ایک دن کی وسعت دینی پڑی۔) یہ فارمولا منظور ہو گیا۔

محمد میاں عفی عنہ ناظم جمعیۃ علماء ہند

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ اول، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۷۸-۸۰۔